ماہنامہ

پاکیزہ

جولائی 2015

عید مبارک

انجم انصار، نگہت سیما

اور دُرِ ثمن بلال کے ناولوں کی دلفریب اقساط

ناہید فاطمہ حسنین کی شاعرانہ گفتگو ..... وہ آئے بزم میں

ماہنامہ
پاکیزہ
کراچی

نگرانِ اعلیٰ: معراج رسول

مدیرۂ اعلیٰ: عذرا رسول

مدیرہ: انجم انصار

شعبہ اشتہارات

منیجر اشتہارات محمد شہزاد خان 0333-2256789

نمائندہ کراچی محمد رمضان خان 0333-2168391

رانا اے حمید 0323-2895528

نمائندہ لاہور سید افراز علی نازش 0332-4214400

ماڈل: حمیرا مغل

میک اپ: روز بیوٹی پارلر

DOWNLOADED FROM
PAKSOCIETY.COM

عید مبارک

اداریہ

سلسلے وار ناول

منی ناول

ناولٹ

مکمل ناول

افسانے

خصوصی مضامین

پبلشر و پروپرائٹر: ذیشان رسول • مقام اشاعت: گراؤنڈ فلور C-63 فیز II ایکس ٹینشن ڈیفنس، مین کورنگی روڈ کراچی 75500
پرنٹر: جمیل حسن • مطبوعہ: ابن حسن پرنٹنگ پریس ہاکی اسٹیڈیم کراچی



مستقل عنوانات

Office: 63-C, Phase-II (Ext), D.H.A. Commercial Area, main Korangi Road Karachi.
Postal Address: Box No. 662, G.P.O. , Karachi-74200
Phone: (021)35895313, Fax: 35802551, E-mail address: jdpgroup@hotmail.com



قارئینِ پاکیزہ کو عیدِ سعید مبارک ہو!

بے شک عید الفطر تہذیب و شائستگی کا یوم مسرت، اسلام کی عظمت و رفعت کی علامت، مسلم امہ کے اتحاد و یگانت کا مظہر اور اسلام کی مثالی اقدار اور عظیم روایات کی علامت ہے۔

اسلام نے عید کے تہوار کو ایک انعام کی صورت میں امیر و غریب، آقا و غلام سب کے لیے یکساں خوشی کا دن بنایا ہے اور پوری امت مسلمہ پر یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ عید کی خوشیاں کیسے منانی چاہئیں۔

اسلام کا فلسفۂ عید اس بات کی دلالت کرتا ہے کہ اسلام کسی خاص رنگ، نسل اور جگہ سے تعلق رکھنے والی ایک قوم کا دین نہیں ہے بلکہ یہ ایک بین الاقوامی اور عالمگیر دین ہے۔

یہ مقدس تہوار اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ مسلمان مذہبی طور پر ایک ہیں اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہیں۔

خوشی کا یہ دن ہمیں تفریحی مشاغل سے نہیں روکتا بلکہ فضول خرچی، غیر ضروری اخراجات و اسراف سے احتراز کرنے کی ہدایت ضرور دیتا ہے۔ اور یہ بات بار، بار کہی گئی ہے کہ اپنے آس پاس، غریب، غربا، مساکین اور بالخصوص بیواؤں اور یتیموں کا خاص خیال رکھا جائے تاکہ وہ بھی عید کی خوشیوں سے لطف اندوز ہو سکیں...... اور یہ کام حسبِ استطاعت ہم سب کو لازمی کرنا ہے۔

یہ بھی حقیقت ہے کہ جب ہم کسی کی خوشیوں میں اضافہ کر کے اپنی خوشی مناتے ہیں تو اس کی خوشی کا مزہ ہی علیحدہ ہوا کرتا ہے

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کی تمام عبادتوں کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبولیت عطا فرمائے...... اور ہمیں پوری دنیا میں باعزت، باوقار اور قابلِ احترام قوم کے طور پر جانا جائے...... یا اللہ دونوں جہان میں ہم سب کے لیے خیر ہی خیر ہو آمین۔

مدیرہ

انجم انصار

دین کی باتیں

اور جب تمہارے پاس وہ لوگ آئیں جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں تو ان سے کہو کہ سلام علیکم تمہارے پروردگار نے اپنے اوپر رحمت لازم کرلی ہے بے شک جو کوئی تم میں سے نادانی سے کچھ برائی (کا کام) کرے گا پھر اس کے بعد توبہ کرے گا اور نیک کام کرنے لگے گا تو (اللہ اس کا گناہ بخش دے گا کیونکہ) وہ بے شک بخشنے والا مہربان ہے (۵۴) اور ہم اسی طرح (اپنی) آیتیں مفصل بیان کرتے ہیں اور اس لیے کہ گنہگاروں کی راہ (لوگوں پر) ظاہر ہوجائے (۵۵) کہہ دو کہ بے شک مجھے منع کیا گیا ہے کہ میں ان لوگوں کی پرستش کروں جنہیں تم اللہ کے سوا بلاتے ہو کہہ دو کہ میں تم لوگوں کی خواہشوں کی پیروی نہ کروں گا بے شک اس وقت میں گمراہ ہوجاؤں گا اور میں ہدایت پانے والوں میں سے نہ رہوں گا۔ (۵۶) کہہ دو کہ بے شک میں اپنے پروردگار کی طرف سے ایک دلیل پر ہوں اور تم نے اس کی تکذیب کی جس چیز کی تم جلدی کرتے ہو وہ میرے پاس نہیں ہے سوا اللہ کے کسی کا حکم نہیں ہے وہ سچی بات بیان کرتا ہے اور وہ تمام فیصلہ کرنے والوں سے بہتر ہے۔ (۵۷) کہہ دو کہ اگر میرے پاس وہ چیز ہوتی جس کی تم جلدی کرتے ہو تو میرے اور تمہارے درمیان میں کام کا انجام ہوگیا ہوتا اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے (۵۸) اور اسی کے پاس (علم) غیب کی کنجیاں ہیں انہیں سوا اس کے کوئی نہیں جانتا اور وہ جانتا ہے جو کچھ جنگل (میں ہے) اور (جو کچھ) دریا میں ہے اور کوئی پتا (اپنے درخت سے) نہیں گرتا (مگر یہ کہ) وہ اسے جانتا ہے اور نہ زمین کی تاریکیوں میں کوئی دانہ ہے اور نہ کوئی تری اور خشکی مگر یہ کہ وہ روشن کتاب (یعنی لوح محفوظ) میں (مرقوم) ہے (۵۹)



(سورۃ الانعام آیت نمبر ۵۴ تا ۵۹)



سَیِّدُنَا قَاسِم ﷺ

صفاتی اسم مبارک

۴: الاعداد

اسم مبارک، قاسم: حروف: ۴

ق+ا+س+م = ۱+۱+۶+۴+ = ۱۲ = ۱+۲ = ۳

خصوصیت عدد ۳:

یہ عدد مشتری کے زیر اثر ہے جو اچھائی کا نشان ہے اور دولت وفیاضی کا پتا دیتا ہے اس عدد کا حامل شخص بہت زیادہ سخی طبیعت کا ہوتا ہے ایسے لوگ مستحق کو اور خصوصاً اداروں کو بہت مال ودولت خیرات کے طور پر دیتے ہیں اور ایسے لوگ اپنی سعادت کو چھپانے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں یہ لوگ بہت ذہانت سے زندگی گزارتے ہیں لیکن کنجوسی نہیں کرتے اور نہ ہی کنجوس لوگوں کو پسند کرتے ہیں۔

اسم مبارک 'قاسم' عدد ۳ کی خصوصیات کا مظہر:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس دنیا میں خیر تقسیم کرنے کے لیے مبعوث ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دنیا والوں میں ہر طرح کا خیر تقسیم کیا جس میں مال ودولت سمیت تمام اچھائیاں شامل تھیں جنہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دونوں ہاتھوں سے لوگوں میں تقسیم کیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مبارک میں بخل کا شائبہ تک نہیں رکھا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صدقات وخیرات کو ایسا سرچشمہ قرار دیا جن سے معاشرے میں ہمدردی، خیر سگالی اور محبت کے جذبات پروان چڑھتے ہیں جو پرامن معاشرے کی لیے بہت ضروری ہیں۔ اسی لیے ایک صحابی نے فرمایا: "خدا کی قسم! محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اتنا عطا کرتے ہیں کہ طلب باقی نہیں رہتی۔" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس اسم مبارک میں عدد ۳ کی یہ مخصوص خوبیاں بدرجہ اتم موجود تھیں۔

قیصرہ حیات کی کتاب انوار اسماء النبی ﷺ سے اقتباس

یادوں کی مالا

ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی



پُرعقیدت روحانی سفر کی حیرت انگیز رُوداد

یہ داستان جو میں رقم کر رہی ہوں یہ کوئی عام داستان نہیں ہے نہ ہی عام لوگوں کے لیے کشش کا باعث ہوگی۔ یہ داستانِ عشق ہے۔ اس عشق کی داستان جو اللہ کی کتاب سے کیا گیا۔

نواں اور آخری باب

میری آپ بیتی آپ لوگوں نے پڑھی، اسے پسند کیا۔ اس سلسلے میں بے شمار خطوط، ٹیلی فون کالز موصول ہوئیں۔ اپنی بیماری کے باعث میں زیادہ لوگوں سے بات نہ کر سکی یا جن خواتین سے بات ہوئی وہ بھی مختصر...... مجھے امید ہے کہ میری بہنیں اور بچیاں میری مجبوری کو سمجھ لیں گی اور دل میں کوئی غلط خیال نہیں لائیں گی۔ جن لوگوں نے اپنے نام محترمہ انجم انصار صاحبہ کے پاس نوٹ کروائے تھے وہ لسٹ مجھے مل گئی۔ میں نے ان سب خواتین کے لیے بطورِ خاص ایک کلام پاک ختم کیا اور اللہ تعالیٰ سے سب کے لیے نام بہ نام دعا کی ہے۔ اگرچہ میں خود کو اس قابل نہیں سمجھتی۔ میں بہت گناہ گار اور دنیا دار عورت ہوں لیکن اگر اللہ تعالیٰ مجھ گناہ گار کی دعا قبول کر لے تو اس کی رحمت بہت بڑی ہے۔ وہ سب کی سنتا ہے اور سب کی حاجت پوری کرتا ہے۔ اسی کے اختیار میں سب کچھ ہے، ہم انسان بے بس اور لاچار ہیں، دعا میں یقین کا شامل ہونا ضروری ہے۔ آپ سب لوگ یقینِ کامل کے ساتھ دعا کیا کریں۔ اللہ تعالیٰ ضرور سنے گا۔ آپ دعا ضرور کریں مگر اللہ کی رضا میں راضی بھی ہوں اگر کسی انسان کو یہ معلوم کرنا ہو کہ اللہ اس سے راضی ہے یا نہیں تو وہ خود اپنے آپ کو دیکھے اور خود سے سوال کرے کہ کیا وہ اللہ سے راضی ہے؟ اگر انسان اللہ کی رضا میں راضی ہے تو وہ بھی اس سے راضی ہوگا۔

اللہ کی رضا میں راضی ہونا یہ نہیں ہے کہ جو کچھ اللہ

تعالیٰ نے آپ کو عطا کیا اس پر خوش ہونا اور شکر بجالانا بلکہ راضی بہ رضا ہونا یہ ہے کہ آپ کو جو نعمت اللہ نے نہیں دی یا پھر دے کر چھین لی تو اس پر راضی ہونا اور شکر بجالانا کہ اللہ نے اس سے زیادہ آزمائش نہیں ڈالی۔ یہی وہ اعلیٰ مقام ہے جب اللہ تعالیٰ کہتا ہے۔

''رضی اللہ عنھم و رضو عنہ ط''

''خدا ان سے خوش ہے اور وہ خدا سے خوش ہیں۔'' (۱۱۹۔۵)

☆☆☆

قلم اور قرآن شریف کے حوالے سے پاکیزہ ڈائجسٹ میں جو کہانی چل رہی تھی وہ بظاہر ختم ہوگئی ہے لیکن میں سمجھتی ہوں کہ کہانی ختم نہیں ہوئی بلکہ اب شروع ہوئی ہے کیونکہ اس کہانی میں بہت سے کردار شامل ہوگئے ہیں۔ میرے تو گمان میں بھی نہیں تھا کہ اس سلسلے کو پڑھ کر خواتین قرآن پاک لکھنا شروع کردیں گی۔

جن خواتین نے قرآن پاک لکھنا شروع کیا ان کے نام میں درج کررہی ہوں۔

مسرت (امریکا)

مسز نجمہ قمر نعمان (ایبٹ آباد)

قمر شمس الحق (جھنگ)

شگفتہ کنول (ڈی جی خان) جو اب مرحومہ ہوچکی ہیں۔

فریدہ خانم (لاہور)

یقیناً اور بھی کئی نام ہیں جو میں لکھنا بھول رہی ہوں۔

آپ لوگوں سے میری گزارش ہے کہ یہ کام بہت سوچ سمجھ کر کرنے کا ہے اور انتہائی ذمّے داری کا بھی..... کہیں کوئی غلطی نہ ہوجائے۔ آپ لوگ جب اسے مکمل کرلیں تو کسی حافظِ قرآن سے پروف ریڈنگ ضرور کروائیں۔ حافظ صاحب اس پر لکھ کر تصدیق کریں کہ اس نسخے میں کوئی غلطی نہیں ہے۔ دیکھیے یہ بے حد ضروری ہے۔ اس بات پر ضرور عمل کیجیے گا۔

☆☆☆

یہ آپ بیتی پڑھ کر آپ سب نے مجھ سے عقیدت اور محبت کا اظہار کیا ہے۔ دراصل یہ اللہ، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قرآن پاک کی محبت ہے جس نے آپ کے دلوں کو روشن کیا ہوا ہے۔ انسان کے دل میں جذبہ پیدا کرنے والا بھی اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اسی نے آپ کے دلوں میں ایمان کی روشنی بھردی۔ اب آپ پر یہ ذمّے داری بھی آن پڑی ہے کہ اس روشنی کو مزید پھیلائیں۔ قرآن حکیم کا ترجمہ کم از کم ایک بار ضرور پڑھیں۔ دیکھیں تو سہی کہ آخر اس کتاب میں لکھا کیا ہے؟

جو خواتین قرآن پاک لکھ رہی ہیں ان سے مجھے یہ بھی کہنا ہے کہ وہ کم از کم ایک خاتون کو اپنی شاگرد ضرور بنائیں یعنی کہ کسی ایک کو لکھنے پر مائل کریں..... اسی طرح چراغ سے چراغ جلتا ہے۔ یہ روشنی کا سفر ہے اس پر قدم بڑھائیں۔ منزل آپ کے قدم چومے گی۔ یہ وہ راستہ ہے جس پر چلنے سے یا بھاگنے سے انسان بھٹکتا نہیں، آزمائش شرط ہے۔

اس آپ بیتی کو پڑھنے اور پسند کرنے کے سلسلے میں سب سے پہلا نام انجم انصار کا ہے کیونکہ میں نے یہ مسودہ انہیں غالباً نومبر 2008ء میں دیا تھا۔ انہوں نے ایک ہی نشست میں پوری کہانی پڑھ ڈالی تھی۔ اسے جنوری 2009ء سے شائع کرنے کے سلسلے میں، میں عذرا رسول صاحبہ کی مشکور و ممنون ہوں کہ انہوں نے صفحات نکالے اور اسے شائع کیا۔ یہ داستان میں نے اپریل 2008ء میں لکھی تھی۔ (قارئین کرام! یہ کچھ اضافے کے ساتھ دوبارہ شائع کی گئی ہے جسے آپ گزشتہ آٹھ ماہ سے پڑھ رہے ہیں) اسے کسی پلان کے مطابق لکھا بھی نہیں گیا تھا اور نہ ہی اس وقت یہ خیال تھا کہ یہ جلد شائع بھی ہوجائے گی۔ اشاعت سے قبل نظرِ ثانی بھی نہیں کی گئی اور نہ ہی اسے دوبارہ لکھا گیا۔ یہ جوں کا توں مسودہ ہے۔ اس میں ایک جملہ بھی بنا کر نہیں لکھا گیا۔ میرے خیال میں جو کچھ تھا وہ میں نے تحریر کردیا۔ لوگ مصلحتاً بھی کچھ نہ کچھ تبدیل کرتے ہیں، میں نے کچھ نہیں کیا۔ میں نے اپنے بچوں کے بارے میں بھی کچھ نہیں لکھا کہ انہوں نے کہاں تعلیم حاصل کی۔ بس جس کا جگہ ذکر آیا وہ آگیا۔ شاید سب کچھ اسی طرح ہونا تقدیر میں لکھا تھا، وہ ہوگیا کیونکہ جب میں نے یہ آپ بیتی لکھی تھی اس وقت مجھے اپنی بیماری کا علم نہ تھا مگر میں نومبر ہی میں بیمار ہوگئی تھی۔ میرے یکے بعد دیگرے تین آپریشن ہوئے۔ مجھے یہ بھی یقین نہیں تھا کہ میں اسے شائع ہوتا دیکھ سکوں گی لیکن اللہ تعالیٰ نے بے شمار دعاؤں کو سن لیا، آپ سب کی دعائیں میرے ساتھ تھیں۔ اس کتاب کی برکت تھی کہ میں ٹھیک ہوگئی ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک زندگی اور عطا کی ہے۔ آپ لوگ یہ بھی دعا کریں کہ میرے اندر لکھنے، کوئی کام کرنے کی طاقت بھی آجائے۔ یہ تحریر میں مشکل سے لکھ پارہی ہوں۔ کمزوری بڑھ گئی ہے، ذہن کام نہیں کرتا،

میں ایک چیریٹی اسکول میں پڑھاتی تھی وہاں بھی جانا رک گیا۔ ان ہی حالات کے پیش نظر میں نے انجم انصار کو منع کر دیا تھا کہ وہ میرا فون نمبر کسی کو نہ دیں۔ وہ خود بھی ذاتی طور پر میری حالت سے واقف تھیں۔ آپ بہنوں نے شاید برا منایا ہو، پلیز آپ برا مت مانیے گا۔

کچھ بہنوں نے ہاتھ چومنے وغیرہ کی بات لکھی ہے۔ میں اسے اصولی طور پر ٹھیک نہیں سمجھتی اور نہ ہی میں کوئی ایسی چیز ہوں، میں تو بہت دنیادار اور گناہ گار خاتون ہوں۔ میں نے اگرچہ آپ سب کے لیے دعا کی ہے لیکن سچ تو یہ ہے کہ مجھے خود آپ سب کی دعاؤں کی بے انتہا ضرورت ہے۔

میری افسانہ نگار ساتھیوں نے بھی خطوط لکھے اور اس سلسلے کو پسند کیا میں ان کی شکر گزار ہوں جس میں انجم انصار، شمع زیدی، نوشین ناز اختر، رفعت سراج، زہرا جنید، عظمیٰ آفاق، عالیہ حرا، سعدیہ رئیس، شائستہ عزیز، سعدیہ سلیم، راشدہ صمد، مسز شمع حسین، نسیم نیازی اور اختر شجاعت شامل ہیں۔ شوکت رانا الطاف، شائستہ زریں، قیصر قدیر، پروفیسر تنزجلیل اور ڈاکٹر ممتاز ضیا کا بھی شکریہ...... (یہ پرانی دوستیں ہیں) پروفیسر ریحانہ واحدی نے مجھ سے مسودہ لے کر پڑھا تھا اور پڑھ کر اپنی پسندیدگی کا اظہار لکھ کر کیا۔ آپ کا بھی شکریہ! آصفہ شفیق مسلسل پسندیدگی کے خطوط لکھ رہی ہیں۔ اس لیے میں ان کا بطور خاص شکریہ ادا کر رہی ہوں۔

عافیہ برنی نے لاہور سے خط لکھا اور بتایا کہ وہ پروفیسر خالد برنی مرحوم کی بیٹی ہیں، بیٹی آپ کو اپنے والد کے بارے میں پڑھ کر خوشی ہوئی۔ مجھے بہت اچھا لگا۔ آپ کے والد بہت بڑے آدمی تھے۔ آپ کو ان پر فخر کرنا چاہیے۔ مجھے زندگی میں بہت ہی اچھے، اچھے لوگ ملے، میں سب کا احاطہ نہیں کر سکی کیونکہ یہ مختصر تحریر تھی۔

عظمیٰ خورشید، لاہور نے مجھ سے سوال کیا کہ میں نے قرآن پاک کو حفظ کیوں نہیں کیا؟ دراصل حفظ کروانے کی خواہش ماں، باپ کے دل میں اللہ تعالیٰ ڈال دیتا ہے۔ اس وجہ سے ماں، باپ اپنے معصوم بچوں کو حفظ کے لیے بٹھا دیتے ہیں۔ اس وقت ان بچوں کو اس کے فوائد کا علم نہیں ہوتا اور نہ ہی ان کی اپنی خواہش ہوتی ہے۔ ہاں بعد میں وہ اپنی زندگی میں ضرور فوائد حاصل کرتے ہیں۔ میرے ساتھ تو معاملہ ہی کچھ اور تھا۔ مجھ سے کسی نے نہیں کہا کہ اللہ کی کتاب کو پڑھو یا لکھو...... میں نے بائیس برس کی عمر سے باقاعدہ پڑھنا شروع کیا اور چھ سال تک بے شمار قرآن پاک ختم کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں یہ خیال ڈالا۔ اللہ تعالیٰ جس کام کے لیے چاہتا ہے وہ کسی بندے کو چن لیتا ہے، میری اس میں کوئی خوبی نہیں نہ کوئی کمال ہے، یہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اسی کی مرضی ہے، وہ جیسا چاہتا ہے وہی ہوتا ہے، قرآن پاک کی حفاظت کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے خود کیا لیکن وہ یہ کام بندوں کے ذریعے ہی لے رہا ہے۔ ایک طریقہ حفظ کرنے کا ہے اور دوسرا کتابت کرنے کا ہے۔

اب رہی پی ایچ ڈی کرنے کی بات..... میں لکھ بھی چکی ہوں کہ یہ میری آرزو تھی کہ میں بھی اعلیٰ تعلیم حاصل کروں۔ آنے والی نسلوں کے لیے (اپنے خاندان کی) ایک مثال بنوں۔ شکر الحمد للہ اللہ تعالیٰ نے مجھے کامیابی عطا کی جو کہ کم لوگوں کو نصیب ہوتی ہے۔ پورے قرآن پاک میں جگہ جگہ سائنس کی تعلیم حاصل کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ تم غور کیوں نہیں کرتے۔ وہ چیزیں جو تمہیں نظر آرہی ہیں، یہ زمین، آسمان، پہاڑ، سمندر اس میں چلتی ہوئی کشتیاں، یہ اڑتے ہوئے بادل، برستی بارش، زمین سے اُگتا ہوا سبزہ، بیج سے اگتا ہوا درخت، بچے کی پیدائش جو محض ایک قطرے سے انسانی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ بچے کی پیدائش کے تمام مراحل اٹھارویں سیپارے کے پہلے صفحے پر درج ہیں جو کہ پہلے سائنس دانوں کو معلوم بھی نہیں تھے، اسی طرح ایٹم کی ساخت، ستاروں اور سیاروں کی گردش، رات اور دن کا بدلنا، آخر تمام باتوں پر تم غور کیوں نہیں کرتے۔ یہ کون کر رہا ہے؟ یہ سب کس طرح ظہور پذیر ہو رہی ہیں؟

گویا قرآن حکیم بھی نباتات، حیاتیات، فلکیات، کیمیا، فزکس، میتھس ہر چیز پڑھنے کی تلقین کرتا ہے۔ علم تو سمندر ہے اور اس سمندر سے صرف ایک قطرہ میرے پاس آیا ہے اور اس ریسرچ کے دوران میں نے اللہ کی قدرت کو بہت نزدیک سے دیکھا۔ آنکھ سے نظر نہ آنے والی مخلوقات کے اندر زندگی کس طرح رواں دواں ہے۔ انہیں پوری جزئیات کے ساتھ..... یہ میں نے اب جانا، امید ہے عظمیٰ خورشید کی تسلی ہوگئی ہوگی۔

اس آپ بیتی کی اشاعت کا صرف ایک ہی مقصد تھا کہ قرآن حکیم کو پڑھا جائے۔ لوگ پڑھیں، دعا کریں، فوائد حاصل کریں، اس کی برکت کو حاصل کریں۔ مجھے خوشی ہے کہ بے شمار خواتین نے کلام پاک پڑھنا شروع کر دیا۔ جن گھروں میں قرآن حکیم پڑھا اور پڑھایا جاتا ہے ان کے

درجات بلند کردیے جاتے ہیں اور انہیں اللہ کا نور عطا کردیا جاتا ہے۔ اسی نور سے ہدایت ملتی ہے۔ حیات منور ہوتی ہے، پاکیزگی کا ماحول پیدا ہوتا ہے اور گھر کے بچے بھی بغیر کہے اس راستے پر چل پڑتے ہیں۔ اگر تمام مسلمان خواتین پابندی سے تلاوت کلام پاک کرنا شروع کردیں (اسے اپنی زندگی کا جزو بنالیں) تو وہ برائیاں جو آج ہمارے معاشرے کا حصہ ہیں آپ ہی آپ ختم ہوجائیں گی۔ جب مذہب کی محبت اور پاکیزگی بچپن سے بچوں کو ملے گی تو بڑے ہوکر وہ اچھے مسلمان ہی بنیں گے۔ ہمارے ملک کی بقا اسی میں ہے۔ ہم سب ایک مشکل دور سے گزر رہے ہیں۔ اس وقت ہمیں جو چیز تباہی سے بچاسکتی ہے۔ وہ عشق الٰہی، عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ اور کلام الٰہی کو سمجھنا اور اس پر عمل کرنا ہے۔ دوسروں کو بتانا بھی ہے لیکن یاد رہے مذہب ہمیں اعتدال کا راستہ اختیار کرنے کا حکم دیتا ہے۔ زندگی کا کوئی بھی معاملہ ہو خواہ وہ عبادت ہی کیوں نہ ہو اس میں اعتدال ہونا چاہیے۔ حقوق اللہ سے زیادہ حقوق العباد کی اہمیت ہے۔ یہ بات آپ سب جانتی ہیں۔ مجھے زیادہ کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ صرف فرض عبادت فرض ہے، نفلی عبادت کرنے سے پہلے زندگی کے تمام فرائض پورے کرنے ضروری ہیں۔

مجھے کچھ زیادہ نہیں کہنا بس چند باتیں اور کہوں گی۔

1۔ زندگی کے ہر معاملے میں میانہ روی اختیار کریں۔

2۔ کسی کامیابی پر اسے اپنا کمال ہرگز نہ سمجھیں، اللہ تعالیٰ ہی ہر ایک کو ہر شے عطا کرتا ہے۔

3۔ معاف کردینے کی عادت ڈال لیں۔ اللہ تعالیٰ معاف کردینے والے کو دوست رکھتا ہے۔ ذرا سوچیں ہم سب ہر وقت اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتے رہتے ہیں۔ پانچ وقت کی نماز کے بعد یا میدان عرفات میں بھی، مکہ ہو یا مدینے کی زیارت، ہمیں معافی کی طلب ہوتی ہے مگر ہم خود کسی کو (یعنی اپنے جیسے انسان کو) معاف کرنے کو تیار نہیں ہوتے، جو چیز ہم دوسروں کو نہیں دے سکتے ہمیں اپنے لیے بھی اسے مانگنے کا حق نہیں ہونا چاہیے۔

4۔ اللہ تعالیٰ ستار العیوب ہے۔ آپ بھی دوسروں کے عیبوں پر پردہ ڈالنا سیکھ لیں۔

5۔ آخری بات..... سورۂ بقرہ کی آیت نمبر 138..... میں نے اس آیت کی تفسیر اپنی سمجھ کے مطابق لکھی تھی جو نوائے وقت کے اسلامی صفحے پر شائع ہوچکی ہے۔ یہاں صرف ترجمہ لکھ رہی ہوں۔

''کہہ دو کہ ہم نے اللہ کا رنگ اختیار کرلیا ہے اور اللہ سے بہتر بھلا کس کا رنگ ہوسکتا ہے اور ہم اسی کی عبادت کرنے والے ہیں۔''

☆☆☆

قارئین کرام..... اس مرتبہ ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی کی یادوں کی مالا کی یہ آخری قسط تھی..... ان کی یہ روداد پڑھ کر بہت سی بہنوں نے خطوط لکھے..... اپنے اپنے مسائل سے آگاہ کیا اور بے شمار خط فون کالز اور ای میلز بھی موصول ہوئیں..... جس میں ایک ہی استدعا تھی کہ پلیز ہمارے لیے ذکیہ بلگرامی سے دعا کروادیں اور انجم باجی پلیز..... آپ صرف ایک بار ان سے بات کروادیں..... ہم بار بار ان کو تنگ نہیں کریں گے..... وغیرہ وغیرہ۔

اس سلسلے کے شائع ہونے کے دوران اور اختتام پر میری ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی سے تفصیلی گفتگو ہوئی ہے۔ جس سے میں آپ کو بھی آگاہ کرنا چاہتی ہوں۔

پاکیزہ..... آج ہم سب یہی سمجھتے ہیں کہ ہماری دعائیں قبول نہیں ہوتی ہیں، اس کی وجہ کیا ہے.....؟

ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی..... انجم جب تک ہمارے دل میں اللہ کا یقین نہیں ہوگا کہ صرف وہی ہے جو سنتا ہے اور کہتا ہے کہ ہے کوئی مانگنے والا، سائل کی ہر حاجت کو پورا کرنے والا وہی ہے تو جب اس کا ہمیں یقین ہی نہیں تو دعائیں کیسے پوری ہوں گی۔ آپ مانگیں تو سہی۔

پاکیزہ..... آپ کے کہنے کا مطلب ہے کہ ہمیں اپنے لیے خود دعا کرنی چاہیے؟

ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی..... جی بالکل کرنی چاہیے..... سجدے میں سر رکھ کر اپنی ہر وہ بات جو آپ کسی دوسرے سے کہہ نہیں سکتے، اپنے اللہ سے کہہ دیں..... وہ ضرور سنے گا مگر آپ اپنے دل و دماغ کی بے یقینی کو تو ختم کریں اور اس کے ساتھ گھر میں حرام آمدنی بھی ہرگز نہ آئے۔

پاکیزہ..... ہم گزشتہ پچیس سال سے زائد عرصے سے آپ سے بھی رابطے میں ہیں اور ہم نے آپ کے بچوں کو دیکھا بھی ہے، آپ سے صرف ایک بات پوچھنا چاہتے ہیں ماشاء اللہ آپ کے تینوں بچے اعلیٰ تعلیم یافتہ ہونے کے ساتھ ساتھ نیک، تمیزدار، حیادار، دین دار، فرمانبردار اور اتنے سلجھے ہوئے کیسے ہیں.....؟ کیا آپ نے اپنے بچوں کی تربیت میں کوئی خاص خیال رکھا؟

ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی...... 72ء سے میں قرآن پاک لکھ رہی ہوں...... آصف دو سال کا تھا...... وہ جب سے مجھے قرآن پاک لکھتا ہوا دیکھ رہا ہے۔ مجھے یاد ہے، ایک مرتبہ میری ہمسائی نے میرے بچے سے پوچھا کہ بیٹا آپ کی امی اس وقت کیا کر رہی ہیں؟ اس نے کہا امی قرآن لکھ رہی ہیں۔ بچے کی بات انہیں سمجھ میں نہیں آئی اور وہ ہنس کر بولیں...... اچھا، اچھا...... امی قرآن پاک پڑھ رہی ہوں گی...... بچے موناں تم سمجھ رہے ہو کہ امی قرآن لکھ رہی ہیں...... ظاہر ہے بچہ لفظ کتابت کا استعمال نہیں کر سکتا تھا اور وہ اپنے حساب سے صحیح بھی تھیں۔ میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ جب بچے ایسے ماحول میں آنکھ کھولیں گے اور گھر کا ماحول ایسا دیکھیں گے تو وہ کبھی نہیں بگڑیں گے کہ قرآن پاک سے بڑھ کر کوئی اعلیٰ چیز ہے نہیں اور اللہ سے بڑھ کر کوئی کسی شے پر قادر نہیں۔ یہ صرف اللہ کا کرم ہے۔ جو میرے بچے ایسے ہیں، آپ بھی اپنے گھر کے ماحول میں تبدیلی لائیں۔ اس کا اثر آپ کے بچوں پر ضرور پڑے گا۔

پاکیزہ...... آج ہر گھر میں بچوں کو قرآن پاک پڑھانے کے لیے مولوی رکھے جاتے ہیں کیا آپ کے بچوں کو بھی کسی مولوی یا استانی نے قرآن پاک پڑھایا؟

ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی...... الحمدللہ میں نے اپنے تینوں بچوں کو خود قرآن پڑھایا اور نماز کا عادی بنایا جس گھر کے بڑے خود نماز نہیں پڑھتے...... ان کے بچے کیسے دین دار ہو سکتے ہیں۔ مائیں ٹی وی دیکھتی ہیں اور چاہتی ہیں کہ بچے ٹی وی کم دیکھیں...... ارے بھئی ان کے بچے تو ان سے زیادہ دیکھیں گے۔

پاکیزہ...... آج کی لڑکیوں کا ایک مسئلہ ان کی سسرال ہوا کرتی ہے...... جبکہ پہلے خواتین کے کھٹے میٹھے اور کڑوے سارے تجربے ان کی اپنی، اپنی سسرالوں سے بندھے نظر آتے ہیں۔ آپ کے اپنی سسرال کے مابین کیسے تعلقات رہے؟

ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی...... میرے شوہر، میری والدہ کے ماموں زاد بھائی تھے اور اپنے گھر کے سب سے چھوٹے۔ میں اپنے گھر کی سب سے چھوٹی تھی۔ ہمارے جیٹھ نے ہی ان کو پالا اور باپ بن کر شادی کی...... جن کو پہلے ہم سب ماموں کہتے تھے اور بعد میں بھائی کہنے لگے اور الحمدللہ...... سب سے تعلقات بہترین رہے۔ میری سسرال کا تعلق علی گڑھ سے ہے...... جہاں سب لوگ اس زمانے میں بھی پی ایچ ڈی اور ایم فل تھے اور تعلیم کے اثرات سب سے پہلے انسان کی شخصیت پر لازمی پڑتے ہیں، مجھے اپنے میکے اور سسرال دونوں سے بہت محبتیں ملی ہیں۔

پاکیزہ...... اور آپ کا تعلق کہاں سے ہے؟

ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی...... جیسا کہ میں اپنی اسی آپ بیتی کے آغاز میں ہی لکھ چکی ہوں کہ میرا تعلق بلگرام سے ہے۔ یہ یوپی کا ایک قصبہ ہے۔ مگر میرے میکے میں بھی تعلیم کا بے حد...... رواج تھا اور ہمارے زمانے میں بھی سب اعلیٰ تعلیم یافتہ تھے۔ یوں پی ایچ ڈی کرنا میرا بھی خواب تھا۔ جسے اللہ تعالیٰ نے پورا کیا۔

پاکیزہ...... ذکیہ آپ پڑھنے لکھنے کی ہمیشہ شوقین رہیں...... اور اس ضمن میں آپ کے شوہر نے بھی آپ کا بہت خیال رکھا...... آپ اپنے گھر کے ماحول کو دیگر گھروں کے مقابلے میں کتنا مختلف دیکھتی ہیں......؟

ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی...... انجم آپ کی یہ بات بالکل صحیح ہے کہ میرے شوہر میرا بے حد زیادہ خیال رکھتے تھے مگر میں بھی ان کے مزاج کے حساب سے ہمیشہ چلی...... انہیں فجر کی نماز کے فوراً بعد ناشتا چاہیے ہوتا تھا اور میں فجر کی نماز ادا کر کے پراٹھے بناتی اور ناشتا تیار کر کے ٹیبل پر لے آتی اور میرے سب بچے صبح سویرے ناشتا کرنے کے عادی رہے...... اور جب میں لوگوں کے گھروں کا احوال سنتی ہوں کہ دن کے دو بجے سو کر اٹھتے ہیں تو پھر ناشتا ہوتا ہے...... دراصل لوگ اپنے وقت کا زیاں خود کرتے ہیں۔ خیر یہ لوگوں کی اپنی مرضی ہے...... اس بارے میں کیا کہہ سکتی ہوں۔ اس لحاظ سے مجھے بعض گھرانوں کا ماحول بالکل مختلف لگتا ہے۔

پاکیزہ...... آپ کے شوہر کے دیگر مشاغل کیا تھے؟

ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی...... انہیں صفائی کا کریز تھا...... پھولوں سے بہت دلچسپی تھی۔ بچوں کے معمولات میں گہری دلچسپی لیتے تھے۔ وہ ایک مثالی باپ بھی تھے۔

پاکیزہ...... اللہ نے ہر لحاظ سے آپ کو بے حد نوازا مگر آپ کا کوئی دکھ......؟

ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی...... الحمدللہ...... اللہ نے میری اوقات سے زیادہ مجھے عطا کیا، زندگی میں سکھ دکھ آتے جاتے ہیں۔ اسی طرح میرا دکھ یہ ہے کہ میری بیٹی عالیہ کی آنکھوں کی بصارت بہت کم ہوگئی ہے۔ اس کا شوہر ماشاءاللہ اس کا بے حد خیال رکھتا ہے۔ کچھ عرصے قبل وہ اسے اپنے ساتھ لے جا کر عمرہ بھی کروا کے لایا۔ (اللہ پاک

دونوں کو خوش رکھے)

پاکیزہ...... ذکیہ ہم سب کی یہ دلی دعا ہے اللہ تعالیٰ عالیہ کو صحتِ کلی عطا فرمائے اور اس کی آنکھوں کی روشنی موجود رہے۔ آمین۔

ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی...... مجھے آپ سب کی دعائیں چاہئیں۔ میں سب کے لیے دعا کرتی ہوں اور اپنی بچی کے لیے بھی...... اور اللہ کسی بھی ماں کو اپنی اولاد کا کوئی دکھ بھی نہ دکھائے۔

پاکیزہ...... ذکیہ آپ سنجیدہ مزاج کی ہیں کیا شروع سے ہی آپ ایسی ہی تھیں خاموش...... الگ تھلگ سی......؟

ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی...... بچپن تو بہت کھیل کود میں گزرا مگر لڑکپن میں، میں قدرے سنجیدہ سی ہو گئی تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ میری امی بہت کم سخن تھیں۔ میں نے انہیں چیختے چلاتے تو کیا کبھی اونچی آواز میں بات کرتے بھی نہیں دیکھا۔

پاکیزہ...... تو کیا آپ کے والد بھی کم سخن تھے اور ویسا بولتے تھے؟

ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی...... نہیں ابا تو غصے والے تھے مگر ان کا غصہ ایسا نہیں تھا جس سے کسی کو نقصان پہنچے۔ ہاں رعب بہت تھا ان کا۔

پاکیزہ...... وہ کیا کام کرتے تھے......؟

ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی...... ہمارے ابا ٹھیکیدار تھے اور ان کا وہاں بہت نام تھا۔

پاکیزہ...... بلگرام جس جگہ آپ کے والدین رہتے تھے...... کیا وہاں مسلمانوں کی زیادہ آبادی تھی اور وہاں کیسا ماحول تھا؟

ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی...... جہاں ہم رہتے تھے وہاں ہندو زیادہ آباد تھے مگر وہاں کا ماحول بھائی چارے کا تھا۔ وہاں سب ایک دوسرے کا بہت خیال رکھا کرتے تھے۔

پاکیزہ...... ہماری تبصرہ نگار ڈاکٹر ممتاز ضیا نے ہمیں بتایا تھا کہ چند سال تک وہ بھی آپ کی ہم نشین رہی ہیں...... ان کے بارے میں ہمیں اس وجہ سے بھی تفصیل سے بتائیں کہ ڈاکٹر ممتاز ضیا، ہماری بے حد معروف تبصرہ نگار ہیں...... ہمارے قارئین ان کے تبصرے بہت پسند کرتے ہیں اور جب وہ غیر حاضر ہو جائیں تو ان کی بے حد کمی محسوس کی جاتی ہے......؟

ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی...... ڈاکٹر ممتاز میرے ساتھ انٹر تک رہی ہیں اور اس دور میں بھی وہ بے حد پاپولر اسٹوڈنٹ تھیں اور ہماری کلاس کی سی آر تھیں۔ بڑی محبت سے پوری کلاس کو سنبھال لینے کی استعداد اللہ نے ان کو دی تھی۔ مجھے یاد ہے کہ جب بھی سی آر کے لیے ان کے لیے ووٹنگ ہوتی تھی پوری کلاس اپنے دونوں ہاتھ کھڑے کر لیتی تھی...... بے حد اچھی عادات اور اخلاق کی حامل تھیں...... اور آج بھی ویسی ہی خلوص سے مزین شخصیت ہیں۔ (جی بالکل)

پاکیزہ...... اس کے علاوہ...... آپ کی اور کوئی خاص دوست......؟

ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی...... بہت سی رہی ہیں...... اور اب بھی ہیں...... ڈاکٹر تنویر زبیر میری ناسٹ فرینڈ رہی ہیں۔ ڈاکٹر نائلہ میری دوست رہی ہیں...... اور انجم انصار میری دوست ہیں جن سے میں ہر بات کر لیتی ہوں (اور میں بھی تو آپ سے ہر بات کیا کرتی ہوں اور یہ اللہ کا کرم ہے...... پاکیزہ کے اس پلیٹ فارم کے طفیل مجھے ایسے دوست ملے...... جو پیٹھ پیچھے بھی میرے دوست ہیں...... اور جو مجھ سے ایسی دلی محبت کرتے ہیں کہ جس کے آگے بعض خونی رشتے بھی ہیچ ہیں اور یہ سب صرف اللہ کا کرم ہے...... جس کا کہ شکر ادا نہیں جا سکتا)

پاکیزہ...... بات کہاں سے کہاں نکل گئی...... ذکیہ آپ بتا رہی تھیں کہ نماز پڑھ کر دعا مانگنی چاہیے...... مگر ہم جیسے لوگوں کو نماز پڑھتے، پڑھتے کیسے، کیسے خیال آتے ہیں...... ارے چولہے پر دودھ ابالنے کے لیے رکھا تھا...... ابل گیا ہوگا...... یہ پنکھا کس نے بند کر دیا، فون کس کا بج رہا ہے...... گیٹ پر کون ہے...... ابھی کمرے میں کون آیا تھا...... وغیرہ وغیرہ...... کون سی رکعت میں بیٹھنا ہے اور کب بیٹھنا ہے...... بعض دفعہ یہ تک بھول جاتا ہے...... اس کا تدارک کیسے ہو؟

ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی...... ہم نہ قرآن پاک سمجھ کر پڑھتے ہیں اور نہ ہی نماز، جب ہم اس کا ترجمہ اپنے ذہن میں رکھیں اور یہ سوچیں کہ کس کے سامنے کھڑے ہیں جو عرشِ عظیم کا مالک ہے تو ہمارے رکوع اور سجود میں غلطی کا احتمال کم، کم رہے گا...... اور اگر نماز پڑھنے میں کوئی غلطی ہو بھی جاتی ہے تو اللہ توبہ کرنے والوں کو پسند کرتا ہے اور ان کی توبہ قبول کرتا ہے...... تو پھر یہ عجلت بھی نہیں رہے گی...... سجدۂ سہو...... غلطی کے تدارک کے لیے ہی رکھا گیا ہے۔

پاکیزہ...... ہم اکثر نماز...... وقت پر نہیں پڑھ پاتے ہیں پھر خیال آتا ہے کہ چلو آگے والی نماز تو ہم پڑھ لیں

گے۔ اس کا کیا حل ہے؟

ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی..... ہم جس طرح اپنے اوپر چڑھنے والے قرض سے پریشان ہوجاتے ہیں اور جب تک وہ نہ اترے ہمیں چین نہیں پڑتا اسی طرح ہم پر جو چڑھی ہوئی نماز ہے..... وہ ہم کو قضا ہی ادا کردینی چاہیے مگر پڑھنی ضرور چاہیے۔ قبول کرنے والا وہ ہے۔ جو ہمارا مالک ہے۔

پاکیزہ..... ذکیہ کہتے ہیں کہ اللہ ہماری ہر بات نہ صرف سنتا ہے بلکہ اس کا جواب دیتا ہے..... آپ اپنے تجربات سے اس بات کا جواب کس طرح دینا چاہیں گی؟

ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی..... جی ہاں..... جو ہماری شہ رگ سے قریب ہے وہ ہماری ہر بات سنتا ہے بلکہ جواب بھی دیتا ہے بلکہ اللہ ہر ایک کو جواب دیتا ہے..... اس ضمن میں ایک واقعہ بتاؤں گی کہ میرے شوہر کو کینسر ہوگیا تھا..... وہ بے حد بیمار تھے اور ان کی خواہش تھی کہ عالیہ کی جلد سے جلد شادی ان کے سامنے ہی ہوجائے۔ شعبان کا مہینہ شروع ہوا تھا اور میں اللہ سے گڑگڑا کر یہ دعا مانگ رہی تھی کہ بیٹی کی شادی اس کے باپ کی زندگی میں ہوجائے بلکہ اسی ماہ ہوجائے..... کیونکہ ان کی طبیعت جس حد تک خراب چل رہی تھی..... وہ امید افزا نظر نہیں آرہی تھی۔ ایک رات میں سو رہی تھی..... سوتے ہوئے میں نے آواز سنی "تمہاری دعا قبول کرلی گئی ہے۔" میری اچانک آنکھ کھل گئی اور میں دل میں سوچنے لگی..... ابھی تو کوئی رشتہ ہے نہیں..... شعبان کا مہینہ چل رہا ہے..... کیسے اس ماہ میں شادی ہوسکتی ہے.....

مگر یہ اللہ نے مجھے دکھایا کہ اسی ہفتے رشتہ آیا اور انہیں اتنی جلدی تھی کہ وہ چاہتے تھے کہ اسی ماہ میں شادی ہوجائے اور یوں عالیہ کی شادی اس کے باپ کی زندگی میں ہوگئی اور بیٹی کی شادی کے دو ہفتے بعد ان کا انتقال ہوگیا۔

(عالیہ کی شادی کے بارے میں مجھے ذکیہ کی ایک بات اور یاد آرہی ہے کہ انہوں نے مجھ سے کہا تھا انجم میری خواہش ہے کہ میری بیٹی کی شادی میرے گھر سے قریب ترین ہو..... اور بہت اچھے لوگ ہوں اور جس طرح ہماری چھوٹی سی فیملی ہے..... وہ بھی ایسی ہی ہو..... میں ذکیہ کی بات سن کر دل میں حیران ہوئی تھی کہ ایسے کس طرح ممکن ہے کہ اگر ہم ڈیفنس میں رہتے ہیں تو اسی علاقے میں بیٹی بیاہیں اور دیگر باتیں بھی ہمارے حساب سے ہوں۔ مگر جب خیر سے بیٹی بیاہی گئی تو حیرت کے ساتھ میری خوشی کی انتہا نہیں تھی کہ سب کچھ ذکیہ کی خواہش کے مطابق ہی اللہ نے کیا تھا کہ ایک وہی ہستی تو ہے..... جو ہر شے دینے پر قادر ہے۔ بے شک)

پاکیزہ..... لکھنے کے حوالے سے آپ کی کوئی خواہش؟

ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی..... میں چاہتی ہوں میری یہ آپ بیتی "یادوں کی مالا" دوبارہ شائع ہو کیونکہ اب میں نے اس میں مزید اضافہ بھی کردیا ہے اور کتاب کا پہلا ایڈیشن ہر جگہ ختم ہوچکا ہے۔ دوسری خواہش یہ ہے کہ میرے پاس میری نعتیں بہت جمع ہوگئی ہیں اور اب وہ کتابی صورت میں ہوجانی چاہئیں تاکہ سب ایک جگہ جمع ہوجائیں۔

پاکیزہ..... ذکیہ اب آپ خود دیکھیے گا..... کہ کس طرح پبلشرز..... آپ کے پاس بھاگ کر آتے ہیں کہ آپ کی یہ کتاب شائع کر کے ان کے لیے بھی سعادت ہوگی۔

پیارے قارئین اس کے ساتھ ہی سوال و جواب کا سلسلہ تمام ہوا۔ آخری سطر کے حوالے سے انٹرویو کا اختتام ہوجاتا ہے..... مگر اب میں کچھ ایسی باتیں بتانے والی ہوں..... جو ذکیہ کی شخصیت سے متعلق ہیں۔

میں ماہنامہ پاکیزہ کے توسط سے ہی ذکیہ بگرامی سے متعارف ہوئی..... ہماری ایک تبصرہ نگار مسز طلعت حسین جنہیں اب مرحومہ لکھتے ہوئے میرا دل دکھ رہا ہے..... وہ ذکیہ کی بھی دوست رہی ہوں گی۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ آپ اپنے میگزین میں ذکیہ بلگرامی سے بھی تو لکھوائیں..... یوں میں نے ذکیہ بلگرامی کو فون کیا اور ان کا اثبات کا جواب سن کر ان سے رابطے میں رہنے لگی۔ الحمدللہ ان سے میں گزشتہ پچیس سال سے زیادہ عرصے سے رابطے میں ہوں اور میں نے بہت کم لوگ ایسے دیکھے ہیں جو اتنا محبت بھرا رویہ رکھتے ہوں۔ ذکیہ بلگرامی کو جتنا میں نے سمجھا ہے اس حوالے سے انہیں چاپلوسی، خوشامد اور بے جا تعریف بالکل بھی پسند نہیں۔ وہ صاف بات کہنے کی عادی ہیں۔ کم سخن ہیں..... مگر جب بولنے پر آجائیں تو بلاتکان بولتی ہیں، ہنستی بھی ہیں..... پُرمزاح باتوں کو بے حد انجوائے کرتی ہیں..... انہیں میرا ایک جلترنگ کا خاکہ بہت پسند آیا تھا جس میں، میں نے ایک سی اے لڑکے کی شادی کا احوال لکھا تھا..... تو سی اے اس وجہ سے کہلاتا تھا کہ وہ کپڑے "سی اے" (سیئے) تھا۔

ذکیہ اپنی بیٹی عالیہ سے بے حد محبت کرتی ہیں..... ایک مرتبہ اس پر گرم پانی گر گیا تھا تو وہ تھوڑا سا جل گئی تھی..... اور جب ذکیہ نے مجھے بتایا تھا..... تو اس وقت مجھے دور...

رہی تھی۔

ذکیہ اپنی محبت کو کبھی ظاہر کرنے والوں میں سے نہیں ہیں، دو سال پہلے میں بیمار ہوئی تھی...... تو وہ خاصی متفکر تھیں اور جب انہیں میرے ٹھیک ہونے کا پتا چلا تو ایسے ہی ان کا یہ جملہ یونہی ان کی زبان سے نکل گیا۔ اللہ کا شکر...... میں نے اسی ہفتے تمہاری صحت کے لیے قرآن ختم کیا ہے...... اور میں سیکٹے کی صورت میں ہوگئی۔ آج کل کا دور...... اور ایسی نفسا نفسی کہ محلے سے دو سیپارے آجائیں کہ آپ پڑھ دیں...... تو سب ایک دوسرے کو ٹالتے نظر آتے ہیں اور جب کوئی پڑھ لے...... تو بطور احسان کہا جاتا ہے کہ ہاں بھئی ہم مصروف بھی تھے...... فلاں جگہ کا جانا کینسل کیا...... جب یہ پڑھے گئے (اللہ معاف کرے...... کہ گھروں میں کیسی کیسی باتیں ہوا کرتی ہیں، استغفر اللہ)

میرے پاس ایک دو بہنوں کے خطوط بھی آئے...... کہ آپ پاکیزہ ڈائری میں ہر ماہ ذکیہ بلگرامی کی ہی نعت یا حمد کیوں لگاتی ہیں...... پیاری بہنو...... آج میں اس کی وجہ بتاتی ہوں جو شاید ذکیہ بلگرامی کسی دوسرے کو ہرگز نہیں بتائیں گی...... یہ ساری نعتیں جو کچھ عرصے سے پاکیزہ ڈائری میں شائع ہو رہی ہیں...... یہ سب انہوں نے سوتے میں سن کر...... اسی وقت لکھیں جیسے کہ کوئی سنا رہا ہو...... اور آدھی سوتی جاگتی کیفیت میں وہ جو بھی لکھ پائیں انہوں نے مجھے بھیج دیا...... اور ایسی نعتوں کو میں ہر ماہ بھلا کیوں نہیں شائع کروں گی میں تو بعض مرتبہ خود ان کو پڑھنے بیٹھتی ہوں تو سوچتی ہوں کہ ان کی وہ کیفیت کیسی ہوگی جب انہوں نے سن کر اسے لکھا ہوگا (پلیز ذکیہ...... مجھے معاف کرنا...... کہ تم سے وابستہ یہ سچ میں نے لکھ دیا ہے)

ذکیہ کو اپنی بہوؤں سے بھی بہت پیار ہے...... باہر رہنے والی بہو سے تو میں نہیں ملی...... مگر آصف کی بیوی بسمہ بہت پیاری لڑکی ہے ایسے محبت سے ساتھ لے کر چلتی ہے جیسے وہ ان کی اپنی بیٹی ہو۔ اسامہ ان کا لاڈلا پوتا ہے اور بہت پیارا بچہ ہے۔

ذکیہ بلگرامی اپنے مرحوم شوہر کے ساتھ میرے گھر آچکی ہیں۔ میں اپنی بیٹی، داماد کے ساتھ ان کے گھر جا چکی ہوں۔ اب وہ اپنی علالت کے باعث کم کم ہی کہیں جاتی ہیں۔ مگر عظمیٰ کے نئے گھر کی مبارک باد دینے اس کے گھر آئیں...... اور اس دن عظمیٰ اور آفاق کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہ تھا۔

وہ جوانی میں بے حد حسین خاتون اور اب بھی بے حد مقناطیسی شخصیت ہیں...... کہ ان سے بات کرتے ہوئے سمجھ میں نہیں آتا کہ ان کی بات سنوں یا ان کو دیکھوں۔ ایک مرتبہ ذکیہ ٹی وی کا کوئی اسلامی پروگرام دیکھ رہی تھیں۔ جہاں سیٹ پر حروف مقطعات کو بڑے سے فریم میں لگایا ہوا تھا...... آپ نے پروگرام دیکھ کر چینل والوں کو فون کیا اور کہا حروف مقطعات کی تعداد نو (9) نہیں ہے بلکہ چودہ ہے۔ انہوں نے اگلے دن ہی اپنے سیٹ سے وہ فریم ہٹا دیا۔

میں نے بہت سی جگہ بہت سی کتابوں میں نو کی تعداد یا دس دیکھی ہے...... مگر ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی نے چونکہ ریسرچ کر کے لکھا ہے...... تو ان کی تعداد چودہ یا پندرہ ہے۔ میرے بیٹے ضیا کی شادی کے موقع پر ذکیہ نے حروفِ مقطعات کو اپنے ہاتھ سے لکھ کر اسے خوب صورت فریم میں ضیا کے لیے تحفہ بھجوایا اور آج اس تحفے کی درجنوں فوٹو اسٹیٹ میرے عزیزوں اور دوستوں کے بھی پاس موجود ہیں۔

اور یہ حروف مقطعات کون سے ہیں...... یہ آج میں آپ کو بھی بتا رہی ہوں۔ آپ بھی اپنی ڈائری میں نوٹ کر سکتی ہیں۔

حروف مقطعات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نٓ	قٓ	صٓ	طٰہٰ
طٰسٓ	حمٓ	یٰسٓ	الٓمٓ
الٓرٰ	الٓمٓصٓ	الٓمٓرٰ	طٰسٓمٓ
کٓھٰیٰعٓصٓ	حمٓ	عٓسٓقٓ	

حرف آخر

ذکیہ بلگرامی سے وابستہ باتوں کو لکھنے بیٹھوں تو وہ شاید ایک ناول بن جائے۔ انشاء اللہ...... اور بہت کچھ جلد ہی بتاؤں گی۔ اپنے مزاج میں بے حد انکسار اور عجز رکھنے والی ذکیہ بلگرامی کے لیے ہماری یہ دعا ہے اللہ ان کو صحت کاملہ عطا فرمائے...... اور وہ گاہے بہ گاہے...... پاکیزہ کے قارئین کو اپنی پُرمغز اور پُرروح تحریروں سے نوازتی رہیں تاکہ وہ اچھی اچھی باتیں سیکھیں اور اللہ مجھے بھی یہ توفیق دے کہ ان سے وابستہ پیاری پیاری باتوں کو آپ سے شیئر کرتی رہوں...... اللہ ہم سب کا حامی و ناصر ہو، آمین۔

(ختم شد)

اعتبارِ وفا

آخری قسط

نگہت سیما

یہ سچ ہے کہ محبت میں وقت کا وزن نہیں ہوتا... گفتگو کا وزن نہیں ہوتا، ہر طرف تو کیا دل و دماغ تک پر ایک بے وزن سی کیفیت محسوس ہوا کرتی ہے... کہ دل و دماغ کو کوئی دوسری بات سُجھائی تک نہیں دیتی۔

ایسے حالات میں کسی بھی انسان کے پاؤں جمے نہیں رہتے اور وہ ہر وقت لڑھکتا رہتا ہے۔

مگر خود کو سنبھال کر متوازن رکھنا ہی محبت کا اصل پلیٹ فارم ہے... لیکن اس سے بھی اہم بات یہ ہے کہ اس بے وزنی کے اصول کو بھی محسوس کر لیا جائے... اور مان لیا جائے... کہ محبت کا اوّلین قانون اعتبار ہے... اور وفا کے غنچے وہیں کھلتے ہیں... جس گلشن میں اعتبار کا بیج بویا جاتا ہے۔

گلاب چہروں پہ دھول کتنی مسافتوں کی جمی ہوئی ہے
چراغ آنکھوں میں جانے کتنے سفر کے جالے تنے ہوئے ہیں
نہ چھاؤں جیسی کوئی کہانی نہ جلتی دھوپوں کا کوئی حصّہ
کہاں کا ذکرِ سفر کہ پہلے قدم پہ ہم تو رُکے ہوئے ہیں

ثمر حیات بھی جیسے وہاں ہی دروازے کے پاس ساکت ہو گیا تھا۔ شاہجہان کی نظریں تو جیسے اس کے چہرے پر ٹھہر گئی تھیں۔ بیس اکیس سال پہلے جب وہ چونتیس پینتیس سال کا تھا تب بھی دل کی دنیا اتھل پتھل کر دیتا تھا اور آج بھی بیس اکیس سال بعد جب اس کی کنپٹیوں کے بال سفید ہو گئے تھے اور سر سے بھی سفید بال جھانک رہے تھے آج بھی شاہجہان کے دل میں تلاطم بپا تھا...... تب اس کے وجود سے ایک بے قراری اور بے چینی جھلکتی تھی اور آنکھوں میں جیسے کوئی سوز منجمد تھا جو دل کو پگھلاتا تھا۔ وہ سوز آج بھی اس کی آنکھوں کی گہرائیوں میں ٹھہرا ہوا تھا لیکن اس کی اپنی ذات میں شاہجہان کو ایک ٹھہراؤ سا محسوس ہوا تھا۔ شاہجہان کی نظریں اس کی طرف اٹھتیں ان پُرسوز آنکھوں کو چوم کر جھکتیں پھر اٹھتیں اور اسے حصار میں لے لیتیں۔ آسمان و زمین کی گردش جیسے شاہجہان کے لیے رک گئی تھی۔ آسمان کے سارے ستاروں کی روشنیاں جیسے اس چھوٹے سے لاؤنج میں اتر آئی تھیں۔ شاہجہان کی آنکھیں جیسے چکا چوند ہوئی جاتی تھیں۔ بہت مشکل سے شاہجہان نے اس سحر سے خود کو نکالا۔

''دادا تم کہاں چلے گئے تھے...... کب سے ڈھونڈ رہی تھی تمہیں...... مانو کنوؤں میں بانس ڈلوا دیے لیکن تم تو ایسے غائب ہوئے کوئی اتا نہ پتا۔''

''کیوں ڈھونڈ رہی تھیں مجھے؟'' ثمر حیات کے لبوں سے تھرتھراتی ہوئی سی آواز نکلی تھی۔ دل جیسے ڈوب، ڈوب کر ابھرتا تھا۔

''اصل میں خانو دادا سے کام تھا۔ سوچا شاید تمہیں پتا ہو اس کا۔''

''ایسا کیا کام آپڑا تھا اس سے؟'' ثمر حیات نے کب کی رکی ہوئی سانس آزاد کی۔

''بس ایک امانت کا بوجھ دھرا تھا سینے پر...... ایک وعدے کی زنجیر میں بندھی تھی اور اب تو مانو زنجیریں گوشت



میں اترنے لگی تھیں۔'' شاہجہان اس بے خودی کی سی کیفیت سے پوری طرح نکل آئی تھی' اس نے ثمر حیات کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

''ہم پہلے تو وہ گھر چھوڑ کر گلبرگ چلے گئے تھے۔ کچھ عرصے بعد لاہور شہر ہی چھوڑ دیا اور اِدھر کراچی میں ڈیرے ڈال لیے۔'' ثمر حیات ریلکس سا ہو کر بیٹھ گیا۔ وہ خوفزدہ تھا کہ شاہجہان شاید عظام کے لیے اسے ڈھونڈ رہی ہے۔ شاید عظام کے ماں، باپ کو اس کا پتا چل گیا ہے اور وہ عظام سے جدائی کا تصور بھی نہیں کرسکتا تھا۔

''اور نانو دادا آج کل کہاں ہے...... مجھے اس سے ملنا ہے۔'' شاہجہان نے بے چینی سے پوچھا۔

''وہ اِدھر ہی ہیں کراچی میں۔''

''کہاں، کس جگہ، دادا تم مجھے خانو دادا کی طرف لے چلو ابھی آج ہی۔'' شاہجہان کی بے قراری نے... ثمر حیات کو حیران کیا لیکن اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

''ٹھیک ہے لے چلوں گا۔''

''موراں' موراں......'' شاہجہان نے سیڑھیوں سے اترتی موراں کو آواز دی۔ ''سنو جو سے کہہ عظام کے والد کو منع کردے ابھی آنے سے...... ابھی مجھے ایک بہت ضروری کام سے جانا ہے۔ شام کا ٹائم دے دے۔''

''موراں۔'' ثمر حیات نے مڑ کر سیڑھیوں کے بیچوں بیچ کھڑی موراں کو دیکھا...... ''کسی سے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں...... میں ہی عظام کا باپ ہوں۔''

''ہائے یہ کیا غضب ہوگیا ہے۔'' موراں نے پہلے دانت میں انگلی دبائی اور پھر گرتی پڑتی اوپر کی طرف بھاگی اور شاہجہان، موراں سے نظریں ہٹا کر ثمر حیات کو حیرت سے دیکھنے لگی۔

''عظام تمہارا بیٹا ہے دادا..... وہ تو گم ہو گیا تھا۔ خانو دادا نے بتایا تھا..... کیا مل گیا؟'' ثمر حیات نے اثبات میں سر ہلایا۔

''اور کاکا..... کاکا کدھر ہے؟'' شاہجہان کو اچانک ہی اس کا خیال آیا تھا۔

''کدھر جانا ہے اس نے، میرے پاس ہی ہے۔'' ثمر حیات نے مبہم سا جواب دیا اور پھر مسکرا کر شاہجہان بیگم کی طرف دیکھا۔

''عظام میرا بیٹا ہے اور سجل.....''

''سجل میری بیٹی ہے۔'' شاہجہان نے اس کی بات کاٹی۔ ''سنہری سے چھوٹی ہے۔ تمہارے جانے کے بعد پیدا ہوئی۔ بارہ جماعت پاس ہے۔ قرآن بھی پڑھا ہے اس نے مولوی صاحب سے..... اور میں نے اسے ناچ گانے سے دور رکھا ہے۔'' ثمر حیات مسکرایا۔

''اور آج میں اپنے بیٹے کے لیے تمہاری بیٹی کا ہاتھ مانگنے آیا ہوں۔''

''دادا..... تم سے پہلے بھی کہا تھا کہ شاہجہان کی جان مانگو تو وہ بھی حاضر ہے۔ اور آج بھی شاہجہان کا دل ویسا ہی ہے۔ جان مانگو تو شاہجہان اپنے ہاتھوں سے اپنا سر کاٹ کر تمہارے قدموں میں ڈال دے۔'' شاہجہان کے لہجے میں کچھ ایسا تھا کہ ثمر حیات نے چونک کر اسے دیکھا اور پھر جیسے اسے کچھ ادراک ہوا اور اس ادراک نے اسے نظریں چرانے پر مجبور کر دیا۔

''سجل میری بیٹی ہے دادا، میری طرف سے تم آج اسے بیاہ کر لے جاؤ..... پر رشتے ناتے تو ماں، باپ دونوں کی مرضی سے طے ہوتے ہیں ناں..... میں چاہتی ہوں یہ رشتہ اس کے باپ کی موجودگی میں طے پائے تو اچھا ہے۔'' اس کے لبوں پر ایک بھید بھری مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ ''اس کے باپ کا نام نہیں پوچھو گے دادا؟''

''کہاں ہیں وہ بلوا لیں انہیں۔''

شاہجہان کے لبوں کی مسکراہٹ گہری ہوئی اور وہ دھیمی آواز میں ہولے، ہولے کچھ کہنے لگی۔

☆☆☆

ڈی ون کے شاندار ڈرائنگ روم میں شاندار اور قیمتی صوفے پر بیٹھے خان دادا نے بے حد حیرت سے شاہجہان کی پوری بات سنی تھی۔

''اور اتنے سارے سالوں سے تم کہاں تھیں شاہجہان بیگم؟''

''میں نے کہاں جانا تھا دادا..... تم ہی اپنا کوئی پتا نشان چھوڑے بغیر غائب ہو گئے تھے۔ جو پیدا ہوئی تو چالیسویں دن ہی اسے گود میں لیے تیرے دروازے پر گئی تھی پر وہاں اتنا بڑا تالا لٹک رہا تھا۔''

''اور پہلے..... پہلے کہاں تھیں تم..... مجھے یاد ہے جس رات میں تمہارے پاس گیا تھا اس کے بعد تین چار مہینے تک تو میں لاہور میں ہی تھا۔ اور میری غیر موجودگی میں ثمر حیات ہوتا تھا وہاں..... کیا تجھے پہلے خبر نہیں ہوئی تھی جب میں نے تم سے کہا تھا کہ.....'' وہ بہت جز بز ہو رہا تھا یہ احساس ہی بہت مار دینے والا تھا کہ اس کا خون، اس کی غیرت اتنے سالوں سے کہاں تھی اور کچھ وہ مشکوک بھی ہو رہا تھا۔

''بس ذرا دیر کے لیے بے ایمانی آ گئی تھی دل میں..... سوچا تھا لڑکی ذات ہوئی تو.....'' شاہجہان نے نظریں جھکا لیں۔ ''پر اس کے بعد دادا کبھی نہیں..... کتنے چکر لگائے آس پاس سے پوچھا..... پر میں نے تیرے ساتھ کیا وعدہ نبھایا۔ اسے کوٹھے کی محفلوں سے دور کسی قیمتی موتی کی طرح چھپا کر رکھا اور وہ ہے بھی ایسی ہی سیپ میں بند موتی کی طرح شفاف، پاکیزہ..... اسے مقدور بھر پڑھایا لکھایا اور اب تیرے ساتھ کیے وعدے کے مطابق اس کی

شادی کر رہی ہوں۔ آج اس کے رشتے کے لیے لڑکے کا باپ آیا تو تیرا پتا چلا سوچا ہاں کہنے سے پہلے تجھ سے بھی پوچھ لوں...... اس کے اسکول، کالج کے سرٹیفکیٹ پر تو ظہور ے کا نام ولدیت کے خانے میں لکھوا دیا تھا پر اب نکاح نامے پر اس کے اصل باپ کا نام لکھنا چاہتی ہوں دادا۔''

جلیل خان اس اچانک افتاد سے الجھ گیا تھا۔ وقت بہت آگے نکل چکا تھا۔ زندگی کئی رنگ بدل چکی تھی۔ وہ اب ایک چھوٹا موٹا دادا نہ تھا۔ ایک بہت بڑے گروہ کا بگ با تھا جس کی رسائی انڈر ورلڈ کے لوگوں تک تھی۔ کبھی جی چاہتا تھا کہ شاہجہان کو دے دلا کر بھیج دے لڑکی کی شادی بیاہ کا خرچ اٹھالے اور...... بس...... لیکن پھر اندر ہوتی جنگ پر ایک باپ غالب آ گیا۔ اس نے آج تک شادی نہیں کی تھی، وہ عورتوں سے دور بھاگتا تھا...... بس اس رات اس نے غم غلط کرنے کے لیے جو شراب پی تھی اس نے اسے بالکل ہی مدہوش کر دیا تھا۔

''لڑکا کیا کرتا ہے شاہجہان بیگم...... کیسا ہے، خاندان کیا ہے؟'' اپنی سوچوں سے نکل کر اس نے شاہجہان بیگم سے پوچھا۔

تب ہی ثمر حیات نے جو شاہجہان کو جلیل خان کے پاس چھوڑ کر خود سیمو کی طرف چلا گیا تھا اندر قدم رکھا۔ اس کے لبوں پر بڑی جاندار سی مسکراہٹ تھی۔

''بگ با...... کیا آپ کو اپنی بیٹی نجل کے لیے میرے بیٹے عظام کا رشتہ قبول ہے۔'' جلیل خان کی حیرت زدہ نظریں کچھ دیر ثمر حیات کی طرف اٹھی رہیں پھر یک دم اس نے اٹھ کر اسے گلے لگا لیا اور بازوؤں میں بھینچتے ہوئے بولا۔

''اوئے یہ کیا کہانی بن گئی حیاتے، پہلے تم میرے داماد تھے اور اب سمدھی بن گئے۔'' وہ قہقہہ لگا کر ہنسا۔

شاہجہان نے آنکھیں گھما، گھما کر ڈرائنگ روم کا جائزہ لیا۔ اور دل ہی دل میں ہنسی۔

''یہ سنہری بھی آدھی ولی ہو گئی ہے۔ سجو کا باپ ملوں کا مالک نہ سہی پر ان جیسا دولت مند ضرور لگتا ہے۔''

جلیل خان، ثمر حیات کے گرد ایک بازو حمائل کیے صوفے پر بیٹھ گیا تھا...... اور شاہجہان کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''میں تمہارا ممنون ہوں شاہجہان بیگم کہ تم نے میری بیٹی کو اپنی دنیا سے انجان رکھا...... لیکن تم تو لاہور میں تھیں یہاں کیسے اور عظام سے کیسے ملاقات ہوئی؟'' شاہجہان نے ساری بات بتائی۔ کہیں کچھ نہ چھپایا۔ الف سے یے تک ساری روداد کہہ دی۔

''صاحبزادہ صاحب کی تو فکر مت کرو...... وہ ایسا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ تم لاہور جانا چاہتی ہو تو میری خواہش ہے کہ تم میری وحدت روڈ والی کوٹھی میں رہو۔ وہ میں تمہارے نام کر دیتا ہوں۔ تم میری بیٹی کی ماں ہو...... میں چاہتا ہوں کہ تم اور تمہاری بیٹیاں اپنا پرانا پیشہ چھوڑ کر شریفانہ زندگی گزاریں۔ گزارے لائق خرچ تمہیں ملتا رہے گا...... کوشش کروں گا کہ دیکھ بھال کر موتیا اور سنہری کے رشتے بھی کروا دوں کہیں۔''

اس نے اتنی لمبی بات ایک ہی سانس میں کہہ ڈالی تھی۔ شاہجہان کی نظریں بھٹک، بھٹک کر ثمر حیات کے چہرے پر جا ٹھہرتی تھیں اس نے خانو دادا کی بات سنی تھی اور سمجھ بھی گئی تھی کہ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کی بیٹی کو اپنے رشتوں کے حوالے سے سسرال میں کوئی شرمندگی ہو۔

''تمہیں یاد ہو گا دادا تم نے بھی ایک قول دیا تھا۔''

''ہاں......'' خانو دادا سٹپٹایا۔

اسے اپنا قول اچھی طرح یاد تھا پر اب...... اس نے شاہجہان کی طرف دیکھا۔ اگر شاہجہان جیسی عورت اپنا وعدہ نبھا سکتی ہے تو وہ کیوں نہیں۔

''مجھے اپنا قول بھی یاد ہے اور الفاظ بھی لیکن تب اور اب میں بہت فرق ہو گیا ہے۔ جو زندگی میں گزار رہا ہوں

اس میں شادی شدہ زندگی کے تقاضے نبھانے کی گنجائش نہیں ہے۔ بعض اوقات میں مہینوں بلکہ سالوں ملک سے باہر رہتا ہوں...... بہ صورتِ حال اگر تمہیں منظور ہے تو میں ابھی تم سے نکاح پڑھوانے کے لیے تیار ہوں۔'' اور شاہجہان مسکرائی تھی۔

''پچاس سال کی عمر میں شاہجہان کو اس کی پروا بھی نہیں ہے خانو دادا...... بقول سنہری کے نکاح کے بول پڑھا کر صرف میں ہی معتبر نہیں ہوں گی۔ تیری سجل بھی اپنی سسرال میں معتبر ہو جائے گی۔''

''تو ٹھیک ہے، جلیل خان بھی اپنے قول کا پکا ہے۔'' وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

''چلو پہلے میری بیٹی سے تو مجھے ملواؤ...... ویسے اس خیال سے عجیب سا محسوس ہو رہا ہے کہ میں جلیل خان سچ مچ ایک بیٹی کا باپ ہوں...... اور بیٹی بھی وہ جسے آج تک دیکھا نہیں۔'' وہ ہولے سے ہنسا۔ ثمر حیات اور شاہجہان بھی کھڑے ہو گئے تھے۔ تب ہی ثمر حیات کے فون پر عظام کی کال آنے لگی۔

''بہت بے تاب ہو رہا ہے۔'' ثمر حیات نے کال کاٹ دی اور مسکراتا ہوا جلیل خان اور شاہجہان بیگم کے ساتھ باہر کی طرف بڑھ گیا۔

☆☆☆

عنبرین بیڈ روم میں آئی تو اس نے بیڈ پر پڑے گیلے تولیے کو دیکھا۔ بابر کی یہ بہت بری عادت تھی کہ نہانے کے بعد تولیا بیڈ یا صوفے پر پھینک دیتا تھا، وہ رات کو اچانک ہی آ گیا تھا اور اس کا موڈ بے حد خوشگوار تھا۔ دونوں نے ڈنر باہر ہی کیا تھا اور اب نہا کر ناشتا لینے گیا تھا۔ اسے نہاری اور پائے وغیرہ بہت پسند تھے اور اکثر وہ ناشتے پر لے کر آتا تھا۔ اس نے تولیا اٹھایا کہ ٹیرس پر پھیلا دے اور تولیا اٹھاتے ہوئے اچانک ہی اس کی نظر بابر کے فون پر پڑی جو تولیے کے نیچے رکھا تھا۔ بابر شاید بے دھیانی میں چھوڑ گیا تھا۔ ورنہ وہ اپنے فون کے لیے بہت محتاط رہتا تھا۔ اس نے غیر ارادی طور پر فون اٹھا لیا۔ افنان کی کئی مسڈ کالز تھیں اور ایک دو ایس ایم ایس کی بھی تھیں۔ رات اس نے فون سائلنٹ پر کر دیا تھا۔

''آج کی رات تمہارے نام۔ میں نہیں چاہتا کہ کسی کی فون کال ہمیں ڈسٹرب کرے۔'' بابر کی ایسی باتیں جو وہ کبھی کبھار ہی کرتا تھا ہمیشہ اسے خوش کر دیا کرتی تھیں سو وہ آج بھی خوش تھی...... وہ فون ہاتھ میں لیے دیکھ رہی تھی۔ وہ لاک نہیں تھا شاید اس لیے اس کی انگلیوں کے چھونے سے یک دم میسج کھل گیا تو اس نے یونہی ان باکس میں جا کر میسج پڑھنا شروع کر دیے۔ دوسرے میسج نے ہی اسے ساکت کر دیا تھا۔ میسج اوپن تھا۔ اس کا مطلب تھا بابر اسے پڑھ چکا تھا۔

''لڑکی کو شاہجہان کے پاس پہنچا دیا ہے۔ کام بالکل پلان کے مطابق انجام پا گیا ہے۔ یونیورسٹی سے واپسی پر میں......'' کچھ آہٹ ہوئی تھی باہر اس نے فوراً ہی گھبرا کر فون بیڈ پر پھینک دیا اور اوپر گیلا تولیا ایسے ہی پھینک کر تیزی سے بیڈ روم سے نکل کر لاؤنج میں آ گئی۔ کچھ دیر وہاں ہی کھڑی رہی لیکن جب بابر نہیں آیا تو وہ سمجھ گئی کہ کوئی اور ہو گا۔ وہ دھڑکتے دل کے ساتھ کچن میں آ گئی اور چائے کے لیے پانی رکھ دیا...... وہ اس میسج میں الجھی ہوئی تھی...... اس طرح کی بات اس نے پہلے بھی بابر سے سنی تھی جو کچھ دن بعد اس کے ذہن سے نکل گئی تھی۔ لیکن اب پھر میسج یہ بابر آخر کیا کرتا پھر رہا تھا...... پانی ابل رہا تھا...... اس نے چائے دم کی ہی تھی کہ بابر نے اندر آ کر شاپرز اسے پکڑا دیے۔

''ریفوڈ ئیر ذرا جلدی سے ناشتا لگا دو، مجھے دس بجے پراپرٹی ڈیلر سے ملنا ہے۔''

عنبرین نے خاموشی سے شاپرز پکڑ لیے گرم، گرم نان نکال کر ہاٹ پاٹ میں رکھے اور نہاری باؤل میں ڈال کر مائیکرو ویو میں گرم کرنے کے لیے رکھی۔ بابر سیدھا بیڈ روم میں چلا گیا تھا...... اس نے کھڑکی سے دیکھا وہ فون

اٹھائے کسی سے بات کر رہا تھا۔لیکن آواز اتنی مدھم تھی کہ وہ سن نہیں سکی......اس نے ناشتا ٹیبل پر لگایا اور بابر سے جو اب صوفے پر بیٹھ چکا تھا ناشتا کرنے کے لیے کہا۔

بابر اٹھ کر ٹیبل تک آیا ہی تھا کہ اس کا فون بج اٹھا......اس نے اس کی پلیٹ میں نان رکھتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔

''اوہ...... ہاں کیا ہوا افی...... یار رات میں نے فون سائلنٹ پر کر دیا تھا تم نے کب کال کی تھی۔اوہ اچھا ابھی کی تھی...... کیا ہوا...... خیریت ہے......اوہ نہیں...... کب ہوا یہ واقعہ......اور تمہیں کب پتا چلا...... تفصیل بتاؤ مجھے......'' دوسری طرف کی بات سننے کے بعد اس نے تسلی دی۔

''تم پریشان مت ہو...... میں بس ابھی نکل رہا ہوں لاہور کے لیے اور تمہاری ماما کو لے کر میں پہلی دستیاب فلائٹ سے کراچی آ رہا ہوں۔'' وہ ایمل کو گوجرانوالہ جانے کا بتا کر نکلا تھا کہ اماں اور ابا سے مل کر کل تک آ جاؤں گا۔عنبرین ٹیبل پر ہاتھ رکھے کھڑی تھی۔

''بیٹھ جاؤ یار، ناشتا کرو۔''

''کیا ہوا بابر خیریت ہے ناں......؟'' وہ پریشان سی اسے دیکھ رہی تھی۔

''خیریت تو نہیں ہے، رتی کو کل کسی نے اغوا کر لیا۔یونیورسٹی سے واپس آتے ہوئے۔یونیورسٹی جاتے ہوئے اس نے افنان سے کہا تھا کہ وہ یونیورسٹی کے بعد عالیہ کی طرف چلی جائے گی کیونکہ اس کی مہندی کا فنکشن تھا اور اس نے افی سے یہ بھی کہا چونکہ رات کو فنکشن ختم ہوتے، ہوتے دیر ہو جائے گی اس لیے رات وہ اُدھر ہی رہے گی۔لیکن دس بجے صبح عالیہ نے لینڈ لائن پر فون کیا کیونکہ رتی کا فون بند تھا۔افنان نے ریسیو کیا، عالیہ گلہ کر رہی تھی کہ وہ رات اس کی مہندی کے فنکشن میں نہیں آئی تھی اس لیے وہ اس سے ناراض ہے۔افنان بیچارہ تو پریشان ہو گیا۔کیونکہ رتی یونیورسٹی سے گھر واپس ہی نہیں آئی تھی۔وہ گاڑی لے کر یونیورسٹی کی طرف نکلا کہ شاید کسی اور فرینڈ کی طرف چلی گئی ہو لیکن راستے میں ہی اس کی گاڑی ایک جگہ روڈ سے ہٹ کر کھڑی تھی......اس کے کلاس فیلوز نے بتایا کہ وہ یونیورسٹی سے عالیہ کے گھر جانے کے لیے ہی نکلی تھی۔شاید تاوان کا چکر ہے۔'' بابر نے پورے اطمینان سے تفصیل بتائی جبکہ وہ اس دوران ٹیبل پر یونہی ہاتھ رکھے سانس روکے اس کے چہرے کے تاثرات نوٹ کر رہی تھی، وہ بالکل بھی اس طرح پریشان نہیں لگ رہا تھا جس طرح اسے پریشان ہونا چاہیے تھا۔اس نے ہمیشہ یہ ظاہر کیا تھا کہ وہ رتی سے بہت محبت کرتا ہے لیکن اس وقت وہ تفصیل بتا کر بہت رغبت سے ناشتا کر رہا تھا......عنبرین کے دماغ میں ہلچل مچی ہوئی تھی۔

''ناشتا نہیں کرنا کیا؟'' بابر نے نظر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔

''تمہیں پتا ہے بابر اتنا ہیوی ناشتا مجھے پسند نہیں ہے۔''

''او کے پھر چائے لے آؤ۔'' بابر نے ہاٹ پاٹ سے دوسرا نان نکالا......ایک بار پھر اس کا فون بج اٹھا۔کچن کی طرف جاتی عنبرین کے قدم سست ہوئے۔

''اوہ ممی، میری افنان سے بات ہو گئی ہے۔ساڑھے بارہ بج رہے ہیں، میں بس دو بجے تک پہنچ جاؤں گا۔آپ دعا کریں رتی مل جائے گی۔'' ناشتا کرنے کے بعد اس نے اطمینان سے سگریٹ سلگایا۔کسی پراپرٹی ڈیلر سے کچھ دیر باتیں کرتا رہا۔

''اور اگر وہ رتی کا سگا باپ ہوتا تو کیا تب بھی وہ اتنا ہی مطمئن ہوتا......'' اپنے لیے چائے کپ میں ڈالتے ہوئے عنبرین نے سوچا۔

''وہ اتنا مطمئن کیوں ہے..... جیسے رتی کے اغوا کی خبر اس کے لیے نئی نہیں رکھتی جیسے وہ پہلے سے جانتا تھا کہ رتی.....'' وہ چونکی میسج کے الفاظ اس کی آنکھوں کے سامنے آگئے۔ گھبرا کر اس نے ہاتھ میں پکڑا چائے کا کپ ٹیبل پر رکھ دیا۔ اسے یک دم بابر سے خوف محسوس ہونے لگا تو وہ ٹیبل سے برتن اٹھا کر کچن میں چلی گئی..... اس نے خود کو کچن میں مصروف کرلیا..... وہ برتن دھو رہی تھی جب بابر کچن کے دروازے تک آیا۔

''میں جارہا ہوں، کراچی جانا پڑے گا مجبوری ہے پھر جلدی آؤں گا۔''

''رتی.....'' بے اختیار اس کے لبوں سے نکلا۔''اگر وہ نہ ملی تو.....؟'' اس کی آنکھیں نم ہوگئی تھیں۔ آنکھوں کے سامنے ارتقاع آرہی تھی۔

''مل جائے گی۔ تاوان کا چکر ہوگا..... اس کی ماں کے پاس بہت پیسہ ہے۔ چھڑالے گی اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ خود ہی کہیں چلی گئی ہو۔ بہت آزادی تھی، کئی بوائے فرینڈ تھے اس کے..... میں ٹوکتا نہیں تھا کہ ایمل یہ نہیں کہے کہ سوتیلا باپ ہوں تو.....'' عنبرین کو وہ اس وقت بہت سفاک لگا۔ رتی ایسی نہیں تھی اس کے دل نے گواہی دی تھی..... بابر اس کا رخسار تھپتھپاتا ہوا کچن سے باہر نکلا اور ٹیبل سے گاڑی کی چابی اٹھاتا ہوا باہر نکل گیا..... وہ اس کے جانے کے بعد برتن یوں ہی سنک میں چھوڑ کر باہر لاؤنج میں آئی اور صوفے پر بیٹھ گئی اب وہ رو رہی تھی اور وہ خود بھی نہیں جانتی تھی کہ وہ کیوں رو رہی ہے۔

☆☆☆

ایمل مچل مچل کر رو رہی تھی۔ تڑپ رہی تھی۔

''ممی میری ارفی.....'' اور ممی کو سمجھ نہیں آرہا تھا کہ وہ کیسے اسے سنبھالیں۔ خود ان کی اپنی حالت بھی بہت بری تھی۔

''بابر آرہا ہے پھر چلتے ہیں کراچی حوصلہ کرو، دعا کرو.....''

''ممی میرا دل پھٹ رہا ہے۔ میں کیا کروں، میری سمجھ میں کچھ نہیں آرہا۔'' انہیں تو خود ہی کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ اسے کیسے تسلی دیں۔ کل بابر، ایمل کو چھوڑ کر اپنے ماں، باپ سے ملنے گوجرانوالہ چلا گیا تھا۔ انہوں نے بھی اسے روکا نہیں تھا کیونکہ انہیں تنہائی میں ایمل سے بات کرنی تھی۔ ہمدانی صاحب نے جو کچھ انہیں بتایا تھا وہ ایمل کو بتانا چاہتی تھیں لیکن انہوں نے سوچا تھا کہ دو آرام اور سکون سے ایک دو روز تک ایمل کو بابر کی شادی کے متعلق بتائیں گی وہ ذرا ریلیکس ہوجائے تو ابھی تو وہ خود ہی ارتقاع کے رویے کی وجہ سے پریشان تھی۔

لیکن اب یہ واقعہ ہوگیا تھا۔ ناشتا کر کے وہ فارغ ہوئی ہی تھیں کہ افنان کا فون آگیا تب سے ایمل ماہی بے آب..... کی طرح تڑپ رہی تھی۔

''ایما..... میری جان..... صبر کرو، دعا کرو بابر آتا ہی ہوگا۔'' انہوں نے اس کے پاس بیٹھتے ہوئے اسے گلے سے لگایا..... تب ہی پریشان سا گھبرایا ہوا بابر لاؤنج میں آیا۔''بابر.....'' وہ اٹھ کر اس سے لپٹ گئی۔

''بابر خدا کے لیے میری ارفی کو لے آؤ..... جانے کیا حال ہوگا اس کا۔'' بابر کچھ دیر تسلی دینے کے انداز میں ہولے ہولے اسے تھپکتا رہا پھر آہستگی سے اسے الگ کیا اور بازو سے پکڑ کر صوفے پر بٹھایا اور خود بھی پاس بیٹھتے ہوئے اس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیے۔

''ایما اس طرح رونے اور جذباتی ہونے سے مسئلے حل نہیں ہوتے..... یہ بہت سوچ سمجھ کر حل ہونے والا مسئلہ ہے۔ نائنٹی پرسنٹ یہ اغوا برائے تاوان کا کیس لگتا ہے۔ پچھلے دنوں کئی واقعات ہوئے ہیں وہاں۔ میں نے افنان کو کہہ دیا ہے کہ جیسے ہی اس طرح کی کوئی کال آئے فوراً فون کرے اور تم جلدی سے تیار ہوجاؤ۔ ہمیں ابھی نکلنا ہے۔ گھنٹے بعد کی فلائٹ میں دو سیٹیں مل گئی ہیں۔ ایک دوست ہے میرا، ہاں ائرپورٹ پر وہ کہہ رہا ہے فوراً نکل

آئیں..... پندرہ بیس منٹ تو یہاں سے ائرپورٹ پہنچنے میں لگ جائیں گے۔"

"ممی....." ایمل نے ممی کی طرف دیکھا۔

"ہاں ٹھیک ہے، تم اور بابر ... چلے جاؤ..... میں اس طرح فوراً تمہارے ساتھ نہیں چل سکتی..... اگلی فلائٹ میں آجاؤں گی..... نہ جانے کتنے دن لگ جائیں۔ گھر کا سب انتظام کر کے ہی جانا ہے..... چوکیدار کے سوا سب ملازموں کو چھٹی دینی ہوگی..... اللہ کا نام لے کر تم نکلو..... اگلی فلائٹ میں مجھے انشاء اللہ سیٹ مل جائے گی میں ہمدانی صاحب سے کہہ دیتی ہوں۔"

"بابر پلیز دانتان سے کہہ دو وہ جو کہیں اُن کی بات مان لے..... ہم وہ دیں گے جتنا مانگا انہوں نے بس میری ارفی کو کچھ نہ کہیں وہ......"

"او کے..... او کے..... دیکھتے ہیں، تم چلو اٹھو منہ ہاتھ دھو لو، ٹائم نہیں ہے ہمارے پاس۔" وہ ایمل کو اٹھا کر بیڈروم کی طرف لے گیا۔

ممی وہاں ہی بیٹھی تھیں۔ انہیں لگ رہا تھا جیسے ان کے ہاتھ پاؤں میں طاقت نہیں رہی ہو وہ جو ایمل کی وجہ سے ضبط کیے ہوئے تھیں، ایمل کے اٹھتے ہی اُن کا ضبط جواب دے گیا اور انہوں نے صوفے کی پشت سے سر لگا لیا اور گرم سیال ان کی آنکھوں سے بہنے لگا۔

☆☆☆

بابر کو گھر سے نکلے نہ جانے کتنی دیر ہو گئی تھی اور عنبرین ابھی تک صوفے پر بیٹھی تھی..... ٹیبل پر چائے کے کپ اور باقی ماندہ پلیٹیں پڑی تھیں۔ "کیا بابر نے ارتفاع کو خود اغوا کروایا ہے؟" اس نے خود سے پوچھا۔ "لیکن کیوں......؟" "لیکن اس کیوں کا جواب اس کے پاس نہیں تھا..... وہ رات کو ورلڈ ٹور کا پروگرام بنا تا رہا تھا۔" "تو کیا وہ اس طرح تاوان وصول کر کے پیسہ اکٹھا کرنا چاہتا ہے" "لیکن پھر اس نے خود ہی اس خیال کو رد کر دیا..... اس کے ذہن میں وہ فون کال آگئی تھی جب بابر کسی سے کہہ رہا تھا..... "دام کھرے کرنا چاہو تو بے شک کر لو....." "یعنی معاملہ پیسے کا نہیں ہے اور پھر بھلا بابر کے پاس پیسوں کی کیا کمی ہے۔ مسیج کے الفاظ بار بار اس کی آنکھوں کے سامنے آرہے تھے..... بابر کے آدھے نامکمل سے جملے..... ہر بات اس کی طرف اشارہ کر رہی تھی کہ ارتفاع کو بابر نے خود..... اس کا سر دکھنے لگا تو وہ سر جھٹک کر کھڑی ہو گئی۔

"مجھے کیا، میں کیوں اتنی ٹینس ہو رہی ہوں، وہ بابر کی بیٹی ہے بھلے سوتیلی ہی سہی..... اس کا دردِ سر ہے۔" سنک میں ان دھلے برتن پڑے تھے۔ ابھی اس نے صفائی بھی کرنی تھی اور ٹیلر سے کپڑے لینے بھی جانا تھا۔ وہ سنک کے سامنے آکر کھڑی ہو گئی اور ایک کپ پر صابن کی جھاگ لگائی۔

"اگر ارتفاع کی جگہ میری بیٹی ہوتی تو کیا تب بھی مجھے فرق نہیں پڑتا....." اس کی آنکھوں کے سامنے اپنی بیٹی کا چہرہ آگیا..... مایوں کے لباس میں شرمائی گھبرائی سی..... "نہیں....." اس نے ایک جھرجھری سی لی۔ "اللہ نہ کرے۔ میری بیٹی کے ساتھ ایسا ہو..... وہ بھی تو کسی کی بیٹی ہے۔" دل نے سرگوشی کی..... وہ ہاتھ میں پکڑا گلاس سنک میں رکھ کر کچن کی کرسی پر بیٹھ کر رونے لگی..... اس کے دل پر یک دم ہی بہت سا بوجھ آگرا تھا۔ "یہ تم تھیں عنبرین جس نے ایمل کا گھر برباد کیا تھا..... اگر تم ایسا نہ کرتیں تو ارتفاع آج اپنے سگے باپ کے سائے تلے پلتی۔" اس کا ضمیر مسلسل اسے کچوکے لگا رہا تھا۔ "اللہ نے تمہیں موقع دیا ہے عنبرین کہ تم آج کفارہ ادا کر سکو..... شاید پھر قدرت تمہیں یہ موقع نہ دے۔ لیکن اس کے بعد کیا ہوگا بابر مجھے اپنی زندگی سے نکال دے گا..... اور میں کہاں جاؤں گی۔ میرا کون ہے؟ نہیں اور پھر کیا خبر مسیج میں کس لڑکی کا ذکر ہے..... میں خواہ مخواہ بابر کی نظر میں معتوب ٹھہروں اور بابر کتنا مہربان ہے آج کل..... وہ ورلڈ ٹور، سوسائٹی میں متعارف کروانے کا وعدہ....." اندر

مسلسل جنگ جاری تھی۔ کبھی خود غرضی غالب آجاتی اور کبھی ضمیر جیت جاتا...... آخر میں جیت ضمیر کی ہوئی۔ وہ ایک بار پھر حساب کتاب کرنے لگی...... جواب یہی تھا کہ رتی کو بابر نے خود اغوا کروایا ہے...... ''یا اللہ ارتقاع کی عزت و آبرو کی حفاظت کرنا...... اسے اپنے حفظ و امان میں رکھنا۔'' اس نے زیر لب دعا مانگی اور کھڑی ہوگئی۔ ''میں بہر حال ایک کوشش ضرور کروں گی۔ کامیابی، ناکامی اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ مجھے ابھی حامد ولا...... میں جا کر ایمل کو سب کچھ بتا دینا چاہیے۔ مجرم کی نشاندہی ہوگئی تو پھر ارتقاع کو ڈھونڈنا مشکل نہیں ہوگا......'' وہ اٹھی منہ پر پانی کے چھینٹے مارے اور گھر لاک کر کے باہر روڈ پر آگئی...... ''اس سے پہلے کہ ایمل نکل جائے اسے جا کر ساری حقیقت بتانی ہے۔'' اس نے سوچتے ہوئے ہاتھ کے اشارے سے ایک رکشے کو روکا اور اس میں بیٹھ گئی۔

ایمل اور بابر کے جانے کے بعد کچھ دیر تک ممی یونہی صوفے پر بیٹھی رہیں ایک بار انہوں نے سوچا کہ وہ ہمدانی صاحب یا میجر طاہر کو فون کریں اور ان سے مشورہ کریں لیکن پھر انہوں نے سوچا کہ یہ ایسی بات نہیں ہے کہ غیروں سے ڈسکس کی جائے۔ ''اللہ کرے کہ ارتقاع کا پتا چل جائے...... تاوان کی رقم دینے کے لیے وہ تیار ہیں......'' وہ ہمت کر کے اٹھیں اور ملازمہ کے ساتھ مل کر کمرے وغیرہ لاک کیے، چیزیں سنبھالیں ملازموں کو ہدایات دیں...... صفائی وغیرہ کرنے والی کو ایک ہفتے کی چھٹی دی اور اپنا بیگ تیار کر کے وہ لاؤنج میں آگئیں تاکہ ہمدانی صاحب کو فون کر کے اپنے لیے سیٹ بک کروانے کا کہیں...... ابھی انہوں نے نمبر ملانے کے لیے فون اٹھایا ہی تھا کہ چوکیدار نے لاؤنج کے دروازے پر دستک دی...... اور پھر ملازم لڑکی کے دروازہ کھولنے پر عنبرین اندر آگئی۔

''مجھے ایمل سے ملنا ہے۔''

''ایمل باجی تو چلی گئی ہیں اور بڑی بیگم صاحبہ بھی کراچی جا رہی ہیں۔ آپ......؟'' عنبرین نے ملازم لڑکی کی بات کو نظرانداز کر دیا اور سامنے کھڑی ممی کی طرف بڑھی جو اس کی طرف ہی دیکھ رہی تھیں۔

''سوری...... میں نے آپ کو پہچانا نہیں۔'' اسے قریب آتے دیکھ کر ممی نے پوچھا۔

''میں عنبرین ہوں، ایکچوئیلی مجھے ایمل سے ملنا تھا لیکن میں شاید کچھ لیٹ ہوگئی ہوں...... آپ ایمل کی ممی ہیں ناں......؟'' اس نے لمحہ بھر کے لیے نظریں اٹھائیں۔

''پلیز آپ میری بات سن لیں۔''

''میں بہت جلدی میں ہوں، مجھے ابھی کراچی کے لیے نکلنا ہے۔ آپ پلیز بعد میں کسی روز آجایئے گا۔''

''میری بات بہت ضروری ہے میم، مجھے ارتقاع کے متعلق بات کرنی ہے۔''

وہ چونک کر اسے دیکھنے لگیں اور اپنا ہاتھ صوفے کی بیک پر رکھا۔

''مجھے ارتقاع کے اغوا کے متعلق کچھ بتانا ہے۔''

''کیا...... کیا جانتی ہیں آپ ارتقاع کے اغوا کے متعلق...... آپ کو کس نے بتایا؟'' ان کی آواز میں لرزش تھی اور وہ صوفے پر بیٹھ گئی تھیں۔ انہوں نے عنبرین کو بھی بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

اور عنبرین نے سر جھکائے شروع سے لے کر آخر تک سب کچھ کہہ دیا۔

ممی ساکت بیٹھی تھیں۔

''میں جانتی ہوں بابر مجھے طلاق دے دے گا یا مجھ سے بہت برا سلوک کرے گا...... میں کچھ بھی یقین سے نہیں کہہ سکتی۔ لیکن مسز حامد میری بھی ایک بیٹی ہے...... میں خود کو روک نہیں سکی...... میں نے بہت برا کیا...... میرا عمل قابلِ نفرت ہے۔ شاید میں قابلِ معافی بھی نہیں ہوں...... لیکن مجھے نگار ارتقاع میری بیٹی ہے اور......'' وہ دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا کر رونے لگی۔ مسز حامد نے ایک لفظ بھی نہیں کہا تھا...... بابر اتنا بھی گر سکتا ہے...... انہیں یقین نہیں آرہا

تھا..... اور شاید کبھی نہ آتا اگر کرنل حامد نے وہ خط نہ لکھا ہوتا اور ہمدانی صاحب نے تصدیق نہ کی ہوتی۔

''شاید آپ کو میری بات کا یقین نہیں آیا۔'' اس نے ہاتھوں کی پشت سے چہرہ صاف کیا۔

''یہ میرے پاس نکاح نامے کی کاپی ہے جو میں اس لیے ساتھ لے کر آئی ہوں تا کہ ..!''

''مجھے تمہاری بات کا یقین ہے عنبرین کیونکہ مجھے بابر کی شادی کا علم ہے۔ تم یہ بتاؤ یہ شاہجہان کون ہے؟''

''میں نہیں جانتی ...... لیکن میرا اندازہ ہے کہ وہ کوئی شریف عورت نہیں ہے کیونکہ مہینہ بھر پہلے جب بابر فون پر کسی سے بات کر رہا تھا تو اس نے لڑکی کے دام کھرے کرنے کی بات بھی کی تھی...... پلیز آپ کو جو کچھ کرنا ہے جلدی کریں کہیں کوئی نقصان نہ ہو جائے۔''

''میں کیا کر سکتی ہوں۔'' انہوں نے بے بسی سے اس کی طرف دیکھا۔ ''میں اگر ایمل سے بات کروں تو کیا وہ یقین کرلے گی۔ کیا انسان اپنے باپ کے متعلق ایسا سوچ سکتا ہے۔ شاید نہیں...... لیکن تم اگر میرے ساتھ کراچی چلو تو شاید بابر مکر نہ سکے...... کیا تم چلو گی؟''

وہ تو اپنی ساری کشتیاں جلا آئی تھی۔ وہ ارتقاع کو بچانا چاہتی تھی۔ وہ برسوں پہلے کی گئی غلطی کا کفارہ ادا کرنا چاہتی تھی۔

''ٹھیک ہے، میں آپ کے ساتھ جانے کے لیے تیار ہوں۔'' اس نے ایک گہری سانس لی۔ ''اب جو ہو سو ہو۔''

مسز حامد نے اس کا شکریہ ادا کیا اور اپنی اور اس کی سیٹ بک کروانے کے لیے ہمدانی صاحب کو فون کرنے لگیں۔

☆☆☆

تجل آئی سی یو میں تھی اور اسے یہاں آئے تین گھنٹے ہو گئے تھے لیکن اسے ابھی تک ہوش نہیں آیا تھا اور یہ سب موراں کا کیا دھرا تھا۔

''ایک بار تجل کو ہوش آجائے تو پھر میں اس موراں کی بچی کا جو حشر کروں گی عمر بھر یاد رکھے گی منحوس......'' سنہری نے وزیٹرز لاؤنج میں بیٹھی ہوئی شاہجہان سے کہا۔ یہاں شاہجہان کے علاوہ جلیل خان، ثمر حیات، عظام اور مدثر حسن سب ہی موجود تھے۔ عظام از حد پریشان تھا۔ وہ بار، بار آئی سی یو تک جاتا اور موتیا سے اس کے متعلق پوچھ کر باہر آجاتا..... ثمر حیات نظروں ہی نظروں سے اسے تسلی دے رہے تھے۔ کبھی کبھار اس کے بازو کو تھپتھپا کر اسے حوصلہ دیتے۔ سنہری نے شاہجہان کی طرف دیکھا جس نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا تھا۔

''یہ کمبخت موراں......'' اس نے دانت پیسے۔ ''جل گئی ہماری خوشی سے۔'' وہ اور موتیا کتنی خوش، خوش تجل کے کمرے میں بیڈ پر بیٹھی اسے تیار ہوتا دیکھ رہی تھیں جب موراں کمرے میں بوکھلائی ہوئی سی داخل ہوئی تھی۔ تجل نے مڑ کر دیکھا تھا اور اس کے لبوں پر شرمگیں سی مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔

''کیا اماں نے بلایا ہے تجو کو......؟'' سنہری نے پوچھا تھا۔

''لو وہ بیچاری اب کیا بلائے گی۔'' موراں نے نفی میں سر ہلایا تھا۔

''کیوں، کیا ہوا؟'' سنہری پریشان ہوئی تھی۔

''عظام کے ابا تو آئے ہوئے ہیں ناں......؟''

''ہاں...... آں......'' موراں نے بے معنی سی آواز نکالی۔ ''حاتی داوا آیا ہوا ہے نیچے اپنی تجو کا باپ......'' موراں نے آخر آج وہ راز اگل ہی دیا جو برسوں سے دل میں چھپائے بیٹھی تھی۔

''وہ نہیں ہے تجو کا باپ......'' سنہری نے اسے ڈپٹا تھا۔

لیکن موراں کو اس میں کوئی شک و شبہ نہیں تھا۔ اس رخ کا پورا منظر اس کی آنکھوں کے سامنے آ گیا تھا۔ اور پھر کب کوئی شاہجہان کی خواب گاہ میں آیا تھا۔

''وہی ہے تو کا باپ......'' اس نے پورے یقین سے کہا۔ ''ارے مجھ سے بہتر کون جانتا ہے پر غضب یہ ہوا ہے کہ عظام اسی دتی دادا کا بیٹا ہے۔ لو بھلا اب بہن بھائی۔'' موراں نے ہاتھ ملے تھے......اور بجل پورے قد سے نیچے گری تھی۔ موتیا چیخ کر اسے سنبھالنے کے لیے اٹھی تھی اور سنہری نے اسے دھکا دیا تھا۔

''منحوس، کمبخت، بکل جبی'' (کالی زبان والی) اور تیزی سے بجل کی طرف آئی تھی جس کا رنگ لمحوں میں سپید ہو گیا تھا۔ موتیا اسے پکار رہی تھی۔ اس کے ہاتھ مل رہی تھی۔

''بجو......بجل جھوٹی ہے یہ موراں، اماں نے ایک بار بھی اپنی زبان سے اقرار نہیں کیا کہ حاتی دادا......'' وہ شاہجہان کو بلاتی نیچے کی طرف بھاگی لیکن لاؤنج خالی پڑا تھا......اس نے لاؤنج کا دروازہ کھولا اور گیٹ کے پاس کھڑے شیدے کو آواز دی تھی۔

''شیدے......او شیدے......جا بھاگ کر ٹیکسی پکڑ کر لا......بجو کو اسپتال لے کر جانا ہے......اور یہ اماں کہاں گئی ہیں۔''

''پتا نہیں......'' شیدے نے نفی میں سر ہلایا تھا۔

اور وہ شیدے کو ٹیکسی کا کہہ کر بھاگتی ہوئی اوپر آئی تھی۔ سوتیا، بجل کا سر گود میں رکھے نیچے کارپٹ پر بیٹھی تھی......وہ پاس بیٹھ کر اس کے تلوے ملنے لگی......جانے کتنی دیر گزر گئی تھی۔ شیدا ٹیکسی لے کر نہیں آیا تھا۔

''یا اللہ، یہ شیدا کہاں مر گیا؟'' وہ پھر نیچے آئی تھی اور تب ہی شاہجہان واپس آ گئی تھی اور ساری بات سن کر اس نے موراں کو ڈانٹا تھا۔

''مجھ سے تو پوچھ لیا ہوتا کمبخت، بلا سوچے سمجھے جو منہ میں آتا ہے بول دیتی ہے......یہ ہے بجو کا باپ جلیل خان......اور میں حاتی دادا کے ساتھ اس کی طرف گئی تھی۔'' اور سنہری نے بہت حیرت سے اس شاندار شخص کو دیکھا تھا اگر کوئی اور وقت ہوتا تو وہ جانے کیا کرتی لیکن اس وقت تو بجو کی جان کی پڑی تھی۔

''اماں......اماں......'' موتیا تقریباً بھاگتی ہوئی وزیٹر لاؤنج کی طرف آئی تھی۔

''بجو کو ہوش آ گیا ہے۔'' اور وہ سب ایک ساتھ اٹھے تھے۔ شاہجہان، سنہری، جلیل خان اور عظام، موتیا کے پیچھے چلے گئے تھے جبکہ مدثر حسن اور ثمر حیات وہاں ہی بیٹھے رہے تھے۔ مدثر حسن کو جانا مناسب نہیں لگا تھا اور...ثمر حیات بھی ان کے ساتھ ہی بیٹھے رہے تھے۔ آئی سی یو میں تو یوں بھی اتنے سارے لوگ اکٹھے نہیں جا سکتے تھے۔

''ثمر حیات صاحب یہ محبت کا جذبہ بھی کیا جذبہ ہوتا ہے۔ کبھی کبھی سوچتا ہوں۔'' مدثر حسن، ثمر حیات سے کچھ کہنا ہی چاہتے تھے کہ ثمر حیات معذرت کر کے اٹھ کھڑے ہوئے۔

''ایک منٹ پروفیسر صاحب میں ابھی آیا۔'' ثمر حیات کی نظریں اچانک ہی اس کی طرف اٹھی تھیں۔

یہ وہی تھا......وہی لڑکا مقبول بٹ کا ہم شکل یہ وہی اسپتال تھا جس میں رواحہ ایڈمٹ تھا اور چند دن قبل اسے اس لڑکے پر مقبول بٹ کا گمان ہوا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ آج پھر کسی کمرے میں گم ہو جاتا اس نے اسے جا لیا۔

''کیا میں آپ کا نام پوچھ سکتا ہوں؟''

''نبیل بٹ......'' لڑکے نے مڑ کر اسے دیکھا اور مسکرایا۔

''آپ کے والد کا نام؟''

''مقبول بٹ......''

''آپ لاہور سے ہیں؟''

''جی......'' لڑکے کی آنکھوں میں حیرت نظر آئی۔ ثمر حیات کے دل کی دھڑکن تیز ہوئی۔

''وہ کہاں ہوتے ہیں پاکستان یا یوکے......''

''ابو تو ادھر ہی آئے ہوئے ہیں۔''

تب ہی اس روم کا دروازہ کھول کر کوئی باہر آیا تھا جس کے سامنے وہ دونوں کھڑے تھے...... نبیل بٹ نے مڑ کر پیچھے دیکھا۔

''ابو جی یہ آپ کا پوچھ رہے ہیں۔'' مقبول بٹ نے ایک نظر اسے دیکھا...... اور پھر بازو پھیلائے اس کی طرف بڑھا۔

''ثمر حیات...... اوئے ثمرے تو کہاں مر گیا تھا۔ کب سے تجھے ڈھونڈتا پھر رہا ہوں...... کچھ عرصہ پہلے کراچی آیا تھا...... یہ تیرا بھتیجا ادھر ہی جاب کرتا ہے...... میری طرح یہ بھی سسرال کے شہر کو بسائے بیٹھا ہے۔ اس کی بیوی کراچی کی ہے ناں...... تو میں کہہ رہا تھا کہ میں اس کے پاس آیا تھا ملنے تو ایک دن اچانک تیری جھلک نظر آ گئی تھی۔ ایک گھر میں جاتے دیکھا تھا۔ پہلے شک تھا یقین نہیں تھا اس لیے چلا گیا پر گھر جا کر دل بار بار کہتا تھا کہ میں نے جس شخص کو دیکھا ہے ہو نہ ہو وہ اپنا ثمر حیات ہی ہے۔'' اس نے اسے خود سے الگ کیا۔

''بس تو پھر اللہ کا نام لے کر تیرے گھر آیا پر تیرے چوکیدار نے بتایا کہ تم کہیں باہر گئے ہوئے ہو...... سوچا تھا ہفتہ ڈیڑھ ہفتہ بعد پھر چکر لگاؤں گا پر ماموں کی بیماری کی خبر آ گئی لندن سے تو بس جانا پڑا۔ تجھے پتا تو ہے ناں ماموں صرف ماموں نہیں سسر بھی ہے۔ چند ہی روز پہلے آیا ہوں اور اماں کو لے کر سیدھا کراچی پہنچا ہوں پر یہاں آتے ہی جو اماں بیمار ہوئیں تو دس بارہ دن سے یہاں داخل ہیں۔''

مقبول بٹ آج بھی پہلے کی طرح بے تحاشا بولتا تھا۔ ثمر حیات نے بہت تحمل سے اس کی بات سنی تھی۔ البتہ اماں کے ذکر پر چونکا تھا۔ کیونکہ مقبول بٹ کی والدہ کا تو اس کے لندن جانے کے چند دن بعد ہی انتقال ہو گیا تھا۔ بیچارہ مقبول ماں کا آخری دیدار بھی نہیں کر سکا تھا۔ ممکن ہے وہ اپنی ممانی کو ہی ساس کے رشتے سے اماں کہہ رہا ہو۔

''کیا ہوا ثمر حیات بولتے کیوں نہیں...... ہمیشہ کی طرح میں ہی بولے جا رہا ہوں۔'' اچانک مقبول بٹ کو خیال آیا تھا کہ ثمر حیات بالکل خاموش ہے۔

''اس لیے کہ ہمیشہ کی طرح تم مجھے بولنے کا موقع ہی نہیں دے رہے۔'' ثمر حیات مسکرایا۔

''اوہ...... ہاں۔'' اس نے خجل سا ہو کر قہقہہ لگایا۔

''یہ بتا بھابی کیسی ہیں، بچے کتنے ہیں...... ویسے یار تم ہو بڑے گھنے کبھی پتا ہی نہیں چلنے دیا کہ تم اور فرحی......'' اور ثمر حیات کو یوں لگا جیسے کسی نے اس کے دل پر ضرب لگائی ہو۔

''ابو یہاں ہی کھڑے رہیں گے۔ اندر کمرے میں چل کر آرام سے بات کریں۔'' نبیل نے اسے کہا تو اسے احساس ہوا کہ بہت دیر سے وہ کاریڈور میں کھڑے ہیں۔

''اوہ...... ہاں...... دراصل ثمر کو اتنے سالوں بعد اچانک دیکھ کر جو خوشی مجھے ہو رہی ہے ناں اس نے بوکھلا دیا ہے۔ ایک ہی وقت میں بہت ساری باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ خیر چلو آؤ تمہیں اماں سے ملواؤں۔'' مقبول بٹ کے ہونٹوں پر ایک بھید بھری مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ وہ اس مسکراہٹ کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہوا اس کے ساتھ کمرے میں داخل ہوا سامنے ہی بیڈ پر ٹیک لگائے وہ بیٹھی تھیں۔

''کہاں رہ گیا تھا بتر..... بس اب مجھ سے صبر نہیں ہوتا۔ میں بھی بتی ہوں..... ان ڈاکٹروں نے خواہ مخواہ روک رکھا ہے، مجھے اسپتال سے لے جاؤ بس ایک بار مرنے سے پہلے اپنے بیٹے کو اپنے ثمر کو دیکھ لوں تو.......'' اور ثمر حیات کو ایک ہی لمحہ لگا تھا اماں کو پہچاننے میں..... سینتیس، اڑتیس سال پہلے وہ اتنی بوڑھی نہیں تھیں اور اب جھریوں بھرے چہرے والا دبلا پتلا وجود.......

''اماں جی.....'' وہ تیر کی طرح مقبول بٹ کو ایک طرف ہٹاتا ان کی طرف لپکا تھا۔

''ثمر.....ثمری میرا بیٹا..... میرا شہزادہ.....'' بوڑھے، کمزور بازوؤں نے اسے اپنے حصار میں لیا تھا۔ جھریوں بھرے ہاتھ بار، بار اس کے چہرے کو اپنے ہاتھوں کے پیالے میں لیتے..... اور بے یقینی سے دیکھتی آنکھیں برس پڑتیں..... دونوں کے آنسو رک نہیں رہے تھے۔

''ثمر پلیز بس کرو اماں کے لیے اتنی جذباتیت نقصان دہ بھی ہوسکتی ہے۔'' مقبول نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے اماں سے الگ کیا اور خود ان سے جڑ کر بیٹھتے ہوئے ان کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیے۔

''میں نے آپ سے کہا تھا ناں کہ ایک روز میں ثمر کو آپ سے ضرور ملواؤں گا..... میں نے اپنا وعدہ پورا کیا ہے بس آپ نے رونا نہیں ہے۔''

''مقبول، اماں تمہیں کہاں ملیں؟'' ثمر حیات نے خود کو سنبھالا۔ ''میں نے تو بہت تلاش کیا تھا انہیں بہت ڈھونڈا لیکن نہیں ملی تھیں۔''

''میں تقریباً تیرہ چودہ سال بعد انگلینڈ سے پاکستان آیا تو تمہارے متعلق پتا چلا..... یقین نہیں آیا کہ تم فرحی کو اس طرح ساتھ لے جاؤ گے۔'' مقبول بٹ نے کہا۔ دل پر جیسے پھر کسی نے چھری چلائی تھی۔ اس نے یقیناً دانستہ بھگانے کا لفظ استعمال نہیں کیا تھا۔

''تمہارے ابا اور اماں کے متعلق بھی پتا چلا..... اب یہ اتفاق ہی تھا کہ واپس جانے سے صرف ایک ہفتہ پہلے مجھے پاگل خانے جانے کا اتفاق ہوا۔ وہاں ایک جاننے والے کی عزیزہ تھیں جن کا ذہنی توازن ٹھیک نہیں تھا اور اس نے خاص طور پر تاکید کی تھی کہ میں وہاں جا کر وہاں کے انچارج وغیرہ سے ملوں اور اس عزیزہ کے اخراجات اور ضروریات کے لیے کچھ رقم جو انہوں نے میرے ساتھ بھجوائی تھی بس وہ مجھے ان کے حوالے کرنا تھی۔ سو جب میں ان صاحب سے مل کر باہر نکلا تو مجھے کسی نے بلایا..... مقبول، مقبول بیٹا..... میں نے مڑ کر دیکھا تو اماں تھیں، ان کی حالت بہت بری تھی۔ ہڈیوں کا ڈھانچا لیکن انہوں نے مجھے پہچان لیا تھا..... پتا چلا کہ تیرہ، چودہ سال پہلے کوئی راہگیر انہیں چھوڑ گیا تھا اور تب سے وہ وہاں ہی ہیں۔ ڈاکٹر نے بتایا کہ شروع میں تو ان کی حالت کافی خراب تھی لیکن پھر آہستہ، آہستہ بہتر ہوگئیں..... میں کوشش کر کے اماں کو اپنے ساتھ گھر لے آیا اس میں کچھ دن لگ گئے..... مجھے واپس جانا تھا اور میں اماں کو بھی اس طرح چھوڑ کر نہیں جاسکتا تھا۔ سو انہیں اپنی خالہ کے پاس قصور لے گیا۔ تمہارے گھر میں تو کوئی اور لوگ تھے کرایہ دار..... محلے کے ایک دو لوگوں نے بتایا تھا کہ پہلے ایک شخص کبھی کبھار آ کر ثمر حیات کی والدہ کے بارے میں پوچھتا تھا لیکن اب تو ایک دو سالوں سے وہ بھی نہیں آیا..... اماں قصور میں تھیں..... میں سال میں ایک چکر لگا لیتا تھا۔ ایک دو بار اماں سے کہا کہ انہیں تمہارے ماموؤں کے پاس لے چلوں لیکن انہوں نے جو سلوک تمہارے ساتھ کیا تھا اس کے متعلق کچھ نہ کچھ مجھے علم ہوگیا تھا وہ میں نے اماں کو بتا دیا تھا۔ سو اماں نے انکار کر دیا..... اب تقریباً سولہ سال سے میں مستقل پاکستان میں ہوں، اماں میرے ساتھ ہیں۔ اور اماں کی خدمت کر کے مجھے ایسا لگتا ہے جیسے میں اپنی ماں کی خدمت کر رہا ہوں..... تمہاری بھابی سال کے چھ مہینے لندن میں رہتی ہیں..... اور چھ مہینے یہاں اس کا یہاں دل نہیں لگتا اور میرا وہاں.....'' وہ زور سے ہنسا۔

''پتا نہیں اتنے سال کیسے وہاں رہا..... نیل شکلا ہی اپنی مزاجا بھی میرے جیسا ہے سو وہ یہاں ہی سیٹل ہو گیا ہے۔''
''مقبول ..... میں تمہارا کیسے شکریہ ادا کروں.....'' ثمر حیات کی آواز میں ہی آنسو نہیں گھلے ہوئے تھے بلکہ آنکھوں سے بھی بہنے لگے تھے۔
''بکواس..... زیادہ بولا ناں تو دھپ لگاؤں گا ایسا کہ نانی یاد آ جائے گی۔ بوڑھا ہو گیا ہوں تو کیا.....'' اور ثمر حیات روتی آنکھوں سے مسکرایا۔
''تیرے دھپ یاد ہیں..... سوچوں تو اب بھی کمر میں درد ہونے لگتا ہے۔''
''بیٹا تم تو فرحی کو گھر چھوڑنے گئے تھے پھر کیا ہوا تھا؟'' اماں نے جواب تک خاموشی سے ان کی باتیں سن رہی تھیں پوچھا۔
''اماں.....'' اسے اپنے اندر اذیت کی لہریں سی اٹھتی ہوئی محسوس ہوئیں۔ خون رگوں سے گزرنے کے بجائے کرب اور اذیت کی تہوں سے گزر کر دل میں آتا محسوس ہونے لگا اور اس نے اماں کا ہاتھ پکڑ کر ان کے پاس بیٹھتے ہوئے اپنے اذیت ناک سفر کی ایک، ایک بات کہہ دی..... اتنے سالوں بعد اماں کو یوں سامنے دیکھ کر وہ سب کچھ بھول گیا تھا..... ساری احتیاطیں کہیں پس منظر میں چلی گئی تھیں۔
''میرا کیا قصور تھا اماں؟'' وہ رو رہا تھا۔ ''ہم تو خانیوال جا رہے تھے۔ ہماری نیت میں تو کوئی کھوٹ نہ تھا۔ کوئی میل نہ تھا۔ ایک سیدھی سادی شفاف زندگی گزارنا چاہتے تھے۔ لیکن ظالموں نے سب کچھ تباہ کر ڈالا۔ فرحی اور شیر خان..... اور زیتون خالہ جو روحان کو لے کر کھیتوں کی طرف بھاگی تھیں، ان کی لاش بھی مل گئی لیکن روحان نہیں مل سکا۔ آپ کا پوتا بہت پیارا تھا۔ اماں نظر لگ جانے کی حد تک اس روز اس نے سرخ ٹی شرٹ پہنی تھی اور اتنا پیارا لگ رہا تھا کہ میں نے نظر لگ جانے کے خوف سے زیادہ دیر اسے نہیں دیکھا لیکن نظر تو پھر بھی لگ گئی تھی ناں.....''
اور مدثر حسن جو ثمر حیات کے واپس نہ آنے پر انہیں دیکھنے کے لیے ان کے پیچھے آئے تھے اور کھلے دروازے سے ثمر حیات کو دیکھ کر رک گئے تھے۔ خانیوال کے نام سے چونکے تھے اور باقی کی بات سنتے ہوئے ان کا دل جیسے نیچے کہیں پاتال میں گرا تھا اور سہارے کے لیے انہوں نے دیوار پر ہاتھ رکھا تھا۔ ''تو کیا رواحہ، ثمر حیات کا گم شدہ بیٹا ہے۔ ریڈ شرٹ، خانیوال، کھیتوں میں ملنے والی عورت کی لاش..... تب ہی تو عظام اور رواحہ ساتھ، ساتھ کھڑے بھائی، بھائی لگتے ہیں۔ یونیورسٹی میں اکثر سب انہیں بھائی یا کزن سمجھتے تھے۔ اور اگر رواحہ میرے پاس نہ رہا تو میں کیا کروں گا.....'' ان کا دل جیسے اور نیچے گرا تھا۔ دیوار پر رکھے ہاتھ میں کپکپاہٹ تھی۔ انہوں نے جیسے جسم کی پوری طاقت سے سانس کھینچی اور ثمر حیات کی طرف دیکھا جس کی پشت ان کی طرف تھی اور وہ بیڈ پر بیٹھی عورت کا ہاتھ تھامے اب بھی، ہولے، ہولے کچھ کہہ رہا تھا..... وہ ثمر حیات سے رواحہ کے زخمی ہونے پر پہلی بار ملے تھے وہ اتنا تو جانتے تھے کہ کسی دشمنی میں اس کی بیوی اور بیٹا مارے گئے تھے لیکن ان چند ملاقاتوں میں کبھی اس موضوع پر ان کی بات نہیں ہوئی تھی۔
''میں نے تو صبر کر لیا تھا اماں یہ سوچ کر کہ شاید کسی جنگلی جانور نے مار دیا ہو..... وہ زندہ ہوتا تو کہیں سے کوئی خبر ملتی۔ پر ایک امید اب بھی اس کی زندگی کی نوید دیتی ہے کہ وہاں خانیوال اڈے پر ایک شخص ملا تھا مجھے جو کہتا تھا کہ اس نے ایک بھلے آدمی کو لوگوں سے کسی بچے کے متعلق پوچھتے سنا تھا کہ اس روڈ پر کسی کا بچہ تو گم نہیں ہوا، اسے ملا ہے۔'' ثمر حیات کہہ رہا تھا اور باہر کھڑے مدثر حسن کا سر بری طرح چکرایا تھا۔ وہ دل پر ہاتھ رکھ کر بیٹھتے چلے گئے اندر پورے وجود میں درد کی لہریں اٹھ رہی تھیں۔ ان کے لبوں سے کراہ نکلی تھی اور تب ہی ثمر حیات نے پیچھے مڑ کر دیکھا اور کھلے دروازے سے ٹیک لگا کر بیٹھے مدثر حسن کو دیکھ کر تیزی سے ان کی طرف لپکا تھا۔

''پروفیسر صاحب..... پروفیسر صاحب.....'' وہ نیچے ہی بیٹھ گیا تھا۔
''ثمر حیات صاحب.....'' انہوں نے ڈبڈبائی آنکھوں سے اسے دیکھا۔
''میرا دل..... میرا دل ڈوب رہا ہے۔'' ثمر حیات نے ان کے گرد اپنا بازو حمائل کیا۔
''حوصلہ کریں..... پروفیسر صاحب.....'' اس نے انہیں اٹھانے کی کوشش کی لیکن وہ ان کے بازوؤں میں جھول گئے تھے۔

☆☆☆

لاؤنج میں خاموشی تھی۔ سب ساکت بیٹھے تھے۔ ایمل اور افنان کی آنکھوں میں بے یقینی تھی اور بابر فرسٹ فلور سے لاؤنج میں آتی سیڑھیوں میں کھڑا شعلہ بار نظروں سے عنبرین کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس خاموشی کو سب سے پہلے افنان نے توڑا تھا۔
''نہیں..... یہ عورت جھوٹ بول رہی ہے..... فراڈ ہے یہ۔ میرے پاپا اس طرح نہیں کر سکتے۔''
''یہ جھوٹ نہیں بول رہی افنان.....'' ممی عنبرین کے پاس ہی صوفے پر بیٹھی تھیں..... وہ کچھ دیر پہلے ہی عنبرین کے ساتھ کراچی پہنچی تھیں۔ ''اس کے پاس نکاح نامے کی کاپی ہے۔''
''نکاح نامہ جھوٹا بھی ہوسکتا ہے ممی۔'' افنان نے کمزور سا احتجاج کیا۔
''ہاں ہوسکتا ہے لیکن یہ سچ ہے کہ عنبرین کے ساتھ بابر نے ایمل کے ساتھ شادی کرنے سے پہلے شادی کی تھی اور اسے اس لیے چھپایا تھا کہ کیونکہ وہ ایمل سے بھی شادی کرنا چاہتا تھا اور اس بات کا علم تمہارے نانا کو بھی ہو چکا تھا اور چند دن پہلے مجھے بھی۔'' انہوں نے بہت تحمل سے بات کی۔
''ٹھیک ہے، پاپا نے دوسری شادی کر رکھی ہوگی..... میں مان لیتا ہوں لیکن وہ رتی کا اغوا کرواسکتے ہیں یہ بات قابلِ قبول نہیں ہے..... وہ اس سے بہت محبت کرتے ہیں۔'' افنان کا ذہن اب بھی یہ بات ماننے کے لیے تیار نہیں تھا۔
''جو شخص دولت کے لالچ میں اتنی بڑی سازش کرسکتا ہے اس سے کچھ بھی ناممکن نہیں ہے۔'' انہوں نے ایک قہر آلود نظر سیڑھیوں پر کھڑے بابر پر ڈالی جو ہاتھ ریلنگ پر رکھے کھڑا تھا اور عنبرین کو ممی کے ساتھ بیٹھا دیکھ کر لگنے والے شاک سے سنبھل چکا تھا۔
''یہ شاہجہان کون ہے..... اور کیا آپ کو یقین ہے کہ وہ لڑکی جس کے متعلق آپ نے پاپا کے فون پر میسج پڑھا تھا وہ رتی ہی ہے۔'' افنان نے خود کو سنبھالتے ہوئے عنبرین سے پوچھا تو عنبرین نے صرف اثبات میں سر ہلایا۔
''آخر آپ کو اپنی سوتیلی بیٹی سے اتنی ہمدردی کیسے ہوگئی کہ آپ اپنی پروا کیے بغیر اسے بچانے کے لیے دوڑی چلی آئیں۔'' افنان ابھی تک مشکوک نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔
''بابر ایک بار اسے مجھ سے ملانے لائے تھے۔'' عنبرین نے نظریں جھکالی تھیں۔
''اور وہ مجھے اپنی بیٹی جیسی لگی تھی بلکہ میں نے اسے اپنی بیٹی ہی سمجھا تھا۔'' وہ خوفزدہ نظروں سے بابر کو دیکھ رہی تھی جو ریلنگ پر ہاتھ رکھے ایک، ایک سیڑھی نیچے اتر رہا تھا اور اس کی آنکھیں خوں رنگ ہو رہی تھیں۔ آخری سیڑھی سے اترتے ہوئے وہ لڑکھڑایا تھا اور اس نے سہارے کے لیے فضا میں ہاتھ پھیلایا اور پھر مضبوطی سے پاؤں جما کر کھڑا ہوگیا..... وہ اس ساری صورتِ حال سے نکلنے کے لیے دماغ لڑا رہا تھا لیکن اس کے اعصاب اپنے قابو میں نہیں تھے۔ وہ ارتفاع کو ڈھونڈنے کے بہانے سے نکلا تھا اور پھر وسیم کے ٹھکانے پر اس کے ساتھ بیٹھ کر اس نے منصوبے کی کامیابی کا جشن منایا تھا..... وہ کبھی کبھار کسی محفل میں ایک آدھ پیگ چڑھا لیتا تھا لیکن وہ عادی نہیں تھا،

اس لیے آج وسیم جیسے عادی کے ساتھ بیٹھ کر پیتے ہوئے وہ بھی کچھ زیادہ ہی پڑھا گیا تھا۔ اس نے مدثر اور ایمل سے بدلہ لے لیا تھا اور ارتفاع کی ساری پراپرٹی کا سودا کر لیا تھا۔ ساری پراپرٹی تیس کروڑ کے قریب تھی اور تقریباً آدھی رقم وہ وصول کر چکا تھا۔ وہ بہ مشکل ڈرائیو کر کے گھر پہنچا تھا اور ایمل یا افنان کی کسی بات کا جواب دیے بغیر وہ اپنے بیڈروم میں چلا گیا تھا۔ افنان اور ایمل نے اس کی اس حالت کو غم کی شدت سمجھا تھا...... وہ کچھ دیر آرام کرنا چاہتا تھا لیکن یہ مصیبت نازل ہوگئی...... اس نے دل ہی دل میں عنبرین کو گالی دی، یہ الگ بات تھی کہ اس کی آواز بلند تھی اور وہ مضبوطی سے پاؤں جماتا عنبرین کی طرف بڑھ رہا تھا۔

''شاہجہان کون ہے بابر......؟'' می اسے بغور دیکھ رہی تھیں۔

''کون شاہجہان؟'' اس نے سر جھٹکا تھا۔

''جس کے پاس تم نے ارتفاع کو بھجوایا ہے۔'' حیرت انگیز حد تک می نے خود کو سنبھال لیا تھا اور اس وقت وہ بے حد سمجھدار اور بردبار لگ رہی تھیں۔ کرنل حامد زندہ ہوتے تو ضرور کہتے اب لگ رہی ہو ناں ایک کرنل کی وائف۔

''کس کے پاس......؟ یہ عورت بکواس کر رہی ہے۔'' اس نے عنبرین کی طرف اشارہ کیا۔ ''میں اسے طلاق دیتا ہوں...... سنا تم نے میں نے تمہیں طلاق دی...... طلاق دی...... طلاق......''

''یہ...... وہ یہ کیا کہہ رہا تھا...... وہ یہ نہیں کہنا چاہتا تھا...... لیکن اس کے لبوں سے نکل گیا تھا...... اسے تو کہنا تھا کہ وہ اس عورت کو نہیں جانتا...... اس کا ذہن منتشر تھا اور وہ اپنے منتشر خیالات کو اکٹھا نہیں کر پا رہا تھا۔ می نے افنان کی طرف دیکھا۔

''افنان بیٹا اپنا فون مجھے دو...... یہاں کرنل صاحب کے ایک کزن کے بیٹے ایس پی عرفان صاحب ہیں۔ مجھے ان سے بات کرنی ہے...... ایف آئی آر کٹوانی ہے ارتفاع کے اغوا کی بابر کے خلاف......''

''نہیں می، پلیز نہیں...... پاپا ایسا نہیں کر سکتے۔'' افنان کی آواز میں بہت سارے آنسو گھلے تھے۔ باپ کا امیج ٹوٹا تھا تو وہ خود بھی جیسے ٹوٹ رہا تھا۔

''اس کا فیصلہ اب پولیس ہی کرے گی...... سچ اگلوانا انہیں آتا ہے۔ فون دو مجھے...... میرے فون کی چارجنگ ختم ہو چکی ہے۔''

بابر نے افنان سے فون جھپٹ کر لے لیا...... ایسے میں وہ پھر لڑکھڑایا تھا۔ تھانے میں سچ کیسے اگلوایا جاتا ہے...... بابر جانتا تھا۔

''یہ...... عورت...... جھوٹی ہے۔'' اس نے پھر عنبرین کی طرف اشارہ کیا۔

''اچھا......'' عنبرین یک دم نڈر ہوئی تھی۔ کیونکہ طلاق تو وہ دے ہی چکا تھا...... اب کیسا خوف...... ''تم جھوٹے ہو بابر نوید اور انتہائی سنگ دل اور گھٹیا بھی...... تم نے پہلے ایمل کا گھر برباد کیا اور اب اس کی بیٹی کو...... تم انسان نہیں ہو تم نے ہی رتی کو اغوا کروایا۔''

''بکواس مت کرو......'' اس کا دماغ گھوم گیا تھا۔ ''ہاں کروایا ہے میں نے اغوا رتی کو...... کیا کر لو گی تم میرا...... اور شاہجہان کون ہے، بتاؤں...... نائیکہ ہے...... نائیکہ......'' وہ بالکل ہی آؤٹ ہو گیا تھا۔ ''پہنچا دیا میں نے اسے وہاں اب بھائی بہن ایک ہی جگہ پہنچ گئے۔'' اس نے قہقہہ لگایا۔ اس کو احساس ہو رہا تھا کہ وہ کچھ غلط کہہ رہا ہے۔ اسے یہ نہیں کہنا چاہیے لیکن اسے خود پر کنٹرول نہیں تھا۔ ''برسوں پہلے دھوکے سے جو غلطی ہوئی تھی ناں اس غلطی کا ازالہ کر دیا میں نے...... وہ لڑکی کے بجائے لڑکا اٹھا کر لے گیا تھا اسپتال سے...... لیکن اب......'' وہ ہنسا اور بہت دیر

تک ہنستا چلا گیا۔

''بابر نوید کو ریجیکٹ کیا تھا ناں تم نے اور مدثر حسن کو ترجیح دی تھی مجھ پر تو لے لیا بدلہ میں نے...... اب بھائی، بہن کے لیے گاہک ڈھونڈے گا...... ہاہاہا......'' وہ ہنستا ہوا صوفے پر اوندھا ہو گیا۔ ممی کا منہ کھلا تھا...... اور ساکت بیٹھی ایمل کی آنکھیں جیسے پھٹنے کو تھیں۔

''کیا کہہ رہے ہو تم...... کیا ایما کا بیٹا مرا نہیں تھا؟ کیا تم نے......''

''ہاں......'' اس نے سر اٹھایا۔ ''وہ...... بھی...... اُدھر ہی...... دونوں ایک جگہ......'' اس کا سر اب پیچھے کی طرف گرا تھا...... وہ حواس کھو بیٹھا تھا...... نشہ آہستہ، آہستہ اس پر حاوی ہو گیا تھا۔ افنان پھٹی، پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''آئی ہیٹ یو پاپا...... آئی ہیٹ یو...... مجھے آپ کا بیٹا ہونے پر شرمندگی ہے۔'' بابر بے سدھ پڑا تھا اب پتا نہیں وہ ضرورت سے زیادہ پی گیا تھا یا اس میں ہی کچھ ملاوٹ تھی یا پھر اللہ نے اس راز کو اسی طرح کھولنا تھا، یہ قدرت کے کھیل تھے۔

''کاش میں آپ کا بیٹا نہ ہوتا......'' افنان یک دم روتا ہوا اپنے کمرے کی طرف بھاگا تھا۔

''نہیں......'' ایمل جواب تک ساکت بیٹھی تھی یک دم چیخی۔ ''نہیں......'' اور ایک دم اٹھ کر تیزی سے لاؤنج کے دروازے کی طرف بھاگی۔

''ایما...... بیٹا......'' ممی نے اس کا ہاتھ پکڑا لیکن وہ ہاتھ چھڑا کر دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔

''ارفی...... ارفی......'' وہ ارتفاع کو بلا رہی تھی۔ ممی نے بے بسی سے عنبرین کی طرف دیکھا۔

''عنبرین روکو اسے...... وہ اپنے حواس میں نہیں ہے۔'' اور پھر تیزی سے افنان کے کمرے کی طرف گئیں۔ افنان نے اندر سے دروازہ لاک کر دیا تھا اور بیڈ پر بیٹھا رو رہا تھا۔

''افنان، افنان، انی میری جان دروازہ کھولو...... تمہاری ماما...... انی بیٹا انہیں سنبھالو۔'' وہ روتے ہوئے افنان کو دروازہ کھولنے کا کہہ رہی تھیں اور جب افنان دروازہ کھول کر اور بات سمجھ کر باہر آیا تو گیٹ کے باہر عنبرین پریشان سی کھڑی اِدھر اُدھر دیکھ رہی تھی۔ آس پاس روڈ پر کہیں کوئی نہیں تھا۔ ایمل نہ جانے کس طرف گئی تھی...... دائیں بائیں سامنے تینوں طرف راستے تھے۔ افنان ایک لمحہ رک کر سامنے کی طرف بھاگتا چلا گیا...... عنبرین وہاں ہی کھڑی رہی تھی۔

☆☆☆

رواحہ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے آنکھیں موندے ارتفاع کے متعلق سوچ رہا تھا۔ پتا نہیں کیوں...... اس کا فون آف تھا...... اور اس کا دل بے چین تھا۔ اس کے پاس لینڈ لائن کا نمبر بھی نہیں تھا ورنہ وہاں ہی کر لیتا...... یک دم اسے عالیہ کا خیال آیا...... شاید عظام کے پاس عالیہ کا نمبر ہو...... ایک بار عالیہ نے نہ جانے کس کام کے لیے عظام کو اپنا نمبر دیا تھا لیکن عظام اس وقت خود پریشان ہوگا...... سجل ہوش میں آ جائے تو پھر وہ عظام سے پوچھے گا۔ ثمر حیات نے کچھ دیر پہلے ہی عظام کو فون کر کے سجل کی طبیعت کے خراب ہونے کا بتایا تھا...... تو عظام از حد پریشان ہو گیا تھا، مدثر حسن بھی عظام کے ساتھ اس کی گاڑی میں اسپتال چلے گئے تھے اور پتا نہیں سجل ہوش میں آئی بھی ہے کہ نہیں...... اس نے فون اٹھایا تاکہ بابا یا عظام سے سجل کے متعلق پوچھ سکے کہ فون بج اٹھا۔ دوسری طرف عظام تھا۔

''کیا ہوا عظام، سجل کو ہوش آیا؟'' اس نے کال اٹینڈ کرتے ہی پوچھا۔

''ہاں...... رواحہ، بابا کی طبیعت اچانک خراب ہو گئی ہے، تم پریشان مت ہونا...... میں اور پاپا ان کے پاس ہیں۔''

''کیا ہوا بابا کو......؟''

''بس اچانک ہی شاید دل میں کچھ تکلیف ہوئی ہے۔ ڈاکٹر چیک کر رہے ہیں...... ہوسکتا ہے ہمیں کچھ دیر ہو جائے تو تم پلیز......''

''بابا انجائنا کے پیشنٹ ہیں عظمی......'' اس کی آواز بھرا گئی تھی۔ ''تم لوگ جبل کو کس اسپتال میں لے کر گئے تھے؟'' اس نے خود کو سنبھالتے ہوئے پوچھا۔

''اسی اسپتال میں جس میں تم تھے۔ میں فون کرتا رہوں گا تمہیں...... اوکے۔'' فون بند ہو گیا تو چند لمحے وہ یونہی بیٹھا رہا پھر تیزی سے اٹھا...... سلیپر پہنے اور باہر لاؤنج میں آیا۔ گاڑی کی چابی اٹھائی اور اسپتال جانے کے لیے باہر نکلا...... خدا بخش نے کچن سے نکل کر حیرت سے اسے دیکھا۔

''کہاں جا رہے ہیں آپ سب خیریت ہے ناں......؟'' وہ سر ہلاتا ہوا تیزی سے پورچ کی سیڑھیاں اتر گیا...... خدا بخش نے بھاگ کر گیٹ کھولا تھا۔

''یا اللہ میرے بابا کو کچھ نہ ہو...... اگر انہیں کچھ ہو گیا تو میں کیا کروں گا۔'' وہ ڈرائیو کرتے ہوئے مسلسل دعائیں مانگ رہا تھا۔ جب اچانک ہی بائیں طرف سے کوئی خاتون دوڑتی ہوئی روڈ کی طرف آئی تھی۔ اس نے... بروقت بریک لگائی تھی لیکن پھر بھی ہلکی سی ٹکر لگی تھی اسے اور وہ گر گئی تھی...... رواحہ جلدی سے دروازہ کھول کر نیچے اتر اٹھا...... اور اس کے پاس بیٹھتے ہوئے اس کا بازو ہلایا تھا۔

''آپ ٹھیک ہیں ناں کوئی چوٹ تو نہیں لگی۔'' خاتون کے ہونٹ ہل رہے تھے۔

''ارنی، ارنی، میری بچی...... مجھے جانے دو، مجھے اپنے بچوں کے پاس جانے دو۔''

''خاتون...... میم آنکھیں کھولیں۔'' اس نے آہستگی سے اس کا رخسار تھپتھپایا۔ لیکن اس کی آنکھیں بند ہو چکی تھیں اور ہونٹ بھی نہیں ہل رہے تھے۔ وہ کچھ دیر نا سمجھی سے اسے دیکھتا رہا...... ادھر اُدھر دیکھا آس پاس کوئی نہیں تھا، وہ اٹھا اس نے بیک ڈور کھولا اور جھک کر اس خاتون کو اٹھا لیا...... بازو میں درد کی ایک لہر اٹھی۔ شاید اندر سے زخم کچا تھا۔ اس نے پچھلی سیٹ پر آرام سے اسے لٹا دیا...... وہ اسپتال تو جا ہی رہا تھا تو ان خاتون کو بھی چیک کروا لیتا...... خاتون کی بے ہوشی کی وجہ اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی...... بالکل ہلکی سی ٹکر لگی تھی انہیں اور بظاہر کوئی چوٹ بھی نہیں تھی۔ ایک بار پھر وہ اسی طرح ڈرائیو کرتا اسپتال کی طرف جا رہا تھا...... عظام اسے پارکنگ میں نظر آ گیا تھا۔

''عظام!'' اس نے گاڑی پارک کر کے اسے آواز دی تو عظام نے مڑ کر حیرت سے اسے دیکھا۔

''رواحہ تم......؟''

''بابا کیسے ہیں؟'' وہ دروازہ کھول کر نیچے اترا۔

''بابا ٹھیک ہیں اور گھر چلے گئے ہیں۔''

''گھر چلے گئے ہیں۔'' اس نے دہرایا۔

''ہاں، ڈاکٹر تو منع کر رہے تھے اور کچھ ٹیسٹ کروانے کو کہہ رہے تھے لیکن انہوں نے تو ای سی جی بھی نہیں کرنے دی۔ بس یہی کہتے رہے کہ چکر آ گیا تھا تو گر گیا تھا۔ پاپا انہیں چھوڑنے گئے ہیں میری گاڑی میں...... وہ تو ٹیکسی کر کے جا رہے تھے۔ بہ مشکل روکا پاپا نے کہ وہ چھوڑ آتے ہیں۔ میں پارکنگ تک آیا تھا انہیں چھوڑنے۔'' عظام نے تفصیل بتائی تو رواحہ نے ایک گہری سانس لی۔

''تمہیں راستے میں نہیں ملے؟'' عظام نے پوچھا۔

''میں دراصل شارٹ کٹ کر کے آیا تھا۔'' رواحہ نے بتایا۔ ''نجل کیسی ہے اب؟''
''ٹھیک ہے۔''
''ہوا کیا تھا؟'' اس نے پوچھا۔
''تفصیل معلوم نہیں شاید گر گئی تھی۔ چوٹ لگنے سے بے ہوش ہو گئی تھی۔'' عظام نے بتایا۔ ثمر حیات نے اسے تفصیل نہیں بتائی تھی۔
''بابا تمہیں گھر میں نہ پا کر پریشان ہو جائیں گے، تم چلو میں نجل کے پاپا کی گاڑی میں ان کے ساتھ آ رہا ہوں۔''
''اوہ ہاں'' اس نے گاڑی کے دروازے پر ہاتھ رکھا اور اسے یاد آیا کہ اس کی گاڑی میں پیچھے ایک خاتون بھی ہیں اور......
''عظام سنو......'' اس نے عظام کو تفصیل بتائی تو عظام نے بیک ڈور کھول کر خاتون پر نظر ڈالی وہ کسمسا رہی تھیں۔
''میرا خیال ہے، یہ ہوش میں آ رہی ہیں۔'' وہ ان کے چہرے سے نظر ہٹا نہیں پایا تھا۔ پتا نہیں کیوں......
''ہاں اگر ہم انہیں اندر لے کر جاتے ہیں تو پہلے تو سوال و جواب...... تفتیش پھر کہیں جا کر ڈاکٹر چیک کریں گے۔ پاپا یہاں ہوتے تو سنبھال لیتے...... تمہیں یہاں دیر ہو گئی تو بابا اپ سیٹ ہو جائیں گے وہ پہلے ہی بہت اپ سیٹ ہو رہے ہیں۔ بہتر تو یہ ہے کہ انہیں گھر لے جاؤ...... بقول تمہارے معمولی سی ٹکر لگی تھی تو یقیناً خوف سے بے ہوش ہو گئی ہوں گی۔ پڑوسی ڈاکٹر نور سے چیک اپ کروا لینا اگر ضرورت محسوس ہوئی تو۔'' رواحہ کو عظام کی بات مناسب معلوم ہوئی۔ وہ عظام کو خدا حافظ کہہ کر گاڑی میں واپس بیٹھ گیا۔ عظام کی نظریں ایک بار پھر پچھلی سیٹ پر آنکھیں جھپکتی خاتون کی طرف اٹھی تھیں اور جیسے اس بار بھی کسی ان دیکھی قوت نے اس کے دل کو جکڑ لیا تھا وہ کچھ نہ سمجھتا ہوا پیچھے ہٹ گیا۔

☆☆☆

''بہتر تھا پروفیسر صاحب کہ آپ ٹیسٹ وغیرہ کروا لیتے...... تسلی ہو جاتی۔'' ثمر حیات نے مدثر حسن کی طرف دیکھا جو بے حد مضطرب لگ رہے تھے۔
''نہیں، میں ٹھیک ہوں...... بس وہ ایسے ہی سر چکرانے لگا تھا۔''
''پھر بھی اچھا ہوتا سر چکرانے کی وجہ معلوم ہو جاتی۔'' ثمر حیات بھی کچھ بے چین لگ رہے تھے۔ برسوں سے بچھڑی ماں اسپتال کے ایک کمرے میں ان کی راہ دیکھ رہی ہوں گی۔ ابھی تو بیتے برسوں کا پورا احوال بھی انہوں نے نہیں کہا تھا۔ وہ مدثر حسن صاحب کو چھوڑ کر واپس جانا چاہتے تھے لیکن پھر ان کی بے چینی اور بے قراری دیکھ کر وہ رواحہ کے آنے تک رک گئے تھے۔
''وہ رواحہ...... رواحہ نہیں آیا ابھی تک...... کہاں رہ گیا ہے۔'' مدثر حسن نے جیسے خوف سے کہا۔
''میری بات ہوئی ہے عظام سے آ رہا ہے وہ۔'' ثمر حیات نے ان کے بازو پر ہاتھ رکھ کر تسلی دی۔
''وہ رواحہ......'' مدثر حسن نے ثمر حیات کی طرف دیکھا جن کی آنکھوں کے پپوٹے شدتِ گریہ سے سوجے ہوئے تھے۔ اور دل کا درد ان کی آنکھوں سے جھلکتا تھا۔ مدثر حسن کے دل کو جیسے کسی نے مٹھی میں لیا...... یہ درد جوان کی آنکھوں میں ٹھہرا ہوا تھا اور جو برسوں بعد ملنے والی ماں سے ملنے کے بعد بھی یوں ہی ان خوب صورت آنکھوں میں جامد تھا...... وہ اس درد سے نا آشنا تو نہیں تھے۔ پچھلے تیس سالوں سے یہ درد، ان کے دل کا بھی مکین تھا...... جیتے جی اپنی اولاد سے بچھڑنے کا دکھ...... اس کے متعلق کچھ نہ جاننے کی اذیت...... ''اور کیا مجھے حق ہے کہ میں حقیقت جان لینے کے باوجود اس اپنے سامنے بیٹھے شخص کو اس درد اس اذیت سے نہ بچاؤں...... یہ اتنا اچھا شخص جو اپنی ماں کو چھوڑ کر محض مروت میں میرے پاس بیٹھا ہے...... لیکن حقیقت بتا دینے کے بعد کیا ہوگا......'' ان کے دل پر جیسے

کوئی ضربیں لگا رہا تھا اور ہر ضرب پر ان کا دل ڈوب کر ابھرتا تھا۔ بیس، اکیس سالوں سے اپنے بیٹے کے لیے تڑپتے اس شخص کی تڑپ کو وہ کم کرسکتے تھے۔ بس ذرا سے حوصلے، ذرا سی ہمت کی ضرورت تھی...... رواحہ ثمر حیات کا گم شدہ بیٹا تھا اس میں شک و شبے کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔

''ثمر حیات صاحب......'' انہوں نے نم آنکھوں سے اسے دیکھا۔ ''میں رواحہ سے بہت محبت کرتا ہوں، مجھے لگتا ہے میں اس کی جدائی برداشت نہیں کرسکتا...... اس تصور سے ہی میرا دل میرا ساتھ چھوڑنے لگتا ہے کہ اگر رواحہ مجھ سے جدا...''

''کیسی بات کر رہے ہیں پروفیسر صاحب، خدانخواستہ رواحہ آپ سے کیوں جدا ہونے لگا۔'' ثمر حیات نے ان کی بات کاٹی تو مدثر حسن نے بھیگی پلکیں اٹھائیں۔

''ثمر حیات صاحب، میں آپ کا دکھ محسوس کرسکتا ہوں۔ جس کرب سے آپ گزر رہے ہیں...... میں نے بھی اس کرب کو اپنے دل پر جھیلا ہے۔''

ثمر حیات نے بے حد حیرت سے انہیں دیکھا۔ ''پتا نہیں یہ مدثر حسن صاحب کس دکھ کی بات کر رہے ہیں۔ شاید جب وہ اماں سے بات کر رہے تھے تو انہوں نے کچھ سنا ہو۔''

''کوئی مر جائے تو صبر آجاتا ہے۔'' وہ اپنی رو میں بولتے جا رہے تھے۔ ''لیکن کوئی جیتے جی بچھڑ جائے تو اس اذیت کو تو وہی جان سکتا ہے جس نے اس درد کو سہا ہو...... اور میری راتیں میرے آنسوؤں کی گواہ ہیں۔''

ثمر حیات نے ان کی بات سمجھے بغیر ان کے دونوں ہاتھوں کو اپنے دونوں ہاتھوں میں لے لیا۔ وہ مدثر حسن کے متعلق کچھ زیادہ نہیں جانتے تھے۔ نہ ہی کبھی رواحہ سے کوئی تفصیل سے بات ہوئی تھی نہ عظام نے کبھی کچھ بتایا تھا۔

''مدثر حسن بھی کیا ان کی طرح اولاد کی جدائی کا دکھ سہہ رہے ہیں۔''

''رواحہ مجھے بہت پیارا ہے۔ اسے خود سے جدا کرنا اپنا دل اپنے ہاتھوں نوچ کر پھینک دینا ہے۔'' ان کی نم آنکھوں سے آنسوؤں کے قطرے ان کے رخساروں پر ڈھلک آئے۔ ثمر حیات نے ان کے ہاتھوں پر اپنی گرفت مضبوط کی۔

''میں آپ کے دکھ کو ایسا ہی محسوس کر رہا ہوں جیسا آپ سہہ رہے ہیں۔'' ثمر حیات نے الجھ کر انہیں دیکھا انہیں مدثر حسن کی گفتگو بہت بے ربط لگ رہی تھی۔

''میں ایک تڑپتے ہوئے باپ کو صرف اپنے لیے اس کے بیٹے سے دور نہیں رکھ سکتا ثمر حیات صاحب...... آپ جب اپنی والدہ کو اپنے بیٹے کے متعلق بتا رہے تھے تو میں نے وہ سب سن لیا تھا۔ میں تو بھول چکا تھا کہ رواحہ کسی اور کے چمن کا پھول ہے جسے قدرت نے محض کچھ عرصے کے لیے مجھے سونپا تھا۔ رواحہ ہی آپ کا بیٹا ہے...... اس رات میں اور خدا بخش خانیوال سے واپس آرہے تھے۔'' وہ ہولے، ہولے سب کچھ بتا رہے تھے اور ثمر حیات ایک عجیب سی کیفیت میں گھرے سن رہے تھے۔

''میں نے بہت نیک نیتی کے ساتھ رواحہ کے والدین کو تلاش کرنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن مجھے کراچی آنا تھا......'' اور انہوں نے کراچی آنے سے پہلے تک کی مزید تفصیل بتائی تو ثمر حیات نے ان کے ہاتھ چھوڑ کر.... بے اختیار انہیں گلے لگا لیا اور بہت دیر تک اپنے ساتھ بھینچے رہے۔

''رواحہ آپ کا ہی ہے پروفیسر صاحب...... ہمیشہ آپ کا ہی رہے گا۔ میرے لیے یہ اطمینان کافی ہے کہ وہ ہے۔ میں نے اسے دیکھ لیا، پالیا...... میں تو آپ کا بے حد ممنون ہوں کہ آپ نے رواحہ کو محبت دی، تحفظ دیا اور......'' اس کی آواز بھرا گئی تھی۔ اس نے آہستگی سے انہیں الگ کیا۔ مدثر حسن کی آنکھوں میں بھی آنسو تھے۔ دونوں رو رہے تھے، مسکرا رہے تھے اور اپنے آنسو پونچھ رہے تھے۔

''میرا دل یونہی تو نہیں کھنچا تھا رواحہ کی طرف...... جب، جب میں ان سے ملتا تھا تو میرے لیے اس کے چہرے سے نظریں ہٹانا مشکل ہو جاتا تھا۔''

ثمر حیات بیٹھ گئے تھے۔ اب مدثر حسن کے ساتھ وہ بھی رواحہ کی آمد کے شدت سے منتظر تھے۔ آج اللہ نے انہیں ایک ساتھ دو خوشیوں سے نوازا تھا۔

''نہیں ثمر حیات اگر آپ چاہیں تو رواحہ کو اپنے ساتھ لے جائیں۔ برسوں کی تشنگی یوں لمحوں میں تو نہیں مٹتی۔''

''میں نے تو اپنا عظام بھی آپ کے حوالے ہی کر دیا ہے۔'' ثمر حیات دل سے ہنسے لیکن پھر یکایک انہیں مدثر حسن کی کچھ دیر پہلے کہی ہوئی بات یاد آئی۔

''ابھی آپ نے کہا تھا کہ آپ نے بھی یہ درد سہا ہے۔ اگر آپ مناسب سمجھیں تو......''

''خدا بخش کے سوا کوئی میرے دل کا درد نہیں جانتا ثمر حیات صاحب۔'' ان کی آنکھوں سے کرب جھلکنے لگا۔'' آج پہلی بار آپ کے سامنے دل بوجھل ہو کر چھلک پڑا...... بہت لمبی کہانی ہے...... میری ایک بیٹی ہے جسے تیس سال پہلے میں نے آخری بار دیکھا تھا۔'' تب ہی ان کے بیڈ روم کا دروازہ کھلا اور رواحہ اندر داخل ہوا۔ انہیں اپنی باتوں میں بیل کی اور گیٹ کھلنے کی آواز نہیں آئی تھی۔

''السلام علیکم بابا...... یہ چیٹنگ ہے، لگتا ہے آپ اپنی تیمارداری کروانا چاہتے ہیں۔'' ثمر حیات بہت اشتیاق سے اسے دیکھ رہے تھے۔ آج ان کے دیکھنے کا انداز اور تھا اور وہ ایک باپ کی نظر سے اسے دیکھ رہے تھے...... بے اختیار ان کا جی چاہا کہ وہ اٹھ کر اسے گلے سے لگالیں۔ یہ اتنا شاندار اتنا پیارا لڑکا ان کا خون تھا، ان کا بیٹا...... جس کے لیے فری نے سالوں دعائیں مانگی تھیں۔

وہ اپنے اندر کے جذبے سے مغلوب ہو کر یک دم کھڑے ہو گئے اور انہوں نے اپنے بازو پھیلائے۔ رواحہ حیران سا ان کے بازوؤں میں سمٹ آیا۔

''جانِ جگر ہم تمہارے بابا کو بیمار نہیں ہونے دیں گے۔'' زور سے بھینچ کر انہوں نے اسے خود سے الگ کیا۔ اگرچہ جی چاہ رہا تھا کچھ دیر اور اسے یونہی اپنے بازوؤں میں لیے رہیں۔ رواحہ نے ان سے الگ ہو کر پیچھے دیکھا...... اور پھر دروازے کے پاس آ کر کسی کو آواز دی۔

''خاتون بس چند منٹ، میں ذرا اپنے بابا کا حال احوال پوچھ لوں تو آپ جہاں کہیں گی چھوڑ دوں گا...... پلیز کچھ دیر آ کر بیٹھ جائیں۔'' بات کر کے وہ مدثر حسن کی طرف مڑا۔

''بابا یہ خاتون میری گاڑی سے ٹکرا......'' لیکن مدثر حسن نے تو شاید اس کی بات سنی ہی نہیں تھی۔ وہ تو کمرے کے اندر آتی بے حال سی خاتون کو دیکھ رہے تھے جس کی آنکھوں میں وحشت سی تھی۔

''چندا......'' ان کے لبوں سے گھٹی ہوئی سی آواز نکلی تھی۔ انہیں اسے پہچاننے میں ذرا بھی دقت نہیں ہوئی تھی۔ وہ آج بھی اتنی ہی دلکش، اتنی ہی خوب صورت تھی۔ لگتا تھا جیسے ماہ و سال اسے چھوئے بغیر گزر گئے تھے۔

''مدثر......'' اسے پہچاننے میں ذرا سا وقت لگا تھا اور وہ تیزی سے ان کے بیڈ کے قریب آئی۔

''مدثر......'' اس کے لبوں سے پھر نکلا تھا اور اس نے دونوں ہاتھ جوڑ دیے تھے۔

''مجھے معاف کر دو مدثر...... میں نے تمہیں غلط سمجھا...... تمہارا اعتبار نہیں کیا...... تمہاری بات نہیں سنی...... مجھے تمہارا دل دکھانے کی بہت بڑی سزا ملی ہے...... بہت بڑی......''

''کیا مجھ سے بھی بڑی سزا چندا......'' ان کی آنکھوں سے جیسے خون ٹپکنے لگا تھا۔

''میں تمیں سالوں سے جس آگ میں جل رہا ہوں تم اس کی تپش کا اندازہ کیسے کر سکتی ہو۔ تمہارے پاس اپنا

گھر ہے، شوہر ہے شاید بچے بھی ہوں گے لیکن میں، تم نے مجھ سے میری بیٹی بھی چھین لی...... میں اسے دیکھنے کو ترستا ہوں...... مجھے تو اس کا نام تک نہیں معلوم......''

یہ الفاظ نہیں تھے انگارے تھے جو اس کے دل پر گر رہے تھے اور وہ اسی طرح ہاتھ جوڑے کھڑی تھی اور آنسو اس کے رخساروں کو بھگوتے جا رہے تھے۔

''تم نے اور تمہارے شوہر نے میرے ساتھ بہت ظلم کیا۔''

''میری بیٹی......'' ان کی سسکی نکل گئی۔

''وہ کیسی ہے...... تم ایک بار صرف ایک بار مجھے اس سے ملوا دو۔'' وہ التجا کر رہے تھے...... رواحہ اور ثمر حیات حیرت سے سب سن اور دیکھ رہے تھے۔ غیر ارادی طور پر ثمر حیات نے رواحہ کے گرد بازو حمائل کرتے ہوئے اسے اپنے قریب کر لیا تھا۔

''بابر نے ہماری بیٹی کو اغوا کروالیا ہے۔'' وہ گھٹنوں کے بل نیچے بیڈ کے پاس بیٹھ گئی تھی اور زار و قطار روتے ہوئے وہ سب کچھ بتا رہی تھی جس کا علم خود اسے بھی آج سے پہلے نہ تھا۔ وہ کسی پتھر کے مجسمے کی طرح ساکت بیٹھے سن رہے تھے۔

''اس عورت کا نام شاہجہان ہے جو شاید کوئی بری عورت ہے اور ہمارے بیٹے کو بابر نے اس کے حوالے کر دیا تھا۔ اور اب ارفی کو بھی...... پتا نہیں ہمارا بیٹا زندہ بھی ہے یا نہیں اور پتا نہیں ہماری بیٹی۔'' اب وہ چیخیں مار، مار کر رونے لگی تھی۔ بیڈ کی پٹی سے سر مار رہی تھی۔ ثمر حیات جو شاہجہان کے نام پر چونکے تھے ساری صورتِ حال کو سمجھنے کی کوشش کر رہے تھے کہ ان کی نظر مدثر حسن کے سفید پڑتے چہرے پر پڑی تو رواحہ کے گرد سے بازو ہٹا کر مدثر حسن کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

''حوصلہ کریں پروفیسر صاحب......''

''آخر اس بابر نوید کو ہم سے کیا دشمنی تھی چندا......'' مدثر حسن، چندا کو دیکھ رہے تھے اور ان کے لہجے میں ٹوٹے کانچ کی چبھن تھی۔

''بابر نوید......'' ثمر حیات نے زیرِ لب دُہرایا۔

''ایک امیر زادہ تھا بابر نوید...... وہی کسی دشمن کا بچہ اٹھا کر پھینک گیا تھا اِدھر......'' شاہجہان بیگم کا کہا جملہ جیسے ان کی سماعت میں گونجا۔'' تو عظام...... یعنی عظام......'' ایک حیرت نما خوشی ان کے اندر رقص کر رہی تھی۔ انہوں نے نظر اٹھا کر اس روتی کرلاتی عورت کی طرف دیکھا جس کے نقوش پتا نہیں کیوں انہیں مانوس سے لگے تھے۔

''خدا کے لیے مدثر ہماری بیٹی کو بچالیں۔ اس شاہجہان نامی عورت کو ڈھونڈ لیں۔ آپ کو اللہ کا واسطہ...... وہ صرف میری نہیں آپ کی بھی بیٹی ہے۔'' مدثر حسن نے بے بسی سے اسے دیکھا۔ یہ عورت جو اُن کے دل کے بہت قریب تھی۔ شاید اب بھی تھی۔ وہ اس کے آنسو نہیں پونچھ سکتے تھے۔ اس کو گلے لگا کر تسلی نہیں دے سکتے تھے۔ وقت نے ان کے درمیان کتنے فاصلے پیدا کر دیے تھے۔ وہ عجیب سی کیفیت میں گھرے بیٹھے تھے وہ بیٹا جسے وہ مردہ سمجھتے تھے چندا اس کی زندگی کی نوید دے رہی تھی لیکن وہ خود بھی بے خبر تھی اور بیٹی...... ان کا جی چاہا وہ قسمت کی اس ستم ظریفی پر دھاڑیں مار، مار کر رودیں۔ تب ہی ثمر حیات نے ان کے کندھے پر رکھا ہاتھ اٹھایا۔ اور روتی بلکتی چندا کے سر پر ہاتھ رکھا۔

''دعا کرو بیٹی، اپنی بچی کی عزت و آبرو اور زندگی کے لیے...... وہ رحمان اور رحیم ضرور آپ کی دعا سنے گا۔ انشاء اللہ...... آپ کے بچوں کو آپ سے ضرور ملائے گا۔'' اور پھر اس نے مدثر حسن کی طرف دیکھا۔

''میں ابھی دس پندرہ منٹ میں آتا ہوں۔ انشاء اللہ آپ کے لیے کوئی خوشخبری لے کر آؤں گا۔''

آج شاید انکشافات کا دن تھا، الجھنیں سلجھ رہی تھیں۔ انہوں نے الجھے ہوئے پریشان سے رواحہ کو دیکھا۔ یقیناً یہ انکشاف اس کے لیے پریشان کن رہا ہوگا۔ وہ بہت سی باتیں نہیں جانتا ہوگا۔ انہوں نے اندازہ لگایا اور بے حد شفقت اور محبت سے اس کے بازو پر ہاتھ رکھا۔

''رواحہ بچے اپنے بابا کا بہت خیال رکھنا اور دعا کرنا کہ میں تمہارے بابا کا کلیجا ایسے ہی ٹھنڈا کر سکوں جیسے آج انہوں نے میرا کیا ہے۔'' اپنی بات کر کے وہ رکے نہیں تھے، تیزی سے باہر نکل گئے تھے اور سڑک کراس کر کے تیزی سے شاہجہان کے گھر کی طرف بڑھے تھے۔ گیٹ پر کھڑے شیدے اور ظہورے کو نظر انداز کر کے لاؤنج کے دروازے کو دھکیلتے اندر داخل ہوئے۔ شاہجہان بیگم کے گھر کے لاؤنج میں اس وقت خوشی رقص کر رہی تھی۔ جلیل خان، تجل کو اپنے پاس صوفے پر بٹھائے ہوئے تھا۔ گاہے گاہے اس کی طرف دیکھتا تو لبوں پر بے اختیار مسکراہٹ نمودار ہوتی۔ واہ جلیل خان تم ہمیشہ شادی شدہ زندگی کی ذمے داری سے بھاگے پھرے لیکن اللہ نے تمہیں اس عمر میں ایک بیٹی کی ذمے داری سونپ دی۔ شاید زندگی میں کہیں اس نے کوئی نیکی کی تھی جو اللہ نے اس کی بیٹی کو محفوظ رکھا ورنہ اگر جلیل خان کی بیٹی کے پاؤں میں گھنگرو بندھ جاتے تو جلیل خان تو مارے غیرت کے اسی وقت مر جاتا جب اسے خبر ہوتی۔ اور اس کے لیے وہ شاہجہان کا ممنون تھا اس عورت نے خود گندگی میں رہتے ہوئے اس کے ساتھ کیا وعدہ نبھایا تھا۔ تجل کی نظریں جھکی ہوئی تھیں اور لبوں پر شرمگیں سی مسکراہٹ سجی ہوئی تھی اور وہ چوری، چوری کبھی اپنے قریب بیٹھے اس بارعب سے شخص کو دیکھتی جو اس کا باپ تھا اور کبھی سامنے بیٹھے عظام کو...... اور جلیل خان کے ساتھ بات کرتے، کرتے عظام کی نظریں بھٹک، بھٹک کر تجل کے چہرے پر جا ٹھہرتیں۔ اور پھر سنہری کے کھنکھارنے پر فوراً وہ اپنی نظریں اس کے چہرے سے ہٹا لیتا اور شریر نظروں سے اسے دیکھ کر سنہری پاس بیٹھی موتیا کے کان میں جھک جاتی۔

''یعنی اب ہم بھی...... بیگمات بن کر گھر میں رہیں گی تجو کے باپ کے طفیل...... ہائے موتیا مجھے ذرا زور سے چٹکی تو کاٹ کہیں میں خواب تو نہیں دیکھ رہی...... ہائے کیا سچ مچ...... ہماری تجو کا بیاہ ہوگا...... اماں کہتی ہیں مہندی، ابٹن، مایوں، ڈھولکی سب کرنا ہاں تو......'' اس نے ذرا سی گردن اکڑا کر سامنے دیکھا تو حاتی دادا کو لاؤنج کے دروازے میں کھڑا دیکھ کر ٹھٹک گئی...... اس کے چہرے پر عجیب پتھریلی سی سنجیدگی تھی۔

عین اسی لمحے شاہجہان کی نظریں بھی اٹھی تھیں اور اس کی سحر انگیز آنکھوں سے الجھی تھیں۔ آج ان کی آنکھوں کا رنگ کچھ اور تھا۔ اس نے فوراً ہی نظریں جھکا لیں...... لیکن اس کے لبوں سے بے ساختہ نکلا تھا۔

''دادا تم......''

''ارے ثمر حیات، اچھے وقت آئے اس وقت ہم تجل اور عظام کے نکاح کی تاریخ کے متعلق بات کر رہے تھے۔'' جلیل خان نے مڑ کر اسے دیکھا۔ عظام یک دم کھڑا ہو گیا۔

''پاپا...... سب ٹھیک ہے ناں، بابا، رواحہ۔'' لیکن ثمر حیات نے کسی کی بات کا جواب نہیں دیا۔ اس کی نظریں جیسے شاہجہان بیگم کے اندر اترتی جا رہی تھیں۔ شاہجہان کو اپنے اندر چیونٹیاں سی رینگتی محسوس ہو رہی تھیں۔

''شاہجہان بیگم...... وہ لڑکی کہاں ہے جسے بابر نوید نے تمہیں بھجوایا ہے۔''

''وہ لڑکی......؟'' شاہجہان بیگم نے تھوک نگلی۔

''ادھر ہے......'' وہ حاتی دادا سے جھوٹ نہیں بول سکتی تھی۔

''بلوا دو اسے......''

''موراں......'' شاہجہان بیگم نے موراں کو بلایا۔

''جاؤ نئی لڑکی کو نیچے لے آؤ...... خدا کی قسم دادا بابر خود......''

''بس......'' ثمر حیات نے ہاتھ ذرا سا بلند کیا......اور نگاہیں شاہجہان کے چہرے سے ہٹالیں اور سیڑھیوں کی طرف دیکھنے لگا۔ کچھ ہی دیر بعد موراں سیڑھیوں پر نمودار ہوئی اور اس کے ساتھ جو لڑکی تھی اس کے بال بکھرے ہوئے تھے آنکھیں رو، رو کر سوج چکی تھیں۔ ہونٹوں پر پپڑیاں جمی تھیں۔

''رتی......'' عظام کی نظریں اس پر پڑیں تو وہ تیزی سے اس کی طرف بڑھا۔ ارتقاع نے بھی اسے دیکھ لیا تھا اور موراں کا ہاتھ چھڑا کر بھاگتی ہوئی اس کے قریب آگئی تھی۔

''عظام، عظام تم مجھے لینے آئے ہو......رواحہ کہاں ہے......مجھے جلدی سے لے چلو......انہوں نے مجھے یہاں بند کردیا تھا۔ اور یہ عورت......؟'' اس نے موراں کی طرف اشارہ کیا۔

''یہ کہتی ہے میرے پاپا نے مجھے یہاں بھجوایا ہے......بھلا وہ۔'' وہ رونے لگی تھی اور اس نے عظام کا ہاتھ پکڑ لیا تھا اور کہہ رہی تھی۔

''مجھے گھر لے چلو عظام پلیز جلدی کرو......پاپا اور نانی بہت پریشان ہوں گے۔''

ثمر حیات نے ایک گہری سانس لی۔ انہوں نے اسے پہچان لیا تھا۔ اسے انہوں نے اسپتال میں دیکھا تھا اور عظام نے اس کا تعارف کروایا تھا۔

ثمر حیات چند قدم چل کر عظام کے قریب آیا اور اس نے ارتقاع کے سر پر ہاتھ رکھا۔

''آؤ بیٹی......تمہارے ماما، پاپا تمہارے لیے بہت پریشان ہورہے ہیں......اور عظام تم بھی آؤ......'' پھر وہ شاہجہان بیگم کی طرف مڑا۔

''شاہجہان بیگم میں اسے لے کر جارہا ہوں۔''

''ہاں، ہاں وادا لے جاؤ۔ میں تو بس خود ہی اسے واپس بھجوانے والی تھی وہ تو میں نے سوچا تھا چلو بڑھاپے......'' اور ثمر حیات اس کی پوری بات سنے بغیر جلیل خان پر ایک معذرتی نظر ڈالتا ہوا باہر نکل گیا۔

''اب کیا ہوگا سوتیا......؟'' سنہری کا منہ کھلا ہوا تھا۔ اور وہ ہونقوں کی طرح اسے دیکھ رہی تھی۔

''کیا اب ہماری سجو کی شادی نہیں ہوگی، وہ عظام کا باپ تو اسے لے گیا......ہائے، ہماری کھوٹی قسمت......''

''چپ......'' جلیل خان نے ایک قہر آلود نظر اس پر ڈالی اور اور سہمی ہوئی سجل کے گرد ایک بازو حمائل کر کے اسے گویا خاموشی کی زبان میں تسلی دی اور ناگواری سے شاہجہان کی طرف دیکھا اور شاہجہان ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے ہولے، ہولے اسے ارتقاع کے متعلق بتانے لگی۔

☆☆☆

اس وقت جلیل خان کے شاندار ڈرائنگ روم میں رونق سی لگی تھی۔ ابھی کچھ دیر پہلے عظام اور سجل کا نکاح ہوا تھا۔ جلیل خان نے چھوٹی سی یہ تقریب گھر پر ہی رکھی تھی۔ باہر لان میں کھانے کا انتظام ہورہا تھا......گو زیادہ افراد نہیں تھے پھر بھی جلیل خان نے شاندار انتظام کروایا تھا......سب خوش گپیوں میں مصروف تھے......عظام، رواحہ اور افنان ایک صوفے پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ثمر حیات، مدثر حسن اور مقبول بٹ ایک صوفے پر بیٹھے تھے۔ ایمل، عنبرین اور ایمل کی ممی ایک طرف بیٹھی تھیں۔ سنہری اڑی، اڑی پھر رہی تھی۔ سوتیا، سجل کو تیار کررہی تھی۔ ثمر حیات کی والدہ بھی مقبول بٹ کی بہو کے ساتھ بیٹھی ہوئی محبت پاش نظروں سے کبھی ثمر حیات کی طرف دیکھتیں اور کبھی ان کی نظریں رواحہ کی بلائیں لیتیں۔ ثمر حیات کو اپنے دل پر بوجھ سا محسوس ہورہا تھا سب کچھ اچانک اور غیر متوقع ہوا تھا۔ شاید اس لیے رواحہ اور اماں کا ملنا......عظام کے والدین کے متعلق پتا چلنا اور پھر یہ انکشاف کہ ایمل، فرحی کی بھتیجی ہے تب ہی تو اسے ایمل کی شکل مانوس سی لگی تھی وہ فرحی سے بہت مشابہ تھی......اور عظام اور رواحہ کی مشابہت بھی اب سمجھ میں آگئی تھی۔ فرحی اور

ایمل کی آنکھیں تو بالکل ایک جیسی تھیں ہی اور ان دونوں نے ہی اپنی، اپنی ماں سے ورثے میں لی تھیں۔ کل شام جب فرحی کا ذکر کرتے ہوئے اس نے کرنل حامد اور ان کے والد کا ذکر کیا تھا تو ایمل کی ممی چونکی تھیں اور تب انہوں نے اعتراف کیا تھا اور معذرت چاہی تھی کہ ان کی وجہ سے فرحی گھر نہیں آسکی تھی۔ انہوں نے کرنل حامد کی وصیت کے متعلق بھی بتایا تھا۔ ان سارے انکشافات نے ثمر حیات کو اندر سے ہلا سا دیا تھا...... اس نے رواحہ کی طرف دیکھا جو عظام کی طرف تھوڑا سا جھکا نہ جانے کیا سرگوشیاں کر رہا تھا اور اس کی آنکھیں شرارت سے چمک رہی تھیں...... ''چلو اچھا ہے خدانخواستہ مجھے کچھ ہو گیا تو عظام میرے بعد اکیلا نہیں ہوگا۔ اتنے سارے رشتے مل گئے ہیں اسے......'' انہیں پہلا خیال عظام کا آیا تھا اور پھر انہوں نے رواحہ کے متعلق سوچا تھا۔ ''رواحہ کو بھی تو اس کا ننھیال مل گیا ہے۔ ددھیال میں تو بس اماں ہی ہیں۔'' اس نے اماں کی طرف دیکھا ان کی بوڑھی آنکھوں میں انوکھی سی چمک تھی اور وہ پاس بیٹھی ارتقاع سے جو ابھی آ کر بیٹھی تھی کچھ کہہ رہی تھیں...... اور ارتقاع کے رخساروں پر لالی بکھری ہوئی تھی اور پلکیں جھکی ہوئی تھیں۔ اب پتا نہیں اماں، ارتقاع سے کیا کہہ رہی ہیں...... رواحہ نے تو چند دنوں میں ہی دادی سے خوب دوستی گانٹھ لی تھی۔ شاید رازِ دل بھی کہہ دیا ہو۔ ثمر حیات کے لبوں پر مسکراہٹ نمودار ہوئی...... شکر ہے رواحہ اور عظام نے اس پیاری تبدیلی کو خوش دلی سے قبول کر لیا تھا۔ اگرچہ یک دم شاک تو لگا تھا دونوں کو لیکن جلد ہی انہوں نے خود کو سنبھال لیا تھا۔ البتہ ارتقاع کافی اپ سیٹ رہی تھی اس کے لیے یہ قبول کرنا خاصا مشکل تھا کہ بابر نوید اس کا سگا باپ نہیں ہے تاہم اب وہ سنبھل چکی تھی۔ سب ہی اپنی، اپنی جگہ کسی نہ کسی حد تک متاثر ہوئے تھے...... وہ، جلیل خان، مدثر حسن اور افنان بھی انہوں نے رواحہ اور عظام کے پاس بیٹھے افنان کو دیکھا جو بے حد سنجیدہ اور کچھ اداس سا لگ رہا تھا۔ افنان نے اسی وقت نظریں اٹھائی تھیں اور اسے اپنی طرف دیکھتا پا کر فوراً جھکالی تھیں۔ وہ کسی سے بھی نظریں نہیں ملا پا رہا تھا۔ حتیٰ کہ اپنے اس خوب صورت وجیہہ بھائی سے بھی نہیں۔ وہ اپنے باپ کے کیے پر شرمندہ تھا اور سوچتا تھا شاید وہ ساری زندگی ارتقاع، عظام اور ایمل سے نظر نہیں ملا سکے گا۔ بابر نے جو کچھ کیا تھا وہ بھولنے والا ہرگز نہیں تھا۔

اس رات بابر کو صوفے پر مدہوش چھوڑ کر وہ ایمل کی تلاش میں چلا گیا تھا۔ گھنٹوں مارا، مارا پھرنے کے بعد جب وہ آیا تھا تو بابر وہاں نہیں تھا اور صبح ناز و نے بتایا تھا کہ وہ ایک بڑا اٹیچی کیس اور بیگ لے کر صبح، صبح گھر سے نکل گیا تھا۔ اور آج اس نے کئی بار اسے کال کی تھی لیکن اس نے کاٹ دی تھی...... پھر اس کا میسج آیا تھا کہ وہ ملک سے باہر جا رہا ہے اور ائر پورٹ پر وہ اس کا انتظار کرے گا اور اس وقت جب وہ یہاں اپنے بھائی کے نکاح میں شرکت کے لیے آیا ہوا ہے اس کا باپ اس ملک کو شاید ہمیشہ کے لیے چھوڑ کر جا رہا تھا اور آج سے چند دن پہلے تک اسے اپنے باپ سے بہت محبت اور عقیدت تھی، فخر تھا اور آج وہ شرمندہ تھا۔

''کیسے بھائی ہو، بھائی کے نکاح کے موقع پر منہ لٹکائے بیٹھے ہو۔'' رواحہ نے یک دم ہی اس کی طرف تھوڑا سا جھکتے ہوئے کہا تو اس نے یک دم ہڑبڑا کر اسے دیکھا۔

''نہیں...... نہیں تو......''

''فکر نہ کرو بیٹا تمہارے لیے ہم سجل سے بھی پیاری دلہن لائیں گے۔''

''بھلا سجل سے پیاری دلہن کہاں ملے گی آپ کو......؟'' سنہری نے موتیا کے ساتھ آتی سجل کو دیکھا۔

''مل جائے گی بہنا بس تلاش صادق ہونی چاہیے اور ڈھونڈنے سے تو خدا بھی مل جاتا ہے۔'' رواحہ، افنان کا کندھا تھپک رہا تھا اور سنہری لفظ ''بہنا'' کی حلاوت میں کھو سی گئی تھی۔ بہنا...... بھلا اس سے پہلے یہ لفظ کب کسی نے اس کے لیے استعمال کیا تھا۔ سب سجل کو دیکھ رہے تھے۔ عظام بے اختیار کھڑا ہوا تھا۔ کئی لبوں سے ایک ساتھ ماشاء اللہ ...... نکلا تھا۔ ایمل نے یک دم اس کے قریب آ کر اس کی پیشانی چومی تھی اور عظام کی پیشانی چومتے ہوئے جھجک سی

گئی تھی۔ یہ اس کا بیٹا تھا اسے اس نے جنم دیا تھا لیکن جنم دینے کے بعد سے لے کر اب تک اس نے اسے نہیں دیکھا تھا۔ اسے گود میں نہیں کھلایا تھا۔ راتوں کو اس کے لیے جاگی نہیں تھی۔ اس کا پہلا لفظ، پہلا قدم کچھ بھی تو نہیں دیکھا تھا اس نے اور اب یک دم وہ اتنا بھرپور جوان ہو کر اس کے سامنے آیا تھا کہ جھجک فطری تھی۔

افنان جھینپا، جھینپا سا بیٹھا تھا جب رواحہ نے بازو سے پکڑ کر اسے اٹھا لیا اب وہ دونوں بھنگڑا ڈال رہے تھے۔ سنہری چونک کر تالیاں بجاتے ہوئے گانے لگی تھی۔ مقبول بٹ جو اب تک نہ جانے کیسے خاموش بیٹھا تھا اس نے اٹھ کر ثمر حیات کا ہاتھ پکڑا اور کھینچتا ہوا درمیان میں لے آیا۔ اور اپنی مخصوص پنجابی میں بولا۔

''یہ تو کوئی گل ہی نئیں۔ جے منڈے دا پیو نہ نچا۔'' (یہ تو کوئی بات نہیں جو لڑکے کا باپ نہ ناچے۔)

ثمر حیات نے جس طرح کی تلخ اور سخت زندگی گزاری تھی اس زندگی میں بھلا ایسی باتوں کی گنجائش کہاں تھی۔ اس نے گھبرا کر مدثر حسن کی طرف اشارہ کیا تو مقبول بٹ اسے بھی کھینچتا ہوا لے آیا...... اب وہ چاروں دائرے میں بھنگڑا ڈال رہے تھے۔ سنہری کے ساتھ موتیا، ارتقاع اور عنبرین بھی شامل ہو گئی تھیں اور تالیاں بجا بجا کر گا رہی تھیں۔ مدثر حسن کو یک دم اپنی مہندی والی رات یاد آئی جب زبردستی سب نے اسے بھی اپنے ساتھ شامل کر لیا تھا اور اب رواحہ نے بھی ایسا ہی کیا تھا' وہ عظام کو بھی لے آیا تھا۔ دل کے اندر درد کی ایک لہر سی اٹھی تھی...... وقت کتنا بدل گیا تھا وہ تو چندا کی طرف دیکھنے سے بھی گریز کر رہے تھے اور وہ بھی ذرا اوٹ میں بیٹھی تھی۔

وقت نے ان کے درمیان ایسے فاصلے پیدا کر دیے تھے کہ جو کبھی پاٹے نہیں جا سکتے تھے...... انہوں نے شکوہ کناں نظروں سے ممی کے پاس خاموش بیٹھی چندا کی طرف دیکھا اور آہستگی سے دائرے سے باہر نکل کر صوفے پر بیٹھ گئے۔ چندا کی بے اعتباری نے ان کی پوری زندگی جلا کر راکھ کر ڈالی تھی۔ بابا جان کتنا صحیح کہتے تھے کہ گھر بنانے کے لیے جس چیز کی ضرورت ہوتی ہے وہ باہمی اعتماد ہوتا ہے۔ دو افراد کو صرف ایک چیز جوڑے رکھتی ہے اور وہ میاں، بیوی کا ایک دوسرے پر اعتماد ہوتا ہے۔ چندا نے اس سے محبت تو کی تھی پر اس کی وفا پر اعتبار نہیں کیا تھا۔ ایک گہری سانس لے کر انہوں نے سر اٹھایا۔ مقبول بٹ قہقہے لگا رہا تھا اور ثمر حیات کا ہاتھ پکڑے ناچ رہا تھا۔ رواحہ، افنان، عظام بھی لڈی ڈال رہے تھے...... انہوں نے تشویش سے رواحہ کو دیکھا اور بے اختیار بلایا۔

''رواحہ بیٹا بس کرو، ابھی تمہارے زخم پوری طرح مندمل نہیں ہوئے۔'' ثمر حیات نے مدثر حسن کی تشویش کو دیکھا اور مسکرا دیے۔ بھلا مدثر حسن سے زیادہ رواحہ سے کون محبت کر سکتا ہے۔ اور ان کا رواحہ یقیناً خوش قسمت ہے۔

''زخم مندمل ہونے میں کون سی دیر لگتی ہے، ہو جائیں گے لیکن بھائی کی شادی پھر نہیں ہوگی۔'' ناچتے، ناچتے مقبول بٹ نے مڑ کر مدثر حسن کی طرف دیکھا۔

''کچھ زخم شاید کبھی مندمل نہیں ہوتے۔'' مدثر حسن نے زخمی نظروں سے ایمل کو دیکھا۔

''بھائی......'' عظام نے آنکھیں پھاڑتے ہوئے شرارت سے رواحہ کو گھورا۔

''یہ رشتے میں میرا ماموں لگتا ہے۔ میری ماما کا پھوپی زاد کزن جو ہوا۔''

''اور ماموں ہونے کے ناتے مجھے یہ سرٹیفکیٹ مل چکا ہے کہ جب چاہے تمہارے کان کھینچ سکتا ہوں۔'' رواحہ نے اس کا کان کھینچا...... تب ہی جلیل خان اندر آئے دلچسپی سے مقبول بٹ کو چند لمحے دیکھتے رہے جو اب اکیلا ہی تھرک رہا تھا۔ اگرچہ اس کی سانس پھول رہی تھی۔ ثمر حیات نے جلیل خان کو دیکھا اور مقبول بٹ کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

''اوئے انگلینڈ پلٹ اب بس کر، کہیں ایمبولینس ہی نہ منگوانی پڑے۔''

''یار اپنی شادی میں ناچنے کی حسرت ہی رہ گئی تھی۔ ماموں وہاں پہنچتے ہی اسلامی مرکز پکڑ کر لے گئے اور نکاح پڑھوا دیا۔'' وہ برا سا منہ بناتا ہوا بیٹھ گیا تو جلیل خان نے سب کو کھانے کے لیے اٹھنے کو کہا۔

''ایک منٹ......'' ثمر حیات نے جو ابھی تک کھڑا تھا ہاتھ اٹھا کر کہا......اور پھر آہستہ آہستہ چلتا ہوا ایمل کے سامنے جا کھڑا ہوا۔

''آج خوشی کے اس موقع پر میں آپ سے آپ کی بیٹی ارتقاع کا ہاتھ اپنے بیٹے رواحہ کے لیے مانگتا ہوں۔'' ارتقاع جواب ایمل کے پاس آ کر بیٹھ گئی تھی اس نے ایمل کی بغل میں منہ چھپالیا۔ ایمل نے پہلے ممی کی طرف اور پھر مدثر کی طرف دیکھا۔

''رواحہ صرف نصیر احمد بزاز کا پوتا نہیں ہے۔ کرنل حامد کا بھانجا اور ملک اسفندیار کا نواسا ہے اور پھر اس کا باپ بھی کوئی ایسا گیا گزرا نہیں ہے۔''

ممی اور ایمل کو خاموش دیکھ کر اندر بہت سے کانچ ٹوٹ کر بکھرے تھے۔ اور اس نے بے حد آہستگی سے کہا جسے صرف ممی ہی سن سکی تھیں۔ انہوں نے ٹپٹا کر ایمل کی طرف دیکھا جو ارتقاع کی طرف دیکھ رہی تھی۔ وہ ارتقاع کے دل کا حال جانتی تھی۔ ان بیتے چند دنوں میں ارتقاع نے اس سے بہت ساری دل کی باتیں کی تھیں۔ بہت سارے شکوے بھی کیے تھے اور معافیاں بھی مانگی تھیں۔ جب بھی اسے کوئی بات یاد آتی وہ فوراً اظہار کردیتی تھی، اب بھی وہ اس سے پوچھ رہی تھی کہ وہ اسے رتی کیوں نہیں کہتی تھیں جبکہ پاپا کہتے تھے کہ میری ماما نے مجھے رتی کہہ کر بلایا تھا۔

''جب بابر نے تمہارا نام رکھا تو مجھے مشکل سا لگا تو میں نے کہا میں تمہیں رتی کہا کروں گی لیکن بعد میں مجھے یہ نام ہندوانا سا لگا تو میں تمہیں ارتی کہہ کر بلانے لگی۔'' اس نے وضاحت کی تھی۔

ثمر حیات سوالیہ نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا اس نے ارتقاع سے نظریں ہٹا کر ثمر حیات کی طرف دیکھا۔

''مجھے تو کوئی اعتراض نہیں ہے آپ اس کے بابا سے بھی پوچھ لیں۔''

'''کیوں پروفیسر صاحب، کیا آپ کو کوئی اعتراض ہے؟'' ثمر حیات نے وہاں ہی کھڑے، کھڑے مدثر حسن کو مخاطب کیا۔

''پہلی بات تو یہ کہ میں آپ سے چھوٹا ہوں آپ مجھے پروفیسر صاحب کیوں کہتے ہیں، نام سے بلایا کریں ناں...... دوسری بات یہ کہ مجھے بھلا کیا اعتراض ہوگا اگر ان کی والدہ کو نہیں ہے اور تیسری بات یہ کہ رواحہ مجھ جیسے ایک غریب پروفیسر کا بیٹا ہے وہ اچھی طرح سوچ لیں۔'' لیکن تالیوں کے شور میں ان کی تیسری بات کسی نے نہیں سنی تھی۔ مبارک، مبارک کا شور بلند ہو رہا تھا۔ ثمر حیات نے مدثر حسن کو گلے لگا کر مبارک باد دی۔ عظام، رواحہ کو گلے لگائے جانے اس کے کان میں کیا سرگوشیاں کر رہا تھا۔ جلیل خان نے ہاتھ اٹھا کر سب کو ایک بار پھر باہر آنے کے لیے کہا تو سب سے پہلے مقبول بٹ اٹھا۔

''چلو بھئی چلو، پہلے پیٹ پوجا کرلیں۔ بڑی دیر سے یہ اشتہا انگیز خوشبوئیں امتحان لے رہی ہیں۔'' اور اس کے ساتھ باقی سب بھی کھانے کے لیے اٹھنے لگے۔

☆☆☆

عنبرین اپنے فلیٹ کے چھوٹے سے لاؤنج میں خاموش بیٹھی تھی ایک عجیب سا خالی پن تھا جو صرف فلیٹ میں ہی نہیں اس کے وجود میں بھی پھیلا ہوا تھا۔ وہ کچھ دیر پہلے ہی کراچی سے آئی تھی۔ کچن کے سنک میں ان دھلے برتن جو وہ چھوڑ کر گئی تھی ایسے ہی پڑے تھے۔ کافی ٹیبل پر پڑے ایش ٹرے میں بابر کے پیے ہوئے سگریٹوں کی راکھ اور بچے ہوئے ٹکڑے پڑے تھے۔ اندر بیڈروم میں اس روز کا بابر کا پھینکا ہوا تولیا اب بھی بیڈ پر پڑا تھا...... بابر کے سلیپر بیڈ کے پاس پڑے تھے۔ اس کا نائٹ سوٹ واش روم میں لٹکا رہا تھا۔ بابر کی ضرورت کی کئی چیزیں اس کی شیونگ کٹ، اس کے چند جوڑے کپڑے احتیاطاً اس نے یہاں فلیٹ میں رکھے ہوئے تھے کہ کبھی اچانک ہی وہ خالی ہاتھ آجاتا تھا لیکن اب

اس نے کبھی نہیں آنا تھا۔ تنہا زندگی گزارنا تو پہلے بھی اسے مشکل ہی لگتا تھا لیکن بابر کے آنے کے انتظار میں تنہائی بہل جاتی تھی لیکن اب یہ انتظار بھی اس کی زندگی... سے ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا تھا۔ بابر نے چند دن پہلے اسے فون کیا تھا۔

"تم نے اپنے پاؤں پر خود کلہاڑی ماری ہے۔ میرے پاس تمہارے لیے ایک اچھا مستقبل تھا۔ وہ جس کے تم نے خواب دیکھے تھے۔ میرا تو کچھ نہیں بگڑا لیکن تم ساری زندگی پچھتاؤ گی۔ بہت جلد تمہیں میرا وکیل طلاق کے پیپرز بھجوا دے گا۔ یہ فلیٹ جو تمہارے نام ہی ہے اسے اپنا حق مہر سمجھ لینا...... اور......" وہ ہنسا۔

"تمہاری کوشش بیکار ہی گئی وہ لوگ کبھی شاہجہان اور ارتفاع کو نہیں ڈھونڈ پائیں گے۔ رہی ایمل تو مجھے اس سے یوں بھی کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ مجھے جو حاصل کرنا تھا حاصل کر لیا...... بہت جلد میں اپنے بیٹے کو بھی اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔ تم پچھتاتی رہنا ساری زندگی۔" اور وہ اسے یہ بھی نہیں بتا سکی تھی کہ ارتفاع مل چکی ہے اور افنان اس سے نفرت کرنے لگا ہے۔ وہ کبھی اس کے ساتھ نہیں جائے گا۔

وہ اداس تو تھی لیکن اسے کوئی پچھتاوا نہیں تھا۔ اس نے ایک بار ایمل کا گھر برباد کیا تھا۔ بابر کی گیم کا حصہ بنی تھی لیکن اب اس نے ایمل کی بیٹی کو برباد ہونے سے بچانے کی کوشش کر کے کفارہ ادا کرنا چاہا تھا۔ کبھی کبھی انسان کی زندگی میں کوئی ایک لمحہ ایسا آتا ہے جو اس کی کایا پلٹ دیتا ہے۔ جب وہ صرف اپنے لیے نہیں سوچتا...... دوسروں کے لیے سوچتا ہے۔ اس کی زندگی میں وہ لمحہ آیا تھا اور سب کچھ بدل گیا تھا...... اس کی ترجیحات اس کا ذاتی مفاد سب پیچھے رہ گیا تھا اور صرف ایک سوچ اس پر حاوی ہو گئی تھی کہ ارتفاع کو غلط ہاتھوں میں جانے سے بچا لے۔ ایمل، افنان، امی، ممی سب ہی اس کے شکر گزار تھے۔ ایمل نے ہمیشہ اسے اپنے ساتھ رہنے کی پیش کش کی تھی۔ وہ اس کی بڑائی اور اس کے خلوص کی معترف تھی کہ اس نے اسے معاف کر دیا تھا...... لیکن وہ جانتی تھی کہ ایک ایسی عورت کو ہر وقت اپنی نظروں کے سامنے

دیکھنا اور برداشت کرنا جس نے اس کا محبت بھرا آشیانہ اجاڑا تھا، آسان نہیں تھا۔ سو وہ واپس آ گئی تھی اس کے لیے اتنا ہی کافی تھا کہ جب کبھی اس کا دل گھبرائے گا تو ایک گھر ایسا ہے جہاں وہ جائے گی تو سب کھلی بانہوں سے اس کا استقبال کریں گے۔ اسے اب اپنی آئندہ زندگی کے لیے کوئی لائحہ عمل سوچنا تھا...... وہ کوئی چھوٹا سا بوتیک کھول لے یا کہیں جاب کر لے...... لیکن بھلا وہ کیا جاب کر سکتی ہے۔ وہ سوچ رہی تھی کہ یک دم دروازے پر بیل ہوئی۔ وہ چونک کر لمحہ بھر تو خوفزدہ نظروں سے دروازے کی طرف دیکھتی رہی پھر ہولے سے ہنسی...... آتے ہوئے اس نے ساتھ والے فلیٹ کی مسز ناصرہ کو پیغام دیا تھا کہ جب صفائی والی ماسی آئے تو بھیج دیں۔ یقیناً وہی ہوگی...... وہ لاؤنج کا دروازہ کھول کر باہر آئی۔ مین ڈور کھولا اور حیرت سے لمحہ بھر آنے والوں کو دیکھتی رہی پھر بے اختیار لبوں سے نکلا۔

''آپا آپ......؟'' اور اس کی نظریں آپا کے ساتھ کھڑی اپنی بیٹی پر اٹک گئیں جو بہت اشتیاق سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''کیا اندر نہیں آنے دو گی؟'' آپا کا لہجہ خوشگوار سا تھا۔

''ہاں، ہاں آئیں......'' اس نے نظریں اس سے ہٹائیں اور آنے کا راستہ دیا۔

''میں تمہاری بیٹی کو تم سے ملوانے لائی ہوں بینو......'' آپا نے مسکراتے ہوئے باری، باری دونوں کی طرف دیکھا۔ اس کی حیرت دو چند ہوئی۔ وہ ششدر سی کھڑی تھی۔

''گڑیا یہ تمہاری حقیقی ماں ہیں۔''

''میری بیٹی، میری گڑیا......'' بے اختیار آگے بڑھ کر اس نے اسے اپنی بانہوں میں لے لیا اور چومنے لگی۔ آنکھیں یک دم ہی آنسوؤں سے بھر گئی تھیں۔ گڑیا کی آنکھیں بھی نم ہو گئیں۔ آپا نے اسے الگ کیا تو وہ ان سے لپٹ کر رونے لگی۔

''آپا...... آپا۔'' آپا نے محبت سے اس کے آنسو پونچھے اور اسے بٹھاتے ہوئے خود بھی بیٹھ گئیں۔

''میں نے احمد علی سے بات کی تھی۔ احمد علی خود بھی چاہتا تھا کہ اب جب گڑیا کی شادی ہو رہی ہے تو شادی سے پہلے اسے اپنی حقیقی ماں کے متعلق معلوم ہونا چاہیے۔ سسرال کا معاملہ نازک ہوتا ہے۔ کل کلاں کو وہ کہیں اور سے سنیں تو ہوتا ہے کبھی، کبھی دو افراد ایک دوسرے کے ساتھ نبھا نہیں کر پاتے۔ تم دونوں بھی نہیں کر پائے۔'' آپا نے بہت ہلکے پھلکے انداز میں بات کی۔

''ابو کہتے ہیں وہ غصے کے تیز تھے اور آپ بھی انہیں غصہ دلا دیتی تھیں سو اسی غصے میں انہوں نے آپ کو طلاق دے دی...... اور زیادہ غلطی انہی کی تھی انہیں اپنے غصے پر قابو نہیں تھا۔'' وہ اس کا ہاتھ پکڑے بیٹھی تھی۔

''میری گڑیا......'' اس نے ایک بار پھر اسے لپٹا لیا تھا۔

''میں فوراً ہی آپ کے پاس آنا چاہتی تھی، ملنا چاہتی تھی لیکن پہلے شادی کے فوراً بعد ہم گھومنے چلے گئے۔ مہینے بھر بعد واپس آئے تو پھر دعوتیں پھر بھی امی آئی تھیں ادھر میرے ساتھ لیکن آپ نہیں تھیں۔''

''ہاں، میں کراچی گئی ہوئی تھی۔'' اس نے متشکر نظروں سے آپا کی طرف دیکھا۔

سچ ہے اللہ انسان کا کوئی اچھا عمل ضائع نہیں کرتا۔ اس نے ایک نیکی کی تھی اور اللہ نے اس نیکی کے عوض اسے اس کی بیٹی سے ملا دیا۔ رہا بابر تو اس کے دل میں ہمیشہ ایک کسک رہے گی کیونکہ اسے بہرحال بابر سے محبت تھی لیکن اسے پچھتاوا نہیں تھا۔

اس نے اپنی بیٹی کی پیشانی کو چوما اور آپا کے منع کرنے کے باوجود اُن کے لیے جوس لینے کے لیے اٹھ گئی۔

☆☆☆

ثمر حیات اپنے بیڈ روم میں بے چینی سے ٹہل رہا تھا۔ ٹہلتے، ٹہلتے وہ اپنی فری اور روحان کی تصویروں کے پاس رکا اور اٹھا کر اسے دیکھنے لگا۔ اسے اپنے تنے ہوئے اعصاب ڈھیلے ہوتے محسوس ہوئے۔ ''ہمارے روحان نے ایسی زندگی گزاری ہے فری جیسی تم چاہتی تھیں۔ صاف، شفاف، سادہ اس زندگی سے بالکل مختلف جو میں نے اور جلیل خان نے گزاری۔ ایک بہت پیارے انسان کی بے انت محبتوں کے سائے تلے۔'' اس نے دل ہی دل میں فری سے باتیں کرتے ہوئے تصویر واپس اپنی جگہ رکھ دی۔ اور اچانک ہونے والی تبدیلیوں کے متعلق سوچتا ہوا بیڈ پر بیٹھ گیا۔ روحان اور اماں کا ملنا، عظام کے والدین کا پتا چلنا...... عظام کا نکاح یہ سب بہت خوش کن تھا۔ لیکن پتا نہیں کیوں دل بجھا، بجھا سا تھا۔ اس نے جلیل خان سے صاف، صاف کہہ دیا تھا کہ اسے اب اس زندگی کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ دینا ہے۔ جلیل خان نے بہت سارے معاملات سے اس کو نکال لیا تھا لیکن پھر بھی کچھ معاملات ایسے تھے کہ وہ ان سے نکل نہیں پا رہا تھا۔ کیسا خار دار راستہ تھا جو اس نے اپنے لیے چنا تھا۔ ابھی نہ جانے کتنی مسافت باقی تھی۔ اسے اپنے اعصاب ایک بار پھر کھنچتے ہوئے سے محسوس ہوئے تو اس نے صوفے کی پشت پر سر ٹکتے ہوئے آنکھیں موند لیں۔ گزری زندگی کا ایک، ایک لمحہ اس کی آنکھوں کے سامنے سے گزرتا چلا گیا۔ اسمگلنگ، ہیر پھیر، داداگیری...... وہ جلیل خان کے ساتھ کس، کس کام میں شامل رہا تھا۔ اس کے متعلق سوچتے ہوئے اس کے اندر اذیت کی لہریں سی اٹھنے لگیں۔ یہ سب غلط تھا لیکن اب جو کچھ وہ کرنے جا رہا تھا وہ...... جلیل خان نے ولسن اور ایرک کے لیے کام کرنے کی حامی بھرلی تھی...... کام کی نوعیت کیا تھی۔ ابھی وہ نہیں جانتا تھا لیکن اس کی چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ یہ لوگ ملک دشمن سرگرمیوں میں مصروف ہیں وہاں راجندر نامی جس شخص سے اس کی ملاقات ہوئی تھی وہ اسے غیر ملکی ایجنسی کا بندہ لگا تھا۔ گو ولسن نے اس کا تعارف ایک محب وطن پاکستانی کی حیثیت سے ہی کروایا تھا اور اس کا تعلق حیدر آباد سے بتایا تھا لیکن اس کا دل کہہ رہا تھا کہ یہ سب لوگ مل کر اس کے ملک کی جڑیں کاٹ رہے ہیں...... اور اسے ان کا حصہ نہیں بننا تھا۔

''یہ آپ نے اچھا نہیں کیا بگ با، ان لوگوں کے لیے کام کی حامی بھر کے۔'' اس نے ولسن کے بنگلے سے واپس آکر گلہ کیا تھا۔ ''جب میٹنگ میں یہ طے ہوا تھا کہ ہم بہت سوچ سمجھ کر یہ ڈیل کریں گے اور اگر سب کی رائے نہ ہوئی تو آپ انکار کردیں گے۔''

''میں بہت مجبور ہوگیا تھا۔ میرے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔ مجھ پر کہیں اور سے بھی دباؤ ہے۔'' جلیل خان پہلی بار اسے بے بس نظر آیا تھا۔

''لیکن مجھ پر کوئی دباؤ نہیں ہے اور میں وہی کروں گا جو صحیح سمجھوں گا۔'' اس نے یہ بات کہی نہیں تھی بلکہ دل میں سوچی تھی اور وہ ان میں گھل مل گیا تھا۔ ولسن، راجندر، یعقوب سب ہی اس سے بے تکلف ہوگئے تھے اور ایرک تو پہلے ہی اسے پسند کرتا تھا۔ جلیل خان ان کے ساتھ ہونے والی اپنی ہر میٹنگ میں اسے ساتھ رکھتا تھا اور چند ہی دنوں میں اس پر جو انکشافات ہوئے تھے اس نے اس کے پورے وجود کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ یہ لوگ اس کے ملک کو کتنا نقصان پہنچا رہے تھے اور مزید کتنا پہنچانے والے تھے اس کا وہ اندازہ بھی نہیں کر سکتا تھا۔ شاید اسی لیے اس کا دل بجھا، بجھا سا تھا اور اپنا آپ کسی شکنجے میں کسا ہوا سا لگتا تھا۔ وہ رواحہ اور اماں کی موجودگی کو بھی صحیح طرح سے انجوائے نہیں کر پا رہا تھا۔ اماں کو مقبول بٹ جاتے ہوئے اس کے پاس چھوڑ گیا تھا۔

''تجھ پر ترس کھا کر اماں کو تمہارے پاس چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ لیکن یہ نہ بھولنا کہ اماں کا ایک اور بیٹا بھی ہے اور اس کا بھی اماں پر اتنا ہی حق ہے جتنا تمہارا...... سو جب بھی اداس ہوا لے جاؤں گا۔''

وہ مقبول بٹ کا بہت شکر گزار تھا۔ دنیا شاید ایسے ہی اچھے لوگوں کی وجہ سے اب تک قائم تھی۔ مدثر حسن،

رواحہ کو ان کی طرف بھیجتے تو وہ عظام کو بھجوا دیتے اور رواحہ، اماں سے خوب لاڈ اٹھواتا لیکن پھر کچھ ہی دنوں بعد مدثر حسن کی طرف جانے کو بے قرار ہو جاتا۔ البتہ عظام کو ان سے دوری کی عادت تھی سو وہ دونوں جگہ ہی مطمئن رہتا لیکن دونوں کا دل زیادہ مدثر حسن کی طرف ہی لگتا تھا وہاں ان دنوں ارتفاع اور افنان بھی تھے اور چاروں مل کر خوب رونق لگاتے تھے۔ ایمل لاہور واپس چلی گئی تھی کیونکہ یہ گھر بابر کے نام تھا اور اس نے گھر فروخت کر دیا تھا اور خریدنے والوں نے ایک ماہ کے اندر، اندر گھر خالی کرنے کے لیے کہا تھا۔ افنان اور ارتفاع کے فائنل پیپرز ہونے تھے اس لیے یہی طے پایا تھا کہ وہ ایگزام کے بعد لاہور جائیں گے۔ ارتفاع تو مدثر حسن کی طرف آ گئی تھی لیکن افنان کا ارادہ ہاسٹل میں رہنے کا تھا لیکن عظام اور مدثر حسن کے اصرار پر وہ بھی ان کے گھر منتقل ہو گیا تھا۔ مدثر حسن کا ارادہ بھی تھا ان سب کے فائنل کے بعد وہ بھی لاہور شفٹ ہو جائیں گے تاکہ جب ان کا دل چاہے وہ ارتفاع سے مل سکیں اور عظام، ایمل سے ملنے جا سکے...... مدثر حسن نے جس طرح افنان کے لیے بازو وا کیے تھے۔ اس نے ثمر حیات کے دل میں ان کی قدر بڑھا دی تھی لیکن ثمر حیات کو ان کے ساتھ ہونے والے المیے کا بہت دکھ تھا۔ بے شک وہ ایمل کے سامنے سرخرو ہو گئے تھے، ان کی وفا معتبر ٹھہری تھی لیکن دل میں ایمل کی بے اعتباری نے جو زخم دیے تھے انہیں ہمیشہ رہنا تھا اور جو فاصلے پیدا ہو گئے تھے وہ کبھی مٹنے والے نہیں تھے۔ شاید زندگی میں کسی کو کبھی کوئی خوشی پوری نہیں ملتی۔ کہیں نہ کہیں کوئی نہ کوئی کمی رہ جاتی ہے۔ ایمل کا محبت پر اعتبار بحال ہوا تھا لیکن اپنی محبت پر بے اعتباری کی خلش ہمیشہ اس کے دل میں رہنی تھی۔ شاید زندگی اسی کا نام ہے۔

اس نے ایک گہری سانس لی اور ایک بار پھر ڈلسن وغیرہ کے نیٹ ورک کے متعلق سوچنے لگا۔ وہ دل ہی دل میں ایک فیصلہ کر چکا تھا۔ جتنا سوچتا اتنا ہی اس کا فیصلہ مستحکم ہو جاتا، آج تک اس کی زندگی میں جو کچھ ہوا تھا وہ سب اچانک اور غیر متوقع طور پر ہوا تھا لیکن اب جو کچھ وہ کرنے جا رہا تھا اس کے لیے وہ مسلسل پلاننگ کر رہا تھا اور اب بھی اس کا ذہن اسی تانے بانے میں الجھا ہوا تھا جب اچانک دروازہ کھلا، آہٹ پر اس نے آنکھیں کھول دیں اور جلیل خان کو دیکھ کر یک دم کھڑا ہو گیا۔ جلیل خان اس طرح یوں اس کے گھر کبھی نہیں آئے تھے۔

''بگ بابا آپ...... خیریت ہے ناں......؟'' جلیل خان نے سر ہلایا اور بیٹھ گیا لیکن وہ اب بھی حیرت سے اسے دیکھ رہا تھا وہ کچھ مضمحل اور تھکا تھکا سا لگ رہا تھا۔

''سب ٹھیک ہے ناں بگ با......'' وہ پریشان ہوا۔

''اپنے گھر میں تو مجھے بگ بامت کہہ یار...... مدت ہوئی تم نے مجھے خان بابا نہیں کہا۔'' جلیل خان کے لبوں پر ایک افسردہ سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ ''یونہی جی چاہا تم سے کچھ باتیں کرنے کو تو چلا آیا۔''

''جی آپ کہیں بگ بانہیں جی، خان بابا......'' ثمر حیات بھی پرسکون سا ہو کر بیٹھ گیا۔

''سوچ رہا ہوں ایک دو روز کے لیے لاہور چلا جاؤں۔ نجل بیٹی سے مل آؤں بہت ضد کر رہی ہے۔''

''جی ضرور......'' ثمر حیات نے اس کی تائید کی...... شاہجہان سے نکاح کے بعد جلیل خان نے اسے وحدت روڈ والی کوٹھی خالی کروا کے وہاں بھجوا دیا تھا۔ نجل کا ایڈمیشن بھی ایک پرائیویٹ کالج میں ہو گیا تھا۔ شاہجہان اور نجل کا اکاؤنٹ کھلوا دیا تھا۔ گاڑی، ڈرائیور، ملازم ہر ممکنہ سہولت انہیں مہیا کر دی تھی۔ نجل اکثر فون پر ضد کرتی کہ وہ ان کے ساتھ رہے جو بہر حال جلیل خان کے لیے ممکن نہیں تھا۔

''یہ نجل۔ نے اچانک میری زندگی میں آ کر عجیب سی ہلچل مچا دی ہے ثمر حیات...... سوچتا تھا میرا کون ہے کس کے لیے ہاتھ پاؤں مار رہا ہوں لیکن یہ جو پیسے کی ہوس ہوتی ہے ناں یہ کبھی ختم ہی نہیں ہوتی...... خون کے اندر رچ جاتی ہے۔ میرے اندر سے بھی یہ ہوس ختم نہیں ہوئی تھی اور...... اور کے لالچ نے مجھے ایسی دلدل میں پھنسا دیا ہے

کہ جس سے نکلنے کی کوئی راہ نہیں......" وہ سر جھکائے ہولے ہولے کہہ رہا تھا۔
"خان بابا! اگر آپ کوشش کریں تو شاید۔" ثمر حیات نے آہستگی سے کہا تو جلیل خان نے نفی میں سر ہلا دیا۔
"نہیں ثمر حیات، یہ شاید ممکن نہیں ہے اب۔ تاہم میری پوری کوشش ہے کہ تمہیں اس جال سے نکال دوں کہ میں کسی نہ کسی حد تک تمہارے معاملے میں خود کو بھی مجرم سمجھتا ہوں۔"
"نہیں خان بابا! میں خود ہی بہت کمزور تھا اس لیے......"
"ہم جیسے لوگوں کا انجام اچھا نہیں ہوتا۔" لمحہ بھر کے توقف کے بعد جلیل خان نے پھر آہستہ، آہستہ کہنا شروع کیا۔
"لیکن میں نے انجام کی کبھی پروا نہیں کی تھی کہ جو ہوتا ہے ہوتا رہے، میرا پیچھے کون ہے رونے والا...... لیکن اب جب سے بجل ملی ہے میں بے ارادہ ہی گزری زندگی کا سود و زیاں کرنے بیٹھ جاتا ہوں تو زیاں ہی زیاں نظر آتا ہے۔ میری ماں کہتی تھی۔ جلیلے اس کام میں نفع نہیں ہے نرا نقصان ہی نقصان ہے...... پر آج تجھے سمجھ نہیں آتی اس بات کی جب آئے گی تو پتا چلے گا تجھے کہ تو نے ساری زندگی خسارے کے سودے کیے ہیں۔ میری ماں میرے لیے کڑھتی تھی، روتی تھی، نصیحتیں کرتی تھی مجھے لیکن میں اس کی باتوں کو ہنسی میں اڑا دیتا تھا۔ میں نے کہا تھا ناں تمہیں خرابی میرے جینز میں ہی تھی ایک بار جو اس زندگی میں قدم رکھا تو پھر یہ زندگی مجھے راس آگئی...... پہلی بار فرحی کی باتیں میرے دل میں لگی تھیں اور میں نے راستہ بدلنے کا سوچا تھا لیکن۔" وہ شاید دل کا بوجھ ہلکا کرنا چاہ رہا تھا۔ ثمر حیات بہت خاموشی سے اس کی باتیں سن رہا تھا۔ کبھی، کبھی ہوتا ہے ایسا کہ آدمی کا دل اتنا بوجھل ہو جاتا ہے کہ اس کا جی چاہتا ہے کہ وہ کسی کے سامنے اپنا دل ہلکا کرلے۔ شاید جلیل خان پر بھی آج یہی کیفیت طاری تھی۔
"یہ جو بجل ہے ناں، ثمر حیات......" اس کے لہجے میں بجل کے لیے بے پناہ شفقت اور محبت جھلکتی تھی۔
"اس کی باتیں بھی فرحی کی طرح سیدھی دل میں اتر جاتی ہیں۔ بڑی عجیب لڑکی ہے یہ بالکل میری ماں جیسی باتیں کرتی ہے۔ صبر کی، شکر کی، نیکی کی، رزقِ حلال کی۔" وہ ہولے سے ہنسا۔
"پتا نہیں کہاں سے سیکھی ہیں اس نے یہ باتیں...... خیر چھوڑو، میں یہ چاہ رہا تھا کہ اپنا سب کچھ بجل اور عظام کے نام کردوں۔"
"بک با......" ثمر حیات نے بغور اسے دیکھا اور کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "عظام کو اللہ نے بہت کچھ دیا ہے، اپنی ماں کی جائداد میں اس کا بھی حصہ ہے۔ اسی طرح رواحہ کو بھی ورثے میں اپنی ماں کا سارا حصہ کرنل حال کی وصیت کے مطابق مل گیا ہے۔ آپ کے اور میرے پاس جو کچھ ہے وہ کیوں نہ ہم کسی ویلفیئر ٹرسٹ کے نام کردیں۔ میں تو خیر فیصلہ کرچکا ہوں کہ اپنے بیٹے کے رزق میں حرام کی ملاوٹ نہیں کروں گا۔ آپ......"
"تم ٹھیک کہہ رہے ہو ثمر حیات......" خان بابا نے اس کی بات کاٹی۔ "لیکن یہ کام جلد از جلد ہونا چاہیے۔"
"میں نے ممتاز خان سے کہا ہے کہ وہ ایسے اداروں کے متعلق معلومات حاصل کرے، میں خود جتنی جلدی ممکن ہوسکے یہ کام نبٹانا چاہتا ہوں۔"
"ٹھیک ہے۔" جلیل خان نے ایک ستائشی نظر اس پر ڈالی اور کھڑا ہوگیا۔ "شام کو ولسن نے سب کو بلایا ہے، تم آجانا ڈی ون وہاں سے اکٹھے نکلیں گے۔"
ثمر حیات نے سر ہلایا اور اس کے ہونٹوں پر ایک معنی خیز سی مسکراہٹ بکھر کر معدوم ہوگئی۔
"تمہاری اماں کیسی ہیں؟" دونوں ساتھ، ساتھ چلتے ہوئے بیڈ روم سے باہر آئے۔
"اماں ٹھیک ہیں، خوش ہیں۔" ثمر حیات کے چہرے پر روشنی سی اتری تھی۔
"چل یار کچھ دیر تمہاری اماں کے پاس چل کر بیٹھیں، ان کی دعائیں لیں۔ وہ بالکل میری ماں جیسی ہیں سراپا

محبت و شفقت...... اپنی ماں کے پاس تو کبھی ٹک کر بیٹھا نہیں وہ بلاتی رہتی تھیں تمہاری اماں کے پاس سے اٹھنے کو جی ہی نہیں چاہتا۔'' اس کی آواز میں آنسو سے گھل گئے تھے۔ ثمر حیات نے جلیل خان کا یہ روپ پہلی بار دیکھا تھا۔ وہ بنا اس کی بات کا جواب دیے اس کے ساتھ اماں کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

☆☆☆

ثمر حیات ڈی ون کے بڑے ہال میں تھری سیٹر صوفے پر بیٹھا اپنے سامنے بیٹھے سیمو کو سوالیہ نظروں سے دیکھ رہا تھا اور اس کے لبوں پر مبہم سی مسکراہٹ تھی۔

''تو تم کامیاب نہیں ہو سکے۔''

''یس باس...... لیکن مجھے سمجھ نہیں آ رہا کہ ریموٹ نے کام کیوں نہیں کیا۔''

''مجھے پوری بات بتاؤ سیمو......''

''انہوں نے مجھے ایک ریموٹ کنٹرول بم دیا تھا جو مجھے ایک آفس کے احاطے میں رکھنا تھا۔ شاید کوئی سرکاری آفس تھا۔ یہ کام تو میں نے کر لیا اس کے بعد مجھے جب فون آتا تو میں نے ریموٹ کا بٹن دبانا تھا اور میں نے ایسا ہی کیا میں دباتا رہا لیکن ریموٹ نے کام نہیں کیا...... اور پھر کچھ دیر بعد ہی آفس میں ہلچل مچ گئی...... بم ڈسپوزل اسکواڈ آ گیا اور انہوں نے بم تلاش کر لیا اور اس سفید بندر نے کہا تھا یہ ٹرائل ہے میرا...... اس میں کامیاب ہو گیا تو بعد میں بڑے کام سپرد کیے جائیں گے۔ اب بہت بولے گا رات میٹنگ میں...... یہ بگ بانے بھی ہمیں کہاں پھنسا دیا ہے۔''

''یہ ریموٹ مجھے دکھانا سیمو......'' ثمر حیات نے اس سے ریموٹ لے لیا تھا اور اس کی مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی۔

''ایک بات تو بتا سیمو...... جب تم نے وہاں بم چھپایا تھا تو تمہارا دل نہیں کانپا تھا۔ دس بارہ بندے بے گناہ مارے جاتے۔''

''ہمارا کیا ہے باس، ہم تو حکم کے غلام ہیں، حکم ملے تو بنجر زمینوں پر پھول اگا دیں اور حکم ملے تو ہری بھری سرسبز کھیتیاں اجاڑ دیں، زرخیز زمین کو بنجر بنا دیں۔'' سیمو نے بے پروائی سے جواب دیا۔

''ہر ایک ضمیر کی عدالت بھی تو ہوتی ہے سیمو کبھی تیرے اندر تیرے ضمیر نے عدالت نہیں لگائی۔'' وہ ریموٹ کو الٹ پلٹ کر دیکھ رہا تھا کیونکہ یہ صرف وہی جانتا تھا کہ ریموٹ نے کام کیوں نہیں کیا۔

''نہیں باس......'' سیمو کے جواب پر وہ ریموٹ صوفے پر رکھ کر اسے دیکھنے لگا۔

''اندر کے جھگڑے پر کبھی غور نہیں کیا...... بس برسوں پہلے اپنا آپ بگ با کو سونپا تھا۔ چچا، چچی کے ٹکڑوں پر پلنے والا یتیم سیمو جسے سب ہی ٹھوکروں پر رکھتے تھے اسے ایک بار گلی کے لڑکوں سے پٹتے ہوئے بگ بانے بچایا تھا تو تب سے ہی سیمو، بگ با کا بے دام غلام بن گیا...... وہ کہے تو بنا سوال کیے سمندر میں چھلانگ لگا دوں، اپنا سر کاٹ کر اس کو پیش کر دوں۔'' وفاداری کے اس انداز نے ثمر حیات کو متاثر کیا اور اس نے ستائشی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کچھ کہنے کے لیے ہونٹ کھولے ہی تھے کہ جلیل خان فون پر کسی سے بات کرتا ہوا اندر داخل ہوا۔

''ٹھیک ہے آج ہی ایدھی صاحب کو باقی کاغذات پہنچا دو......'' فون آف کر کے اس نے ثمر حیات کی طرف دیکھا۔

''یہ ہماری عدالتیں بہت خوار کرتی ہیں بندے کو...... دنوں کا کام مہینوں میں جا کر ہوا ہے۔ لیکن شکر ہے سب ہو گیا......'' ثمر حیات اور جلیل خان نے اپنی تمام پراپرٹی اور بینک میں موجود رقم وغیرہ ایدھی کے علاوہ اور دو مختلف اداروں کو ڈونیٹ کر دی تھی۔ جلیل خان کا کچھ کام رہ گیا تھا جو آج مکمل ہو گیا تھا۔

''ان مخیر حضرات سے مل کر لگا ہے کہ زندگی تو یہ لوگ گزار رہے ہیں ہم نے تو صرف آگ سے دامن بھرا ہے۔''

''میں نے ڈی ون اور ڈی ٹو بھی بالی اور سیمو کے نام کر دی ہے۔ باقی سب لوگوں کے لیے ایسا بندوبست کر دیا ہے

کہ میرے بعد وہ فکرِ معاش سے آزاد رہیں گے۔'' جلیل خان کی بات پر ثمر حیات چونک کر اسے دیکھنے لگا۔
''ہم نے کہا تھا بگ باہم نے کیا کرنے ہیں کوٹھیاں' بنگلے ہمارا جینا مرنا تو آپ کے ساتھ ہے پر لگتا ہے آپ ہم سے جان چھڑانا چاہتے ہیں۔''
''اوئے نہیں جھلیا..... ایسی کوئی بات نہیں ہے لیکن میں نے قیامت تک تو نہیں جینا ناں..... تو یہ سب جو میں کررہا ہوں تب کے لیے ہے جب میں نہیں رہوں گا۔'' اور جلیل خان کی بات پر سیمو پُرسکون ہوگیا تو جلیل خان نے اس سے کہا۔
''سیمو یار مجھے کچھ دیر بعد نکلنا ہے ائرپورٹ کے لیے..... تم ایمرجنسی گیٹ سے نکل کر جاؤ اور ایک ٹیکسی لے آؤ اور اسے اُدھر پچھلی طرف ہی لانا۔'' سیمو کوئی سوال جواب کیے بغیر باہر نکل گیا تو ثمر حیات نے جو خاموشی سے جلیل خان کی بات سن رہا تھا پوچھا۔
''آپ کہاں جارہے ہیں؟''
''فی الحال تو برونائی جارہا ہوں۔ وہاں سے کہاں جاؤں گا ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا۔'' جلیل خان نے کندھے اچکائے۔
''کیا بات ہے بگ با..... خیریت ہے۔'' ثمر حیات کی نظروں میں الجھن اور پریشانی تھی۔
''کیا بات ہونی ہے یارا..... بس آج تک یہ ملک دیکھا نہیں تھا سوچا مرنے سے پہلے یہ بھی دیکھ لوں۔'' جلیل خان نے بظاہر بے پروائی سے کہا تھا لیکن ثمر حیات کو اس کی آنکھوں میں ایک گمبھیر سنجیدگی دکھائی دے رہی تھی۔
''کیا دیکھ رہا ہے حیاتے؟'' اسے اپنی طرف دیکھتا پا کر اس نے پوچھا۔
''دیکھ رہا ہوں آپ آج مختلف لگ رہے ہیں۔'' ثمر حیات نے اپنا تجزیہ بتایا تو وہ ہولے سے ہنس دیا۔
''آدمی کبھی ہمیشہ ایک سا تو نہیں رہتا۔ تبدیلیاں تو آتی ہی ہیں۔ جسمانی بھی اور ذہنی بھی۔''
''آپ کی واپسی کب تک ہے بگ با؟'' ثمر حیات کی نظریں اب بھی اس کے چہرے کو کھوج رہی تھیں۔
''کیا خبر کب آؤں یا نہ ہی آسکوں۔''
''کیا آپ ہمیشہ کے لیے جارہے ہیں بگ با.....؟'' ثمر حیات کے لبوں سے بے اختیار نکلا۔
''بوڑھا ہوگیا ہوں یار، ستر سال سے اوپر عمر ہے۔ کیا خبر کب بلاوا آجائے تو نہ آسکوں..... میری بیٹی کا بہت خیال رکھنا ثمر حیات..... کہنے کی ضرورت تو نہیں تیری بہو بھی ہے..... پر اسے وہ محبت بھی دینا جو میں نہیں دے سکا..... زندگی کا کیا بھروسا ہے ثمر حیات۔'' یہ وہ جلیل خان نہیں تھا جسے وہ جانتا تھا..... درونِ ذات کہیں کچھ اور سلسلہ چل رہا تھا جو وہ بتانا نہیں چاہتا تھا۔
''ہاں یہ تو ہے بگ با.....'' اس نے ایک گہری سانس لی۔
''زندگی کا کیا بھروسا ہے۔ کون جانے کب کس کا وقت پورا ہوجائے۔ مجھے بھی آج آپ سے یہی کہنا تھا کہ میرے بعد میرے بچوں کے بزرگ بن کر ان کے ساتھ رہیے گا بالکل ایسے ہی جیسے فرجی چاہتی تھی۔''
''تب اور اب میں بہت فرق ہے شہزادے، تب میرے ہاتھ بندھے ہوئے نہیں تھے۔ اب تو سر سے پاؤں تک جکڑا ہوا ہوں۔''
اس کے لبوں پر بہت افسردہ سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ وہ جو اسمگلنگ کو تجارت کہتا تھا..... اور منشیات کا کاروبار کرنے والوں سے دور بھاگتا تھا۔ کراچی میں آکر بدلتا چلا گیا..... ایک بڑے گینگ کا بگ با بن کر اس نے وہ کچھ کیا تھا جس کا آج سے پچیس سال پہلے تصور بھی نہیں کرسکتا تھا..... منشیات اور اسلحے کی اسمگلنگ وغیرہ سے... ثمر حیات کو اس نے دور ہی رکھا تھا..... اب تو بین الاقوامی.....

''بگ با......'' ثمر حیات نے کچھ کہنا ہی چاہا تھا کہ سیمو نے اندر جھانکا۔

''ٹیکسی آ گئی ہے بگ با......''

''ٹھیک ہے۔'' اس نے مڑ کر پیچھے دیکھا۔''میرے روم سے میرا بریف کیس لے آؤ اور ایک بیگ اور اٹیچی ہے اسے ٹیکسی میں رکھوا دو۔'' سیمو سے کہہ کر وہ مڑا اور ثمر حیات کی طرف دیکھتے ہوئے بازو پھیلا دیے...... ثمر حیات یک دم ہی اٹھ کر اس کے بازوؤں میں سما گیا۔ جلیل خان بہت دیر اسے اپنے بازوؤں میں بھینچے رہا۔

''خان بابا...... مجھے معاف کر دیجیے گا کبھی میں نے آپ کا دل دکھایا ہو...... حکم عدولی کی ہو۔'' اس نے بہت دنوں بعد آج اسے خان بابا کہا تھا۔

''اوئے تم نے میرا کیا دل دکھانا ہے...... تمہاری وجہ سے تو پہلے مجھے فرحی بیٹی کی خوشی ملی اور اب جل بیٹی کی۔''

''پھر بھی خان بابا آپ مجھے معاف کر دیجیے گا اگر مجھ سے کچھ غلط ہو جائے تو...... اگر میں......''

''یہ کیسی باتیں کر رہا ہے ثمر حیات......'' اس نے اسے خود سے الگ کرتے ہوئے بازوؤں سے تھامتے ہوئے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

''کیا ٹھان رکھا ہے تم نے دل میں...... کیا کرنے والا ہے؟''

''کچھ نہیں خان بابا......'' اس نے نظریں چرائیں۔ جو کچھ اس نے کرنا تھا، وہ کر چکا تھا...... اب تو نتیجے کا انتظار تھا اسے...... جلیل خان کے باہر جانے کا سن کر اسے طمانیت محسوس ہو رہی تھی لیکن دل میں ایک نامعلوم سی اداسی بھی تھی۔

''ادھر میری طرف دیکھ کر بات کر۔'' دونوں کچھ دیر ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھتے رہے لیکن دونوں نے ہی ایک دوسرے کو اپنا بھید نہیں دیا تھا۔

''اپنا خیال رکھنا ثمر حیات...... اور ان لوگوں سے پنگا مت لینا...... یہ بہت ظالم لوگ ہیں...... اور میں نے تم سے وعدہ کیا ہے ناں تمہیں ان سارے معاملات سے الگ کر دوں گا...... بات چل رہی ہے بے فکر رہ......'' اس نے اس کا کندھا تھپتھپایا۔

''زندگی ہوئی تو انشاء اللہ پھر ملاقات ہوگی۔'' وہ دونوں نہیں جانتے تھے کہ انہیں پھر کبھی نہیں ملنا تھا لیکن دونوں کے دل پگھل رہے تھے...... اور اندر بہت سارا پانی اکٹھا ہو رہا تھا...... دونوں بوجھل قدموں سے ایمرجنسی گیٹ کی طرف جا رہے تھے۔

☆☆☆

آغا خان اسپتال کے آپریشن تھیٹر میں ثمر حیات موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا تھا۔ ڈاکٹر اس کی زندگی بچانے کی کوشش کر رہے تھے۔ اس کے جسم کے مختلف حصوں سے تین گولیاں نکالی جا چکی تھیں...تاہم ابھی ڈاکٹر اسے آبزرو کر رہے تھے اور کوئی بھی یقینی بات اس کی زندگی کے متعلق نہیں کہی جا سکتی تھی۔ باہر رواحہ، عظام، مدثر حسن کے علاوہ بابی، ممتاز خان اور سیمو بھی تھے جن کے چہرے ستے ہوئے تھے اور آنکھیں شدتِ گریہ سے سوجی ہوئی تھیں۔ وہ پچھلے اٹھارہ گھنٹوں سے یونہی اسی طرح بیٹھے تھے۔ ان کے ساتھ کچھ اور افراد بھی تھے جو بہت مضطرب اور بے چین تھے اور جنہیں رواحہ وغیرہ نہیں جانتے تھے۔ یہ سادہ لباس میں قانون نافذ کرنے والی ایجنسیوں کے اہم افسران تھے جن کے لب خاموش تھے لیکن دل ثمر حیات کی زندگی کے لیے دعا گو تھے کہ ثمر حیات نے جو کچھ کیا تھا وہ شاید تاریخ میں کہیں رقم نہ کیا جائے لیکن اس نے اپنے ملک کو...... ایک بڑی سازش کا شکار ہونے سے بچایا تھا۔ اگر وہ لوگ کامیاب ہو جاتے تو ملک کو ایک ناقابلِ تلافی نقصان پہنچتا...... ثمر حیات کو اتفاقاً ہی معلوم

ہوا تھا کہ یہ تین ملکوں کی خفیہ ایجنسیوں کی مثلث ہے جو مل کر ہمارے ملک کی جڑیں کھوکھلے کررہے ہیں...... ایرک کی نرم دلی اور پسندیدگی کی وجہ سے اس نے بہت جلد اس کے دل میں جگہ پیدا کرلی تھی اور اعتماد بھی حاصل کرلیا تھا.... پھر بھی جو ثبوت اسے ملے تھے وہ محض اتفاق تھا۔ اس نے بہت خاموشی سے سب ثبوت حاصل کیے تھے۔ یہ لوگ نہ صرف ملک میں دھماکے کروانے میں ملوث تھے۔ بلکہ پس پردہ اور بھی بہت کچھ ہورہا تھا۔ یہاں بے شمار بااثر لوگوں سے ان کے روابط تھے جن کے ذریعے وہ اپنے کئی کام نکالتے تھے..... اور پیسے کی ہوس میں یہ لوگ اپنے ہی وطن کی جڑیں کاٹ رہے تھے۔ یہ محض اتفاق تھا کہ چند ماہ پہلے ایجنسی کے سابقہ افسر سے اس کی اچھی جان پہچان ہوگئی تھی۔ اس کے ذریعے ڈی جی اور کئی دوسرے زوردار افسران سے رابطہ ہوا...... ایجنسی کے کچھ افسر خفیہ طور پر اس سے ملے اور اس نے مع ثبوت کے معلومات انہیں فراہم کردی تھیں...... اور یہ اس رات کی بات تھی جس روز جلیل خان نے ملک چھوڑا تھا اس رات ایرک اور ولسن کے ٹھکانے پر ان کی میٹنگ تھی اور ولسن، سیمو کو بہت جھاڑ رہا تھا کہ جلیل خان نے گدھے بھرتی کر رکھے ہیں۔ ضبط کی کوشش میں سیمو کا چہرہ لال ہورہا تھا جبکہ اچانک وہ گھیر لیے گئے تھے..... ایرک، راجندر وغیرہ سب گرفتار ہوگئے تھے جبکہ ولسن نہ جانے کیسے بھاگ نکلا تھا...... اگلے کئی دن ملک کے مختلف شہروں میں گرفتاریاں ہوئیں، لوگ تبصرے کررہے تھے۔ چینلو پر اندازے لگائے جارہے تھے لیکن اصل حقیقت کا علم صرف چند خاص لوگوں کو ہی تھا۔ ان سب نے ثمر حیات کو ملک وقوم کا محسن قرار دیا تھا لیکن وہ ایک گمنام محسن تھا..... وہ اکثر سوچتا تھا کہ بھلا اس میں اللہ کی کیا مصلحت ہے کہ وہ اس زندگی کی طرف دھکیلا گیا ہے لیکن اب ان خاص لوگوں کے سامنے بیٹھا وہ سوچ رہا تھا کہ شاید اللہ نے اس سے یہ ہی کام لینا تھا.......... اس جیسے شخص کے ہاتھوں ملک ایک بڑی سازش کا شکار ہونے سے بچ گیا تھا۔

''او کے تھینک یو ینگ مین۔'' ایف آئی اے کے ایک اعلیٰ افسر نے اس کا شانہ تھپتھپایا تھا...... یہ وہی افسر تھا جس کے ساتھ وہ مسلسل رابطے میں رہا تھا۔

''اپنا بہت خیال رکھنا...... یہ ملک اور اس کی آنے والی نسلیں اور ہم سب تمہارے شکر گزار ہیں۔ احسان مند ہیں۔'' وہ جب وہاں سے باہر نکلا تھا تو اس کے چہرے پر چھتیس سالوں بعد وہی بے فکری اور بے پروائی تھی جو صبح صبح اپنے گھر سے نکل کر گورنمنٹ کالج جاتے ہوئے ہوتی تھی۔ وہ اپنی دُھن میں پارکنگ کی طرف جارہا تھا جب گھات لگائے اسنائپر نے اسے نشانہ بنایا تھا۔

''مدثر حسن اور مقبول بٹ......'' آپریشن تھیٹر کے دروازے سے ایک میل نرس نے جھانک کر آواز دی تو مدثر حسن کے ساتھ رواحہ اور عظام بھی تیزی سے آگے بڑھے تھے لیکن رواحہ اور عظام کو وہاں ہی روک کر میل نرس نے مدثر حسن کو اندر آنے کا اشارہ کیا تو وہ اندر گئے اور ثمر حیات کی طرف دیکھا۔ ثمر حیات نے آنکھیں کھولیں۔

''مقبول آگیا لاہور سے؟''

''نہیں۔'' انہوں نے نفی میں سر ہلایا۔

''رواحہ اور عظام آپ کے حوالے...... ایک آپ کا خون ہے اور دوسرا جگر گوشہ...... بٹ سے کہنا اماں کا خیال......'' ساتھ ہی اس کی آنکھیں بند ہوگئیں۔ ڈاکٹروں نے انہیں باہر جانے کا اشارہ کیا اور اس کے گرد اکٹھے ہوگئے۔

مدثر حسن سر جھکائے باہر آگئے...... یہ کیا ہوگیا تھا۔ وہ تو خوش، خوش لاہور جانے کی تیاریاں کررہے تھے...... افنان اور رتی امتحان کے بعد ایبل کے پاس جاچکے تھے جبکہ انہیں ابھی گھر فروخت کرنا تھا...... جاب کا مسئلہ بھی حل کرنا تھا اور......

''بابا......!'' رواحہ تیزی سے ان کے قریب آیا تھا۔ ''پاپا کیسے ہیں؟''

''دعا کرو، روی تمہارے پاپا کو کچھ نہ ہو۔'' اور بالکل قریب کھڑے کرنل نے بھی بے اختیار ثمر حیات کے لیے دعا کی تھی لیکن بعض اوقات بہت سارے لوگوں کی دعائیں بھی جانے والوں کو نہیں روک پاتیں...... اندر ڈاکٹر نے مایوسی سے سر ہلاتے ہوئے اس کی آنکھیں بند کردیں۔ وحدت روڈ کے گھر میں گہری نیند سوئی ہوئی شاہجہان یک دم دل پر ہاتھ رکھ کر اٹھ بیٹھی اس کی آنکھوں میں وحشت تھی۔ وہاں ہی ایک طرف بیٹھ کر پڑھتی تجل نے گھبرا کر شاہجہان کی طرف دیکھا۔

''کیا ہوا اماں؟''

''ہائے کیا ہوا...... پتا نہیں کیا ہوا'' اور جیسے کسی ناقابلِ برداشت درد کو برداشت نہ کرسکتے ہوئے وہ رونے لگی۔

اور یہاں وہ سب وہاں ہی آپریشن تھیٹر کے باہر ایک دوسرے کے گلے لگے رو رہے تھے جب تھیٹر کا دروازہ کھلا تھا اور مدثر حسن اور عظام اسٹریچر کے ساتھ سر جھکائے باہر آئے تھے...... وہ سب اسٹریچر کے گرد اکٹھے ہوگئے تھے۔ سیمو اور بالی دھاڑیں مار، مار کر رو رہے تھے۔ ممتاز خان ضبط کررہا تھا۔ جب کچھ لوگ اسٹریچر کے قریب آئے تھے یہ وہ لوگ تھے جنہیں مدثر حسن مسلسل اپنے قریب دیکھ رہے تھے۔ ایک ساتھ کئی ایڑیاں بجی تھیں اور ہاتھ ماتھے کی طرف اٹھے تھے۔ وہ سلیوٹ کرکے الٹے قدموں پیچھے ہٹے تھے۔

''ممتاز خان!'' مدثر حسن نے اس کی طرف دیکھا تو وہ ان کے قریب آیا ان کے بازو پر ہاتھ رکھا۔ وہی تھا جو ان سب سے زیادہ مضبوط اور حوصلے میں لگ رہا تھا۔

''میں ایمبولینس کا انتظام کرتا ہوں۔'' ساتھ ہی اس نے بالی اور سیمو کو بھی اشارہ کیا تھا۔ تب ہی تقریباً بھاگتا ہوا مقبول بٹ ان کے قریب آیا تھا۔ اس کی سانس پھولی ہوئی تھی۔ اسے مدثر حسن نے اطلاع دی تھی۔ آپریشن تھیٹر میں جانے سے پہلے ثمر کے ہونٹوں سے مقبول کا نام نکلا تھا۔ پتا نہیں ثمر نے اسے کیا کہنا تھا لیکن اسے تاخیر ہوگئی تھی۔

''اوئے ثمر یا...... اوے ظالما...... یہ کیا کردیا تم نے...... اس بوڑھی ماں کا خیال کرلیا ہوتا جس نے کئی برسوں کے بعد تجھے دیکھا تھا'' وہ اسٹریچر پر جھکا ہوا رو رہا تھا۔ تڑپ رہا تھا۔

''میں کیا کہوں گا تیری اماں سے...... کیا اس لیے اسے لاہور بھجوایا تھا۔ کس طرح بتاؤں گا اسے ظالما...... اتنے برسوں بعد کیوں ملا تھا ہاں اگر اس طرح جانا تھا تو......''

''بٹ صاحب......'' مدثر حسن نے اس کندھے پر ہاتھ رکھا تو وہ پلٹ کر ان کے گلے لگ گیا...... ممتاز خان نے آگے بڑھ کر عظام کے بازو پر ہاتھ رکھا۔

''چلیں۔'' عظام نے سر جھکا لیا تھا۔ وہ سب اسٹریچر کے ساتھ ساتھ خاموش آنسو بہاتے چل رہے تھے جبکہ وہ سادہ لباس میں خاموش کھڑے سنجیدہ چہروں والے افراد باادب سر جھکائے پیچھے، پیچھے چل رہے تھے۔ جب ثمر حیات کو ایمبولینس میں منتقل کیا جانے لگا تو ایک بار پھر ان افراد نے بالکل پہلے کے سے انداز میں ثمر حیات کو سلیوٹ کیا اور پیچھے ہٹ گئے...... ایمبولینس ثمر حیات کو لے کر روانہ ہوگئی...... اور

برونائی ائرپورٹ کے ڈیپارچر لاؤنج میں اپنی فلائٹ کے انتظار میں بیٹھے ہوئے جلیل خان نے پاکستان سے آنے والی کال وصول کی تو اس کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہنے لگے جنہیں چھپانے کے لیے اس نے سر جھکا لیا۔ ثمر حیات کی کہانی ختم ہوگئی تھی...... لیکن اس کا سفر ابھی جاری تھا۔ اس کی فلائٹ کی روانگی کا اعلان ہو رہا تھا۔ اس نے اپنے آنسو پونچھے، جھک کر اپنا بریف کیس اٹھایا اور اپنے انجام سے بے خبر، بوجھل دل اور بھاری قدموں سے دوسرے مسافروں کے ساتھ سر جھکائے اگلی منزل کی جانب چلنے لگا۔

(ختم شد)

عید ملن

سیما بنت عاصم



گزشتہ دنوں غضب کی گرمی، حبس اور لو نے کراچی والوں کی وہ مزاج پرسی کی کہ اچھے اچھوں کے چھکے چھوٹ گئے۔ کھوپڑی کا مال مسالا ایڑی میں آگیا، میں تو پھر ایک دھان پان سی بائیس سالہ نازک مزاج دوشیزہ تھی...... تو پھر میں کیوں نہ لپیٹ میں آتی، بیماری تو سنا ہے ہاتھی کو بھی گرا دیتی ہے۔ میری حالت بھی نیم مردہ سی تھی۔ سرتاپا جیسے آگ ہی آگ بھر گئی تھی۔ وجود ہچکولوں کی زد میں تھا۔ امی مجھے تھام کر گلی کے نکڑ تک

لائی تھیں۔ سامنے روڈ سے گزرتے رکشا کو ہاتھ دے کر روکا۔ کرایہ طے کیا اور مجھے رکشے میں لا بٹھایا۔ میں نے اس وقت رکشا ڈرائیور پر غور ہی نہیں کیا۔

کلینک پہنچے تو وہاں بہت رش تھا۔ مانو سارا شہر ہی بیماری کی لپیٹ میں آ گیا تھا۔ افطار کے بعد یوں بھی ہر جگہ رش بڑھ جاتا ہے۔ کوئی شاپنگ مال ہو یا عام بازار گلیاں...... شام کے بعد گہما گہمی بڑھ ہی جاتی ہے مگر اس بار کلینک بھی کھچا کھچ بھر گئے تھے۔ ہم خاصی تاخیر سے لوٹے تھے مگر رکشے والا وہیں موجود تھا۔ ابھی تو ہمیں میڈیکل اسٹور سے دوا لے کر ڈاکٹر کو چیک کروانی تھی پھر گھر لوٹنا تھا...... سارے کام جھٹا جھٹ ہو گئے۔ ورنہ مجھے گھسیٹتی امی کہاں، کہاں سر پٹختی پھرتیں۔ ہم واپسی کے سفر میں تھے، جب روڈ پر گڑھا آیا، کسی گٹر کا ڈھکن ترچھا پڑا تھا اور وہ بے خطر رکشا لیے گزرنے لگا۔ رکشے نے ہچکولا کھایا۔

''ارے تیرا ناس جائے، کم بخت...... ! کہاں لیے جا رہا ہے تو خود بھی گرے گا، ہمیں بھی اوندھا گرائے گا مردود......'' امی کی چیخ و پکار کا اس پر خاک نہ اثر ہوا۔ دانت نکالے، دل کھول کر ہنسا۔

''ارے اماں! تم نے تو مجھے میری اماں کی یاد دلا دی قسم سے۔ وہ بھی مجھے ایسی ہی گالیاں دیتی تھیں...... ہی ہی ہی......''

مجھے بھی ہنسی آ گئی...... میں نے اب غور کیا، لہجہ اور وضع قطع سے وہ کسی گاؤں سے لگتا تھا۔ رکشا اب خطرے سے باہر تھا۔ گلی کے نکڑ پر روکا تو امی کی جان میں جان آئی۔ مگر اس نے بات ایسی کہی تھی۔ امی نے اسے بہت دعائیں دیں...... اتنا انتظار بھلا کون کرتا ہے، ہمیں لیے مارا، مارا پھرا...... پھر کرایہ بھی مناسب ہی لیا تھا۔ مجھے کل بھی کلینک جانا تھا۔ امی نے اسے کل پھر بلا لیا تھا۔

میں نے سنبھل کے قدم زمین پر دھرے تھے پھر بھی لڑکھڑا گئی۔

''سنبھل کر...... !'' اس نے بے ساختہ کہا۔

میرے دل میں کسی کی یاد نے چٹکی لی۔ ''زین العابدین......'' جو کتابِ زندگی کا عنوان تھے مگر مجھ سے کیا...... خود سے بھی بے پروا رہتے...... بس کبھی کبھی فون پر چھیڑتے۔

''اپنا خیال رکھو، میری یاد میں خود کو گھلا نہ لینا۔''

خیر... یہ اس کا حسنِ نظر تھا...... ورنہ میں ایسی آسمان سے اتری حور بھی نہیں تھی۔ خواب دیکھتی ضرور مگر خوابوں میں جا کر رہتی نہ تھی۔ شاید وہ نو عمری کا پہلا خواب تھا۔ جس نے آج تک مجھے جکڑ رکھا تھا۔ ورنہ میری زندگی میں سوائے بھاگ دوڑ کے رکھا ہی کیا تھا۔

عام سیدھی سادی سی لو اسٹوری تھی۔ ابھی سال دو سال پہلے کی تو بات تھی۔ زین العابدین امی کو چنگ کے آزاد ٹیچر تھے جہاں میں کچھ شارٹ کورسز کرنے گئی تھی۔ بس کچھ دن میں بات نکلی تو پھر دور تک جا پہنچی۔

اِک روز انہوں نے مجھ سے گھر آنے کا عندیہ لیا اور سیدھے سجاد امی کے سامنے آ کر پرپوزل رکھ دیا...... وہ ڈیسنٹ اور ایجوکیٹڈ تھے کوئی آگے پیچھے تھا نہیں...... بس ایک شادی شدہ بہن ملک سے باہر مقیم تھی۔ وہی رابطے میں رہتی اور اپنے پاس بلانے کو...... سرگرداں تھی۔ کمپیوٹر کی فیلڈ میں زین کا علم وسیع تھا اور انکم ہزاروں میں...... مگر انہیں لاکھوں کی پڑی تھی۔ مستقبل کے لیے لمبے پلان تھے جو یہاں کیا پورے ہوتے وہ خود کو کیش کروانے پر تلے تھے۔ ایک ہی جست میں آسمان چھو لینے کے خواہش مند...... ملک سے باہر اچھی نوکری منہ کا نوالہ نہیں...... ڈگریاں لے کر جانے والے اخبار بیچتے ہیں۔ یہ وہ بھی جانتے تھے مگر قسمت آزمانے میں حرج بھی کیا تھا۔

شومیِ قسمت، ویزا لگ گیا...... امی نے ان کے جانے سے پہلے ہمیں نکاح کے بندھن میں باندھ دیا۔

''یہ سب ثوبیہ کی قسمت سے ہے۔'' زین کہتے اور میرا خیال تھا کہ یہ میرے جذبوں کی شدت و گہرائی تھی۔ کسی کو گھر سے نکلتے ہی مل جاتی ہے منزل اور کوئی عمر بھر کا مسافر، محبت کو پا لینا کچھ کم خوش بختی نہیں ہوتی۔

اب یہ بھی چانس پر تھا کہ زین تمام کارروائیاں پوری کر کے مجھے وہاں بلا لیتے یا خود آ کر باقاعدہ مجھے بیاہتے۔ فی الوقت تو تین ماہ کے ویزے پر پیرس جانے کو کوشاں تھے۔

سنا تھا، انگیجمنٹ سے شادی تک کا وقفہ بڑا گولڈن ہوتا ہے۔ مگر دو ٹکیا کی نوکری میں لاکھوں کا ساون جائے والا معاملہ رہا۔ بس کبھی کبھار نیٹ پر بات چیت جو اکثر لڑائی کی نذر ہو جاتی۔ وہ خود کو ارزاں نہیں کریں گے، یہ میں بھی جانتی تھی مگر انہوں نے فیصلہ کرتے سے میری منشا و احساسات کو رد کیا تھا۔ مجھے یہی دکھ کھائے جاتا۔ مگر میں اپنا آپ کھولنا بھی نہیں چاہتی تھی۔ شاید جو چیز دسترس میں ہو، اس کی حیثیت یوں ہی ثانوی ہوتی ہے مگر میں کیسے کہتی...... انہوں نے میرے بہت سے خواب توڑے تھے۔

امی سوتے میں بھی آنکھیں کھلی رکھتیں۔ جوان بیٹی کی بڑی ذمے داری ہوتی ہے۔ میرے بعد چھوٹی بہن رباب اور بھائی لاریب تھے۔ جو ابھی اتنے نو عمر تھے کہ کسی گمان سے بھی دور تھے۔ اور اک میں تھی سچ تو یہ تھا کہ امی کی ذمے داری بانٹ رکھی تھی۔ کبھی خود کو ان پر بوجھ نہ بننے دیا۔ میٹرک کے بعد قلم سنبھال لیا تھا۔ آرٹیکلز، افسانے لکھتی، اپنا خرچہ تو نکال ہی لیتی تھی۔ امی جونیئر اسکول ٹیچر رہی تھیں مگر انجائنا کے مرض نے جکڑ لیا تو قبل از وقت ریٹائرمنٹ لینی پڑی۔ ان کی پنشن آتی، پرانا آبائی مکان جو ابو کے بعد انہی کی ملکیت ٹھہرا۔ کرائے پر اٹھا رکھا تھا۔ بانو، میں ان کی دستِ راست ٹھہری۔

☆☆☆

ڈاکٹر کے پھیرے ہفتے بھر چلے اور میرا پرس خالی ہو گیا...... بیماری کا زور ٹوٹ گیا۔ مگر ابھی ناتوانی باقی تھی۔ امی نے اسی رکشے والے بلند بخت کو بلوا بھیجا۔ جانے کن وقتوں میں اس کا موبائل نمبر لے لیا تھا۔ یا خود اس نے دے دیا تھا۔ امی کو وہ نیک، شریف و قابلِ بھروسا لگا تو ٹھیک ہی لگا۔ آنا جانا تو لگا ہی رہتا تھا۔ مجھے پےمنٹس کے لیے کئی آفس جانا پڑتا۔ اگلا مسودہ دینا اور پچھلی رقم لینی ہوتی۔ ایک سے دوسرے، دوسرے سے تیسرے آفس کی بلڈنگیں، امی نیچے رکشا میں بلند بخت کے ساتھ منتظر رہتیں۔ اس روز تو میں ہانپ گئی۔ ہلکان ہو گئی، سڑکوں پر رش بلا کا تھا۔ رمضان کے سبب کچھ کھا پی نہیں سکتے تھے، بیگ میں منرل واٹر کی بوتل چھپا کے لے گئی تھی کئی جگہ کام آئی۔

''روزہ چھوڑنا اللہ کی ناراضی ہے۔''

مجھے ہنسی آئی۔ امی تو خیر رکھ ہی نہیں سکتی تھیں۔ مجھے اس بار کی بیماری اور اس کے بعد ناتوانی نے نہ بخشا ورنہ اب تک کی زندگی میں کبھی روزہ نہیں چھوڑا تھا۔ لاریب اور رباب باقاعدگی سے رکھ رہے تھے۔ امی نے گھر کے دروازے سے بلند بخت کو اندر کھینچ لیا۔ وہ روزے سے تھا۔ واپسی میں ٹریفک جام ملا تھا۔ ہم عصر، مغرب کے درمیان مانو شہر بھر کی خاک چھان کر لوٹے تھے۔ لاریب عصر کی ادائیگی کے لیے مسجد جا رہا تھا۔ رباب نے ملک شیک اور چھولے کی چاٹ تیار کر رکھی تھی۔ میں نے عجلت میں فروٹ کاٹے عصر کا وقت تنگ پڑ رہا تھا۔ بلند بخت مسجد کو چلا تو لاریب ہمراہ تھا۔ امی نے انہی سے دہی بڑے، سموسے ریڈی میڈ منگوائے۔ بلند بخت گھر کے ذائقے کو ترسا ہوا تھا۔ خانہ بدوشوں کی سی زندگی تھی۔ جہاں رات پڑی سو گیا۔ بھوک لگی تو میلوں ٹھیلوں سے جو ملا کھا لیا۔

اسی دن اس نے بتایا کہ والدین رہے نہیں، برادری والے شادی کے لیے زور دیتے ہیں۔ گاؤں میں برادری سسٹم مگر کھینچ تان ہے، کھینچ تان کے معاملات سے اللہ بچائے، شادی کے لیے اس کا نظریہ کچھ اور تھا۔ اسے پتا تھا میٹرک کی ڈگری اور رکشے کی آمدنی سے وہ ساری زندگی جدوجہد کر کے بھی اچھی زندگی حاصل نہیں کر سکتا۔ اسے اس بیوی درکار تھی جو مالی اور فیملی سپورٹ دے سکے۔ وہ گاؤں پلٹ کر جانا نہیں چاہتا تھا۔ وہاں اس کا تھا بھی کون......؟ ادھر سب تلے پڑے ہیں، وہ اسی لیے گاؤں جاتا ہی نہیں......

مجھے اس کے خیالات پر رنج ہوا۔ یہ کسی بھی مرد

کی بے غیرتی تھی۔ عورت پر انحصار کرنا، شادی جیسے مقدس فریضے کو مفادات کی غرض سے استعمال کرنا، رشتے نیک نیتی کی بنیاد پر استوار کیے جاتے ہیں۔

یہیں آکر میں خود کو خوش نصیب تصور کرتی......

زین کو بیوی کے نام پر مسالا پیسنے والی نہیں، ساتھ دینے والی درکار تھی، ٹھان رکھی تھی کہ جو لڑکی دل کو لگی، وہی اپنی ہوگی۔ خیر، ان کا یہ نظریہ بھی ٹھیک ہی تھا۔

بات چھوٹی تھی مگر گہری تھی، ساتھ رہنا ہم سفری نہیں، ساتھ چلنا ہم سفری ہے، روٹیاں تو ماسی بھی پکالیتی ہے۔ میاں، بیوی کا رشتہ شیئرنگ کا ہوتا ہے۔ جیون ساتھی کے نام پر کسی کو بھی گھر میں لا ڈالنا پھر اسے اپنی پسند کے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش میں کھلونے ٹوٹ بھی جاتے ہیں۔ گھر کی عورت صرف سجاوٹ کی چیز نہیں ہوتی۔ انہوں نے کبھی ایک لفظ بھی مجھ سے لگاوٹ کا کہا ہوتا تو میں محبت کے کسی احسان کو خود پر حاوی نہ ہونے دیتی مگر وہ کہتے۔

''تم جیسی لڑکیاں زندگی کو مکمل کرتی ہیں۔''

اب زندگی کی تکمیل کا انحصار اس پر ہے کہ آپ کی ترجیحات وخواہشات کیا ہیں۔

جیون ساتھی کے لیے ایک خاکہ سب ہی کے ذہن میں ہوتا ہے شہر کی چکا چوند میں آکے رہنے بسنے والوں کی نظر میں پھر گاؤں والیاں نہیں سماتیں...... مگر اس کی سوچ غلط تھی۔ اسے لبرل ماڈ لڑکی درکار تھی۔

مجھے خطرے کی بو محسوس ہوئی تو بہانے سے اسے اس کمرے میں لے گئی۔ جہاں میرے اور زین کے نکاح کی تصویر آویزاں تھی۔ ان کے بارے میں بتایا۔ اس کا چہرہ بے تاثر ہی رہا۔ مگر اس نے انہیں سراہا اور ان کی خوش بختی کو بھی......

اسے بھی ایک اچھی لڑکی کی خواہش تھی مگر وہ خواہشات کو ضروریات کی نذر نہیں کرسکتا۔ زندگی ایک بار ملتی ہے اسے سسک، سسک کر گزارنے سے بہتر ہے کہ خود کوکشش کیا جائے۔

میں اسے کیسے سمجھاتی رشتے محبت اور اپنائیت سے جڑتے ہیں۔ خود میں نے کم عمری میں گھر سنبھالا' گھر اور گھر سے جڑے آزار بھگتانے میں ہلکان رہتی۔ مارکیٹ سے سودا سلف لانا، امی کو ڈاکٹر کے پاس لے کر جانا...... بینک سے پنشن لانا اور باقی سب کچھ...... امی میرے سبب مطمئن رہتیں۔

لاریب اور رباب کی ابھی اسکولنگ چل رہی تھی۔ امی بیمار نہ ہوتیں تو پھر بھی چلتا رہتا۔ وہ اپنی اغراض کے لیے مجھے بٹھا کے نہیں رکھ سکتی تھی۔ مگر مجھے تو احساس تھا۔ اِک میرے نہ ہونے سے کیا، کیا کچھ رہ جائے گا۔

اِک سارا سیٹ اپ جو شروع سے باقاعدہ چل رہا تھا بکھر کر رہ جائے گا۔! انسانی زندگی میں بہت کچھ طے شدہ ہے مگر کچھ فیصلے وقت کرتا ہے اور وقت کے ساتھ بہت کچھ بدلتا ہے۔ خواب، خواہشات، معیار، ترجیحات۔

☆☆☆

بلند بخت ہر فن مولا تھا۔ اور گھر میں کام نکلتے ہی رہتے۔ وہ خوش دلی سے ہر کام بھگتاتا، امی اسے محنتانہ دینا چاہتیں تو ہاتھ جوڑ دیتا۔

''میں آپ سے پیسے نہیں لے سکتا۔''

دراصل امی میں وہ اپنی ماں کی جھلک پاتا تھا۔ بلند بخت کہتا۔ ''مائیں ساری ایک جیسی ہوتی ہیں، محبت کرنے والی۔'' ٹھیک ہی کہتا تھا۔

اس شام ہمیں مال جانا تھا۔ امی نے اس سے عید کی تیاری کے بارے میں پوچھا تو وہ ہنس دیا۔

''کتنا عجیب لگتا ہے ناں...... خود کے لیے خود ہی فکر رکھنا۔''

میں سمجھتی تھی اس کے اندر احساسِ تنہائی پلتا ہے، اس کی تنہائی پر مجھے دکھ ہوتا۔ امی تو پھر امی تھیں۔ رباب، لاریب کے ساتھ بلند بخت کے لیے بھی خریداری کی۔ ان کے سر پر بلند بخت کا کافی بار تھا۔ وہ محنتانہ نہ لیتا تو دوسرے بہانوں سے وہ نوازنے کی کوشش کرتیں۔ گھر بھر کی شاپنگ کا بار بھی ان ہی کے سر پر تھا۔ اس شدید موسم میں بازار کے دھکے میرے

بس کے نہ تھے۔ بس ایک بار بازار جاتی اور سب کچھ سمیٹ کر لے آتی۔ اب بھی خوب صورت دھانی جوڑا اور میچنگ کی سب چیزیں لائی...... زین کو اسکائپ پر دکھائیں۔ زین کو پسند بھی آئیں مگر نہیں یہ ایک فارملٹی تھی۔ وہ ہر اچھے لمحات میں بہت کچھ بھول جاتے۔ وہ باتیں جو میرے جتانے کی نہیں تھیں۔ انہیں بھی یاد نہ رہتیں۔ موقع کوئی بھی ہو، وہ کبھی وش کرنے میں پہل نہ کرتے۔ ان کے لیے فرصتیں نایاب تھیں۔ اور میرا دل اس ناقدری پر روا ٹھتا تھا۔

بلند بخت، عید کی نماز پڑھ کر عید مبارک کہنے آیا۔ امی نے اسے پانچ سو روپے دیے پھر رات کا کھانا یہیں کھانے کو کہا۔ آج اس کی روزی کا دن تھا۔ وہ چھوڑ نہیں سکتا تھا۔ شام میں آنے کا وعدہ کیا۔ میں کچن میں تھی۔ عام سادہ سا کاٹن کا سوٹ پہنے گھوم رہی تھی بلند بخت نے ٹوکا تو اس کا جملہ اسے ہی لوٹا دیا۔

''کتنا عجیب لگتا ہے ناں، خود کے لیے خود ہی سجنا سنورنا۔''

وہ خاموشی سے لوٹ گیا۔ سچ تو یہ تھا کہ میرا دل ہی نہیں تھا۔ آنکھوں میں کاجل کی دھار تک نہیں سجا سکی تھی۔ زین کی کال آنی تھی مگر نہ آسکی۔ مجھے امید بھی یہی تھی پھر اگلے پہر سے جو آمد و رفت کا سلسلہ شروع ہوا تو شام ہوگئی۔ اور جیسے اداسی چار سو پھیل گئی۔ یوں جیسے خود سے خود کو کھو دینے کا احساس جاگنے لگا۔

شام میں بلند بخت آیا تو اس نے رباب اور لاریب کے ساتھ مل کر خوب محفل جمائی۔ میں بظاہر ساتھ رہی۔ بار، بار ہنستی بھی رہی مگر سناٹے دبیز ہوتے جارہے تھے۔ میں کام ڈھونڈ، ڈھونڈ کر نکالتی رہی۔ ادھر ادھر کے مشغلوں میں خود کو مصروف رکھا۔ ڈنر کے لیے بریانی دم دے رہی تھی۔ جب شور اٹھا۔ زین لوٹ آئے ہیں، میں لپک کر گئی۔ وہ لاؤنج میں جھک کر امی سے پیار لے رہے تھے۔ امی نے بلند بخت سے ملوایا۔ اب وہ بھی ان کا بیٹا تھا۔ اس سے عید ملتے سے زین کی نظریں بھٹک رہی تھیں...... پھر مجھے پالیا تو مسکرائے، میں منہ پھلا کر دوبارہ کچن میں جا گھسی۔ ان سے ڈھیر سارے شکوے تھے۔ وہ بھی تاڑ گئے۔ کچن میں ہی مجھے آلیا۔ وہ بہت سے فیصلے کر کے لوٹے تھے۔ اب ہم سب کو ایک ساتھ رہ کر اک دوسرے کے مسائل سمیٹنے تھے۔

راہ دکھاتا اِک کمزور دیا اس فانوس سے بہتر ہے جو صرف اپنے ہی محل کو جگمگاتا ہے۔ میں سرتاپا سرشار ہوگئی تھی۔ ذہن و دل سے منوں بوجھ ہٹتا چلا گیا تھا۔ لوٹ کے بدھو گھر کو آئے......! کھانا بہت خوشگوار ماحول میں کھایا گیا۔

ہم سب آئس کریم کھانے نکلے تو مین گیٹ کے قریب انہیں چڑایا۔

''اور میری عیدی......''

''عیدی گلے ملنے پر......'' وہ بازو پھیلا کر میری طرف بڑھے تو میں نے ہنستے ہوئے انہیں پرے دھکیلا۔

''واؤ......'' رباب اور لاریب نے عین وقت پر چھاپا مارا...... بلند بخت ان کے عقب میں تھا...... زین کھسیا کر آگے نکلتے چلے گئے۔ لاریب اور رباب ان کے ساتھ تھے۔

''ہم کو بھی اِک گھر والی چاہیے مادام......!''

اس بار اس کے ہاتھ پھر جڑے تھے۔

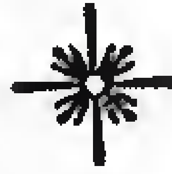
''رشتے محبت سے بنتے ہیں، اسٹیٹس سے نہیں...... ہمیں ایسی گھر والی چاہیے جو ہم سے محبت کر سکے اور ہمارا انتظار......''

میں نے سر اٹھا کر دیکھا۔ بلند بخت کی آنکھوں میں خواہشیں اور خواب جگر، جگر کر رہے تھے۔ یاد اور انتظار محبت ہی کے رنگ و روپ ہیں مگر کبھی انسان کو خالی کر دیتے ہیں۔ جب اس کے زیرِ نظر مفادات یا طمع ہو تو انجام خسارے کے سوا کچھ نہیں......!

''گھر تو بس محبت و اپنائیت سے بستے اور سجتے ہیں۔'' یہ نقطہ اس کی سمجھ میں آگیا تھا۔

اور عید کا خوب صورت دن اِک نیا پیغام دے کر ڈھل گیا تھا۔

ناولٹ



پتھر کا دیس

مدیحہ شاہد

تیسرا حصہ

تیمور کی امی بہت مضطرب تھیں۔ علیزہ کے گھر جانے کے لیے بہت تیاری کرنی پڑی...... اوپر سے تیمور کی ہدایتیں...... اتنے بڑے گھرانے میں رشتہ لے کر جارہے تھے۔ اسی حساب سے تیاریاں بھی کیں۔

ہزاروں روپیہ خرچ ہوگیا۔ پھولوں کے گجرے، مٹھائی کے ٹوکرے، تحفے، تحائف اور سب سے زیادہ غصہ اسی کو اپنا قیمتی سونے کا سیٹ دیے جانے کا تھا۔ یہ سیٹ تو انہوں نے آپا کو بھی نہیں دیا تھا۔ تیمور نے تسلی دی کہ



صرف دنیا دکھاوے کو دے رہے ہیں۔ شادی کے بعد یہ سب واپس آجائے گا اور علیزہ کو جہیز میں کوٹھی، گاڑی، زمین، جائداد سب ملے گا۔ ان سب کے سامنے بھلا اس سونے کے سیٹ کی اہمیت ہی کیا ہے، چند دنوں کی بات ہے، علیزہ خود واپس کر دے گی...... امی طوعاً و کرہاً مان گئیں۔ خوب اچھے کپڑے زیور پہن کر امی اور آپا علیزہ کے گھر روانہ ہوئیں۔ تیمور بھی سوٹڈ بوٹڈ تھا۔ تحائف اتنے زیادہ تھے کہ گاڑی میں سما ہی نہیں رہے تھے۔ تیمور بہت خوش تھا۔

وہ لوگ علیزہ کی کنالوں پر پھیلی عالیشان کوٹھی پر پہنچے...... چوکیدار نے مستعدی سے گیٹ کھولا۔ پورچ میں پہلے ہی سے مرسیڈیز اور بی ایم ڈبلیو کھڑی تھیں۔ تیمور، امی اور آپا تو کوٹھی میں داخل ہوتے ہی مرعوب ہو گئے۔ تیمور کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہیں تھا۔ یہ سب کچھ مستقبل قریب میں اس کا ہونے جا رہا تھا۔ وہ منصور بلڈرز کے مالک منصور ملک کا اکلوتا داماد بننے جا رہا تھا۔ فخر سے اس کی گردن تن گئی تھی۔ امی اور آپا حیرت اور مرعوب انداز میں وسیع و عریض لان کو دیکھ رہی تھیں۔ جس میں جا بجا فینسی لائٹس لگی ہوئی تھیں۔ لان کے وسط میں فوارہ نصب تھا جس کے اطراف سفید بطخیں موجود تھیں۔

وہ اس خوب صورت لان سے گزر کر ایک ملازم کی معیت میں گھر کے اندرونی حصے میں داخل ہوئے۔ دوسرا ملازم گاڑی سے تحائف نکال کر ان کے پیچھے، پیچھے آرہا تھا۔

یہ گھر تھا یا محل...... وہ تینوں جیسے قدیم دور میں پہنچ گئے۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ کسی بادشاہ کے محل میں داخل ہو رہے ہوں، شہزادی کا ہاتھ مانگنے کے لیے...... وہ بے حد خوب صورت کلاسیکل انٹیریئر سے سجا گھر تھا۔ جھروکوں میں قید آئینے...... چاندنی جیسی شفاف دیواریں...... لکڑی کے نقش و نگار سے سجے دروازے، سنگ مرمر کا فرش، دیواروں پر آویزاں مصوروں کی شاہکار پینٹنگز، ہیروں کی طرح دمکتے کرسٹل کے ڈیکوریشن پیسز، بے حد خوب صورت اور قیمتی فرنیچر...... یہ ایک ایسا محل تھا جس کی ایک، ایک چیز دیکھنے کے لائق تھی...... نظروں کو باندھ دینے والی۔

وہ مرعوب انداز میں ملازم کے پیچھے ڈرائنگ روم میں چلے آئے۔

قیمتی فرنیچر اور نادر ڈیکوریشن پیسز سے سجا بے حد خوب صورت ڈرائنگ روم...... قیمتی دبیز پردوں نے کھڑکیوں کو ڈھانپ رکھا تھا۔ خوب صورت صوفے، ٹیبلز، ڈیکوریشن آئٹمز، بڑے، بڑے گلدان کونوں میں استادہ تھے...... نرم قالین جو ڈرائنگ روم کے کونے چھوڑ کر وسط میں بچھایا تھا...... ٹیولپ کے پھولوں کی فلاور ارینجمنٹ جو شیشے کی سینٹر ٹیبل پر عجیب بہار دکھلا رہی تھی۔

سامنے والے صوفے پر ایک بہت گریس فل سی خاتون چہرے پر بے نیازی سجائے بیٹھی تھیں۔ انہوں نے ڈھیروں ڈھیر زیورات پہن رکھے تھے۔ بالوں کا جوڑا بنایا ہوا تھا اور شیفون کی سلور گرے ساڑی پہنی ہوئی تھی۔ دائیں ہاتھ میں بھاری کنگن تھے۔ بائیں ہاتھ میں سونے کی چوڑیاں تھیں۔ انگلیوں میں قیمتی بھاری انگوٹھیاں دمک رہی تھیں۔

وہ خاتون ان لوگوں کو دیکھ کر اپنی جگہ سے کھڑی نہیں ہوئیں...... بلکہ سر کے اشارے سے مغرورانہ انداز میں سلام کا جواب دیا۔ ملازم نے تیمور کے لائے ہوئے تحائف ایک کونے میں رکھ دیے...... خاتون نے ہاتھ کے اشارے سے انہیں بیٹھنے کو کہا۔

وہ تینوں مؤدب انداز میں صوفوں پر بیٹھ گئے۔ یوں جیسے سامنے کوئی ملکہ بیٹھی ہو۔

''کیسی ہیں آپ؟'' تیمور کی امی نے بات چیت کا آغاز کیا۔

''اللہ کا شکر ہے...... علیزہ نے آپ لوگوں کی بہت تعریفیں کی ہیں...... مگر ابھی وہ نادان ہے۔ رشتے ناتے بہت محتاط ہو کر قائم کرنے چاہئیں۔'' خاتون نے بظاہر مسکرا کر کہا مگر ان کی آنکھوں میں کسی کہر آلود صبح جیسا سرد سا تاثر تھا۔ وہ اک شانِ بے نیازی سے

صوفے پر بیٹھی ہوئی تھیں۔

امی نے پہلو بدلا...... تیمور کے ماتھے پر ہلکی سی شکن آئی پھر غائب ہو گئی۔

''میں جانتی ہوں، چھوٹا منہ بڑی بات والا معاملہ ہے مگر تیمور اور علیزہ ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں......ہم اپنے بیٹے کے لیے علیزہ بیٹی کا ہاتھ مانگنے آئے ہیں...... اور پھر بچوں کی خوشی میں ہی ہماری خوشی ہے۔'' امی نے بہت سبھاؤ سے بات کی......امی کی نظریں علیزہ کی ممی کی قیمتی انگوٹھیوں پر ہی اٹک کے رہ گئیں۔

''ماں، باپ تو ہمیشہ اولاد کا بھلا ہی چاہتے ہیں اولاد کی خوشی سے بڑی اور کوئی دولت نہیں ہوتی۔ مگر بچے جذباتی عمر میں اکثر غلط فیصلے کر لیتے ہیں۔ علیزہ لاڈ پیار میں پلی بڑھی ہے۔ ہم نے آج تک اس کی کوئی فرمائش نہیں ٹالی...... ہمارا سب کچھ علیزہ کا ہی ہے...... ہم نے علیزہ کے نام جائداد بھی کی ہے...... کوٹھی، زمین، باغات اور اس کا بینک بیلنس اس کی اور اس کے بچوں کی پوری زندگی کے لیے کافی ہوگا۔'' ممی نے نزاکت سے ساڑی کا پلو ٹھیک کیا...... اور بغور تیمور کو دیکھ کر کہنے لگیں۔

تیمور کا دل خوشی سے بھر گیا۔ امی اور آپا کی مسکراہٹ دو چند ہو گئی...... علیزہ وہ سونے کی چڑیا تھی، جو اگر ان کے ہاتھ آ جاتی تو وارے نیارے ہو جاتے۔

''بس ہم چاہتے ہیں کہ علیزہ اچھے، خاندانی اور امیر گھرانے میں جائے...... امیر لوگ چونکہ خود پیسے والے ہوتے ہیں اس لیے انہیں کسی چیز کا لالچ نہیں ہوتا۔ غریب اور بھوکے، ننگے لوگ لالچی اور فراڈ ہوتے ہیں...... مائنڈ نہ کیجیے گا مگر یہی سچ ہے...... اسٹیٹس کی بہت اہمیت ہوتی ہے۔'' علیزہ کی ممی کا انداز نہایت مغرورانہ تھا۔ وہ اپنی بھاری انگوٹھیوں والا ہاتھ ہلا، ہلا کر بات کر رہی تھیں۔

تیمور کونے والی ٹیبل پر پڑے کرسٹل کے ڈیکوریشن پیس پر نظریں گاڑے بیٹھا تھا۔ اس نے بہ مشکل غصہ کنٹرول کیا۔

''جی بہن...... میں آپ کی بات سمجھ رہی ہوں۔ بیٹی والے خدشات کا شکار تو ہوتے ہیں مگر آپ بالکل بے فکر رہیں، ہم علیزہ کو اپنی بیٹی بنا کر رکھیں گے۔ تیمور، علیزہ سے بہت محبت کرتا ہے۔'' تیمور کی امی نے بظاہر مسکرا کر یقین دلایا۔

ملازم خوب صورت گلاسوں میں جوس لے آیا اور باری، باری سب کو سرو کیا۔

''محبت کی حقیقت کیا ہوتی ہے، یہ وقت گزرنے کے بعد پتا چلتا ہے۔ منصور کا بزنس کمیونٹی میں بڑا نام ہے...... منصور بلڈرز کو کون نہیں جانتا...... سوسائٹی میں ہمارا ایک اسٹیٹس ہے۔ ہماری تو خواہش تھی کہ اپنے ہم پلہ لوگوں میں بیٹی بیاہیں...... مگر جیسے بچوں کی مرضی......'' علیزہ کی ممی کی آنکھیں بے حد سرد تھیں۔ انداز میں غرور...... چہرے پر بے نیازی......شاید ایلیٹ کلاس کی عورتوں کا یہی انداز ہوتا ہے۔

تیمور اور اس کے گھر والوں کو اہانت کا شدید احساس ہوا۔ مگر وہ خاموشی سے برداشت کر گئے...... ابھی خاموش رہنے کا وقت تھا۔

''بہن آپ بے فکر ہو جائیں...... تیمور کا اپنا بزنس ہے۔ ہمارے گھر میں کسی چیز کی کمی نہیں ہے...... ہم کافی خوشحال لوگ ہیں، علیزہ بیٹی ہمارے گھر راج کرے گی۔'' تیمور کی امی نے دانت پیستے ہوئے بظاہر مسکرا کر کہا۔ تیمور بھی چہرے پر زبردستی کی مسکراہٹ سجائے بیزار بیٹھا تھا۔ آپا ڈرائنگ روم کی ایک، ایک چیز پر غور کرنے میں مصروف تھیں اور دل ہی دل میں قیمتوں کا تعین بھی کر رہی تھیں کہ فلاں چیز آخر کتنے کی ہوگی۔

تیمور کو اب علیزہ پر غصہ آ رہا تھا جس نے بڑی، بڑی باتیں کی تھیں...... ہر طرح کی تسلی کروائی تھی۔ اور وہ بھی خوش گمانی کا شکار ہو گیا تھا اور اب علیزہ کی ممی کیسے، کیسے وار کر رہی تھیں۔ اس نے سوچ لیا تھا کہ وہ ضرور علیزہ سے اس کی ممی کی شکایت کرے گا۔ وہ لوگ

یہاں رشتہ مانگنے آئے تھے، بے عزتی کروانے کے لیے نہیں۔

''آپ لوگ میری باتیں مائنڈ نہ کیجیے گا کیونکہ سچائیاں تلخ ہوتی ہیں۔ مڈل کلاس لوگ ذرا کنجوس ہوتے ہیں، ان کے ساتھ گزارہ کرنا بہت مشکل ہوتا ہے...... بہت خوشی ہوئی یہ سن کر کہ آپ کا بیٹا اپنا بزنس کررہا ہے...... اگر ذمے داری سے کام کرتا رہا تو بہت جلد ترقی کرے گا۔'' پہلی بار علیزہ کی ممی خوش دلی سے مسکرائیں۔

تیمور، امی اور آپا نے شکر کا کلمہ پڑھا کہ علیزہ کی ممی کے تاثرات بھی بدلے۔

''یہ ہم علیزہ بیٹی کے لیے لے کر آئے ہیں۔ زیادہ مہنگا تحفہ تو نہیں...... صرف ایک سونے کا سیٹ ہے...... ہماری طرف سے یہ حقیر سا تحفہ قبول فرمائیں۔'' امی نے بیگ کھول کر سرخ رنگ کا جیولری کیس نکالا اور ان کی طرف بڑھایا۔ وہ مطمئن ہوگئیں کہ یہ جیولری کیس علیزہ کی ممی کی حقارت اور اہانت بھری نظروں کا بہت اچھا جواب تھا۔ تیمور کے چہرے پر بھی جتاتی سی مسکراہٹ تھی۔ ان کی آنکھوں میں خوشگوار حیرت ابھری۔

''اچھا...... آپ خاندانی لوگ لگتے ہیں۔'' علیزہ کی ممی نے جیولری کیس کھول کر سیٹ کو بغور دیکھا۔

اور یہ تینوں ان کی اس تعریف پر پھولے نہیں سمائے۔ تیمور کی گردن فخر سے تن گئی۔ علیزہ کی ہدایات خوب تھیں...... تیمور نے دل ہی دل میں علیزہ کو داد دی۔ علیزہ کی ممی تو سونے کے سیٹ کا تحفہ دیکھ کر ہی موم ہوگئیں۔

ممی نے انٹرکام پر علیزہ کو یہاں آنے کا کہا۔

''جی بہن، ہم واقعی خاندانی لوگ ہیں...... اب پہلی بار آپ کے گھر آئے ہیں...... علیزہ کے لیے قیمتی تحفہ لیے بغیر تو ہم آپ کے گھر کی چوکھٹ بھی پار نہیں کرتے۔'' امی نے مسکرا کر اپنا اعتماد بحال کیا۔

''امید ہے، میں آپ لوگوں کا تعارف ہر کسی سے فخریہ کرواؤں گی...... اور آپ لوگ بھی کبھی ہمیں شرمندہ نہیں کریں گے۔'' ممی نے جیولری کیس اپنے قریب رکھتے ہوئے کہا۔

''آنٹی! آپ ہم پر اعتماد رکھیں۔ آپ کو ہم سے کبھی کوئی شکایت نہیں ہوگی۔ آپ کی عزت ہماری عزت ہے۔'' تیمور نے مسکراتے ہوئے مؤدب انداز میں کہا۔ امی نے بھی مسکرا کر تائیدی انداز میں سر ہلایا۔

چند لمحوں بعد ملازم چائے کی ٹرالی اور لوازمات کے ساتھ اندر آیا۔ ساتھ علیزہ بھی آگئی۔ امی اور آپا علیزہ سے پُرتپاک انداز میں ملیں۔ علیزہ بھی خوش دلی سے مسکرا رہی تھی۔ امی نے علیزہ کو پیار سے اپنے پاس بٹھالیا۔ انہوں نے بغور اسے دیکھا، اتنی خوب صورت لڑکی...... انہوں نے دل ہی دل میں تیمور کی پسند کی داد دی، پنک اور سلور امتزاج کے سوٹ میں وہ بہت حسین لگ رہی تھی۔ ہلکے میک اپ اور جیولری نے اسے چار چاند لگادیے تھے۔

''علیزہ ڈیئر اپنے اِن لاز کو سرو کرو......'' ممی نے شائستگی سے کہا۔

علیزہ ٹرالی پر جھک گئی اور مہمانوں کو پلیٹیں دے کر مختلف چیزیں سرو کرنے لگی۔ تیمور کی امی تو بہت متاثر ہوئیں کہ اتنے بڑے گھر کی لڑکی اور اتنی تابعدار...... اتنی سلیقہ مند۔

''بہن مجھے یہ رشتہ قبول ہے، علیزہ کے پاپا ایک بہت اہم پروجیکٹ کے سلسلے میں پیرس گئے ہوئے ہیں۔ میں انہیں فون پر ساری بات بتادوں گی۔ میں چاہتی ہوں کہ یہ شادی جلد ہوجائے کیونکہ علیزہ کے بہت پرپوزلز آرہے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ اس کے پاپا کسی کو ہاں کہہ دیں۔ مجھے تو علیزہ کی خوشی عزیز ہے مگر اس کے پاپا بزنس مین ہیں۔ وہ دل سے نہیں دماغ سے سوچتے ہیں۔'' ممی نے ان سے کہا۔ وہ اضطراری انداز میں گلے میں پہنی مالا کے موتی چھیڑ رہی تھیں۔

تیمور فکر مندا ہوا۔ اس نے اور امی نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ انہیں سب کچھ ایک ساتھ مل رہا تھا۔

دولت، جائداد، عزت اور خوب صورت سی علیزہ...... وہ یہ سب کچھ گنوانا نہیں چاہتے تھے۔

''جی بہن...... جیسے آپ کی مرضی، ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہے، جو بھی آپ طے کریں گی ہم وہی کریں گے۔'' تیمور کی امی نے یقین دلایا۔

''تو ٹھیک ہے بہن، علیزہ کے پاپا کے آنے تک ہم تیاریاں مکمل کر لیتے ہیں۔''

''جی بالکل بہن۔'' تیمور کی امی خوشی سے بولیں۔ تیمور کن انکھیوں سے علیزہ کو دیکھ رہا تھا۔ جو مسکراتے ہوئے چائے سرو کر رہی تھی۔

''آپ تو جانتی ہیں کہ شادی پر کتنے اخراجات ہوتے ہیں اور پھر علیزہ بہت ہی چوزی ہے۔ صرف ڈیزائنر ویئر ہی پہنتی ہے۔ مخصوص برانڈز استعمال کرتی ہے۔'' علیزہ کی امی مسکرا کر کہہ رہی تھیں۔

''بہن تیمور نے شادی کے لیے الگ رقم رکھی ہوئی ہے۔ ہم ہر چیز علیزہ کی پسند سے ہی لیں گے۔'' تیمور کی امی پیسٹری کھاتے ہوئے بولیں۔

''تیمور کے آؤٹ فٹ تو میں دبئی سے منگواؤں گی...... بہن آپ کے لیے اور تیمور کی بہن کے لیے سونے کے جڑاؤ سیٹ اور کنگن ہماری طرف سے دیے جائیں گے۔'' علیزہ کی ممی نے گویا تیمور اور اس کے گھر والوں کا دل ہی جیت لیا۔ امی اور آپا نے بے حد خوشی کے عالم میں ایک دوسرے کو دیکھا۔ تیمور مطمئن مسکراہٹ کے ساتھ چائے پی رہا تھا۔

''جی بہن! آپ کا بہت شکریہ......'' اِدھر امی نے دکھانے کو بھی انکار نہیں کیا۔

علیزہ سب کو سرو کرنے کے بعد ایک طرف بیٹھ گئی تھی۔

ٹرالی لوازمات سے بھری ہوئی تھی۔ تیمور، امی اور آپا خواہش کے باوجود اپنی پلیٹیں دوبارہ نہیں بھر سکے کہ انہیں اپنے امیج کا بھی تو خیال رکھنا تھا۔ ماحول خوب صورت اور خوشگوار تھا۔

☆☆☆

امی اور آپا پُر جوش تھیں۔ تیمور کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہیں تھا۔ گھر میں تیمور کی شادی کی تیاریاں شروع ہو گئی تھیں۔ آپا نے لسٹ بنائی، اخراجات کا حساب کیا۔ تیمور نے بینک اکاؤنٹ کی تفصیلات معلوم کیں اور کئی لاکھ نکالے...... اتنے بڑے گھر سے لڑکی لا رہے تھے تو سب کچھ شاندار ہونا چاہیے تھا۔ بعد میں سب وصول ہو جاتا اور سب کچھ تیمور کا ہی ہونا تھا۔

''امی! یہی زیور علیزہ کو دے دیتے ہیں۔'' تیمور نے امی کے زیورات دیکھتے ہوئے کہا جو انہوں نے جیولری بکس میں سے نکالے تھے...... قیمتی جگر جگر کرتے ہوئے چمکتے دمکتے زیورات کسی کی بھی نگاہیں خیرہ کر دینے کے لیے کافی تھے۔

امی کو کرنٹ کا جھٹکا لگا...... انہوں نے فوراً زیور واپس جیولری بکس میں رکھے اور غصے سے تیمور کو دیکھا۔

''کیا کہہ رہے ہو! مجھے اپنے زیورات بہت عزیز ہیں۔ پہلے ہی اتنا قیمتی سیٹ اسے دے دیا۔'' امی نے ناگواری سے کہا اور سختی سے جیولری بکس بند کر دیا۔

''امی...... دنیا دکھاوے کو دے دیں۔ بعد میں یہ سب آپ کو واپس کر دوں گا، علیزہ کو کہاں شوق ہے اتنی جیولری کا...... اور اس سے زیادہ بھاری زیور تو وہ لوگ آپ کو اور آپا کو دیں گے۔'' تیمور نے ماں کو منانے کی کوشش کی تو ان کے تنے نقوش ذرا ڈھیلے پڑے۔

''میں علیزہ سے پہلے والے سیٹ کی بات کر چکا ہوں۔ ابھی وہ اس کی ممی کے لاکر میں ہے۔ شادی پر اس کی ممی سارے زیورات اس کے حوالے کر دیں گی۔ وہ ہماری طرف کے سارے زیور ہمیں واپس کر دیں گی، اس نے یہ خود کہا ہے۔ وہ بہت اچھی لڑکی ہے...... اب آپ ہی بتائیں...... لاکھوں روپیہ بینک سے نکالا ہے مگر شادی پر خرچ ہو جائے گا۔ ہوٹل کی بکنگ، ولیمے کا فنکشن، علیزہ کی بری وغیرہ...... ایسے میں نئے زیور بنانا بے وقوفی ہو گی۔'' تیمور نے امی کو دلیلوں سے قائل کیا۔ عقلمندی کا تقاضا بھی یہی تھا۔

''امی! تیمور ٹھیک کہہ رہا ہے۔ کتنا شاندار گھر ہے

علیزہ کا...... مجھے تو ابھی تک اس کے گھر کی ایک، ایک قیمتی چیز یاد آرہی ہے......بس کچھ ہی دنوں کی تو بات ہے علیزہ کا سب کچھ ہمارا ہی ہوگا۔ آج کی دنیا میں دولت کی ہی حکومت ہے۔ علیزہ کے یہاں آتے ہی ہمارا اسٹیٹس بھی اونچا ہو جائے گا۔'' آپا نے بھی تیمور کا ساتھ دیتے ہوئے کہا۔

''اچھا...... چلو ٹھیک ہے۔'' امی نے کچھ سوچ کر رضامندی دے دی۔ ہر طرح سے فائدہ تو اُن ہی کا تھا۔ اور وہ لوگ شادی کی پلاننگ کرنے لگے۔

''بات سنو! شادی ہوتے ہی سب کچھ اپنے قبضے میں کر لینا...... بہتر ہوگا کہ اپنے نام ہی کروا لینا...... بینک اور علیزہ کے اکاؤنٹ کا خود حساب رکھنا۔ ویسے بھی وہ سادہ سی لڑکی ہے۔ محبت کے دو جملوں سے ہی بہل جائے گی۔ اس پر محبت لٹاتے رہنا، وہ خود ہی سب کچھ تمہیں سونپ دے گی۔'' امی نے تیمور کو رازداری سے سمجھایا تو تیمور نے بلند قہقہہ لگایا۔

''آپ بالکل فکر نہیں کریں۔ مجھے کیا کرنا ہے، میں نے بخوبی سوچ لیا ہے۔'' وہ اعتماد سے مسکرایا۔ اس کے ارادے بہت بلند تھے۔

امی اور آپا کے چہروں پر مطمئن سی مسکراہٹ تھی...... انہیں تیمور کی صلاحیتوں پر پورا بھروسا تھا۔

☆☆☆

آج شام علیزہ اور اس کی ممی نے اُن کے گھر آنا تھا...... امی نے خوب تیاریاں کیں...... تیمور بیکری کا ڈھیروں سامان لے آیا۔ آپا نے کچن سنبھالا۔

علیزہ اور ممی اپنی بی ایم ڈبلیو میں سوار ہو کر آئیں۔ گاڑی علیزہ خود چلا رہی تھی۔ تیمور اور اس کے گھر والوں نے ان کا پُرتپاک استقبال کیا۔

علیزہ کی ممی کافی کچھ لائی تھیں، پھولوں کے بکے، کیک، مٹھائی کا ٹوکرا فروٹ باسکٹ تیمور نے سب سامان طریقے سے رکھا تھا۔ علیزہ خوب صورت سفید لانگ اسکرٹ ڈریس میں بہت پیاری لگ رہی تھی۔ اس نے ڈائمنڈ کی بہت نازک سی جیولری پہنی ہوئی تھی۔ ممی نے نیوی بلو شیفون کی ساڑی پہنی ہوئی تھی۔ علیزہ کے برعکس انہوں نے ڈھیروں زیورات پہن رکھے تھے۔ ان کے بالوں کے جوڑے میں سفید گلاب کے پھول اٹکے ہوئے بے حد خوب صورت لگ رہے تھے۔

''بہن، آپ نے آج ہمارے گھر آ کر ہمیں عزت بخشی ہے۔'' تیمور کی امی نے خوش دلی سے مسکرا کر کہا۔

''اب تو آنا جانا لگا رہے گا۔ میں آج بہت ہی ضروری باتیں کرنے آئی ہوں......'' ممی نے نزاکت سے ساڑی کا پلو ٹھیک کرتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

''جی...... جی بہن، آپ بتائیں۔'' امی فوراً متوجہ ہوئیں...... تیمور بھی سیدھا ہو کر بیٹھا تھا۔

''میں نے علیزہ کے پاپا سے فون پر بات کر لی ہے۔ اور ایک فائیو اسٹار ہوٹل میں اس مہینے کی بکنگ بھی کروا دی ہے۔ بہت مشکل سے بکنگ ملی ہے...... میں جانتی ہوں کہ وقت بہت کم ہے مگر ہوٹل میں ان تاریخوں کے علاوہ اور کوئی بکنگ ہی نہیں تھی......'' ممی نے اس مہینے کی آخری تاریخیں بھی بتا دیں۔

''کوئی بات نہیں بہن...... جو بھی بکنگ ملی ہے ہم لوگ ایڈجسٹ کر لیں گے۔'' امی خوش دلی سے بولیں۔ وہ تو گن گن کر دن گزار رہی تھیں کہ کب علیزہ اپنے ساز و سامان اور جائداد سمیت اس گھر میں آتی ہے۔

''اور میں نے تینوں فنکشن اسی فائیو اسٹار ہوٹل میں بک کروا لیے ہیں۔ آپ لوگ بالکل فکر نہیں کریں۔ ویسے کے فنکشن کا بل بھی میں باقی فنکشنز کے ساتھ ہی پے کر دالوں گی۔ آپ لوگوں کا بوجھ، اب ہمارا بوجھ ہے...... سارے فنکشنز میں خود ارینج کروں گی اور کارڈز بھی پرنٹنگ کے لیے دے دوں گی۔''

ممی نے مسکرا کر کہا۔ تیمور اور امی کے دل کا بہت بڑا بوجھ ہلکا ہو گیا تھا۔ اب انہیں فکر کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ سب کام کرنے کے لیے علیزہ کی ممی جو تھیں...... علیزہ کی مغرور ممی اب صرف ایک محبت کرنے والی ماں لگ رہی تھیں جو بیٹی کو وداع کرنے کی تیاریاں کر رہی تھیں۔

''بہن ...... آپ کا شکریہ کن لفظوں میں ادا کروں ......'' تیمور کی امی نے ممنونیت سے کہا۔ ایک بڑی فکر کم ہوگئی ہے۔ تیمور چپکے، چپکے محبت پاش نظروں سے علیزہ کو دیکھ رہا تھا۔

''میں تیمور اور علیزہ کو ہنی مون کے لیے اٹلی اور فرانس کے ٹکٹ دوں گی ...... اور ابھی تو علیزہ کے ڈیفنس والے گھر میں کچھ کام ہو رہا ہے۔ شادی سے دو دن پہلے علیزہ کے جہیز کا سامان وہاں سیٹ ہو جائے گا۔ اور وہاں کے لیے میں نے اسٹاف بھی سلیکٹ کر لیا ہے۔'' ممی مسکرا کر کہہ رہی تھیں۔ تیمور اور امی گھر آئی خوش بختی پر بے حد نازاں تھے۔

''بہن ...... ہماری خوش قسمتی ہے کہ آپ جیسے بڑے دل والے لوگوں سے ناتا جڑنے والا ہے۔ ہم تو علیزہ بیٹی کو پھولوں کی طرح رکھیں گے۔'' امی خوشی، خوشی بولیں۔

''اور میں نے آپ سب لوگوں کے لیے بہترین ڈیزائنرز سے سب فنکشنز کے کپڑے تیار کروائے ہیں۔ سونے کے جڑاؤ سیٹ، کنگن اور ڈائمنڈ رنگز کا آرڈر بھی دے دیا ہے...... تیمور کا سامان بھی تیار ہو گیا ہے...... یہ سب چیزیں مہندی کی رات کو دے دی جائیں گی۔ علیزہ کے پاپا اور بھائی مہندی سے ایک دن پہلے پہنچیں گے اور علیزہ کا آدھا سامان تو وہی لا رہے ہیں۔'' ممی نے اپنے جوڑے کے پھولوں کو چھوتے ہوئے بتایا۔

آپا چائے کی ٹرالی لے آئیں، امی اور تیمور علیزہ اور ممی کی خاطر تواضع میں لگ گئے۔ تیمور نے خود انہیں ہر چیز پیش کی۔

''بہن بری کے جوڑے اور ولیمے کا لہنگا تو ہم علیزہ بیٹی کی پسند کا ہی بنوائیں گے...... کل شام ہم علیزہ کو شاپنگ پر لے جاتے ہیں۔'' امی نے علیزہ کو محبت پاش نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''آپ ایسا کریں کہ علیزہ کو بری کے جوڑوں اور لہنگے کی پے منٹ دے دیں ...... یہ خود اپنی مرضی

نیرنگِ خیال

جب تم لوٹ آؤ گے

عید کے آنے میں ابھی چند دن باقی ہیں
کسی کو کسی کے آنے کی لگن ہے
ہر کوئی عید کی تیاری میں مگن ہے
پر میرا حال ایسا ہے
جب سے تم سے بچھڑی ہوں
کیا کوئی ہلالِ عید......
کیا کوئی مبارک باد......
گھر کو تیری یادوں سے اس طرح سجایا ہے
تیری شوخ باتوں کے رنگ برنگے پردے ہیں
تجھ سنگ بیتے لمحوں کی ہری بیلوں کو
آنسوؤں کے پانی سے ہرا بھرا رکھ کر
ہر طرف لگایا ہے
خود تو تنہائی اور اداسی کی سیاہ چادر اوڑھی ہے
میری جاگتی آنکھوں میں خواب ایک حسین سا ہے
میرے ٹوٹے دل میں ایک یقین سا ہے
کہ آنے والی عیدوں میں
تم لوٹ آؤ گے
مل کے چاند دیکھیں گے
پھر دعا بھی مانگیں گے
پھر سب کی طرح میں بھی
گھر کو سجاؤں گی
جب تم لوٹ آؤ گے
''عید میں مناؤں گی''

کاوش: صائمہ جواد قریشی، کراچی

سے اپنے ڈیزائنر سے بنوالے گی۔'' ممی نے میٹھے لہجے میں کہا۔ تیمور اور امی فوراً ہی راضی ہو گئے۔ آخر ولیمے کے فنکشن کا خرچہ جو بچ گیا تھا۔

''جی ٹھیک ہے آنٹی...... میں علیزہ کو چیک دے دیتا ہوں۔ یہ اپنی پسند سے شاپنگ کر لے گی۔'' تیمور نے خوش دلی سے کہا۔

''ایسی بہو تو قسمت والوں کو ملتی ہے۔ یہ ضرور ہماری کوئی نیکی تھی جس کی وجہ سے ہمیں علیزہ جیسی بہو ملی۔'' امی نے اٹھ کر علیزہ کی بلائیں لیں۔

اب تیمور اور اس کے گھر والوں کو علیزہ کے پاپا کا انتظار تھا۔ باقی اہم کام تو ان کے آنے کے بعد ہی ہونے تھے۔

☆☆☆

ویک اینڈ آ گیا اور رامین مری روانہ ہو گئی۔ اس بار اس نے شیرو کے لیے بہت ساری چیزیں لی تھیں۔ اس کے نئے شوز، کلر پنسل، کلرنگ بکس، کھلونے، نئے کپڑے اور کھانے پینے کی چیزیں۔

اس کا ہمیشہ دل چاہتا تھا کہ گھنٹوں کا سفر لمحوں میں ختم ہو جائے...... وہ سفر کے دوران چھوٹی بچی بن کر سوچتی، الف لیلیٰ کی کہانیوں میں گم ہو جاتی جہاں لوگ اُڑن قالین پر سفر کرتے اور آنکھ بند کرتے ہی منزل پر پہنچ جاتے۔ وہ سوچتی کاش الف لیلیٰ کی کہانیوں کے کچھ حصے سچ ہوتے۔

سفر تو اپنے وقت پر ہی ختم ہوا۔ وہ اکثر ایک دن پہلے ہی چلی جاتی تھی۔ اور وقت جیسے رک سا جاتا۔ شیرو کے ہاسٹل پہنچ کر وہ ہمیشہ ہی جذباتی ہو جایا کرتی تھی، ایک ماں تھی۔ ماتا کا جذبہ تو قدرت کا عطیہ ہوتا ہے۔

وہ ہمیشہ کوشش کرتی تھی کہ شیرو کے سامنے نہ روئے...... بس ہنستی مسکراتی رہے۔ وہ بہترین لباس پہن کر جاتی، میک اپ کرتی تاکہ بیٹے کو اطمینان ہو کہ وہ خوش ہے، دکھی نہیں ہے۔ کوئی بیچاری عورت نہیں ہے۔ وہ شیرو کے بورڈنگ اسکول والوں کو بھی اچھا امپریشن دینا چاہتی تھی، وہ خود کو ایک مضبوط اور خوش باش عورت ظاہر کرنا چاہتی تھی۔

شیرو اسے دیکھ کر ہمیشہ کی طرح خوش ہو گیا......

اس نے اسے بہت سارا پیار کیا۔ اسے گفٹس دیے اور اسے لے کر ہاسٹل کے لان میں آ گئی۔ اس نے آنکھوں کی نمی دل میں ہی اتار لی...... شیرو اپنی چیزیں دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ وہ کتنی ہی دیر محبت سے اس کا معصوم چہرہ دیکھتی رہی۔ اس نے بہت پیار سے بیٹے کے سیاہ چمکیلے بال ماتھے سے پیچھے کیے۔

''مما! آپ تو ہر ویک اینڈ پر مجھ سے ملنے آتی ہیں۔ اور بچوں کے تو مما، پاپا دونوں ان سے ملنے آتے ہیں۔ کبھی بچوں کی ماما آتی ہیں کبھی پاپا آتے ہیں اور کبھی دونوں اکٹھے آتے ہیں۔'' شیرو چاکلیٹ کھاتے ہوئے معصومیت سے کہہ رہا تھا۔

رامین سن ہو گئی۔ اس کا بیٹا بڑا ہو رہا تھا...... سمجھدار ہو رہا تھا۔ وہ کب تک اسے بہلاتی رہے گی۔ رامین کے چہرے کا رنگ بدل گیا...... اس نے پرس سے ٹشو نکال کر شیرو کے منہ پر لگی چاکلیٹ صاف کی۔

اس کی آنکھیں نم ہو گئیں۔ ایسے ہی سوالات سے بچنے کے لیے اور اپنے بچے کی اچھی تعلیم و تربیت کے لیے تو اس نے شیرو کو اتنی دور بورڈنگ ہاؤس میں داخل کروایا تھا۔ یہ ملک کا بہترین بورڈنگ اسکول تھا...... یہاں بچوں کو ہر طرح کی سہولیات تھیں، ان کا اچھی طرح خیال رکھا جاتا...... پڑھائی بھی اچھی تھی اور ماحول بھی۔

''بیٹا...... کچھ بچوں کے پاپا نہیں ہوتے...... صرف مما ہی ہوتی ہے۔ آپ اپنی مما کے ساتھ خوش ہو ناں جانی......'' اس نے اپنا لہجہ نم نہیں ہونے دیا اور نرمی سے شیرو کے گلابی پھولے، پھولے گالوں پر پیار کیا۔

''جی مما...... میں اپنی مما کے ساتھ خوش ہوں۔'' اس نے ماں کو خوش کرنے کے لیے اثبات میں سر ہلایا اور مسکرایا۔ وہ اتنا کیوٹ بچہ تھا کہ ہر کسی کو اس پر پیار آ جاتا۔

رامین نے بے اختیار اس کے ماتھے کو چوما اور اسے گلے سے لگالیا۔ وہ یونہی قسمت سے گلہ کرتی تھی۔ اس کے پاس تو قدرت کا انمول تحفہ تھا، اس کا بیٹا..... شیر دل..... اس کی دولت، اس کی خوش قسمتی......

''مما، آپ مجھے لاہور کب لے کر جائیں گی؟'' اس نے اپنے ننھے، ننھے ہاتھوں سے ماں کا چہرہ تھامتے ہوئے بڑی آس سے پوچھا۔

''بہت جلد میری جان..... مما اپنا گھر لے، لے گی۔ تب آپ کو یہاں سے لے جائے گی۔ ابھی تو میں خود ہاسٹل میں رہتی ہوں ناں.....'' رامین نے مسکرا کر اسے تسلی دی۔ وہ ایک بکھری ہوئی عورت تھی جسے بیٹے کی محبت نے سنبھالا ہوا تھا۔

''مما..... ہمارا کوئی گھر نہیں؟ ہم دونوں اپنے، اپنے ہاسٹل میں رہتے ہیں ناں.....؟'' شیرو نے اپنی بڑی، بڑی روشن آنکھیں پھیلا کر سوال کیا۔

رامین کے دل پر گھونسا سا لگا..... اس نے اپنے دل میں اذیت پھیلتی محسوس کی۔ وہ اپنے معصوم بچے کو کیا بتاتی..... اس کا کوئی گھر نہیں تھا۔ وہ خود ایک سستے سے ہاسٹل میں رہتی تھی۔ ہاسٹل والے بچوں پر اعتراض کرتے۔ وہ صرف ویمن ہاسٹل تھا۔ کوئی فیملی ہاسٹل نہیں تھا۔ وہ صبح سے شام تک جاب پر ہوتی تھی۔ شیرو کی دیکھ بھال کون کرتا اور پھر دنیا کے سوالات اور بے رحم نگاہیں، وہ ان سب چیزوں سے شیرو کو دور رکھنا چاہتی تھی۔ وہ اس معاشرے کی سفاکی سے واقف تھی۔ وہ پیسے جمع کررہی تھی، کسی اچھی سوسائٹی میں گھر لینا چاہتی تھی۔ وہ اکیلی عورت تھی۔ چھوٹے بچے کا ساتھ تھا۔ حالات کون سے بہتر تھے مگر اچھی سوسائٹیاں کس قدر مہنگی تھیں۔ وہ کیا کرتی، دن رات محنت تو کررہی تھی۔ اس ملک کے مڈل کلاس لوگ ساری زندگی محنت ہی تو کرتے ہیں۔ اسے اللہ پر یقین تھا۔ اللہ سے امید تھی۔ اللہ ہی کا آسرا تھا۔ اللہ انسان کی نیتوں اور خواہشات کو خوب جانتا ہے اور وہی راستے بنانے والا ہے۔

''شیرو بیٹا..... میں آپ سے پرامس کرتی ہوں کہ بہت جلد گھر لے لوں گی اور پھر آپ کو یہاں سے لے جاؤں گی۔ شیرو آپ یہاں خوش تو ہو ناں! یہاں سب آپ کا خیال تو رکھتے ہیں ناں.....؟'' اس نے اس کے نرم ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیے۔

''مما میں یہاں خوش ہوں، یہاں سب میرا خیال بھی رکھتے ہیں۔ مگر میں آپ کو بہت یاد کرتا ہوں۔'' شیرو نے جیسے ماں کو تسلی بھی دی اور اپنے دل کی بات بھی بتادی..... وہ بہت ذہین بچہ تھا، جانتا تھا کہ ماں اس کے تسلی دینے سے مطمئن ہوجاتی ہے..... بروکن ہومز کے بچے بہت جلدی سمجھدار ہوجاتے ہیں، وہ کمپرومائز کرنا سیکھ جاتے ہیں۔

''بیٹا..... میں بھی آپ کو یاد کرتی ہوں۔ ساری رات سو نہیں پاتی مگر مجھے آپ کا مستقبل عزیز ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ آپ کو اچھی تعلیم دوں، اچھا ماحول دوں، آپ کی اچھی پرورش کروں۔''

شیرو کچھ سمجھ رہا تھا، کچھ نہیں بس اسے اتنا اندازہ تھا کہ اس کی ماں یہ سب اس کی بھلائی کے لیے کررہی ہے۔ وہ جانتا تھا کہ اس کی ماں ظاہر تو نہیں کرتی مگر وہ بہت دکھی ہے۔ ہر بچہ اپنی ماں کو جانتا ہے۔

رامین نے شیرو کو اپنی گود میں بٹھایا۔ اسے پیار کیا، اسے جوس اور چپس کا پیکٹ کھول کردیا۔

''مما! میرا دوست ہے ناں عنان، ایک ویک اینڈ پر اس کی مما آتی ہیں۔ دوسرے ویک اینڈ پر اس کے پاپا آتے ہیں۔ وہ بتارہا تھا کہ اس کی مما اور پاپا میں ڈیورس ہوگئی ہے۔''

رامین حیرت سے شیرو کو دیکھتی رہ گئی۔ وہ جیسے ساکت ہوگئی تھی۔ پاؤں جیسے زمین نے جکڑ لیے۔ بورڈنگ اسکولز میں زیادہ تر بروکن ہومز کے بچے ہی تو ہوتے ہیں اور بچے وہی کہتے ہیں جو دیکھتے ہیں، محسوس کرتے ہیں۔ شیرو نے حیرت سے بت بنی ماں کو دیکھا تو اپنے تئیں بڑی سمجھداری سے بولا۔

''مما ڈیورس کا مطلب ہے کہ عنان کے ماما، پاپا اب ایک دوسرے سے بات نہیں کرتے۔''

رامین کے منہ سے کوئی لفظ نہیں نکل پایا۔ اس کا دل آنسوؤں سے بھر گیا مگر اس نے اپنی آنکھوں کو خشک ہی رکھا۔ وہ بھول گئی تھی کہ شیرو کا باپ کون تھا۔ اسے بس اتنا یاد رہا کہ وہ اس کی ماں تھی۔

''آج شیرو کو طلاق کے متعلق پتا چلا ہے، کل کو وہ یہ بھی جان جائے گا کہ سب بچوں کے مما، پاپا دونوں ہوتے ہیں۔ صرف ماما ہی نہیں ہوتی پھر وہ اسے کیا جواب دے گی۔'' وہ منجمد ہو گئی۔

''شیرو...... میری جان...... یہ ڈیوورس وغیرہ اچھی باتیں نہیں ہوتیں اور یہ بڑوں کی باتیں ہیں، بچوں کو ایسی باتیں نہیں کرنی چاہئیں۔ ٹھیک ہے ناں؟'' اس نے پیار سے اسے سمجھایا۔

''ٹھیک ہے مما......'' اس نے تابعداری سے سر ہلا دیا۔

رامین کو بے ساختہ اس پر پیار آیا۔ وہ کتنا تابعدار اور فرمانبردار بچہ تھا۔ اس کی معصوم آواز میں رامین کے دل کی دھڑکن قید تھی۔ اس نے بے ساختہ شیرو کے ہاتھ چوم لیے۔

''مما...... آپ اگلی بار آئیں گی تو میرے لیے آئرن مین لے کر آئیے گا۔'' اس نے پیار سے فرمائش کی۔

''ٹھیک ہے میری جان...... اور کیا چاہیے میرے بیٹے کو......'' ماں، بیٹا باتیں کرنے لگے۔ سادہ معصوم اور خوب صورت باتیں۔ شیرو کے دوستوں کی کلاس کی، ہاسٹل کی، پڑھائی کی...... شیرو اس کے آنے تک سارے ہفتے کے قصے، کہانیاں جمع کر کے رکھتا اور ماں کے آنے پر جوش و خروش سے بتاتا۔ ماں کے سوا اس کا اور تھا ہی کون...... پھر رامین اس کے ٹیچرز اور پرنسپل سے بھی ملی۔ وہ اپنے بیٹے کے ساتھ بہت اچھا وقت گزار کر ہاسٹل سے باہر آئی۔ واپسی کا وقت اس کے لیے کٹھن ترین مرحلہ ہوتا تھا۔

اس نے گیٹ کے پار دیکھا اور آبدیدہ ہو کر مین روڈ کی طرف جانے لگی۔ مگر یہ کیا...... اس کے قدم زمین نے جکڑ لیے تھے۔ وہ پتھرائی ہوئی آنکھوں سے سامنے کی طرف دیکھنے لگی۔ اسے اپنی آنکھوں پر یقین ہی نہیں آ رہا تھا۔

سفید پھولوں والے درخت کے پیچھے سے کوئی سامنے آیا تھا۔

بلو جینز اور نیوی بلیو شرٹ پہنے وہ وہی تھا مگر وہ یہاں کہاں...... وہ مضبوط قدم اٹھاتا رامین کی طرف آنے لگا۔ رامین کو چند لمحے بالکل سمجھ نہیں آیا کہ وہ کیا کرے اس کے اعصاب جیسے برف ہو گئے تھے۔

''ہیلو...... رامین......'' وہی شگفتہ انداز، بانسری کے سُروں جیسا پُرکشش لہجہ...... رامین کی نظریں جھک گئیں۔

''آپ یہاں؟'' وہ بہ مشکل بولی۔

ایسا کون تھا جو اسے یہاں تک لایا تھا۔ وہ دم بخود رہ گئی۔ اس کی نظریں اس کے چمکتے جوتوں پر تھیں۔

''بس دیکھ لیں......'' پُراسرار رامین کا اسرار وہ جان ہی گیا...... سب پہیلیوں کا جواب مل گیا۔ وہ مسکرایا، ایک اعتماد بھری مسکراہٹ......

''شہرام...... آپ کو کس نے بتایا؟'' رامین کی آواز مدھم ہو گئی۔ اس کے ہاتھوں میں کپکپاہٹ اتر آئی۔

''آئیں...... کہیں بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔'' شہرام نے نرمی اور شائستگی سے کہا۔ اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔ چہرے پر بڑی دلفریب مسکراہٹ تھی۔

رامین نے چونک کر اسے دیکھا۔ بھلا وہ یہاں کیا بات کرنے آیا تھا۔ وہ دونوں ساتھ، ساتھ چلنے لگے۔ بے بی پنک شیفون کے سوٹ میں ملبوس رامین بہت خوب صورت لگ رہی تھی، اتنی حسین جیسے نیلی جھیل میں کھلتا کنول کا پھول حسین لگتا ہے۔

مری کی یہ حسین وادی، جہاں پہلی بار اسے محبت کا ادراک ہوا تھا، وہ آج پھر اسی وادی میں موجود تھا۔ وہ دونوں سبزے پر چلتے ہوئے جنگلی پھولوں کے قریب ایک سدا بہار درخت کے نیچے بیٹھ گئے۔ رامین بہت کنفیوز تھی۔

''رامین! زندگی میں سارے دن اچھے نہیں

ہوتے اور نہ سارے دن برے ہوتے ہیں، ہر انسان کی زندگی کا یہی فلسفہ ہے..... صبر کرنا اور حوصلہ کرنا، دنیا کے مشکل ترین کام ہیں جو آپ نے آسانی سے کرلیے۔'' وہ نرمی سے کہہ رہا تھا۔ رامین سر جھکائے اپنی ہتھیلیاں دیکھتی رہی۔ دور کسی گھنے پیڑ میں چھپی کوئل کی کوکتی آواز مسلسل آرہی تھی۔

شہرام نے بہت محبت سے اس کی جھکی پلکوں کو دیکھا۔

''مجھ پر اعتبار کریں..... اپنے غم اور دکھ مجھے دے دیں۔'' شہرام کے لہجے میں سچے جذبوں کی آنچ تھی۔

وہ اس سے کیا مانگ رہا تھا..... وہ حیران ہوئی..... مرد، عورت سے سب کچھ مانگتا ہے سوائے اس کے غموں اور دکھوں کے، یہ کیسا مرد تھا جو اس کے دکھ مانگ رہا تھا۔

''میں اعتراف کرتا ہوں..... جب پچھلی بار آپ سے یہاں ملا تھا۔ تو میری زندگی میں ایک ایسا لمحہ آیا تھا جو صدیوں پر بھاری ہوگیا..... اس لمحے مجھے آپ سے محبت ہوگئی..... وہ لمحہ گزرا نہیں..... ٹھہر گیا..... میری ساری زندگی پر محیط ہوگیا۔ میں سچ کہہ رہا ہوں رامین، محبت کیسے ہوجاتی ہے، بالکل پتا نہیں چلتا۔ زندگی کا وہ لمحہ بہت قیمتی ہوتا ہے جس لمحے انسان کو محبت ہوجاتی ہے۔'' شہرام نے محبت بھرے انداز میں کہا۔ اس کے لہجے میں چنبیلی کے پھولوں جیسی نرمی و مہک تھی۔

رامین ساکت انداز میں اسے دیکھتی رہی۔ وہ کیا کہہ رہا تھا، چند لمحے تو اسے یقین ہی نہیں آیا۔

حالات سے مقابلہ کرتی لڑکی، جو زندگی کے ساتھ جدوجہد میں مصروف تھی، جس کا کوئی گھر نہیں تھا جو ایک سستے سے ہاسٹل میں رہتی تھی، جو ایک آٹھ سال کے بچے کی ماں تھی، اس لڑکی سے شہرام محبت کا اظہار کررہا تھا، یہ ناقابلِ یقین سی بات ہی تو لگتی تھی۔ اس نے تو کبھی سوچا ہی نہیں تھا کہ محبت بھی زندگی میں اہم ہوتی ہے، وہ شہرام کے بارے میں سوچتی تھی مگر اس نے یہ طے کرلیا تھا کہ اسے کبھی کچھ نہیں بتائے گی۔

وہ ایک بے حد وجیہہ مرد تھا۔ دراز قد، ہینڈسم، خوشحال..... اس کی روشن آنکھوں میں ایک انوکھی سی کشش تھی۔ اس کی شخصیت میں کوئی ایسی بات تھی مگر یہ تو اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ اس سے اظہارِ محبت بھی کردے گا۔

وہ جانتی تھی کہ شہرام کو اس سے ہمدردی ہے، وہ اس کی پروا بھی کرتا ہے..... مگر محبت؟ محبت کے بارے میں تو اسے کبھی خیال بھی نہیں آیا۔ زندگی کے تلخ تجربات نے جیسے اسے محبت کے بارے میں کبھی سوچنے ہی نہیں دیا تھا۔

''مجھے یقین نہیں آرہا.....'' وہ بس اتنا ہی کہہ سکی، اس کی نظریں جھک گئیں۔

''تو آپ کو یقین دلانے کے لیے میں کیا کروں.....؟'' وہ شرارت سے بولا۔

رامین کے ہاتھوں میں کپکپاہٹ اتر آئی، دل کی دھڑکن تیز ہوگئی۔

''میں آپ کو پرپوز کرتا ہوں رامین! میں آپ

کی سب ذمے داریاں بخوشی اٹھاؤں گا۔ کیا زندگی کے سفر میں آپ میری ہم سفر بنیں گی؟'' اس کا لہجہ محبت سے چُور تھا۔ کسی پہاڑی گیت کی طرح مٹھاس سے بھرپور تھا۔

رامین شش و پنج میں پڑ گئی کہ کہے تو کیا کہے...... دل میں خوشی کا احساس بھی جاگا...... مگر ماضی کی تلخیوں نے خوشی کا راستہ روک لیا۔

''آپ...... آپ میرے ماضی کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔'' اس نے بہ مشکل کہا۔ وہ آسمان کی وسعتوں کو دیکھتے دیکھتے کہیں کھو سی گئی۔

''میں آپ کے ماضی کے بارے میں سب جانتا ہوں..... مگر میں کبھی آپ کے ماضی کے متعلق کوئی سوال نہیں کروں گا۔ اور نہ مجھے ان باتوں سے کوئی فرق پڑتا ہے۔ اور میرے لیے آپ کا آج اہم ہے۔''

''مگر آپ کو یہ سب کس نے بتایا؟'' اس نے حیرت ملی بے چینی سے پوچھا، وہ جن رازوں کو اب تک چھپاتی آئی تھی، وہ کب عیاں ہوگئے تھے اور اسے کیوں نہ پتا چلا۔

''احمر شہزاد عرف چاند...... آپ کی کزن گڑیا کا منگیتر......'' وہ بے ساختہ بولا۔

''اوہ...... میں چاند بھائی کا اصل نام نہیں جانتی۔'' وہ ساری بات سمجھ گئی۔ اس نے تھکے، تھکے انداز میں درخت کے تنے سے ٹیک لگالی۔

''حادثات تو کسی کی بھی زندگی میں آسکتے ہیں...... حادثات کو نہ انسان کی عقل روک سکتی ہے اور نہ دل کی خواہش...... ماضی میں جو ہوا، اسے بھول جائیں اور ایک نئی زندگی شروع کریں۔ جب آپ ماضی کو بدلنے پر قادر نہیں تو اسے یاد کر کے نئے سرے سے غم بھی نہ سمیٹیں۔'' شہرام نے اسے بہت پیار سے سمجھایا۔ رامین نے یوں سر ہلایا جیسے شہرام کی بات سمجھ گئی ہو۔

''آپ بہت بڑے انسان ہیں...... بہت بلند...... اور عام لوگوں سے مختلف......'' رامین کی آواز بھرا گئی۔ وہ خوشی اور غم کے سنگم پر کھڑی تھی۔

''آپ آج بالکل نہیں روئیں گی۔'' شہرام نے اس کی آنکھوں سے نکلے آنسوؤں کو اپنی انگلیوں کی پوروں سے چن لیا۔

رامین کے آنسو اسے بہت تکلیف دیتے تھے۔ وہ بے ساختہ مسکرادی۔ شبنم میں بھیگی کلیوں جیسا دلفریب تبسم...... شہرام اس کے چہرے پر سے نظریں نہیں ہٹا سکا۔

رامین کے قسمت سے سب گلے شکوے دور ہوگئے، دل کی زمین پر چھائی مایوسی اور افسردگی کی سیاہ رات کو محبت کے سورج نے مٹا ڈالا۔ اس کے چہرے پر چاندنی اتر آئی تھی۔

''اس مسکراہٹ سے میں کیا نتیجہ اخذ کروں! انکار یا اقرار......'' شہرام نے بہت دلچسپی سے اس کے چہرے کے تاثرات دیکھتے ہوئے کہا۔

''جو آپ کا دل کہے وہی سمجھ لیں۔'' اس نے سامنے درخت کی شاخ پر بیٹھی نیلے پروں والی چڑیا کو دیکھ کر دھیمی آواز میں کہا۔ اس کے چہرے پر حیا کے عکس جھلملا رہے تھے۔

شہرام کے دل میں سکون اور اطمینان پھیل گیا۔ رامین کے چہرے کی حیا اور شرمگیں مسکراہٹ نے اسے اقرار میں جواب دے دیا تھا۔ لڑکیاں کب منہ سے اقرار کرتی ہیں، ان کا اقرار تو اُن کی حیا سے بوجھل پلکوں میں چھپا ہوتا ہے۔

شہرام نے آہستگی سے اپنی جیب سے سرخ مخملیں ڈبیا نکالی اور بہت احتیاط سے اسے کھولا، اندر سرخ یاقوت سے سجی ایک بھاری انگوٹھی جگمگا رہی تھی۔ اس نے آہستگی سے رامین کا سفید گلاب جیسا ہاتھ تھام کر وہ رِنگ اس کی تیسری انگلی میں پہنادی۔

رامین نے حیرت ملی خوشی سے اپنے ہاتھ کو دیکھا۔ چمکتے ہوئے روبی سے شعاعیں سی پھوٹ رہی تھیں۔

''رِنگ پسند آئی......؟'' وہ محبت سے مسکرایا۔

''ہاں...... بہت زیادہ خوب صورت ہے۔'' اس

کی آواز میں خوشی تھی۔
''تم سے زیادہ نہیں......'' وہ برجستگی سے بولا تکلفات کی دیواریں گر گئیں، اس کی آنکھوں نے جیسے رامین کے دل کو پڑھ لیا تھا۔ مردوں کو عورت کی خاموشی کی زبان سمجھ آنی چاہیے۔ عورت اقرار اور اعتراف خاموشی کی زبان میں ہی کرتی ہے۔
''تھینک یو......'' اس نے چمکتے دمکتے یاقوت کو دوسرے ہاتھ کی انگشتِ شہادت سے ہولے سے چھوا۔
''اب شیرو بھی ہمارے ساتھ ہی رہے گا۔'' اس کی بات پر رامین کو یک دم کرنٹ لگا کہ وہ کیا کہہ رہا تھا۔ کیا سارے سرپرائز آج کے دن کے لیے ہی رہ گئے تھے۔
''شیرو......؟'' رامین نے اسے بے یقینی سے دیکھا۔
''ہاں...... ہم اس کے سب ڈیوز کلیئر کرلیں گے۔ اب اسے بورڈنگ میں رہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ شیرو کو ہم دونوں کی ضرورت ہے، ایک گھر کی ضرورت ہے، میں نے امی سے بات کرلی ہے۔ شیرو ہمارے ساتھ ہی رہے گا۔'' شہرام نے صرف محبت کا دعویٰ ہی نہیں کیا تھا۔ وہ اسے نبھانا بھی جانتا تھا۔
''اچھا......'' رامین کی آنکھوں میں ستارے چمکنے لگے۔
اللہ آزمائش دیتا ہے تو انعام سے بھی نوازتا ہے۔ کچھ خاص لوگ قدرت کی طرف سے انعام ہوتے ہیں اور ہماری زندگی میں رحمت بن کر آتے ہیں۔ اللہ بڑا غفور و رحیم ہے، کبھی اپنے بندوں کو تنہا نہیں چھوڑتا...... انسان ساتھ چھوڑ جاتے ہیں مگر اللہ ساتھ نہیں چھوڑتا...... وہ انسانوں کو ان کے گناہوں کے باوجود نوازتا رہتا ہے وہ اپنی رحمتیں نہیں گنتا۔
رامین نے لمحوں میں بدقسمتی کو جاتے اور خوش قسمتی کو آتے دیکھا۔ اس نے زندگی کے قیمتی سال پتھر کے دیس میں سخت مشقت کرتے گزارے تھے۔ اب وہ محبت کی سرسبز اور پھولوں سے ڈھکی وادی میں بیٹھی تھی۔ اب وہ اکیلی نہیں تھی، اس کے ساتھ محبت تھی، شہرام کا ساتھ تھا۔
وہ دونوں وہاں سے اٹھ کر پیدل چلتے ہوئے بہت دور آگئے، سرسبز وادی کا چہرہ سورج کی سنہری کرنوں سے دمک رہا تھا۔ بنفشی پھولوں کی جھاڑیوں میں چھپے جگنو سو رہے تھے۔ انہوں نے ایک ریسٹورنٹ میں کھانا کھایا، کافی پی اور جب وہ دونوں ریسٹورنٹ سے نکلے تو ہلکی، ہلکی بوندا باندی ہو رہی تھی۔ ہلکی بارش نے سبز وادی کا رنگ گہرا کردیا تھا۔ آج رامین کو یہ ہلکی، ہلکی سی بارش کتنی انوکھی لگ رہی تھی۔ بارش کے قطرے ہیروں کی طرح دمک رہے تھے۔ نیلگوں آسمان بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔
بارش کے چند شفاف قطرے رامین کے ہاتھ میں پہنی انگوٹھی میں جڑے یاقوت پر ٹھہر گئے...... یاقوت میں آسمان کا عکس نظر آنے لگا۔ وہ اسے دیکھ کر مبہوت رہ گئی۔ آج ہر چیز اتنی ہی خوب صورت لگ رہی تھی۔
وہ دونوں بارش انجوائے کرتے ہوٹل پہنچے...... اس شام ان دونوں نے بہت باتیں کیں...... شہرام نے اس کے ماضی سے جڑی کوئی بات نہیں کی اور نہ وہ چاہتا تھا کہ رامین ماضی کی تلخیاں یاد کرے۔
ہر انسان کے ماضی کا ایک تاریک حصہ ضرور ہوتا ہے جسے وہ کبھی کسی سے شیئر نہیں کرنا چاہتا۔
اس شام رامین نے کئی خواب بنے جیسے برسات کے موسم میں بھیگی شاخ پر بیٹھی چڑیا...... اپنے نئے گھونسلے کا خواب بنتی ہے۔

☆☆☆

علیزہ اور ممی شاپنگ سینٹر سے سیدھی تیمور کے گھر آئیں، تیمور نے خوشی خوشی علیزہ کو بری کے کپڑوں اور ولیمے کے لہنگے کے لیے چیک دے دیا تھا۔ ممی، علیزہ کو دی جانے والی جیولری دیکھنے آئی تھیں۔ تیمور نے فوراً ایک اچھے ریسٹورنٹ سے کھانا آرڈر کروایا، تیمور کی امی زیورات والا جیولری بکس لے آئیں اور اسے کھول کر علیزہ اور ممی کو زیورات دکھائے۔
''واؤ...... یہ تو بہت خوب صورت جیولری ہے...... مجھے ایسی ہی جیولری چاہیے تھی۔'' علیزہ نے کندن کا بھاری

ہار ہاتھوں میں لے کر تعریفی انداز میں کہا۔

''تھینک گاڈ..... علیزہ تمہیں بھی کوئی جیولری پسند آئی، ورنہ اسے تو بیس پچیس لاکھ والی جیولری بھی پسند نہیں آتی۔'' ممی نے مسکراتے ہوئے مانگ ٹیکا ہاتھوں میں لے کر گویا شکر ادا کیا۔

''یہ تو آپ لوگوں کی ذرہ نوازی ہے..... ورنہ یہ معمولی زیور کس قابل.....'' امی نے عاجزی سے مسکرا کر کہا۔

''یہ سب زیور آپ کے ہیں؟'' ممی نے ستائشی انداز میں زیورات کو چھو کر پوچھا۔

''جی..... بہن..... کچھ میری شادی کے ہیں..... اور کچھ تیمور کی دادی کے.....'' امی نے مسکرا کر فخریہ بتایا۔

"that,s nice" ممی مرعوب ہوگئیں۔ آنکھوں میں ستائش ابھر آئی۔

''مگر ممی..... انہیں پالش کروانا پڑے گا۔'' علیزہ ایک انگوٹھی پہنتے ہوئے بولی۔

''ہاں..... میرا جیولر بہت اعتبار کا بندہ ہے۔ ہم لوگ برسوں سے اس کے کسٹمر ہیں..... وہ جیولری کی پالش میں ماہر ہے۔ یہ جیولری اسی سے پالش کروا لیتے ہیں۔ تیمور بیٹا، تم ہمارے ساتھ چل کر اس سے انہیں پالش کروالو..... شادی میں دن ہی کتنے رہ گئے ہیں۔'' ممی نے میٹھے لہجے میں کہا۔

''جی ممی..... میں آپ کے ساتھ ہی چلتا ہوں..... انہیں پالش کروالیں گے.....'' تیمور نے فوراً ہامی بھری۔

''بہت خوب صورت ڈیزائن ہے اس سیٹ کا..... آج کل ایسا کام نہیں ملتا.....'' ممی نے ایک سیٹ کو اٹھا کر بغور دیکھا۔

تیمور کی امی نے شکر ادا کیا کہ علیزہ اور ممی کو جیولری پسند آگئی، ورنہ لاکھوں روپے مزید خرچ کرنے پڑ جاتے اور یہ سارے زیور واپس اُن ہی کے پاس ہی تو آنے تھے۔

''جی بالکل..... اب تو یہ سب علیزہ بیٹی کا ہی ہے۔'' امی نے خوش اخلاقی کی انتہا ہی کردی۔

''مجھے خوشی ہے کہ علیزہ آپ جیسے قدردان لوگوں کے گھر جارہی ہے۔ اب مجھے علیزہ کی طرف سے کوئی فکر نہیں رہے گی۔'' ممی نے مسکرا کر کہا۔

خوشگوار ماحول میں کھانا کھایا گیا..... تیمور اور امی تو علیزہ اور ممی کی خاطر مدارات میں بچھے جارہے تھے۔

کھانے کے بعد تیمور جیولری بکس لیے اُن دونوں کے ساتھ ہی جیولری شاپ پر گیا..... جیولر اُن کا واقف تھا اور بہت خوش اخلاقی سے پیش آیا..... اس نے سب زیورات گن کر پالش کروانے کے لیے رکھ لیے..... اچانک علیزہ کو یاد آیا کہ اس کا موبائل تو گاڑی میں ہی رہ گیا ہے۔ اس نے فوراً تیمور کو گاڑی کی چابی دی کہ وہ گاڑی سے موبائل لے آئے، تیمور گاڑی سے موبائل لینے چلا گیا، علیزہ کی ممی نے زیورات کی رسید پرس میں رکھی۔

تیمور، علیزہ کا موبائل لے کر آیا تو وہ دونوں دکان سے باہر نکل رہی تھیں..... تیمور نے علیزہ کو اس کا موبائل تھمایا۔

''تیمور بیٹا یہ لو، جیولری کی رسید، کل شام یہ رسید دے کر جیولری لے جانا..... پالش ہو کر تو یہ زیورات خوب چمک اٹھیں گے۔'' ممی نے رسید تیمور کے ہاتھ میں پکڑائی۔

''اوکے ممی!'' تیمور نے مسکرا کر رسید اپنی شرٹ کی سامنے والی جیب میں رکھ لی۔

''چلو ہم لوگ تمہیں گھر ڈراپ کردیتے ہیں..... ہم لوگوں نے تو ابھی مزید شاپنگ کرنے جانا ہے۔'' ممی نے تیمور کو دیکھتے ہوئے کہا۔ یہ لوگ پیدل چلتے ہوئے گاڑی کی طرف جارہے تھے۔

''تو ممی..... میں بھی آپ لوگوں کے ساتھ ہی چلتا ہوں مجھے تو گھر میں کوئی کام بھی نہیں.....'' وہ کن انکھیوں سے علیزہ کو دیکھتے ہوئے خوش دلی سے بولا۔

علیزہ کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ ممی بھی چند

لمحوں کے لیے گھبرا گئیں مگر جلد ہی خود پر قابو پا لیا۔

''ارے..... بیٹا..... ہمیں تو خالص زنانہ شاپنگ کرنی ہے، درزی اور ڈیزائنر کے چکر لگانے ہیں، ہم کل دوپہر کو تمہیں پک کرلیں گے..... او کے.....'' ممی نے پیار بھری قطعیت سے تیمور کا کندھا تھپتھپاتے ہوئے کہا۔ تیمور دل مسوس کر علیزہ کو دیکھ کر رہ گیا۔ وہ لوگ گاڑی کے پاس پہنچ گئے تھے۔

''ایک تو تمہاری ممی بھی ناں..... کوئی بات سمجھتی ہی نہیں..... خیر چند دنوں کی بات ہے..... پھر ممی کی یہ dictatorship ختم ہو جائے گی۔'' وہ چپکے سے علیزہ کے کان میں بڑبڑایا..... نہ جانے کیا بات تھی کہ علیزہ مسکرا بھی نہیں سکی۔ تیمور سمجھا کہ وہ تھک گئی ہے۔

علیزہ کی گاڑی کے ساتھ کھڑی گاڑی شاید خراب ہوگئی تھی۔ ایک شخص اس گاڑی کا بونٹ کھولے شاید انجن میں کوئی خرابی تلاش کر رہا تھا۔ تیمور اس شخص کو دیکھ کر بری طرح چونک گیا..... اسے لگا جیسے اس نے اس بندے کو کہیں دیکھا ہے..... مگر کہاں..... اسے بالکل یاد نہیں آیا۔

سفید شلوار قمیص میں ملبوس، سر پر سفید ٹوپی پہنے، داڑھی والا یہ شخص نہ جانے کیوں اسے جانا پہچانا سا لگا۔

وہ بے اختیار ہی اس کی گاڑی کی طرف بڑھا، اگر اس کی گاڑی خراب تھی تو وہ کوئی مدد تو کر ہی سکتا تھا مگر اچانک علیزہ نے اس کے بازو پر ہاتھ رکھ کر اسے آگے بڑھنے سے روک دیا۔

''تیمور چلو..... ہمیں دیر ہو رہی ہے..... اب ہم سڑک پر کھڑے ہر آدمی کا مسئلہ تو حل... نہیں کر سکتے ناں۔''

نہ جانے کیوں علیزہ کا لہجہ درشت ہو گیا تھا۔ تیمور پلٹ کر گاڑی میں آ بیٹھا، اس بندے نے ایک بار بھی نظر اٹھا کر ان لوگوں کو نہیں دیکھا تھا۔ جانے وہ حد سے زیادہ شریف تھا یا انہیں نظر انداز کر رہا تھا۔ تیمور الجھ گیا۔ ممی اور علیزہ نے اسے گھر ڈراپ کیا اور خود بازار چلی گئیں۔

☆☆☆

اگلے ہفتے وہ دونوں بورڈنگ اسکول شیرو سے ملنے آئے تھے۔ شہرام نے اس کے لیے آئرن مین اور اسپائیڈر مین کے کھلونے لیے تھے۔ شیرو کو کھلونے بہت اچھے لگے مگر وہ شہرام کو دیکھ کر حیران تھا۔

شہرام نے اسے پیار کیا، گود میں اٹھایا وہ بہت ہی کیوٹ بچہ تھا۔ رامین نے اس منظر کو بہت محبت سے دیکھا۔

شیرو کو شہرام بہت اچھا لگا اور اسی لیے وہ اپنی حیرانی چھپا گیا۔ پہلی بار اس نے اپنی ماں کے ساتھ کسی مرد کو دیکھا تھا...... اس کا حیران ہونا فطری امر تھا۔ اس نے جیسے کھلونوں سے خوش ہو کر شہرام کو مارجن دے دیا تھا۔ آج اس کی ماں کے چہرے پر ایسا تاثر تھا جو اس نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ مطمئن اور آسودہ سا تاثر...... کسی جھیل کنارے کھلے گلابی پھولوں جیسا خوب صورت اور دلفریب سا تاثر......

''انکل آپ کون ہیں؟'' اس نے حیرت اور معصومیت سے پوچھا۔

''میں انکل نہیں ہوں، مجھے پاپا کہو۔'' شہرام نے اسے پیار کرتے ہوئے کہا۔ شیرو اچھل پڑا وہ بری طرح چونک گیا۔ اس کی ماں تو بتاتی تھی کہ اس کے پاپا نہیں ہیں، صرف مما ہی ہیں اور اس نے بھی جیسے پاپا کے نہ ہونے کے ساتھ کمپرومائز کر لیا تھا پھر یہ پاپا کہاں سے آگئے تھے۔ اس کی بڑی، بڑی روشن آنکھوں میں بلا کی حیرت اور تجسس تھا۔

''مگر میرے تو کوئی پاپا نہیں تھے۔'' وہ حیران ہوا کہ اچانک پاپا کہاں سے چلے آئے، آج انہیں اپنا بچہ یاد آیا؟ وہ اپنی ماں کے چہرے کے تاثرات سے ہمیشہ یہی سمجھتا تھا کہ اس کی طرح اس کی مما کو بھی افسوس ہے کہ اس کے پاپا کیوں نہیں ہیں...... کیونکہ جب بھی وہ باپ کے حوالے سے کوئی بھی بات کرتا تھا تو اس کی ماں کی آنکھیں اداس ہو جاتی تھیں، رامین کو اندازہ نہیں تھا کہ وہ بچہ اتنی گہرائی سے مشاہدہ کرتا ہے۔

''میں ہوں ناں آپ کا پاپا...... اب میں اپنے شیرو کے پاس آگیا ہوں۔'' شہرام نے شیرو کی حیران آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پیار سے اسے یقین دلایا۔ اس کے لہجے میں محبت کی قوس قزح تھی جس کے رنگ رامین کے دل پر خوشی بن کر پھیل گئے۔

''میرے پاپا......'' شیرو یکلخت جذباتی ہو گیا۔ اس نے اپنی ننھی، ننھی بانہیں شہرام کے گلے میں ڈال دیں...... وہ شہرام سے لپٹ گیا آخر بچہ تھا...... باپ کا احساس اس کے لیے بالکل الگ اور انوکھا تھا۔

''ہاں بیٹا......'' شہرام نے پیار سے اس کی کمر تھپکی۔

رامین کی آنکھیں بھر آئیں۔ وہ اتنے سال دن رات محنت کرتی رہی تاکہ اس کے معصوم بچے کو کبھی کسی چیز کی کمی محسوس نہیں ہو۔ وہ شیرو کو اگرچہ سب کچھ دے سکتی تھی لیکن باپ کا پیار نہیں دے سکتی تھی۔ یہاں وہ بے بس تھی۔ اس نے سمجھ لیا تھا اس کا بچہ یتیم ہے۔ آخر یتیم بچے بھی تو پل ہی جاتے ہیں ناں......

''آپ کہاں تھے پاپا؟ مجھ سے کبھی ملنے کیوں نہیں آئے؟'' شیرو نے شہرام سے یونہی لپٹے ہوئے معصوم سا گلہ کیا۔ بچے ذہن میں آئے سوالات دل میں نہیں رکھ پاتے...... وہ مصلحت سے واقف نہیں ہوتے۔

''شیرو میرے بیٹے! پاپا امریکا گئے ہوئے تھے ناں۔ بہت سالوں بعد واپس آئے ہیں۔'' رامین نے آگے بڑھ کر شیرو کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بتایا۔

''اچھا......'' اس نے سمجھ کر سر ہلا دیا...... وہ ابھی چھوٹا تھا اسے کوئی بھی کہانی سنا کر مطمئن کیا جا سکتا تھا۔

''پاپا! اب آپ واپس امریکا تو نہیں جائیں گے ناں؟'' وہ بے قراری سے بولا۔ وہ کتنا ایکسائٹڈ ہو گیا تھا۔ شہرام کو بے اختیار اس معصوم بچے پر پیار آیا۔

''بالکل نہیں...... اب ہم اپنے گھر جائیں گے۔ ہم آپ کو یہاں سے لینے آئے ہیں۔'' شہرام نے پیار سے اس کے بھولے، بھولے گالوں کو تھپکا۔

''سچ! آپ دونوں مجھے یہاں سے لینے آئے ہیں، مما نے گھر لے لیا؟ مما نے بھی ہاسٹل چھوڑ دیا؟''

وہ بے انتہا خوشی سے بولا۔
''بالکل سچ......'' شہرام اسے خوش کیسے جا رہا تھا۔ شیرو کا چہرہ کھل اٹھا۔ اس کی روشن آنکھیں چمکنے لگیں......اس نے ماں کی طرف بانہیں پھیلا دیں۔
رامین نے اسے اٹھا لیا۔ وہ خوش تھا کہ اس کی ماں نے اپنا وعدہ پورا کیا، وہ پاپا کے ساتھ اسے یہاں سے لے جانے آئی ہے۔ اس نے ماں کو یہ بھی یاد نہیں دلایا کہ وہ تو ہمیشہ یہی کہتی تھی کہ اس کے کوئی پاپا نہیں ہیں، اس نے خوشی میں ماں کو اس جھوٹ کے لیے بھی معاف کر دیا تھا۔
''مما......پاپا آگئے ہیں......میں اب بہت خوش ہوں۔'' اس نے ماں کے ساتھ اپنی فیلنگز شیئر کیں۔
''ہاں بیٹا......اب ہمارے مشکل دن ختم ہو گئے ہیں اب ہم ہمیشہ خوش رہیں گے انشاء اللہ......!''
رامین کے چہرے پر اجلی کرن جیسی تابناک مسکراہٹ تھی۔
شہرام نے شیرو کے تمام ڈیوز کلیئر کیے اور باقی کے معاملات دیکھتا رہا۔ شیرو نے اپنے دوستوں کو خوشی سے بتایا کہ اس کے پاپا آگئے ہیں، وہ امریکا گئے ہوئے تھے۔ رامین بہت محبت سے اس کا جوش و خروش دیکھ رہی تھی۔ اس نے پہلے کبھی شیرو کو اتنا ایکسائٹڈ نہیں دیکھا تھا۔
رامین نے شیرو کا سامان پیک کیا، انتظامیہ سے ملی اور سب کا شکریہ ادا کیا۔ شیرو کا دوست عفان اسے چھوڑنے ہاسٹل کے گیٹ تک آیا تھا۔ اس نے شیرو کے کان میں کچھ کہا تھا۔
I am so happy for you'' Sherdill تمہارے پاپا آگئے، میں نے کہا تھا ناں کہ سب بچوں کے پاپا ہوتے ہیں، تم تو میری بات پر بلیو ہی نہیں کرتے تھے......اب دیکھا! تمہاری صرف مما ہی نہیں پاپا بھی ہیں۔'' عفان، شیرو کے کان میں کہہ رہا تھا، رامین نے آزردگی سے یہ سب سنا۔
''تم سچ کہتے تھے۔'' شیرو نے مسکرا کر جواباً اس کے کان میں کہا۔ رامین نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ تھاما اور وہ تینوں ہاسٹل سے باہر آگئے۔ شیرو کو یوں لگا جیسے قید سے رہا ہوا ہو۔
سرسبز وادی بھی مسکراتی ہوئی محسوس ہوئی۔ زندگی میں بہت سے ایسے موڑ آتے ہیں جب انسان نئے سرے سے زندگی کا آغاز کرتا ہے۔ سفید پروں والی تتلی نے اُن کا پیچھا کیا پھر ہوا کے جھونکوں کے ساتھ دوسری سمت اڑ گئی۔ رامین نے آنکھوں کی نمی دل میں اتار لی۔ آج کے دن وہ صرف خوش ہونا چاہتی تھی۔
وہ تینوں سبز راستوں سے گزرتے جا رہے تھے۔ شہرام کے کاندھے اور ہاتھ میں شیرو کے سامان والے بیگ تھے۔ آج اس وادی کا حسن بھی دوبالا تھا۔
''کچھ دیر یہاں ٹھہرتے ہیں......کتنے خوب صورت نظارے ہیں......یہاں چند سیلفیز (selfies) لینی چاہئیں......کیوں شیرو......ٹھیک ہے ناں!'' شہرام نے بیگ ایک طرف رکھ کر جیب سے موبائل نکال لیا۔
''او کے پاپا......'' شیرو نے فوراً پوز بنا لیا۔
رامین کو اس کی اس حرکت پر بے ساختہ ہنسی آگئی۔
''ذرا قریب ہو جائیں......تاکہ ایک اچھی سی سیلفی بنا لوں۔'' شہرام نے ایک ہاتھ سے شیرو کو اٹھا لیا اور دوسرے ہاتھ سے موبائل کیمرے کو فوکس کرتے ہوئے بولا۔
رامین بالکل اس کے کاندھے کے ساتھ آگئی۔
شہرام نے کئی تصویریں بنا لیں......وہ کچھ دیر سرسبز وادی میں یونہی گھومتے رہے......شیرو خوشی سے تتلیوں کے تعاقب میں بھاگتا دوڑتا رہا۔
رامین نے رنگ برنگے پھولوں کا ایک خوب صورت سا گلدستہ بنایا۔ شہرام نے کئی تصویریں بنائیں...... رامین آج ان خوب صورتیوں کو محسوس کر رہی تھی جو کسی ہم سفر کی ہمراہی میں نصیب ہوتی ہیں۔
''لگتا ہے آپ کو فوٹو گرافی کا کافی شوق ہے؟'' وہ اس کے موبائل میں تصویریں دیکھتے ہوئے بولی۔

"پہلے نہیں تھا، اب ہو گیا ہے۔" اس نے برجستہ کہا۔

"میں ان تصویروں کو ان لارج کرواؤں گی۔" وہ مسکراتے ہوئے ایک کے بعد دوسری تصویر دیکھ رہی تھی۔

"ضرور...... مگر کیا شادی سے پہلے ہی......؟" وہ شوخی سے مگر مدھم آواز میں بولا۔

"نہیں...... میرا مطلب ہے، آپ کے گھر میں یہ تصویریں بڑی کروا کے لگاؤں گی......" اس نے شرگیں انداز میں موبائل کی اسکرین کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"مطلب کہ شادی کے بعد کے ہیں یہ سارے پلانز......" وہ شرارت سے ہنسا۔

"مما، پاپا ہم تینوں نے فرسٹ ٹائم اکٹھے تصویریں بنوائی ہیں ناں......" شیرو شہرام کی گود میں بیٹھتے ہوئے مسکرا کر بولا۔ وہ تینوں ایک درخت کے سائے تلے بیٹھے تھے۔

"ہاں، بیٹا بس مجھے آنے میں اتنی دیر ہو گئی۔" شہرام نے اس کے بالوں پر پیار کرتے ہوئے کہا۔

"کوئی بات نہیں پاپا...... آپ واپس تو آ گئے ہیں ناں، دیر ہو گئی تو خیر ہے......" شیرو نے فراخ دلی کا مظاہرہ کیا۔ اس نے شہرام کے آنے کی خوشی میں ہر قسم کے قصور معاف کر ڈالے تھے۔

☆☆☆

تیمور بری طرح پریشان تھا۔ علیزہ سے کوئی رابطہ نہیں ہو پا رہا تھا۔ اس کا اور ممی کا موبائل مسلسل بند تھا۔

وہ جیولر کی دکان پر زیورات لینے گیا تو اسے یہ سن کر گہرا شاک لگا کہ علیزہ کی ممی کچھ دیر بعد ہی آ کر سارے زیورات پالش ہونے سے پہلے ہی لے گئی تھیں۔ اُن کے پاس اصل رسید جو تھی، تیمور نے متوحش انداز میں اپنی جیب سے رسید نکال کر دکاندار کو دکھائی اور یہ جان کر اس پر گویا بجلی گری کہ وہ رسید نقلی تھی۔

تیمور کو سمجھ نہیں آئی کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ علیزہ کی ممی سارے زیورات لے جا چکی تھیں اور اب اُن کا کچھ پتا نہیں تھا۔ وہ کلب بھی گیا مگر وہاں تو علیزہ کئی دنوں سے نہیں آئی تھی...... وہ پاگلوں کی طرح علیزہ کو ڈھونڈ رہا تھا، وہ تو کئی لاکھ روپے اسے بری کے کپڑوں اور ولیمے کے لہنگے کے لیے دے چکا تھا...... رشتے داروں، دوستوں، ملنے والوں کو سب کو پتا تھا کہ اگلے ہفتے اس کی شادی ہے۔ وہ ہراساں ہو گیا تھا۔ اس نے علیزہ کے گھر کے کئی چکر لگائے مگر گیٹ پر تالا لگا ہوا تھا۔

امی اور آپا بھی بری طرح پریشان تھیں۔ بھلا اچانک ایسا کیا ہو گیا تھا۔ تیمور غصے میں اس کے گھر کے باہر صبح سے شام تک بیٹھا رہا کہ کبھی تو کوئی آئے گا......شام ڈھلے ایک گاڑی گیٹ کے سامنے رکی...... ایک صاحب نے اتر کر گیٹ کھولا اور گاڑی اندر لے گئے۔ تیمور ان کے پیچھے لپکا۔

"بات سنیں......! آپ کون ہیں، مجھے علیزہ اور مسز منصور سے ملنا ہے۔" تیمور تیزی سے ان صاحب کے پاس آتے ہوئے بڑی بے چینی سے بولا۔

"کون علیزہ اور مسز منصور؟" وہ صاحب حیرانی سے بولے۔

"جن لوگوں کا یہ گھر ہے، انہی لوگوں کے بارے میں پوچھ رہا ہوں۔" تیمور نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا اس کا دل ڈوب رہا تھا۔

"دیکھیے...... یہ کوٹھی تو لوگ مختلف چیزوں کے لیے رینٹ پر لیتے ہیں، زیادہ تر ٹی وی والے اور پرائیویٹ پروڈکشن والے اس کے کلائنٹس ہیں۔" اس آدمی نے سنجیدگی سے بتایا۔

تیمور شاک کے عالم میں بے یقینی سے یہ سب سنتا رہا۔ وہ اپنی جگہ پر فریز ہو گیا تھا...... یہ کیا ہو رہا تھا اس کے ساتھ...... اور کیوں ہو رہا تھا۔ شادی میں ایک ہفتہ رہ گیا تھا۔ اور یہ کوٹھی بھی کسی اور کی نکلی تھی، تیمور کی حالت دیوانوں جیسی ہو گئی۔

اس کا دل یہ ماننے سے انکاری تھا کہ علیزہ نے اسے دھوکا دیا ہے۔ بھلا علیزہ ایسا کیوں کرے گی...... وہ تو اس سے بہت محبت کرتی تھی۔ وہ نڈھال انداز میں اپنے گھر پہنچا...... اس کے گھر والے بھی گھرے

صدمے سے دوچار تھے۔

علیزہ اور ممی اسے اپنی جھوٹی شان و شوکت اور کھوکھلے وعدوں سے بہلاتی رہی تھیں اور ان کا لالچی دل متاثر ہوتا گیا۔

اس نے اپنے دوست آصف کو تلاش کیا، جس نے تیمور کو علیزہ کے بارے میں بتایا تھا اور بڑے قصیدے پڑھے تھے کہ یہ علیزہ منصور ہے، ہماری پرانی اسکول فیلو، بہت بڑے بزنس مین منصور بلڈرز والوں کی بیٹی۔

تیمور کو معلوم ہوا کہ آصف تو دو دن پہلے ہی امریکا چلا گیا۔ اس کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔

کیا یہ سب کوئی ماسٹر پلان تھا...... کتنے لوگ اس میں شامل تھے۔ اس کا ماسٹر مائنڈ کون تھا۔ اسے کیوں بے وقوف بنایا گیا۔ وہ بالکل ڈھے گیا...... ٹوٹ گیا...... انسان یونہی خاموشی سے ٹوٹ جایا کرتے ہیں کہ توڑنے والے کو پتا بھی نہیں چلتا...... وہ تباہ و برباد ہوگیا تھا، اب لوگوں میں اس کی ہنسی اڑنے والی تھی، وہ یہ بدنامی کیسے سہہ پائے گا۔ اس کا ذہن ماؤف ہوگیا۔

امی اور آپا کا رو، رو کر برا حال تھا۔ غصے سے امی کا بی پی شوٹ کر گیا۔ تیمور فکر مند ہوگیا کہ کہیں ان کی طبیعت زیادہ نہ خراب ہو جائے۔

''ہائے میرے خالص سونے اور کندن کے اتنے قیمتی زیورات چلے گئے۔ ہمیں ان دونوں ماں بیٹی نے لوٹ لیا۔ لاکھوں روپے کا نقصان ہوگیا۔ میں نے تم لوگوں کو پہلے ہی منع کیا تھا کہ میرے زیور ان کے حوالے نہ کرو...... مگر تم لوگوں نے میری بات ہی نہیں مانی...... اب دیکھ لیا ناں...... ارے اتنا نقصان کیسے پورا ہوگا۔'' غم و غصے سے امی کی آواز پھٹ گئی۔ تیمور کی حالت نیم دیوانے جیسی ہوگئی تھی۔ وہ سرخ آنکھوں کے ساتھ ضبط کیے بیٹھا تھا۔

''اب ہم لوگوں کو کیا جواب دیں گے جن کے سامنے تیمور کی سسرال کے قصیدے پڑھ رکھے ہیں، اب تو ہمیں سب سے معذرت کرنی پڑے گی......

ہائے...... لوگ کیا، کیا باتیں نہیں کریں گے۔'' آپا نے ہاتھ ملتے ہوئے شدید پریشانی سے کہا۔

''ارے...... کیا لوٹنے کے لیے ہمارا ہی گھر ملا تھا انہیں اتنا بڑا دھوکا، اتنا بڑا فراڈ کیوں کیا ان دونوں چلتر عورتوں نے...... ہمارا اتنا پیسہ خرچ ہوا...... بیٹی، بیٹی کہتے ہوئے زبان نہیں سوکھتی تھی میری۔ ہمیشہ انہیں سر آنکھوں پر بٹھایا، خاطریں کیں، تو کیا یہی صلہ ملنا تھا۔'' امی کا غم کم نہیں ہو رہا تھا۔ وہ باقاعدہ بین کر رہی تھیں۔

''یہی تو سمجھ میں نہیں آرہا کہ اگر انہیں کسی کو لوٹنا ہی تھا تو کسی امیر کبیر آدمی کو اپنے جال میں پھنساتیں...... مجھ جیسے مڈل کلاس آدمی کو کیوں پھنسایا...... میری کون سی ان کے ساتھ کوئی پرانی دشمنی تھی۔'' تیمور نے شکستہ لہجے میں کہا وہ اس وقت خود کو دنیا کا بدقسمت ترین انسان سمجھ رہا تھا...... قسمت کا ہُما ہمیشہ ایک ہی سر پر تو نہیں بیٹھا رہتا ناں۔

''ارے تم تو ایسے اس لڑکی کی محبت میں اندھے ہوئے کہ کسی اور چیز کی سدھ بدھ ہی نہیں رہی...... تمہارے اس عشق نے ہم لوگوں کو برباد کر ڈالا۔'' امی نے دہائی دی اور قہر آلود نظروں سے تیمور کو دیکھا گویا وہی اصل قصوار ہو۔

''ایسی عورتوں کو مڈل کلاس یا اپر کلاس سے خاص فرق نہیں پڑتا...... انہیں تو بس لوٹنے کے لیے کوئی فنکار چاہیے ہوتا ہے۔'' آپا نے ہاتھ ہلا کر ترشی سے کہا۔

''مجھے یقین نہیں آتا کہ تم اتنے عقل کے اندھے ہو سکتے ہو کہ تمہیں سچ اور جھوٹ میں کبھی فرق ہی نہیں پتا چل سکا۔ کبھی تو تمہیں ان دونوں کی نیت پر شک ہوا ہوگا...... کبھی تو تم نے کوئی ایسی بات دیکھی ہوگی۔'' امی کو اب سارا غصہ تیمور پر ہی نکالنا تھا۔ یہ سب کچھ اس کی ہی بے وقوفی کا نتیجہ جو تھا، ان کی آنکھوں سے آگ برس رہی تھی۔

''ہاں...... پہلی بار جب علیزہ نے مجھے پروپوز کیا...... تو مجھے تھوڑا عجیب لگا تھا...... مگر میں سمجھا شاید یہ اپر کلاس کی لڑکیوں کا کانفیڈنس ہوتا ہے اور پھر......

جب ہم جیولر شاپ سے نکل کر گاڑی کی طرف آئے تھے تو مجھے وہاں کھڑے ایک آدمی پر شک ہوا تھا...... اس کی گاڑی علیزہ کی گاڑی کے ساتھ ہی کھڑی تھی، وہ کوئی جانا پہچانا سا چہرہ تھا مگر مجھے یاد نہیں آیا کہ اسے کب اور کہاں دیکھا تھا......'' تیمور نے سوچ کو ٹوٹے بکھرے لہجے میں بتایا۔

''ارے پورا گینگ ہوگا اُن لوگوں کا...... وہ بندہ وہاں نگرانی کر رہا ہوگا...... ہائے شکر ہے کہ ہماری جانوں کو انہوں نے کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔'' امی نے اپنا دل تھام لیا۔ شدید ٹینشن کی وجہ سے ان کے دماغ کی رگیں تن گئی تھیں۔

''ہاں مجھے ایسا ہی لگ رہا تھا کہ وہ بندہ وہاں کسی مشکوک کارروائی کے لیے آیا تھا۔'' تیمور نے تھکے، تھکے انداز میں کہا۔

''امی...... اس میں تیمور بیچارے کا کوئی قصور نہیں ہے، ہم بھی تو ان عورتوں کے فریب میں آ ہی گئے تھے...... بس سب قسمت کی بات ہے۔'' آپا شدید آزردہ تھیں۔

''ہاں، بس اب قسمت کو ہی الزام دیتے رہو۔'' امی جلے بھنے انداز میں بولیں، ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ کیا کر ڈالیں۔

تیمور سرخ آنکھوں کے ساتھ اپنے خالی ہاتھوں کی لکیروں کو دیکھتا رہا...... سب ہی ابھی تک صدمے کے زیرِ اثر تھے۔

☆☆☆

شہرام اور رامین، شیرو کے ساتھ مری سے اسلام آباد گڑیا کے گھر آئے، احمر بھی وہیں آ گیا تھا۔ گڑیا نے ان لوگوں کا پُرتپاک استقبال کیا اور شیرو کو خوب پیار کیا۔ گڑیا کے چہرے پر اِک انوکھی خوشی تھی...... احمر نے شہرام کو دوکٹری کا نشان دکھایا۔

گڑیا نے چائے کے لوازمات سے میز بھر دی۔ ماحول بے حد خوشگوار تھا۔ یہ سب لوگ ہلکی پھلکی باتوں کے دوران چائے پی رہے تھے۔

''آپ کا اصل نام کیا ہے؟ رامین تو آپ کو گڑیا باجی ہی کہتی ہے؟'' شہرام نے چائے پیتے ہوئے مسکراتے ہوئے گڑیا سے پوچھا۔

''صرف رامین ہی نہیں، میں بھی اسے گڑیا ہی کہتا ہوں۔'' احمر نے قہقہہ لگایا، رامین بھی مسکرا دی۔

یہ مڈل کلاس کے گھر کا سٹنگ روم تھا، ایک دیوار کے ساتھ صوفے لگے ہوئے تھے۔ جن پر یہ سب لوگ براجمان تھے۔ صوفوں کے آگے اور کمرے کے وسط میں بڑی سی میز رکھی تھی جس پر چائے اور دیگر لوازمات رکھے تھے۔ دوسری دیوار کے ساتھ آگے ایک تخت بچھا ہوا تھا جس پر معمولی سے کپڑے کا تخت پوش بچھا تھا۔

''چاند بھائی! مجھے بھی آپ کا اصل نام نہیں پتا تھا، گڑیا باجی آپ کو چاند ہی کہتی ہیں ناں......!'' رامین نے شیرو کو سموسہ کھلاتے ہوئے خوش دلی سے کہا۔

''بس ہم بچپن سے ہی ایک دوسرے کو نک نیم سے بلاتے ہیں، گڑیا اور چاند......'' احمر پلیٹ میں کیچپ ڈالتے ہوئے مسکرایا۔

''واہ......! بچپن کا پیار......'' شہرام نے احمر کو ٹھوکا مارا۔ ''ہم تو بچپن میں پڑھائی اور کھیل کود میں ہی مصروف رہے اور تم نے تو بچپن میں ہی بڑے، بڑے کارنامے کر لیے۔'' اس نے احمر کے کان میں سرگوشی کی۔

''ہاں! یہ محبت تب سے شروع ہوئی، جب میں گڑیا سے میٹرک کی ٹیوشن پڑھتا تھا...... گڑیا صاحبہ مجھ سے دو سال سینئر تھیں۔'' احمر ہنستے ہوئے بولا۔

گڑیا مسکرا کر سب کو مختلف چیزیں سرو کر رہی تھی۔

''ہاں تو میں پوچھ رہا تھا کہ مس گڑیا کا اصل نام کیا ہے؟'' شہرام نے کیک کھاتے ہوئے ایک بار پھر سوال دُہرایا۔

''میرا اصل نام علیزہ ہے...... علیزہ منصور......'' گڑیا نے مسکراتے ہوئے پُراعتماد انداز میں اپنا نام بتایا۔ اس کی مسکراہٹ، بارش میں کھلتے پھولوں جیسی دلفریب تھی۔

(باقی آئندہ)



عید مبارک

غزالہ فرخ

زرش پاؤں، پاؤں چلنے لگی تھی۔ میری نظر ذرا ادھر اُدھر ہوتی تو کبھی پانی میں گھس جاتی اور کبھی توڑ پھوڑ میں مصروف ہو جاتی۔ میں صبح سے اس کے پیچھے تھی ابھی الماری سے کپڑے نکال کر پھینک دینے پر چلّا رہی تھی کہ وہ استری اسٹینڈ کے نیچے گھس کر بجلی کے سوئچ کو ہاتھ لگانے لگی، میں تیزی سے آگے بڑھی اور یک دم اس کے نرم سے رخسار پر تھپڑ جڑ دیا۔ اس کے روئی کے گالے جیسے نرم رخسار پر میرے ہاتھ کا وہ لمس...... ننھی زرش کو حیران تو کر

ہی گیا۔ میں خود بھی ایک دم حواس باختہ سی ہوگئی۔ وہ میری جان تھی، میری زندگی، میری زندگی کا حاصل، دل میں دکھ کا احساس جاگا، بچی کو گود میں لے کر اس کا سر سہلایا ماں کی توجہ پا کر وہ اور بھی زور زور سے رونے لگی...... اسے گود میں لے کر پچکارا، پیار کیا۔ بچی تھی جلد ہی بھول گئی اور پھر سے انہی تخریبی کاموں میں مصروف ہوگئی ...مگر میرا ذہن آزاد نہیں ہوا وہ الجھ سا گیا تھا جیسے کسی باریک سی گرہ نے اسے جکڑ لیا تھا، رات خزیم آگئے تو میں کچھ الجھی سی تھی۔ ان کو کھانا دیا کھانے کے بعد وہ ادرک کا قہوہ پیتے تھے، سب کچھ کیا مگر ایسے لگتا تھا جیسے میں اپنے حواس میں نہ تھی۔

''کیا بات ہے نور۔''

''کیا ہوا؟'' میں چونک گئی۔

''یوں لگتا ہے جیسے نیند میں چل رہی ہو، ٹھیک تو ہو ناں۔''

''خزیم آج میں نے زرش کو تھپڑ جڑ دیا۔ اصل میں وہ رک ہی نہیں رہی تھی۔ سوئچ میں انگلی دینے لگی تو......''

''تو اچھا کیا ناں...... تم ماں ہو تو ہر غلط شے سے بچانا تمہارا فرض ہے اور......'' کھوئی کھوئی تو پہلے ہی تھی ان الفاظ نے تو جیسے میرے اعصاب کو شکستہ سا کر ڈالا۔ رات خزیم سو گئے، زرش بھی تھک سی گئی تھی وہ بھی جلد ہی سو گئی مگر میں اپنی یادوں کے صحرا میں تنہا رہ گئی۔

☆☆☆

جب ابو جی میرے تعلیمی اخراجات برداشت کرنے میں بے بس سے ہوگئے تو میں نے خود میدانِ عمل میں اترنے کا فیصلہ کرلیا، ابو جی کو تو میں نے اپنے تئیں مطمئن کردیا، بھلا میرے پیارے ابو جی میری تعلیم کے بارے میں کیسے کوئی انا کا سوال بنا کر غلط فیصلے پر اڑے رہتے مگر مسئلہ جاب ڈھونڈنے کا تھا۔ ابھی میں خود انڈر گریجویٹ تھی زیادہ سے زیادہ ٹیوشنز ہی پڑھا پاتی مگر اس غریب محلے میں بھلا کون بچوں کو پڑھواتا...... مگر اللہ کی ذات بڑی رحیم ہے۔ اسی نے راہ سجھادی۔ ہمارے محلے سے ہٹ کر مالی لحاظ سے ذرا بہتر آبادی تھی، گھر بھی خوب صورت تھے اور مکیں بھی پڑھے لکھے اور باوقار...... خزیم سے پہلی ملاقات پر میں بہت گھبرا رہی تھی، ان کی بیوی ان کا ساتھ چھوڑ گئی تھی۔ ایک سات سالہ بیٹی تھی روما...... ماں کی کمی نے اسے خاموش سا کردیا تھا۔ سہمی ہوئی معصوم سی بچی تھی۔ اسکول میں بھی کسی سے دوستی نہ تھی اور گھر میں بھی دبی سی رہتی۔

ہمارے ساتھ والی خالہ کا بیٹا شفقت رکشا ڈرائیور تھا۔ وہ صبح بچوں کو اسکول چھوڑنے اور واپس لانے والی ڈیوٹی کرتا تھا۔ اصل میں شفقت نے ہی میرے لیے یہ نوکری تلاش کی تھی۔ خزیم بہت اچھی جاب پر تھے۔ روپے پیسے کا کوئی مسئلہ نہیں تھا بس بیٹی کی تنہائی کا احساس انہیں بے چین کیے ہوئے تھا۔ وہ رومانہ کے لیے ایک استانی چاہتے تھے اور ایک رفیق بھی...... گھر میں کام کرنے کے لیے آیا جی تھیں اور دو ملازم اور بھی...... وہ خود دفتر سے دیر سے لوٹتے۔ اس گھر میں نوکری کرنے میں مجھے کوئی دقت نہیں ہوئی، رومانہ پڑھائی میں کمزور نہ تھی بس اسے ایک کمپنی کی ضرورت تھی اور وہ اپنا ہوم ورک جلد ہی مکمل کرلیتی۔ اس کے بعد بھی میں کافی وقت اس کے ساتھ بتاتی۔ اپنی کتابیں ساتھ لے جاتی اور وقت ملتا تو اپنی پڑھائی بھی کرلیتی۔ سہ پہر کی چائے اور اس کے ساتھ اسنیکس میں ہی رومانہ کو دیتی۔ آیا جی بھی خوش تھیں اور رومانہ کے پاپا بھی مطمئن...... میرا ان سے سامنا کم ہی ہوتا مگر جب بھی ملاقات ہوتی وہ بڑی تعظیم سے پیش آتے۔

''رومانہ احساسِ محرومی کا شکار ہو چکی تھی نور جی! مگر میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ سے ملنے کے بعد اس کا اعتماد لوٹ رہا ہے، وہ مجھ سے کوئی مطالبہ کوئی ضد نہیں کرتی تھی مگر اب وہ زندگی کی طرف واپس لوٹ رہی ہے۔'' وہ خوش تھے اور میں تو بہت خوش...... تنخواہ بہت معقول تھی۔ میرے تعلیمی اخراجات پورے ہونے کے بعد بھی مناسب رقم بچ جاتی...... ابو جی میری سیلری کا ایک روپیہ بھی خرچ نہ کرتے بقایا رقم سے میں اپنے لیے کچھ لے لیتی۔ میرا کپڑا، جوتی بہتر ہوگیا تھا۔ زندگی ایک اچھی ڈگر پر چل رہی تھی مگر ایک دن عجیب سا واقعہ ہوا۔

ساتھ والی خالہ شفقت اپنے بیٹے کے لیے میرا رشتہ لے کر امی جان کے پاس آگئیں۔ دونوں بھائی چھوٹے تھے، میں ہی بڑی تھی، امی جان میرے لیے پریشان

رہتیں۔ خالہ جان نے مدعا بیان کیا تو امی پل بھر کے لیے خاموش ہوگئیں۔

''نور تو ابھی پڑھ رہی ہے بہن۔''

''تو میں کون سا ہتھیلی پر سرسوں جمانے کا کہہ رہی ہوں بس نشانی ڈال لیتے ہیں۔ شادی جب تم کہوگی۔''

امی جان سوچ میں پڑ گئیں اور ذرا دور بیٹھی میں تو سناٹے میں آگئی۔ میں نے ابھی اس نہج پر سوچا بھی نہیں تھا۔ مجھے کتابوں سے عشق تھا ابھی تک میرے دل و دماغ پر کسی خیالی پیکر کا سایہ بھی نہیں تھا۔

امی جان نے پتا نہیں خالہ جان کو کیا جواب دیا۔ مجھے سمجھ نہیں آیا مگر رات کو میں الرٹ ہوگئی۔ مجھے رات کو پڑھنا ہوتا تھا اسی لیے مجھے دوسرے کمرے میں شفٹ کیا گیا تھا۔ دونوں بھائی امی، ابو کے کمرے میں سوتے تھے مگر اس شب میں جانتی تھی کہ امی اب ابو سے یہ معاملہ ڈسکس کریں گی تبھی تو میں ان کے کمرے کے باہر ہی کتابیں لے کر بیٹھنے کا سوچنے لگی مگر امی جان نے کمرے کے اندر جانے کا انتظار نہیں کیا۔ کھانا کھاتے ہی یہ معاملہ پیش کر دیا۔

''مگر نور تو ابھی پڑھ رہی ہے۔''

''انہیں شادی کی جلدی نہیں ہے بس وہ یہ کام پکا کرنا چاہتے ہیں، لڑکا محنتی اور شریف ہے، گھر بھی ذاتی ہے اور رکشا بھی اس کا اپنا ہے، بھائی صاحب گھر بھر کا خرچ خود چلاتے ہیں۔ شفقت پر گھر کا کوئی بوجھ نہیں۔''

امی جان اس رشتے کی مثبت باتیں بیان کر رہی تھیں۔ ابو جان چند ثانیے خاموش رہے پھر گہری اور ٹھنڈی سانس بھری۔

''ہمارے جیسا گھر، وہی ماحول، اتنی ہی آمدنی، میری شہزادی جیسی بیٹی کے لیے اس سے بہتر......''

'' اس سے بہتر کہاں سے آئے گا نور کے ابو...... نیک شریف گھرانا ہے عمر بیت گئی ان کے ساتھ کوئی غلط بات نہیں دیکھی۔''

''چلیں دیکھیں گے۔'' ابو جی نے وقت گزارنے کے لیے کہا۔ سچ پوچھیں تو میرے اپنے خیالات ایسے ہی تھے بظاہر اس رشتے میں کوئی ابہام کوئی کمی نظر نہیں آتی تھی مگر اس سے بہتر......؟ میں اپنی سوچوں میں گم ہوئی اور پھر سوگئی۔

رات نیند میں بھی یوں لگا جیسے کسی بڑے برآمدے اور کھلے باغیچے کے گھر میں گھومتی رہی...... گھر اچھا تھا سجا ہوا ہر ضرورت زندگی سے آراستہ...... پورچ میں گاڑی بھی تھی اور...... مگر اس گھر والے کا چہرہ...... تو کیا ہلکا سا پرتو بھی کہیں نظر نہیں آیا۔ اگلی صبح اٹھی تو ذہن پراگندہ سا تھا۔

روما کے گھر جانے کے لیے چادر اوڑھ کر باہر نکلی تو گلی کے نکڑ پر شفقت نظر آ گیا۔ بچپن سنگ گزرا تھا نہ کوئی جھجک نہ شرم مگر آج میں اس سے کترا کر گزرنے لگی تو وہ خود ہی قریب آ گیا۔

''نور چھوڑ آؤں تمہیں، آج ادھر قریب کی سواری مل گئی سوچا یہاں تک آیا ہوں تو گھر سے کھانا کھاتا جاؤں۔''

''میں چلی جاؤں گی خود ہی۔''

''چلو اتنا قریب بھی نہیں ہے، روز ٹانگیں تھکا کر جاتی ہو آج میں آ ہی گیا ہوں تو چلو۔'' اس کا لہجہ بڑا ہی سادہ اور نرم سا تھا۔ میں رکشے میں بیٹھ گئی۔ ایک لمبی سی سڑک تھی اور اس کے اختتام پر وہ آبادی شروع ہوتی تھی۔ رکشا جھٹکے سے رکا اور میں باہر آگئی۔

میں نے ایک پل اس پر نظر ڈالی، عام سے نقوش والی بالکل عام سی شکل تھی مگر چہرے پر نرمی تھی۔ تعلیم تو اس نے میٹرک تک حاصل کی تھی مگر گفتگو بہت مؤدب ہو کر کرتا۔ اسی کے خیالوں میں مگن چل رہی تھی کہ آنے والی شخصیت سے ٹکرا گئی۔ وہ خزیمہ تھے، مجھے یوں بدحواس سا دیکھ کر مسکرا دیے۔

''کیا ہوا نور جی؟''

''سوری...... سر بس جانے کس خیال میں تھی۔''

''آج آپ کو فضول کا چکر لگا! روما کو آج ان کی نانی جان لے گئیں دو روز اُدھر رہے گی آپ کا کانٹیکٹ نمبر نہ تھا ورنہ آپ کو......''

''کوئی بات نہیں جی۔'' میں بات کر رہی تھی اور میری نظر سامنے تھی، پورچ میں گاڑی کھڑی تھی اور بڑا

سا باغ اور آگے بڑھ کر طویل و عریض سا برآمدہ..... یوں لگا کہ میرا خواب حقیقت کا روپ ڈھال کر میرے سامنے آگیا۔

''میں آپ کو ڈراپ کر آتا ہوں۔''

تھوڑی سی حیل و حجت کے بعد میں ان کی گاڑی میں بیٹھ گئی۔ شفقت ابھی تک گلی کے نکڑ پر ہی تھا مجھے یوں گاڑی کی فرنٹ سیٹ سے برآمد ہوتا دیکھا تو ایک تاریک سا سایہ اس کے چہرے پر لہرایا۔ میں نے چادر سر پر جمائی اور اپنے گھر کی طرف چل دی۔

تین دن ٹیوشن سے چھٹی رہی، میرے پاس سوچنے کا کافی ٹائم تھا مگر میں کسی بھی نتیجے پر نہیں پہنچ پائی۔ خالہ جان معمول کے مطابق روزانہ آتیں، پتا نہیں امی جان سے کیا بات ہوئی، میں نے سننے کی کوشش نہیں کی بلکہ وہاں سے ہٹ جاتی۔

تین روز کے بعد رومہ واپس آئی تو اس کے ساتھ اس کی نانی بھی تھیں۔

''تو تم نور ہو۔''

اتنے غور سے میرا چہرہ دیکھا کہ میں گڑبڑا گئی۔

''اپنے نام جیسی ہی ہو اجلی سی روشن سا چہرہ۔'' میرے گال تپ گئے۔

''رومہ ماں کے بچھڑ جانے کے بعد پہلی دفعہ مجھے خوش اور نارمل لگی..... پہلی دفعہ اس نے کھانے میں اپنی پسند، اپنی رائے دی، ورنہ یہ تو مٹی کا مادھو سی ہوگئی تھی.....'' وہ ذرا توقف کے بعد ہنس دیں۔ ''بلکہ آج تو کچن والی اماں سے لڑ پڑی کہ اس نے نمک زیادہ ڈال دیا۔''

''رومہ اچھی بچی ہے میڈم، پڑھائی میں بھی اچھی ہے بس ذرا محرومی کا احساس تھا۔ میں نے اس پر مکمل توجہ دی ہے اور.....''

''ہوں.....'' انہوں نے ایک لمبا سا ہنکارا بھرا۔

''آج رات میں یہیں رہوں گی۔ مجھے خزیم سے ذرا دو ٹوک بات کرنی ہے، اس کے بعد میں تم سے ملوں گی۔''

''جی۔'' میں کچھ نہیں سمجھی، بس یونہی اثبات میں سر ہلا دیا۔ رومہ کی نانی اماں ایک دن کے بجائے تین دن وہاں رہیں، میں اپنے وقت پر جاتی، وہ کرسی بچھا کر پاس بیٹھ جاتیں، مجھے یوں لگتا کہ اس تمام وقت میں ان کی نگاہیں میرے وجود پر مرتکز رہتیں..... میں ذرا کانشس سی ہو جاتی..... تیسرے روز خزیم بھی نظر آئے، جانے کیوں مجھے نظریں جھکائے جھینپے سے لگے، ہر عورت کے اندر اللہ تعالیٰ نے ایک خاص حس عطا کی ہوتی ہے۔ بس اسی خاص حس نے مجھے جیسے خبردار سا کر دیا تھا کہ کچھ مختلف کچھ انہونی سی ہونے والی ہے۔ جب رومہ کی نانی نے امی جان سے ملنے کی خواہش ظاہر کی تو میں لرز گئی۔ زندگی کا عجب سا موڑ تھا میں تو سرتاپا سوال سی بن کر رہ گئی تھی۔

امی جان اور ابو سر جوڑ کر بیٹھے تھے۔ ابو خوش لگ رہے تھے اور امی، پریشان..... اور جس لمحے سے میں ڈر رہی تھی وہ آہی گیا۔ اب جواب مجھے دینا تھا، رومہ کی نانی اماں، خزیم کو بدقت تمام راضی کر پائی تھیں کہ اس گھر کو ایک سمجھ دار خاتون کی ضرورت ہے اور رومہ کو ایک پیار کرنے والی ہستی کی..... اور یہ تمام خصوصیات رومہ کی نانی جان کو بیس سال کی دھان پان سی لڑکی میں نظر آئیں کہ وہ میری طلبگار بن کر آگئیں۔

میں عجب سے دوراہے پر آن کھڑی ہوئی تھی اگر میرا انتخاب شفقت ہوتا تو..... اور اگر خزیم.....

''آپ اپنی نازک سی بچی کس جنجال میں پھنسانا چاہتے ہیں، شادی شدہ مرد اور ایک بچی کا ساتھ وہ کس طرح یہ سب کر پائے گی۔'' امی جان رو دینے کو تھیں۔

''نور بیٹی کو وہاں جاتے ایک برس گزر گیا ہے، وہ سب سمجھ گئی ہے آسانی سے اس گھر میں ایڈجسٹ کر لے گی وہاں۔ اگر خوشیاں اور فراوانی نور کے دروازے پر دستک دے رہی ہے تو ہم کیوں دروازہ مقفل کر کے بیٹھ جائیں۔''

''شفقت جوان ہے، لڑکیاں اپنے لیے ایسی ہی عمر کے شریک حیات کی طلبگار ہوتی ہیں، خزیم صاحب لاکھ امیر اور اچھی جاب پر سہی مگر.....''

ان دونوں کے مباحثے نے بھی میرے ذہن کا خلفشار کم نہیں کیا۔ میں رومہ کے گھر جانا نہیں چاہ رہی

تھی...... وو دن گزر گئے۔ روما کے سالانہ امتحان تھے اور ایک برس کی محنت کا پھل ملنے والا تھا۔ ان دنوں اسے میری ضرورت تھی۔ میں تمام باتوں کو بالائے طاق رکھ کر چل دی۔

ہاں وہ روما ہی تھی جو اونچی آواز میں چلّا رہی تھی۔

''میں کہہ رہی ہوں فوراً آنٹی کو بلائیں، میں دودھ نہیں پیوں گی...... میں پڑھوں گی بھی نہیں...... اس گھر میں کوئی میری بات نہیں سنتا۔'' انہی ملازموں اور آپا جی کے سامنے وہ یوں بھیگی بلی سی بنی رہتی تھی جن پر اب بری طرح برس رہی تھی۔ میں ایک دم سامنے آ گئی اور بے ساختگی سے بازو وا کر لیے وہ ایک منٹ کو ٹھٹکی، مجھے سامنے پا کر اس کی آنکھوں میں قہقہے سے جل اٹھے اور وہ میرے بازوؤں میں سما گئی۔

میرے الجھے ذہن اور میرے گھر والوں کو میرا جواب مل گیا تھا۔

میری سپید نازک ہتھیلیوں پر خزیم کے نام کی مہندی لگا دی گئی اور میں بہت سادگی سے اپنے پی کے گھر سدھار گئی۔

سادگی کا یہ سارا عمل ہمارے لیے روا رکھا گیا۔ خزیم کی طرف سے کسی شے کی کمی نہ کی گئی تھی۔ اتنے خوب صورت ملبوسات اور زیورات تھے کہ میں گنگ سی رہ گئی تھی۔ خزیم خوش تھے اور روما کی نانی اماں کی آنکھیں اپنی بیٹی کو یاد کر کے اشکبار تھیں۔ عظیم عورت تھیں کہ اپنے ہاتھوں سے اپنی بیٹی کا گھر اور ساری گرہستی میرے سپرد کر رہی تھیں۔ ابو نے بہت اصرار کیا مگر وہ میری گریجویشن تک رکنے کے لیے تیار نہیں تھیں۔

''وہ بچی اپنی تعلیم کا سلسلہ جاری رکھے، یہاں اسے کوئی تکلیف نہ ہو گی اور آسانی سے پڑھائی مکمل کر لے گی۔ چند ماہ تو رہ گئے ہیں۔'' اور واقعی ایسا ہی ہو رہا تھا۔ خزیم خاموش طبیعت کے انسان تھے۔ بس ضروری بات کرتے ورنہ اپنے لیپ ٹاپ میں مصروف ہو جاتے اور ان کی باتوں کا محور بھی بس روما کی ذات تھی۔ میں جانتی تھی روما کی وجہ سے ہی میں اس گھر میں لائی گئی ہوں پھر بھی کسی وقت دل پر بڑی کاری ضرب لگتی...... روما میری سنگت میں خوش تھی اور اسی خوشی میں میرے مجازی خدا میرے قدر دان ہو گئے تھے۔

روما میں تبدیلی تو آ گئی تھی وہ اب کسی آزاد پنچھی کی طرح اڑتی پھرتی...... خوب صورت رنگ تتلی کی طرح گھومتی پھرتی...... میں نے بھی روما کو ہی اپنی زندگی کا مرکز جان لیا تھا۔

☆☆☆

آپا جی کی بیٹی کچھ دن رہنے کو آئی تھی اس کے ساتھ اس کا ایک بیٹا بھی تھا، عثمان جو روما کے ساتھ مل کر کھیلنا چاہتا مگر وہ اڑ جاتی...... بڑی مشکلوں سے وہ عثمان کے ساتھ کھیل پر آمادہ تو ہو گئی مگر اس بیچارے سے نادانستگی میں گیند روما کے کندھے پر آن لگی۔

روما پہلے تو خوب روئی پھر جھنجلا کر عثمان پر لپکی اور اس کے چہرے پر تھپڑ دے مارا، اس کے ناخن عثمان کے رخسار کو لگے تو وہاں ہلکے سے زخم ہو گئے، بچہ تھا.... بے چین ہو کر رو دیا۔ آپا جی خود تو ہمت نہ کر پائیں معاملہ میری عدالت میں آیا۔

روما کا غصہ بجا نہ تھا اور یوں بھی اس نے عثمان کے ساتھ زیادتی کی تھی، آپا جی میری طرف انصاف طلب نگاہوں سے تک رہی تھیں مگر میں نے روما کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اس کا کندھا دبایا۔

''میری بیٹی کو بہت درد ہو رہا ہے'' لاؤ میں دبا دوں، عثمان بہت گندا ہے، آپ کو مارتا ہے، رات پاپا آئیں گے تو ان سے بھی شکایت کریں گے۔''

میری بات پر روما مسکرا دی، کاندھے کا درد بھی منٹوں میں رفو چکر ہو گیا اور آپا جی مایوس ہو کر چل دیں۔

زندگی اسی ڈگر پر چلے جا رہی تھی۔ خزیم کے ساتھ زندگی کا یہ سفر بڑی ہم آہنگی اور سکون سے رواں دواں تھا۔ مجھے کسی قسم کی روک ٹوک نہ تھی۔ میں جب چاہتی امی جان کے گھر جا سکتی یا جو بھی میرا جی چاہتا وہی کرتی۔ روما کو میری اتنی عادت ہو گئی تھی کہ وہ

مجھے ایک پل بھی خود سے جدا نہ کرتی۔

اس روز بھی میں امی جان کی طرف جانے کو تیار ہو رہی تھی کہ وہ چلی آئی۔

''ماما آپ کہاں جا رہی ہیں۔''

''آپ کی ماما اپنی ماما سے ملنے جا رہی ہیں۔'' میں نے بشاشت سے جواب دیا۔

''مگر کیوں؟'' وہ ٹھٹک کر بولی۔

''کیونکہ میں انہیں مس کر رہی ہوں۔''

''اور جو میں آپ کو مس کروں گی۔''

''لو بھلا میں کوئی رہنے جا رہی ہوں وہاں، چند گھنٹوں میں لوٹ آؤں گی...... اچھا چلو تم بھی میرے ساتھ چلو۔''

''نہیں، نہیں......'' وہ یک دم کہہ اٹھی پھر ذرا رک گئی۔

''اصل میں میرا ہوم ورک ہے ناں، میں وہ کروں گی۔'' میں جانتی تھی وہ اپنی نفیس طبیعت کے باعث اس محلے اور گھر میں جانا پسند نہیں کرتی۔ میرے بھائیوں سے بھی ناپسندیدگی کا اظہار کرتی تھی تبھی تو وہ وہاں جانا پسند نہیں کرتی تھی۔

''میں جلد ہی لوٹ آؤں گی پیاری روما۔''

''نہیں...... آپ چلی گئیں تو میں بہت روؤں گی، دودھ بھی نہیں پیوں گی اور......'' وہ ابھی اپنا احتجاج نامہ بڑھانے والی تھی کہ میں بولی۔

''چلو ٹھیک ہے، میں نہیں جاؤں گی، میری بیٹی خوش نہیں تو میں نہیں جاتی۔'' روما خوش ہو گئی اور میں دل مسوس کر رہ گئی۔

☆☆☆

اتوار کا روز تھا خزیم گھر پر ہی تھے۔ اوائل سردی کے دن اور ہلکی دھوپ بہت بھلی لگ رہی تھی۔ ملازم جوس کا جگ لے آیا...... میں نے آگے بڑھ کر گلاس میں جوس ڈال کر خزیم کو پیش کیا...... روما کو دیا تو اس نے لینے سے انکار کر دیا۔

''میں تو جوس میں برف ڈالوں گی۔''

''روما جوس پہلے ہی کافی ٹھنڈا ہے اور یوں بھی موسم بدل رہا ہے بیٹا، گلا خراب ہی نہ ہو جائے۔''

''نہیں، نہیں مجھے برف چاہیے۔'' اب وہ ملازم پر برسنے لگی تو ملازم فخرو خزیم کی طرف سوالیہ نظروں سے تکنے لگا۔

''منہ کیوں تک رہے ہو فخرو، روما بی بی کہہ رہی ہیں تو برف کا ایک کیوب ڈال دو ان کے گلاس میں۔''

روما خوش ہو گئی تو خزیم کے چہرے پر جیسے سکون اور اطمینان کی لہر دوڑ گئی۔

''نور جی آپ روما سے بہت پیار کرتی ہیں، اس کی کوئی بات نہیں ٹالتیں۔''

''جی......!''

''سچ پوچھیں تو میں روما کی ممی کے بعد اب کسی خاتون کی رفاقت کا طلبگار نہ تھا اگر امی جان مجھے قسمیں، واسطے دے کر راضی نہ کر لیتیں تو میں اس گھر میں کسی کی آمد برداشت نہیں کرتا...... مگر میں اب خوش ہوں، آپ نے گھر گرہستی اور سب سے بڑھ کر روما کی ذمے داری کو بہت اچھے طریقے سے نبھایا ہے۔'' اپنی تعریف پر میں خوش ہوئی تھی مگر دل کے ایک خانے میں ایک کسک ہوتی ہی رہی، ہوتی ہی رہی...... خزیم کے اس سپاس نامے میں، میں کہاں تھی، کبھی وہ یہ الفاظ نہ بول سکے...... ''ہم، ہم دونوں...... نور میری نور......'' میری سوچیں سرکش ہی ہونے لگیں مگر میں نے خود کو مکمل طور پر سنبھال لیا۔

روما صبح اسکول چلی جاتی اور خزیم آفس...... صاف ستھرا آراستہ گھر تھا، کوئی گند، کوئی بکھیڑا نہ تھا، مجھے اپنا پرانا گھر یاد آتا ڈھائی کمروں کا ننھا سا گھر جس میں امی جان اور میں سارا دن چیزیں سمیٹتے رہتے اور بھائی لوگ گند مچاتے رہتے۔

گھر میں ہم نفوس ہی کتنے تھے آپا جی کچن کو عمدگی سے سنبھال لیتیں اور دونوں ملازم بقیہ کام کر لیتے، روما کے آنے کے بعد بھی معمولات میں کوئی مصروفیت نہ ہوتی، خزیم ہم دونوں کو باہر لے جاتے مگر روما کی

چوائس ہوتی وہ جہاں بھی جانا چاہتی ڈنر بھی باہر ہوتا مگر روما کی پسند سے پزا، برگر...... میں ان چیزوں کی عادی نہیں تھی مجھے باربی کیو یا چائنیز کھانے کو دل کرتا، اگر کسی وقت میں اپنی خواہش کا اظہار کر بھی دیتی تو روما روٹھ جاتی، میں خود ہی لعنت ملامت کرتی اور اسے منانے لگتی۔

خالہ جان میری شادی کے ایک ماہ کے بعد ہی شفقت کی دلہن بیاہ لائیں، میں اکیلے کم ہی جاتی...... مگر اس دفعہ گئی تو امی جان پلیٹ میں لڈو لے آئیں۔

''یہ کہاں سے آئے امی جان؟''

''شفقت کو اللہ نے دو بیٹے دیے ہیں، جڑواں بچے ہیں مگر ماشاءاللہ بہت صحت منداور خوب صورت۔''

''اچھا...... خالہ جان تو بہت خوش ہوں گی۔''

''ہاں سب ہی خوش ہیں...... تمہاری اور شفقت کی شادی میں ایک ماہ کا ہی تو فرق ہے مگر......'' امی جان رک گئیں مگر میں سمجھ گئی کہ وہ کیا استفسار کرنا چاہ رہی ہیں۔

''امی جان! ابھی تو میرے فائنلز ہوئے ہیں۔''

''مگر اب تو فارغ ہوناں......''

''ہاں......''

☆☆☆

''خزیم میں بالکل فارغ سی ہوگئی ہوں وقت نہیں گزرتا۔'' اسی رات کھانے کے بعد ادرک کی چائے کا کپ دیتے ہوئے میں بولی۔

''رزلٹ آئے تو آگے داخلہ لے لینا جو بھی پڑھنا چاہو۔''

''نہیں خزیم، مجھے اب مزید نہیں پڑھنا۔''

''پھر......؟''

''پھر...... اب ہمیں بچہ......'' میں بصد دشواری یہی کہہ سکی تھی۔

''نہیں نور جی......! آپ روما کو اپنی اولاد نہیں جانتیں۔''

''کیسی باتیں کرتے ہیں خزیم، روما میری جان ہے مگر روما بھی اکیلی ہے اگر اس کا کوئی بھائی، بہن......''

''نہیں نور جی اگر کوئی اور ہمارے اس گھر میں آ گیا تو ہم روما پر پوری توجہ نہیں دے پائیں گے۔''

''خزیم آپ میرا یقین کریں، ایسا کبھی نہیں ہوگا۔ روما، میری جان ہے اور وہ ہمیشہ دل کے قریب رہے گی۔''

''نہیں نور جی...... میں اگر اس گھر میں آپ کی موجودگی برداشت کر رہا ہوں تو صرف روما کے لیے......''

''اوہ!'' چھناکے سے میرے اندر کچھ ٹوٹ گیا۔ سب حالات سے میں واقف ہوں تو بھلا بار، بار یہ جتلانا۔

مگر اس بحث سے نتیجہ یہ نکلا کہ میں نے دوبارہ بچے کی خواہش ظاہر نہیں کی۔

میرا شاندار گھر، میرا بہترین لباس مجھے اپنے پرانے محلے میں ممیز کرتا تھا...... میں جب بھی گئی کئیوں نے حسرت سے، بہت سوں نے رشک سے تکا...... اس وقت جیسے دل میں اطمینان کی لہر دوڑ جاتی اور اپنا فیصلہ بڑا ہی خوش کن لگنے لگتا۔

☆☆☆

روما او لیول میں آ گئی تھی، چاند چہرہ تھا اور روشن آنکھیں جو دیکھتا کھو جاتا۔ مگر میں غور کر رہی تھی کہ سرکشی اور خود پسندی اس کی ذات میں داخل ہو گئی تھی اور اس سب کی ذمے دار میں خود کو سمجھتی، وہ اچھا برا کچھ بھی کہہ دیتی میں اسے پلٹ کر سمجھا نہ پاتی۔ بس مجھے یہ بات باور کروا دی گئی تھی کہ میں اس گھر میں صرف روما کی خوشنودی کے لیے ہوں اور یوں بھی سچی بات ہے کہ بن ماں کی بچی جواب مکمل طور پر مجھ پر انحصار کرتی ہے اسے کچھ کہنے کو جی نہ چاہتا۔

روما لانبے قد اور نازک سراپا لیے خاصی جاذب نظر تھی...... وہ چوڑی دار پاجامہ اور فراک پہنتی تو شہزادی لگتی مگر وہ لباس کے معاملے میں بھی میری پسند نہ دیکھتی، جینز کے اوپر ننھی سی شرٹ کبھی ننھا سا اسکارف گلے میں اڑس لیتی تو کبھی اس سے بھی مبرا ہوتی۔ میرا جی خوش نہ ہوتا مگر کبھی اسے منع نہ کر پائی۔ میں اس کی ماں تو تھی مگر سوتیلی...... میرا اسے کچھ بھی کہنے کا رشتہ نہ تھا میں نہ کوئی سرزنش کر پاتی اور نہ ہی اپنے رائے دیتی۔

ذرا بڑی ہوئی تو سہیلیوں اور انٹرنیٹ کے شوق نے اسے پڑھائی میں کچھ کمزور کر دیا تھا۔

''میری روما کی شخصیت کتنی دبی ہوئی تھی سہمی سی لڑکی مگر شکر یہ نور آپ کی محبت نے اسے کتنا خود اعتماد اور مضبوط بنا دیا ہے بس ایسے ہی بھرپور محبت سے نوازتی جائیں۔'' خزیم خوش ہوتے تو کہتے۔

روما فطرتاً شریف الطبع تھی۔ سہیلیوں کے ساتھ گھومنے اور نت نئے پروگرام بنانے کے باوجود میں نے کبھی کوئی منفی حرکت نہیں دیکھی۔ ابھی تک بچیوں کی طرح ہی ہوا کرتی...... کالج سے آتے ہی گھر میں مجھے پکارتی رہتی اور مجھے سامنے پا کر بازو میری گردن میں ڈال لیتی۔ میرے سینے میں ٹھنڈک پڑ جاتی، روما میری لاڈلی بیٹی تھی' وہ کالج میں ہوتی تو میں اس کا انتظار کرتی اور اس کے لیے اس کی پسندیدہ ڈشز بناتی۔ ہم دونوں کا پیار مثالی بن گیا تھا۔ سوتیلے رشتے کو میں نے محبت اور انس کے ساتھ نبھایا تھا۔ خزیم بھی خوش تھے۔

ابھی روما بہت بڑی بھی نہ تھی یا پھر مجھے اب بھی ننھی سی بچی لگتی تھی کہ اس کے لیے خزیم کے دوست کے فرزند کا رشتہ آ گیا۔

''خزیم، روما بہت چھوٹی ہے۔''

''ہاں ہے تو...... میں منع کر دوں گا اسے۔''

میں بھی بھول گئی اور خزیم بھی سنجیدہ نہیں ہوئے مگر اُن کے دوست فرمان علی پھر چلے آئے۔ ان کا صاحبزادہ رحمان تین بہنوں کا اکلوتا بھائی تھا اور وہ اس کے لیے روما کے خواہشمند تھے۔ خزیم نے منع کیا مگر وہ مانے نہیں، ان کی مسز فون پر مجھے فورس کرنے لگیں تو ہم دونوں اس بارے میں سوچنے پر مجبور ہو گئے۔ فرمان علی تینوں بیٹیوں کی شادی کر چکے تھے اور اپنے گھر میں روما کی صورت میں بہار لانے کے خواہش مند تھے۔

''نور جی آج فرمان علی کی طرف چلتے ہیں۔ ان کے گھر سے ہو کر آتے ہیں ہم کبھی گئے بھی تو ڈرائنگ

روم سے اٹھ آئے۔ گھر کے ماحول کا اندازہ ہی نہیں ہوا۔" خزیم کا دفتر سے فون آیا تو میں نے کہا۔

"ٹھیک ہے جی۔" خزیم آفس سے آئے تو میں تیار تھی، میں سرخ اور سیاہ امتزاج کی ساڑی باندھے جوڑا بنائے ان کا انتظار کر رہی تھی۔ گھر آئے تو مجھے دیکھ کر خوش ہوئے۔

"صحیح لڑکی کی ماں لگ رہی ہو جو اس کے بر ڈھونڈنے کو جا رہی ہے۔" وہ میری تعریف بھی کر رہے تھے تو روما کے حوالے سے..... مگر میں روما کے رشتے کے حوالے سے اتنی ایکسائٹڈ ہو رہی تھی کہ میں نے محسوس نہیں کیا۔

اور پھر ہوا یہ کہ ہماری لاڈلی روما کا ہاتھ رحمان علی کے ہاتھ میں تھما دیا گیا۔ روما کا سسرالی گھر بہت اچھا گھر تھا۔ بہنیں تینوں اپنے گھر کی ہو چکی تھیں، حلیمہ بھابی اور فرمان بھائی بہو کو گھر لا کر اس گھر کی رونق بڑھانا چاہ رہے تھے۔ رحمان اچھی پرکشش شخصیت کا مالک تھا۔ مگر اس کا اکلوتا پن اس کے چہرے کے نقوش پر ثبت تھا۔ رحمان علی کی والدہ حلیمہ کے چہرے پہ مجھے حلیمہ پن نظر نہیں آیا۔ خزیم خوش تھے اور روما کی بھی رحمان علی سے دو ملاقاتیں کرائی گئیں، وہ مطمئن تھی۔ وہ خوش تھے تو میں ان کی خوشی میں راضی تھی۔

میری ننھی سی روما کو رحمان علی کی دلہن بنا کر رخصت کر دیا گیا تو ہمارا گھر مکمل طور پر خاموشی اور اداسی کا مسکن بن گیا۔ اس وقت میرے دل میں یہی خیال آیا کہ امی جان بھی مجھے یوں رخصت کر کے کیسے تنہا سی ہو گئی ہوں گی۔ یہ جذبات، یہ دکھ اسی وقت ہم سمجھ پاتے ہیں جب ان کا ادراک ہمارے اوپر ہو۔

وہ ہماری پیاری لاڈلی بیٹی تھی۔ میں نے اور خزیم نے حیثیت سے بھی بڑھ کر اہتمام کیا تھا۔ وہ شادی کے بعد آئی تو بہت خوش تھی۔ مسرت اور خوشی کا احساس اس کے انگ انگ سے ظاہر ہو رہا تھا۔ میں نے اس رات شکرانے کے نفل ادا کیے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر ذمے داری ڈالی تھی اسے بڑی کامیابی کے ساتھ نبھا پائی۔

☆☆☆

روزے اور زکوٰۃ کی اہمیت و فوائد

اور

زکوٰۃ نہ دینے کا دردناک عذاب

ابوداؤد شریف میں ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"تین باتیں ہیں جس شخص نے اختیار کر لی۔ اس نے ایمان کا مزہ پالیا۔ ایک یہ کہ صرف اللہ کی عبادت کرے..... دوسرے یہ کہ لا الہ الا اللہ پر اس کا ایمان و اعتقاد ہو..... اور تیسرے یہ کہ ہر سال دل کی خوشی سے اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کرے۔

جس شخص میں یہ تین باتیں ہوں گی اس کو ایمان کی لذت اور چاشنی حاصل ہو گی۔

اسلام کی بنیادی تعلیمات نماز کے بعد زکوٰۃ کا حکم ہے۔ ارکان اسلام میں سے ایک رکن، جس مسلمان کے پاس ایک مقررہ مقدار میں مال و دولت موجود ہو، وہ ہر سال حساب لگا کر اپنی اس دولت کا چالیسواں حصہ غریبوں، مسکینوں اور نیکی کی دیگر مدوں میں خرچ کر دیا کرے۔ جو زکوٰۃ کے خرچ کے لیے اللہ اور رسول نے مقرر کی ہیں۔

قرآن جگہ جگہ نماز کے ساتھ زکوٰۃ کی تاکید کرتا ہے، ارشاد ربانی ہے۔ "ان مشرکوں کے لیے بڑی خرابی ہے اور ان کا انجام بہت برا ہونے والا ہے۔ جو زکوٰۃ ادا نہیں کرتے اور آخرت کے منکر اور کافر ہیں۔"

مرسلہ: ریحانہ حسن، کراچی

سنہری بات

☆ دوست ہر دکھ کا علاج ہے مگر دوست کے دیے ہوئے دکھ کا کوئی علاج نہیں۔

از: مہرین ضیاء، کیماڑی

شادی کو ابھی ایک ماہ ہی گزرا ہوگا کہ رو ما کا فون آیا۔ وہ رو رہی تھی۔

''کیا ہوا بیٹا؟'' میرا دل دہل گیا۔

''ماما مجھے یہاں سے لے جائیں، میں یہاں نہیں رہ سکوں گی۔''

''کیا ہوا بتاؤ تو ہوا کیا؟''

''بس ماما، پلیز مجھے بلا لیں۔''

''میں خود آ جاؤں میری جان۔''

''نہیں ماما ڈرائیور کو بھیج دیں وہ کہیں آپ کو کچھ نہ کہہ دیں۔''

''او کے بیٹا۔''

تھوڑی دیر کے بعد وہ میرے سامنے تھی آنکھیں سوجی ہوئی اور ناک سرخ ہو رہی تھی۔ میرے گلے لگ کر رونے لگی میں نے ڈھیروں پیار کیا اور اس سے کچھ نہیں پوچھا۔ رات خزیم آئے تو وہ بھی پریشان ہوئے۔

''پاپا، ہمارا ہنی مون کا پلان پکا تھا مگر عین وقت پر رحمان کے ابو بیمار پڑ گئے، وہ جانے سے انکار کر رہا ہے۔''

بات تو درست تھی باپ کو بیمار چھوڑ کر بھلا وہ کیسے چلا جاتا مگر میں نے روما کی بات سے اختلاف بھلا کہاں سیکھا تھا۔ رحمان کو برا بھلا کہا تو وہ کچھ نرم سی پڑ گئی۔ اگلے دو روز اس کے سسرال سے کسی نے رابطہ نہیں کیا۔ ابھی شادی کو دن ہی کتنے ہوئے تھے۔ خود بھی وہ بے چین سی رہتی، تیسرے دن رحمان کا فون آیا تو وہ کچھ ڈھیلی پڑ چکی تھی۔ دونوں میں جانے کیا بات ہوئی ایک گھنٹے کے بعد رحمان علی آیا باہر سے ہی گاڑی کا ہارن دیا اور وہ مجھے پیار کرتی ہوئی چل دی۔

دن گزارنا جیسے دشوار ترین امر ہو گیا تھا۔ انہی دنوں دماغ میں ایک عجیب سی سرسراہٹ ہوئی...... اکیلے پن کا احساس مجھے کسی زہریلے ناگ کی طرح ڈسنے لگا تھا۔ بھی ایک روز پھر خزیم کے سامنے اپنی خواہش بیان کر گئی۔

''خزیم میں بہت تنہا ہو گئی ہوں مجھے بچہ......''

میری اس عجیب سی خواہش پر وہ ایک منٹ کے لیے گنگ رہ گئے اور اگلے لمحے شرمندہ سے۔

''نہیں نور جی...... اب نہیں بہت عجیب سا لگتا ہے اس عمر میں۔''

''خزیم پلیز میری بات مان لیں اگر ہمارے نصیب میں اولاد ہے تو اللہ تعالیٰ ہمیں ضرور نوازدے گا۔''

اور واقعی اللہ تعالیٰ کی رحیم ذات نے ہماری قسمت میں اولاد جیسی نعمت لکھی تھی کہ آج ننھی زرش میری گود میں تھی، میں تو دیوانی سی ہو رہی تھی ننھے سے نرم ہاتھ، گلابی رخسار، پیاری سی انگلیاں اور...... اور...... اور مجھ سے زیادہ تو روما باؤلی ہو رہی تھی اسے دیکھ کر......

''ماما میری بہن کو اتنی دیر سے کیوں لائیں دنیا میں۔'' میں ہنس دی بلکہ میرا تو انگ، انگ ہی کھلکھلا رہا تھا۔ اسپتال سے گھر آئی تو روما ساتھ ہی چلی آئی۔

''ماما میں کچھ دن آپ کے ساتھ گزاروں گی۔''

''ٹھیک ہے بیٹا۔'' میں نے غور کیا رحمان علی کے چہرے کے تاثرات عجیب سے ہو رہے تھے۔ باہر نکلتے ہوئے بس خفگی سے بولا۔

''روما، صفیہ آپا کل ہی آئی ہیں اور تم ادھر رہ رہی ہو اچھا نہیں لگتا۔''

''وہ تو کافی دن رہیں گی، میں آ جاؤں گی۔''

''ایک ہفتہ وہ ادھر ہی ہیں بس کل آ جانا۔'' پتا نہیں روما نے کیا کہا میں سن نہیں پائی۔ مگر وہ اگلا پورا ہفتہ واپس نہیں گئی۔ میں نے اس سے کچھ پوچھا نہیں۔ شادی کے بعد کا عرصہ اسی طرح دھوپ چھاؤں کے سے انداز میں گزرا۔ روما کو سرنگوں کرنے کی عادت نہیں تھی۔ اس نے صرف لاڈ پیار ہی دیکھا وہ سسرال اور میاں کے اصولوں کے مطابق زندگی گزارنے میں ناکام سی ہو رہی تھی۔ جب کوئی بات ناگوار گزرتی تو مجھے فون کر دیتی۔

''ماما، ماما پلیز مجھے بلا لیں یا خود آ جائیں۔'' میں اس کی محبت میں سرشار بھاگی چلی جاتی، کبھی مقدمہ خزیم کی عدالت تک پہنچتا اور کبھی صورتِ حال کو ان تک

واضح ہونے نہ دیتی۔ اسے بھی میری محبت پر اعتماد تھا وہ جانتی تھی کہ میں اس کے کسی فیصلے کی نفی کر ہی نہیں سکتی تھی۔ وہ دو آنسو بہاتی تو میں اپنے بازو وا کر کے ان میں سمو لیتی۔

زرش اب چار ماہ کی تھی تو روما پھر ناراض ہو کر چلی آئی۔ اس دفعہ بھی وجہ معمولی سی تھی مگر روما نے اسے جی کا جنجال بنا ڈالا تھا۔ گھر کی ملازمہ کی لگائی بجھائی نے اسے بھڑکا دیا تھا اور وہ نا سمجھی میں گھر چھوڑ کر چلی آئی تھی۔

میرا دل اب خوفزدہ سا ہو رہا تھا۔ روما اگر درست بھی تھی پھر بھی اس کے گھر والے یہ وتیرہ کب تک برداشت کر پاتے۔ کہیں حالات خراب ہی ہو تے نہ چلے جائیں۔ کبھی دل چاہتا کہ خزیم کو ساری تفصیل بتاؤں مگر ڈر جاتی کہ کہیں خزیم مجھ سے بدظن نہ ہو جائیں۔ میری ساری زندگی کا ایثار، میری برسوں کی محنت پل بھر میں اکارت ہو جاتی اور یوں بھی روما پریشان ہو کر میرے ساتھ لگ جاتی تو میرا جی چاہتا کہ اس کی حمایت میں سب سے لڑ پڑوں اور ان کو جھوٹا ثابت کر کے اپنی روما کو فاتح قرار دے دوں۔

رات دھیرے، دھیرے بیتی جاتی تھی ننھی زرش کسمسائی تو میرے خیالات کا ریلا تھم سا گیا۔ جانے کتنے پہر گزر گئے اور میں اپنی گزری زندگی کے ایک، ایک پل کو محسوس کرتی رہی...... کھوجتی ہی رہی۔

رمضان کا بابرکت مہینہ قریب تھا۔ خزیم اور میں باقاعدگی سے روزے رکھتے تھے۔ میں سحر اور افطار پر خوب اہتمام کرتی، خزیم کھانے میں بہت احتیاط کرتے مگر رمضان کے مہینے میں بے اعتدالی کر لیتے۔

آج تیز چلنے کی کوشش کرنے میں ننھی زرش گر گئی تھی، گھٹنے چھل گئے تھے۔ بچی کو دوائی لگا کر...... خوب بہلا کر سلا دیا اور کچن میں آ گئی۔ تبھی میرے قریب پڑا موبائل بج اٹھا۔ دوسری طرف روما تھی۔

روہانسی ہو رہی تھی۔

”ماما۔ ماما پلیز مجھے لے جائیں...... رمضان شروع ہونے والا ہے اور رفیعہ آپا فیصل آباد سے پورا ماہ رہنے کے لیے آ رہی ہیں، آپ کو تو ان کے بچوں کی عادت کا پتا ہی ہے۔“

”کیا ہوا بیٹا تو پھر کیا ہوا؟“

”ماما میں نے رحمان علی سے کہہ دیا ہے میں تمہاری بہن کے خاندان کی خدمت نہیں کر سکتی، مجھے خود روزے رکھنے ہیں، عبادت کرنی ہے اور......“

”اور رحمان علی نے کیا کہا بیٹا۔“

”وہ تو آپ کو پتا ہی ہے ماما، اپنی بہنوں کے دیوانے ہیں، کہنے لگے اگر اس دفعہ تم گئیں تو واپس لینے نہیں آؤں گا وہیں رہنا۔“

”تو......“

”تو کیا، میں نے انہیں کہہ دیا کہ میری ماما مجھے بہت پیار کرتی ہیں، وہ اتنی گرمی میں آپ کے کچن میں جلنے نہیں دیں گی، میں ان کے پاس جا کر آرام کروں گی۔“ بات تو مکمل میری سمجھ میں آ چکی تھی اور ہمیشہ کی طرح مجھے یہی کہنا چاہیے تھا کہ روما میری جان تم فکر نہیں کرو میں، تمہیں لینے آؤں گی اور پھولوں کی سیج پر بٹھاؤں گی۔ مگر میں حیران رہ گئی وہ میں ہی تھی۔ ہاں میں نور خزیم جو سخت لہجے میں روما کو کہہ رہی تھی۔

”روما بچی اپنے گھر میں دل لگاؤ، پورا رمضان اپنے گھر میں گزارو اپنے مجازی خدا اور اس کے خاندان کے ساتھ...... تمہارے پاپا تمہاری عیدی لے کر عید کے روز تمہارے گھر آئیں گے اور عید کے اگلے روز اپنے میاں اور سسرال والوں کے ساتھ تمہاری شاندار دعوت ہو گی۔“ میں بات ختم کر کے فون بند کر دینا چاہتی تھی مگر اس سے ہی پہلے فون کا رابطہ منقطع کر دیا گیا۔

فون بند کرتے ہی مجھے یہ احساس سکون دے گیا کہ آج میں نے ایک صحیح پیار کرنے والی ماں کا اعزاز پا لیا۔

روما اور زرش...... میں دو بیٹیوں کی ماں ہوں اور...... اور آج میں نے روما کو انگلیاں بجلی کے سوئچ میں دینے سے بچا لیا ہے۔



ہم گمشدہ محبت کے

قسط 6

انجم انصار

انسان نہ کچھ ہنس کر سیکھتا ہے، نہ رو کر سیکھتا ہے، جب بھی سیکھتا ہے یا کسی کا ہو کر سیکھتا ہے یا پھر کسی کو کھو کر سیکھتا ہے... چونکہ لوگ دل کے امیر کم، کم ہوتے ہیں، اس لیے زندگی کی کتاب میں اتنی غلطیاں نہ کرو کہ پنسل سے پہلے ربڑ ختم ہو جائے اور توبہ سے پہلے زندگی...

جو آنکھوں اوٹ ہے چہرہ اسی کو دیکھ کر جینا
یہ سوچا تھا کہ آساں ہے مگر آساں نہیں ہوتا
نہ بہلاوا نہ سمجھوتا، جدائی سی جدائی ہے
ادا سوچو تو خوشبو کا سفر آساں نہیں ہوتا

محبت کے انوکھے روپ سنوارتی ایک حسین تحریر......



ندیم خان کو جھوٹ بولنے سے سخت چڑ تھی۔ زندگی کا کیسا ہی کٹھن مرحلہ ہو، اس نے سچ کے سوا کچھ نہیں بولا تھا اور آج ایک چھوٹی سی بات پر اس کا سر ایسا گھوما تھا کہ اس نے جھوٹ بولنے میں ہی اپنی عافیت جانی۔

آفس میں ہونے والے سیمینار کی اسے تیاری کرنی تھی۔ ورنہ وہ دیر تک اپنی آپا کے ساتھ ضرور بیٹھتا۔

ندیم خان اس وقت اپنے کمرے میں تھا۔ اور اپنی ہیٹی سی محسوس کر رہا تھا۔ اور یہی تنگی اسے یوں تنہائی میں لے آئی تھی۔ اگر اس کی آپا اور ماں، صبا کی تصویر دیکھ کر کوئی مثبت رائے دیتیں تو شاید وہ اس وقت ان کے ساتھ بیٹھ کر باتیں بنا رہا ہوتا اور آپا کی خوش گپیوں کو بڑی رغبت سے سن رہا ہوتا۔

وہ کیوں جھوٹ بول کر اپنے کمرے میں آیا تھا۔ یہ وہی جانتا تھا۔ اس وقت اس کا دل صرف اپنے آپ سے سوال و جواب کرنے کو چاہ رہا تھا۔ مگر سبین آپا کی پاٹ دار آواز اس کے کمرے تک بہ آسانی آ رہی تھی اور وہ آواز کسی ہتھوڑے کی طرح اس کا سر پھاڑ رہی تھی۔ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی ان کی باتیں سن رہا تھا۔

''امی مجھے تو وہ لڑکی پہلی ملاقات میں ہی پسند نہیں آئی تھی تو اب وہ کیسے اچھی ہو سکتی ہے۔ وہ تو چلتر قسم کی لڑکی ہے جس کا شوق ہی یہ ہے کہ لڑکوں کو ریجیکٹ کر کے خوشی حاصل کرنا۔ پہلے لڑکے فلرٹ کیا کرتے تھے اور اب ان کی جگہ لڑکیوں نے لے لی ہے اور ایسی، ایسی حرکتیں کر کے خوش ہوا کرتی ہیں جن پر انہیں شرم آنی چاہیے۔ اللہ کا شکر ہے کہ میں نے اسے پہچان لیا اور اگر تصویر دیکھے بغیر میں آپ کے ساتھ چل پڑتی تو خواہ مخواہ مفت کی بے عزتی ہاتھ آتی۔ لڑکیوں کی کمی نہیں ہے دنیا میں، ایک سے ایک موجود ہے۔ یہ صبا رحیم کے چکر میں ندیم کیسے آ گئے...... مجھے حیرت کے ساتھ، ساتھ افسوس الگ ہو رہا ہے۔''

''لڑکی تو خیر اچھی تھی مگر منہ پھٹ تھی اور لڑکیوں کو اس حد تک نہیں جانا چاہیے۔'' سلمیٰ بیگم نے بیٹی کے تقیل جملوں کو ہلکا کرنے کی سعی کی۔

''امی، آپ نے اس کے بولنے کا انداز نہیں دیکھا تھا۔ وہ تو پیٹ بھر کے بدتمیز تھی۔ نہ کسی بڑے کا ادب اور نہ چھوٹے کی تمیز، پڑھ لکھ کر اور میڈل حاصل کر کے اپنے آپ کو افلاطون علیحدہ سمجھ رہی تھی۔ آج کی مائیں اپنی بیٹیوں کی تربیت کرتے وقت یہ کیوں بھول جاتی ہیں کہ پٹر پٹر بولنا ہمیشہ سودمند نہیں ہوا کرتا۔ ایسی لڑکیاں اپنی ماؤں کی بھلا کیا سنیں گی وہ تو شاید اپنی بھی نہیں سنتی ہوں گی۔''

''مجھے تو افسوس ہو رہا ہے کہ ندیم کو وہ صبا ہی کیوں پسند آئی۔ آخر اس کے آفس میں اور بھی تو لڑکیاں تھیں تو پھر اسے وہی کیوں اچھی لگی؟'' سلمیٰ بیگم کو ہنوز افسوس ہو رہا تھا۔

''امی جان، آپ کے بیٹے کو وہ اس لیے پسند آئی ہو گی کہ ان محترمہ نے اپنے خوب لٹکے جھٹکے دکھائے ہوں گے ناں۔''

''مگر وہ تو کسی سے شادی ہی نہیں کرنا چاہتی تو خواہ مخواہ کسی کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کیوں کرے گی۔'' سلمیٰ بیگم کو اپنی بیٹی کی یہ بات کسی طور سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔

''امی آج کل یہ فیشن چل رہا ہے جس طرح لڑکے والے اس طرح کی بکواس کیا کرتے ہیں کہ ہم نے فلاں، فلاں لڑکی ناپسند کی، اب لڑکیاں بھی اسی طرح کے بیانات دے کر خوش ہوا کرتی ہیں۔''

''ہوتے ہوں گے ایسے لوگ مگر یہ کوئی اچھی بات تو نہیں ہے۔''

''اب یہی سب چل رہا ہے۔'' سبین تمسخر سے کہہ رہی تھی۔

''مجھے تو ندیم پر حیرت ہو رہی ہے اس نے پہلے اس سے پوچھا کیوں نہیں؟''

''وہ تو اسے پہچانتا ہی نہیں، تو کیا پوچھتا اس سے؟''

''پھر بھی اسے اتنا تو پوچھنا چاہیے تھا کہ وہ اس سے شادی کرے گی بھی یا نہیں۔ ساتھ کام کرنے والے آپس میں اتنی بات تو پوچھ ہی سکتے ہیں۔''

''امی اگر ہمارا بھائی اس فنکارہ کو اچھی طرح پہچان جاتا تو شاید آج یہ نوبت ہی نہ آتی۔'' اور ندیم خان اپنے کمرے میں بیٹھا سوچ رہا تھا۔

''کیا میں صبا رحیم کو نہیں پہچان پایا یا پھر وہ مجھے نہیں سمجھ سکی اور کہیں یہ سیمن آپا کی بات سچ تو نہیں کہ اس نے ایسا سب کچھ جان بوجھ کر کیا ہو۔ نہیں، وہ ایسا نہیں کر سکتی۔ وہ ایسا سوچ بھی نہیں سکتی۔ وہ میری عزت کرتی ہے۔ میرا خیال رکھتی ہے...... نہیں، میری سیمن آپا زیادہ صحیح سمجھتی ہیں۔ انہوں نے تو اسے ایک ملاقات میں ہی جانچ لیا تھا، میں اگر اس کی تصاویر پہلے دیکھ لیتا تو شاید یہ نوبت ہی نہ آتی۔ مگر تصاویر تو میری بھی اس کے گھر گئی تھیں۔ آپا نے تو یہاں تک بتایا تھا کہ ان کی ماں نے ہمارے آنے سے قبل ہی فیس بک سے میرے بارے میں تمام معلومات حاصل کر لی تھیں...... تو اس کا مطلب کیا ہے؟ صبا واقعی جھوٹی ہے۔ وہ مجھ سے شاید کھیل رہی ہے یا واقعی مجھ سے فلرٹ کر رہی ہے۔'' اب اسے صبا پر بے تحاشا غصہ آ رہا تھا۔ ہاتھ میں پکڑا گلاس جب پوری قوت سے میز پر رکھا تو وہ چور، چور ہو چکا تھا۔ شاید اگر صبا رحیم اس کے سامنے ہوتی تو وہ اس پر بے تحاشا برس پڑتا۔

☆☆☆

آج راحیلہ کو اپنے ساتھ لے کر کریم اس کے گھر آیا تھا اور شہلا نے قصداً اپنے آپ کو اپنے کمرے میں بند کر لیا تھا۔ اس کا دل نہیں چاہ رہا تھا کہ وہ اس کی شکل بھی دیکھے۔ ذکیہ بیگم کئی دفعہ اسے بلانے آئی تھیں مگر اس نے سر درد کا بہانہ بنا لیا تھا اور جب راحیلہ اسے بلانے چلی آئی تو وہ بولی۔

''تم کیوں چاہتی ہو کہ میں تمہارے چھچھورے سے شوہر کے سامنے آؤں جس کی ہر بات پر مجھے غصہ آیا کرتا ہے۔''

''پلیز آپا! کریم اپنی بے عزتی محسوس کر رہے ہیں کہ اُن کے آنے پر کسی کو کوئی خوشی نہیں ہو رہی۔''

اور جب وہ سر اور منہ لپیٹے اس کے سامنے آئی تو وہ کھل سا گیا۔

''آپ کی بہن کو گرمیوں کے کپڑے دلوانے ہیں۔ آپ سے بہتر کون انہیں شاپنگ کروا سکتا ہے۔'' وہ مسکرا کر بولا۔

''میری تو آج طبیعت ٹھیک نہیں ہے کہیں نہیں جا سکوں گی۔'' اس نے ٹالنے کے انداز میں کہا۔

''ارے...... رے...... کیا ہوا، زیادہ طبیعت خراب لگ رہی ہے تو ڈاکٹر کے پاس لے چلوں آپ کو؟'' اس کے لہجے میں جیسے پریشانی گھلی ہوئی تھی۔

''نہیں نہیں...... ڈاکٹر کے پاس جانے کی ضرورت نہیں، دوا کھالی ہے میں نے۔'' شہلا نے بے اعتنائی سے کہا۔

''تو پھر کس دن میں آ جاؤں راحیلہ کو لے کر۔'' وہ اسے بڑی رغبت سے دیکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

''کریم بھائی، آپ کو ساتھ آنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے جب میری طبیعت ٹھیک ہوئی تو میں اسے خود ساتھ لیتی ہوئی مارکیٹ چلی جاؤں گی۔''

''مگر میں تو خود بھی راحیلہ کے ساتھ جانا چاہ رہا تھا۔''

''یوں کریں آج آپ اپنی پسند کی شاپنگ راحیلہ کو کروا دیں اور جب مجھے فرصت ملے گی تو میں اسے ساتھ لے جاؤں گی۔''

''اور آپ کو کب فرصت ملے گی؟'' اس کا لہجہ اب تمسخرانہ سا ہو گیا تھا۔

''پتا نہیں۔'' وہ لاتعلقی سے بولی۔

''ہوسکتا ہے فرصت تو مل جائے مگر جانے کا موڈ نہ بنے۔'' وہ پھر کلساتے ہوئے لہجے میں بولا۔

''ہاں ایسا بھی ہوسکتا ہے۔''

''اور اس پر لوگ یہ کہتے ہیں کہ شہلا کو اپنی بہن سے بے حد محبت ہے۔'' وہ راحیلہ کو تنگ کر دیکھتے ہوئے بولا۔

''لوگوں کی باتوں کا تو آپ کو یقین ہی نہیں کرنا چاہیے، وہ تو اوندھی سیدھی باتیں کرنے کے عادی ہوتے ہیں۔''

''تو یہ کہنا چاہتی ہو تم کہ تمہیں اپنی بہن سے محبت اس وجہ سے نہیں ہے کہ وہ تمہاری سوتیلی بہن ہے۔'' اب وہ بدتمیزی سے بولا شاید آپ، آپ کی گردان کرتے ہوئے وہ تھک چکا تھا۔

''مجھے اپنی بہن سے کتنی محبت ہے اس کے لیے نہ مجھے کسی قسما قسمی کی ضرورت ہے اور نہ ہی کوئی بیان دینے کی۔ راحیلہ مجھے جانتی ہے اور میں راحیلہ کو اور مجھے کوئی ضرورت نہیں ہے کہ آپ کو بھی یہ یقین دلاؤں۔''

''صاف کیوں نہیں کہہ دیتیں کہ لوگ جھوٹ بولتے ہیں۔'' وہ ہنسا۔

''کہا ناں میں نے، مجھے لوگوں کی پروا ہے ہی نہیں۔''

''ٹھیک ہے بھئی، جیسے آپ کی مرضی...... چلو راحیلہ! آج تو تمہاری آپا کے پاس ٹائم نہیں ہے۔ آئندہ جب بھی ان کو فرصت ملی یا ان کا دل چاہا تو وہ تمہیں گرمیوں کے سوٹ دلوا دیں گی اور اگر نہ دلوا سکیں تو تم میری کسی بھی بہن کے ساتھ چلی جانا۔ میری بہنیں اپنا ضروری کام چھوڑ کر تمہارے ساتھ جانے کو تیار ہوں گی۔ اس لیے کہ وہ میری بہنیں ہیں جو مجھ سے محبت کرتی ہیں اور میری ہر بات ان کے لیے حکم کا درجہ رکھتی ہے اور میری بہنوں اور تمہاری بہن میں بس یہی ایک فرق ہے۔'' اب نہ صرف وہ تمسخر سے ہنس رہا تھا بلکہ ہنسی کے دوران شہلا کے بارے میں راحیلہ سے دھیمے لہجے میں کچھ کہہ بھی رہا تھا جو قدرے فاصلے پر کھڑی شہلا کو بھی صاف سنائی دے رہا تھا مگر وہ اسے اگنور کیے کھڑی تھی اور ادھر راحیلہ، کریم کا یہ انداز دیکھ کر دکھ اور غم سے پیلی پڑ رہی تھی۔

☆☆☆

''امی جب رئیسہ آنٹی اسی شہر میں ہیں تو عامر بھی یہیں ہوں گے۔ اس کا مطلب تو یہی ہے ناں...... ان سے بھی کبھی ٹکراؤ ہو جائے گا۔'' ایک دن میں نے کچھ سوچتے ہوئے امی سے کہا۔

''ہاں۔ وہ اس کی بیوی اور اس کے بچے...... سب دکھائی دے سکتے ہیں۔'' انہوں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''اچھا ہے، وہ سب مجھے نظر آ جائیں تو میں عامر سے پوچھ تو سکوں گی کہ تم جھوٹے رہے یا میں؟''

''جب رئیسہ تمہیں دیکھ کر بھی تمہیں نظر انداز کرتی ہوئی چلی گئیں پھر بھی تم ان سب کی منتظر ہو؟''

''تو کیا نہیں ہونا چاہیے۔ میری آس تو اب اور بڑھ گئی ہے۔''

''ٹھیک ہے جو دل چاہے کرو۔'' وہ تنک کر بولیں۔ ''تمہاری خالہ کی بھی تو شادی نہیں ہوئی۔ اگر تمہاری بھی نہ ہوئی تو کیا ہے۔ دونوں خالہ، بھانجی ساتھ مل کر رہ لینا۔''

''کیوں، آپ کہیں جا رہی ہیں؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

''میں ہارٹ کی مریضہ کب تک ساتھ دے سکوں گی تمہارا؟''

''ایسی باتیں نہ کیا کریں امی! کس کا کس کے ساتھ کتنا ساتھ ہے یہ تو کسی کو بھی نہیں پتا۔''

''اسی لیے تو کہہ رہی ہوں کہ جو پسند آ جائے اسی سے شادی کر لو۔''

''اگر میں کسی سے شادی کر لوں اور عامر آ جائے تو...... وہ تو مر جائے گا۔''

''اگر عامر اپنی بیوی کے ساتھ تمہیں نظر آ جائے تو کیا تم بھی اسی وقت پٹ سے مر جاؤ گی۔'' امی نے غصے

بھرے لہجے میں پوچھا۔

''صرف دکھ ہوگا مگر مروں گی تو اپنے وقت پر ہی ناں...... جب موت کا بلاوا آئے گا۔''

''تو سمجھ لو کہ یہ شادی بھی قدرت کی جانب سے ہی ہوتی ہے جس سے ہونی ہوتی ہے وہی آجاتا ہے اور جس سے نہیں ہونی ہوتو وہ قریب بھی ہوتو دور چلا جاتا ہے۔''

''ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ۔'' میں نے امی کی آنکھوں میں آنسو بھرے دیکھے تو ان کے ہاتھ تھام کر کہا۔

''میری باتیں تمہیں ٹھیک بھی لگتی ہیں مگر کرتی تم وہی ہو، جو تمہارا دل چاہتا ہے اپنی ماں کی تو بات مانتی نہیں ہو۔''

''اچھا، صرف چند ماہ اور انتظار کرلوں...... اس کے بعد...... جو آپ چاہیں اور جہاں بھی چاہیں میں انکار نہیں کروں گی۔''

''مجھے تو سبین کا بھائی اچھا لگا تھا۔ تصویر میں ہی کتنا بردبار سا نظر آرہا تھا۔''

''مگر مجھے تو وہ خاتون بہت تنک چڑی سی لگی تھیں۔''

''وہ تو بہن تھی ناں، تمہارے انکار سے بدظن ہوئی تھی اور اسے تم پر غصہ بھی ٹھیک آیا تھا۔ مجھے تو سبین بالکل بھی بری نہیں لگی۔''

''اگر ان کا بھائی بھی ایسا ہی غصے کا تیز ہوا تو؟ میں تو ایسے شخص سے شادی تو کیا بات تک کرنا پسند نہیں کروں گی۔''

''تصویر میں تو وہ بڑا ٹھنڈے مزاج کا نظر آرہا تھا۔ بات آگے بڑھتی تو ہم اس سے ملاقات بھی کر لیتے مگر تم نے تو آکر فوراً ہی منع کر دیا تھا۔''

''میں نے تصویر تو نہیں دیکھی تھی مگر صرف تصویر دیکھ کر اتنی بڑی، بڑی رائے قائم نہیں کیا کرتی کہ جب تک کسی سے ملا نہ جائے اس وقت تک کوئی کسی کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔''

''اچھا تو دو چار ماہ کے بعد تم وہی کرو گی جو میں چاہوں گی؟''

''ہاں امی، بالکل وہی کروں گی اور آپ دعا کریں عامر جلدی سے ہمیں مل جائے اور وہ بھی میرا انتظار کر رہا ہو۔''

''اللہ کرے وہ ہمیں کبھی نہ ملے اور اگر ملے بھی تو اس کی شادی ہو چکی ہو اور وہ تمہیں بھول چکا ہو۔'' امی نے بے رحمی سے کہا تو مجھے چکر سا آگیا۔

☆☆☆

چھوٹی خالہ سو رہی تھیں اور کریم اپنے کسی کام سے باہر نکلا ہوا تھا اور آج وہ اس کا موبائل اپنے ساتھ لے جانا بھول گیا تھا۔ ورنہ شادی کے دوسرے ہی دن اس نے راحیلہ کا موبائل اپنے پاس رکھتے ہوئے کہا تھا۔

''اب یہ میرے پاس رہا کرے گا اور اگر تمہیں کسی کو بھی فون کرنا ہو تو میرے سامنے بات کر سکتی ہو۔''

''اب مجھے اپنی ماں سے بات کرنے کے لیے بھی پہلے آپ سے اجازت لینا ہوگی؟''

''ہاں، یہی سمجھ لو۔ شادی کے بعد لڑکیاں اپنے میکے میں ہر خبر اسی سے تو بھیجا کرتی ہیں۔''

اور اس کے بعد اس نے کسی کو فون ہی نہیں کیا۔ ماں کا یا شہلا کا فون آتا تو وہ اسے فون دے دیتا اور وہ جب تک بات کرتی وہ اس کے سر پر کھڑا رہتا اور جملے راحیلہ کے حلق میں پھنسنے لگتے۔ بات کرنے کے بعد بھی اس کی بے چینی ختم نہ ہوتی۔

آج موقع اچھا تھا۔ پتا نہیں کیسے وہ اس کا موبائل بھول گیا تھا جسے وہ ہر وقت اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ اس نے شہلا کو فون کیا تو اس نے اٹھاتے ہی پوچھا۔

''آج اپنی بہن کی یاد کیسے آگئی؟ شادی کے بعد تو تم نے صرف آنا ہی نہیں چھوڑا بلکہ خود سے فون کرنا بھی چھوڑ دیا ہے۔ اتنی بھی کیا مصروفیت کہ فون بھی نہیں کرتی ہو تم۔''

''آپا! تم جلدی سے شادی کر لو اور بس...... پلیز آپا!'' وہ بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہہ رہی تھی۔

''بات کیا ہے آخر؟ تم اپنی سسرال میں خوش تو ہو؟''

''آپ ٹھیک کہتی تھیں کریم جیسا ہے ویسا نظر نہیں آتا آپا...... وہ تو بالکل ہی مختلف ہے اور بے حد عجیب بھی۔''

''کیا وہ تمہیں تنگ کر رہا ہے؟'' شہلا نے پوچھا۔

''یہ لفظ میرے دل کی ترجمانی نہیں کر سکتا۔'' وہ رندھے ہوئے لہجے میں بولی۔

''تم کہو تو میں اس کا دماغ درست کروں آکر؟''

''نہیں آپا، ایسا ہرگز مت کرنا ورنہ میری جان مزید مصیبت میں آجائے گی۔''

''تو پھر میں کیا کروں کہ وہ ٹھیک ہو جائے؟''

''آپا، آپ جلدی سے شادی کر لو، کریم ٹھیک ہو جائے گا۔''

''مگر میرے شادی کرنے سے تمہارے مسائل کیسے ختم ہوں گے؟''

''میرے مسائل تو آپ کی وجہ سے ہی شروع ہوتے ہیں۔'' آخر وہ کہہ ہی گئی۔ ''کاش آپ کی شادی میری شادی سے پہلے ہو چکی ہوتی۔''

اس کی بات پر شہلا سناٹے میں آگئی۔ گو راحیلہ نے کھل کر کوئی ایسی بات نہیں کہی تھی مگر عقل مند کے لیے اشارہ کافی تھا۔ کریم کو وہ پچ ذہنیت کا تو سمجھتی تھی مگر وہ مہا پچ ہو گا یہ اس کو نہیں معلوم تھا۔

اِدھر راحیلہ کو بھی علم تھا کہ کریم گھر آکر کال رجسٹر ضرور چیک کرے گا۔ موبائل کے بارے میں اس کی معلومات صفر تھیں۔ اس لیے اسے آتا دیکھ کر اس نے اپنا موبائل نند کے چھوٹے بچے کے ہاتھ میں پکڑا دیا تھا جسے پا کر وہ دلچسپی سے کھیل رہا تھا اور جب کریم نے بچے کے ہاتھ سے اس کا موبائل لیا تو غصے سے بولا۔

''دیکھو تو اس نے ہر بٹن دبا ڈالا ہے کتنے تو نمبر ڈیلیٹ ہو گئے۔ اندھی ہو تم...... اتنا بھی نہیں دیکھتی ہو کہ بچے موبائل توڑ بھی سکتے ہیں۔''

''مگر میں نے تو کسی کو دیکھا ہی نہیں خالہ کے پاس تھی۔'' وہ ایسی سادگی سے بولی کہ اسے یقین آگیا کہ راحیلہ کو پتا ہی نہیں چلا تھا کہ وہ موبائل گھر میں بھول گیا تھا۔

☆☆☆

راحیلہ کی باتیں سن کر شہلا کا دل چاہا تھا کہ وہ چھوٹی خالہ کے گھر جا کر کریم کو بے نقط سنائے مگر ان معاملات کو کبھی اس طرح نہیں سلجھایا جا سکتا اس کا اسے اندازہ تھا۔

''یا اللہ میں ایسا کیا کروں جو میری بہن کی خانگی زندگی سے ہر کانٹا نکل جائے۔'' وہ جائے نماز پر ماتھا ٹکائے روتے ہوئے دعا مانگ رہی تھی۔ ''میری بہن کی شادی کو ابھی دن ہی کتنے ہوئے ہیں کہ اس کی ہنسی تک روٹھ گئی۔'' وہ از خود پریشان ہو رہی تھی۔ ''مجھے اس شہر سے کہیں چلے جانا چاہیے نہ کریم مجھے دیکھے گا اور نہ ہی وہ راحیلہ کو پریشان کرے گا مگر کراچی سے باہر کوئی عزیز رشتے دار تو کیا کوئی دوست تک نہیں.... '' کراچی سے باہر تو وہ نہیں جا سکتی۔

اب وہ آئینے کے سامنے کھڑی جیسے اپنے آپ کو سمجھا رہی تھی۔

''اللہ حارث کے دل میں میری محبت ڈال دے اور وہ مجھے بیاہ کر لے جائے تو پھر......'' یکبارگی پرانی تمناؤں نے پھر انگڑائی لے کر اسے گدگدایا۔

''ہونہہ......ایسا میرا نصیب کہاں۔'' ایک آہ اس کے لبوں سے آزاد ہوگئی۔

''نہ میری شادی کہیں ہوگی کہ حارث کے علاوہ میں کسی اور سے شادی تو کروں گی بھی نہیں ساری زندگی اسی گھر میں گزرے گی۔ کریم یہاں آکر میرا دل جلائے گا اور یہاں سے جا کر میری لاڈلی بہن کا۔'' وہ افسردہ تھی۔

''اس رذیل شخص کے سامنے اب میں آؤں گی ہی نہیں۔'' اس نے سوچا۔ ''اور جب وہ مجھے دیکھے گا ہی نہیں تو باتیں کب تک بنائے گا۔ ہاں، یہ ٹھیک ہے جب وہ آیا کرے گا تو میں اپنے کمرے سے ہی نہیں نکلوں گی۔'' اس کے دماغ نے بھی دل کی بات کو پاس کر دیا۔

اگلے دن شام کو وہ پائپ سے صحن دھو رہی تھی اور گنگناتے ہوئے صحن کے اطراف میں رکھے ہوئے گملوں میں بھی پانی دے رہی تھی۔ تھوڑی دیر پہلے پڑوس کے بچے سے دہی منگوایا تھا دروازہ بجا تو وہ دروازے کی طرف پشت کیے، کیسے بولی۔

''دروازہ کھلا ہے۔ اندر آجاؤ اور وہی کچن میں رکھ دو۔''

''مگر میں تو دہی لے کر نہیں آیا۔'' کریم نے شوخی سے کہا۔

وہ بدحواس ہو کر۔ پلٹی تو غیر ارادی طور پر پانی کا پائپ بھی کریم کی طرف ہو گیا اور وہ پانی میں نہا گیا۔

''ارے......رے......یہ کیا کر رہی ہو......شہلا! یہ تو زیادتی ہے۔'' اس نے بدحواس سی کھڑی شہلا کے ہاتھ سے پائپ لے کر اس کی طرف کر دیا اور وہ پریشان ہو کر اندر کی طرف بھاگی اور کریم پانی سے اس کے بھیگے وجود کو دیکھ کر پھر لڑکھڑا سا گیا اور وہیں صحن میں ہی بیٹھ گیا۔

''راحیلہ کو بھی لے آتے اپنے ساتھ۔'' ذکیہ بیگم اس کی آواز سن کر کمرے سے باہر آئیں تو اسے دیکھ کر بولیں۔

''ٹھیک ہے کل لے آؤں گا۔ آج اس کا کہیں اور جانے کا پروگرام تھا۔''

''چائے بنواؤں تمہارے لیے؟'' وہ پوچھ رہی تھیں۔

''نہیں خالہ، اس وقت تو لسی پینے کو دل چاہ رہا ہے۔''

''شہلا......ذرا لسی تو بنا کر لے آ......'' خالہ اسے آوازیں دے رہی تھیں۔

اور وہ کمرا بند کیے اپنے بستر پر پڑی تھی۔

''کیا سو گئیں؟'' انہوں نے دروازہ دھڑ دھڑایا تو نہ چاہتے ہوئے بھی اسے باہر آنا پڑا۔

اور جب وہ لسی کا گلاس اس کے سامنے پٹخ کر واپس اپنے کمرے میں جا رہی تھی تو کریم اس کو دیوانوں کی طرح دیکھے جا رہا تھا گو کہ وہ نماز کا بڑا سا دوپٹا لپیٹے باہر آئی تھی مگر اس کے چہرے پر چپکے گیلے بال اس کے حسن میں مزید اضافہ کر رہے تھے اور کریم کی بے قراری اور بڑھ گئی تھی۔

وہ لسی پینے کے بجائے اسی طرف دیکھے جا رہا تھا جہاں وہ غروب ہوئی تھی اور ذکیہ بیگم کو یوں لگ رہا تھا جیسے وہ کوئی پاگل ہو۔

کریم نے جب اپنی خالہ کو اپنی جانب محویت سے دیکھتا پایا تو وہ فوراً کینچلی بدل کر بولا۔

''خالہ ایک بات کہوں میں آپ سے، اگر آپ برا نہ مانیں تو......مگر مجھے لگ رہا ہے کہ آپ برا تو ضرور مانیں گی۔''

''اگر برا ماننے کی ہوئی تو ضرور برا مانوں گی۔'' وہ غصے سے بولیں۔

''چلیں مان لیجیے گا مگر میں سچی بات ضرور کہوں گا۔'' وہ اب ان کے مقابل آ کر بیٹھ گیا تھا۔
''ہاں بکو۔'' ان کا غصہ شاید سوا نیزے پر پہنچ گیا تھا۔ کس طرح وہ شہلا کو ندیدے پن سے دیکھ رہا تھا۔
''آپ کی دونوں بیٹیوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔'' وہ اپنی بات کہہ کر طنزیہ لہجے میں ہنسا۔
''یہ فرق تمہیں پہلے نظر نہیں آیا تھا؟''
''آیا تھا مگر اتنا زیادہ نہیں۔'' وہ تحقیر سے بولا۔
''تو اب میں کیا کر سکتی ہوں؟ یہ سب تو تمہیں پہلے دیکھنا چاہیے تھا ناں۔'' وہ سمجھ رہی تھیں کہ اب وہ شاید راحیلہ کے ٹکڑے کر دے گا۔
''آپ کی راحیلہ تو ہیرا لڑکی ہے اور شہلا تو پتھر ہے۔'' اب وہ ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر محبت سے کہہ رہا تھا۔
''یہ کیا کہہ رہے ہو تم؟'' اب وہ حیرت سے کریم کو دیکھ رہی تھیں اور ان کا لہجہ یک دم شیریں ہو گیا تھا۔
''ہاں خالہ، میری راحیلہ کا لہجہ تو شہد سے زیادہ میٹھا ہے اور یہ شہلا تو ایسے کڑوے لہجے میں بات کرتی ہے جیسے اپنے بہنوئی کی بے عزتی کر رہی ہو۔ آپ کے سامنے لسی بھی ایسے دے کر گئی ہے جیسے میرے منہ پر مار کر گئی ہو۔''
''اب اگر وہ پاگل ہے تو میں کیا کر سکتی ہوں بیٹا۔'' وہ ہنس رہی تھیں۔ ان کا ملال لمحے بھر میں رفو چکر ہو گیا تھا۔
''پاگل نہیں ہے۔'' وہ بڑبڑایا۔ ''پاگل نہیں ہے وہ...... بس پاگل کرنا جانتی ہے۔'' اس کا دل ایک ہی بات بڑبڑا رہا تھا۔

''پتا ہے تمہیں۔ وہ جس لڑکے کے پیچھے پڑی ہوئی تھی وہ جو بینک میں کام کرتا ہے۔''
''ہاں، ہاں وہ حارث جو بینک میں منیجر تھا۔'' کریم نے چونک کر اور قدرے دکھ سے پوچھا۔
''اس کی باتوں کی وجہ سے تو وہ بھاگا تھا بلکہ ایک دن میں نے سنا......''
''کس سے سنا...... کیا حارث یہاں آیا تھا؟'' کریم نے گڑبڑا کر پوچھا۔
''میں گھسنے دوں گی کسی ایرے غیرے کو کیا؟''
''تو پھر کس سے سنا آپ نے؟''
''راحیلہ سے کہہ رہی تھی بلکہ رو، رو کر کہہ رہی تھی کہ اس نے اسے خوب ڈانٹ پلائی کہ تم میرے پاس کیوں آتی ہو...... میرے سامنے بھی مت آیا کرو۔ جب بھی تمہیں دیکھتا ہوں۔ میرے پاس کوئی پریشانی آجاتی ہے۔''
''ایسا کیوں کہا اس نے؟'' اب کریم حیرت سے پوچھ رہا تھا۔
''ارے منحوس بھی تو ہے یہ۔ تمہیں پتا نہیں کیا؟''
''ہاں بھلا مجھے کیا پتا؟''
''ایک مرتبہ کسی شادی میں گئی تو اس کی نحوست وہاں ایسی پڑی کہ اول تو شادی کا کھانا کم پڑ گیا اور جس، جس نے کھایا سب کو ہیضہ ہوگیا۔ ایک بار میں اس کو ریل میں لے کر بڑے ماموں کے ہاں جارہی تھی تو ریل پٹڑی سے اتر گئی۔ کتنی مشکلوں سے ہم واپس گھر پہنچے تھے اس منحوس کی وجہ سے۔''
''خالہ اس منحوس لڑکی کی شادی آپ کو پہلے کرنی چاہیے تھی۔''
''کون کرے گا اس سے شادی؟''
''آپ جس کو حکم دیتیں...... مجال ہے کہ وہ آپ کے حکم سے سرتابی کرتا۔'' کریم نے جیسے دل کی بات کہہ دی۔
''سچی بات کہوں، جس سے بھی اس کی شادی ہوئی...... وہ سر پکڑ کر روئے گا۔ اس ٹائپ کی لڑکیاں گھر کرنے والی تھوڑی ہوا کرتی ہیں۔''
کریم خالہ کو دیکھ کر اب تمسخر سے ہنس رہا تھا۔
''ٹھیک کہہ رہی ہوں میں۔'' لہجے میں تو فکی رچا کر وہ بولیں۔
''اب ہر لڑکی، کوئی میری راحیلہ جیسی تھوڑی ناں ہوتی ہے۔''
''ہونی بھی نہیں چاہیے۔'' وہ پھر دل میں بڑبڑایا۔
اور شکر ہے ذکیہ اس کے دل کی بات کا اندازہ اس کے چہرے سے بھی نہیں لگا سکی تھیں۔
کریم شاداں و فرحاں سا گھر واپس جارہا تھا۔ اس کی نظروں کے سامنے وہی لمحہ ٹھہر گیا تھا جب اس کے ہاتھ میں پائپ تھا اور پانی کی تیز دھار اس کے چہرے اور جسم کو بھگو رہی تھی تو وہ پانی کی بوندوں کو کس طرح اپنے ہاتھوں سے بچا رہی تھی۔ دوپٹا تو پہلے ہی قریبی کرسی پر پڑا تھا اور لان کی شرٹ...... اور جب وہ وہاں سے بھاگی تھی تو اس نے اس کے گلابی پیروں سے اوپر بھیگے ہوئے ٹخنے تک دیکھ لیے تھے اور یہ منظر کسی صورت اس کی آنکھوں سے غائب ہونے کا نام نہیں لے رہا تھا۔

☆☆☆

نہ وہ پاگل ہوا تھا اور نہ ہی بیمار۔ بظاہر وہ پہلے جیسا ہی تھا۔ پہلے ہی کی طرح آفس آرہا تھا۔ پہلے ہی کی طرح اس کا کام جاری تھا۔ گھر میں بھی...... اس کے رویے میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ مگر ندیم خان خود جانتا تھا کہ اب وہ پہلے جیسا نہیں رہا تھا۔

اب ہنسنا تو دور کی بات...... اسے قصداً مسکرانے میں بھی اذیت سی ہو رہی تھی۔ آفس آنے کو اس کا ذرا بھی دل نہیں چاہ رہا تھا مگر وہ آ رہا تھا۔ سین آپا سے اس دن کے بعد اس موضوع پر دوبارہ بات نہیں ہوئی تھی مگر وہ جب بھی آتیں اسے لگتا کہ وہ وہی بات کرنے آئی ہیں۔ وہ اسے یہی جتانے آتی ہیں کہ کیا تم ہمیں پھر سے بے عزت کروانا چاہتے ہو۔ اس سے کہاں غلطی ہوئی تھی۔ اس کی سمجھ میں بالکل نہیں آ رہا تھا۔ صبا رحیم کوئی مشکل لڑکی تو نہیں تھی۔ وہ تو جیسی تھی سب کے سامنے تھی۔ اس نے تو کبھی اس سے نہ فری ہونے کی کوشش کی تھی اور نہ ہی لگاوٹ کا اظہار کیا تھا مگر یہ جو کہا جاتا ہے کہ مرد کی محبت بھری نظر ہر لڑکی پہچان لیتی ہے۔ تو کیا وہ نہیں پہچان پائی تھی۔ فرید تو کہتا تھا کہ اس آفس کے دروازے اور کھڑکیاں بھی اس کی چاہت بھری محبت کی گواہی دے سکتے ہیں تو وہ لوہے کی تو نہیں بنی تھی۔ اسے اس کی محبت کا احساس تک نہیں ہوا...... یا پھر وہ تماشے بنانے کی عادی تھی۔

''ہاں شاید وہ اذیت پسند لڑکی ہے۔'' اس نے جیسے اپنے آپ سے کہا۔

اس سے دلی محبت کرنے کے باوجود اپنے اظہار سے قبل اس نے شائستہ انداز میں اس کی مرضی تک پوچھی تھی۔

''صبا، میری والدہ آپ کے گھر آنا چاہ رہی ہیں۔ آپ کو اس ضمن میں کوئی اعتراض ہو تو میں انہیں پہلے ہی منع کر دوں۔''

''آپ کیوں منع کریں گے؟'' وہ حیران ہوئی تھی۔

''یہی کہ کسی کے گھر جا کر انہیں بور نہ کیا جائے۔''

''نو سر...... میں بور نہیں ہوتی اور نہ ہی میں کسی کو بور ہونے دیتی ہوں۔''

''تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی اجازت ہے۔'' وہ دبے، دبے لہجے میں پوچھ رہا تھا۔

''آپ بھی آئیں گے اُن کے ساتھ؟''

''نہیں، فی الحال تو نہیں آ سکتا۔''

''کیوں نہیں آ سکتے؟'' وہ معصوم بن کر پوچھ رہی تھی یا اس سے دل کی بات اگلوانا چاہ رہی تھی۔

''ان دنوں، میں آفس میں مصروف ہوں۔ میرے پاس کہاں اتنا وقت ہے کہ چھٹی کے دن بھی گھومتا پھروں۔''

''اوہ...... تو آپ نہیں آ رہے۔ میں نے جو اتنی اچھی کافی بنانی سیکھی ہے۔ وہ آپ نہیں پئیں گے۔''

''پھر کبھی پی لیں گے۔'' وہ مسکرایا۔

تو...... وہ کچھ سوچ کر یا پھر شرما کر اچانک ہی اٹھ کر اپنے کیبن میں چلی گئی تھی۔

اس کے یوں اٹھ جانے پر وہ خود ہی تاویلیں دے رہا تھا اور از خود خوش ہو رہا تھا۔

اس وقت وہ آفس سے آ کر اپنی ماں کے سامنے بیٹھا چائے پی رہا تھا۔ بظاہر ان کی باتیں بھی سن رہا تھا مگر اس کا ذہن اسی دشمنِ جاں کی جانب تھا۔

آج وہ ڈارک اور لائٹ پرپل کمبی نیشن سوٹ میں کتنی پیاری لگ رہی تھی۔

بریک میں اسے نماز پڑھتے ہوئے، دعا مانگتے ہوئے دیکھ کر اس کا دل کتنی بار چاہا تھا کہ اس سے کہے۔ ''تم میرے سکونِ دل کی دعا بھی مانگ لو۔'' مگر وہ تو اسے اگنور کر رہا تھا یا اپنے آپ سے جنگ کر رہا تھا۔ اپنی دلی حالت سے بھی شاید وہ بے خبر تھا۔

''ارے بیٹا، اب میں کتنی بار بتاؤں کہ میں کل عدیم کے ساتھ اس کے دوست کے گھر گئی تھی۔'' سلمیٰ بیگم نے گم صم بیٹھے بیٹے کو تیسری مرتبہ بتایا۔

''اچھا، اچھا۔'' وہ چونکتا ہو کر بولا۔

''اس میں اتنی حیرت کی کیا بات ہے؟'' اس کے اس انداز پر انہیں تعجب سا ہوا۔
''وہ اس لیے ہوا کہ.....'' لمحہ بھر کے لیے اس نے اپنے آپ کو سنبھالا۔
''آپ تو سبین آپا کے بغیر کہیں جاتی ہی نہیں بلکہ اُن کے ساتھ جا کر زیادہ اچھا محسوس کرتی ہیں۔ آپ عدیم کے ساتھ کیسے چلی گئیں۔ اس کی فاسٹ ڈرائیونگ تو آپ کو سخت ناپسند ہے۔'' اس نے جیسے بات بنائی۔
''ارے بھئی عدیم کی دوست کی والدہ بیمار ہیں ناں تو اس کے ساتھ ہی جانا تھا ناں۔''
''اوہ..... یہ بات تھی۔''
''ہاں بیٹا، میں تو اُن کی عیادت کو گئی تھی۔''
''اچھا کیا، ہو آئیں آپ۔'' اب ندیم نے ٹی وی کا ریموٹ اپنے ہاتھ میں لے کر بے وجہ چینلز سرچ کرتے ہوئے کہا۔
''میرا وہاں جانا اچھا ہی ہوا۔ ان کی بیٹی بہت پیاری لگی مجھے اور میں بہانے سے اس کی تصویر بھی لے آئی ہوں۔''
''امی آپ عیادت کرنے گئی تھیں یا عدیم کے لیے لڑکی پسند کرنے؟''
''بعض مرتبہ دو کام بھی ایک ساتھ ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ میں ان کے ہاں پہلی مرتبہ گئی تھی مگر وہ گھرانا مجھے بے حد پسند آیا ہے۔''
''چلو، کوئی تو آپ کو پسند آیا۔'' وہ پھیکے سے لہجے میں بولا۔
''تمہیں بھی وہ لڑکی اچھی لگے گی۔''
''میری پسند سے کیا ہوتا ہے، آپ عدیم سے پوچھیے جس کو شادی کرنی ہے، اس کی پسند کافی ہے۔''
''مگر میں نے تو اسے تمہارے لیے دیکھا ہے۔''
''میرے لیے آپ کسی کو نہ دیکھیں۔''
''کیوں نہ دیکھوں؟''
''عدیم کی شادی پہلے نہیں ہو سکتی کیا؟''
''عدیم کی بھی ہو جائے گی مگر پہلے تو تمہاری ہونی چاہیے..... تم عدیم سے پانچ سال بڑے ہو۔''
''امی اب تو لڑکیوں کی شادیاں لائن کے حساب سے نہیں ہوا کرتیں۔ آپ عدیم کی شادی کیجیے۔''
''بیٹا، تم تصویر تو دیکھو۔ نہ پسند آئے تو پھر کہنا۔ وہ تو مجھے صبا سے بھی کہیں زیادہ اچھی لگی۔ تمیز میں، تہذیب میں۔'' سلمٰی بیگم نے اپنا پرس ٹٹولتے ہوئے کہا۔
''مجھے کسی کی، کوئی بھی تصویر دیکھنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔'' وہ اپنے کمرے کی جانب جانے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔
''کیوں..... کیا اپنے آفس کی... اس بدتمیز لڑکی کے لیے تیاگ لے لو گے؟''
''نہیں، ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔'' وہ پلٹ کر بولا۔
''اس سے عشق ہو گیا ہے ناں تمہیں؟''
''نہیں تو.....'' اسے اپنا لہجہ خود اجنبی سا لگا۔
''تو کیا..... اس کے علاوہ کسی دوسری لڑکی سے شادی کر لو گے؟''
''ہاں کر لوں گا۔'' وہ پھر جھوٹ بولنے کے انداز میں بولا اور پھر رکا نہیں اور اپنے کمرے میں جا کر ہی دم لیا۔ اپنے بیڈ پر گر کر اسے یوں لگا کہ وہ کتنا کمزور شخص ہے ایک لڑکی کے انکار پر ٹوٹ رہا ہے۔

☆☆☆

چھوٹی خالہ کی ٹانگ کا پلاسٹر اتر گیا تھا اور وہ آہستہ آہستہ گھر میں چل رہی تھیں۔

راحیلہ نے پہلے ہی کی طرح سارا کام سنبھالا ہوا تھا اور وہ ابھی تک خالہ کے چھوٹے سے چھوٹے کام بھی خود ہی کر رہی تھی۔

خالہ نے ایک دن اس کے ہاتھ سے کنگھا لے کر کہا۔ ''میری تو ٹانگ ٹوٹی تھی، ہاتھ تو میرے ٹھیک ہیں اور اب ٹانگ بھی ٹھیک ہو چکی ہے۔ اپنے بال میں خود بھی بنا سکتی ہوں۔''

''خالہ آپ کمزور ہو گئی ہیں ناں، میں آپ کے سر میں تیل لگاؤں گی تو آپ کو سکون بھی ملے گا۔''

''کہا ناں میں نے...... اب میں بالکل ٹھیک ہوں۔ مگر تم مجھے ٹھیک نہیں لگ رہی ہو۔'' وہ اس کی شکل بغور دیکھتے ہوئے بولیں جو اتری ہوئی سی تھی۔

''مجھے کیا ہونا تھا، میں تو بالکل ٹھیک ہوں۔'' وہ قصداً مسکرائی۔

''میرے سامنے جھوٹ مت بولو، میں سب جانتی ہوں۔'' وہ اس کے سامنے بیٹھ کر اس کا چہرہ اپنی انگلیوں سے اٹھاتے ہوئے بولیں۔

''خالہ، آپ کیا جانتی ہیں؟'' آنسو اس کے رخساروں پر پھیل گئے۔

''یہی کہ تم خوش نہیں ہو۔'' اُن کا لہجہ وثوق بھرا تھا۔

''نہیں تو، ایسی تو کوئی بات نہیں۔'' اس نے نظریں جھکائے جھکائے کہا۔

''میری طرف دیکھو۔''

''جی خالہ۔'' نظریں ملا کر، آنکھیں پھر جھک گئیں۔

''تم، کریم کے ساتھ خوش نہیں ہو ناں...؟'' ان کے لہجے میں دکھ گھلا ہوا تھا۔

''خالہ، میں تو ان کے ساتھ خوش ہوں مگر وہ میرے ساتھ خوش نہیں ہیں۔''

''کیوں خوش نہیں ہے وہ؟'' اب حیران ہونے کی باری چھوٹی خالہ کی تھی۔

''میں خوب صورت جو نہیں ہوں۔''

''مگر تو، تو اتنی اچھی ہے۔ اپنی نندوں کے ساتھ بہنوں سے بڑھ کر، ساس کے ساتھ...... بیٹی سے بڑھ کر راحیلہ تجھ سے بڑھ کر تو کوئی خوب صورت ہو ہی نہیں سکتا۔''

''کریم کو ایسی خوب صورتی نہیں چاہیے۔'' وہ اپنی آہیں اپنے گلے میں گھونٹ کر بولی۔

''پھر کیسی خوب صورتی چاہیے اسے؟''

''جیسی شہلا آپا ہیں۔ انہیں ویسی ہی حسین لڑکی چاہیے۔''

''اوہ...... تو یہ بات ہے۔'' چھوٹی خالہ نے اپنا ماتھا پیٹ لیا۔

''میں تو سمجھتی تھی کریم بڑا سمجھ دار ہے مگر یہ تو باؤلا ہی نکلا۔ مگر تم نے یہ سب جان کر اپنا بالکل ہی خیال رکھنا چھوڑ دیا۔'' اب چھوٹی خالہ اس کا بغور جائزہ لے رہی تھیں۔

''تین دن سے تو تم نے اپنا لباس تبدیل نہیں کیا۔ نئی نئی دلہن ہو، نہ میک اپ، نہ زیور اور نہ ہی کوئی اور شوق۔''

''کس کے لیے یہ سب کروں؟ جو نظر اٹھا کر مجھے دیکھتا تک نہیں۔''

''ہاں اسی کے لیے کرو۔ وہ دیکھے گا اور ضرور دیکھے گا، کوئی اندھا تھوڑی ہے۔ ہاں بس تھوڑا سا پاگل ضرور

ہے۔'' اب خالہ اسے اپنی دانست میں پاس بٹھا کر بڑے دُلار سے مشورے دے رہی تھیں۔ جنہیں وہ سن کر اپنا سر اثبات میں ہلائے جارہی تھی۔

☆☆☆

شہلا نے جب سے اپنے اسکول کی جاب چھوڑی تھی وہ سارا وقت گھر میں ہی رہتی تھی۔

ذکیہ بیگم کا خیال تھا کہ وہ جلد کوئی دوسری جاب ضرور ڈھونڈ لے گی کہ اس کی جاب کے بغیر ان کا گزارہ واقعی مشکل تھا۔ مگر جس طرح بے دلی سے وہ گھر میں اپنا وقت گزار رہی تھی انہیں لگ رہا تھا کہ وہ واقعی کہیں بیمار ہی نہ ہو جائے۔ اس لیے ان دنوں وہ اس کا زیادہ خیال رکھ رہی تھیں۔

''شہلا بیٹا! تم راحیلہ کے پاس چلی جاؤ۔ اگر وہ کم کم آرہی ہے تو تمہیں تو اس کے پاس جانا چاہیے۔''

''آپ ہر دوسرے روز اس کے پاس چلی تو جاتی ہیں۔'' اس نے خاصی بے اعتنائی سے کہا۔

''مگر وہ تمہیں دیکھ کر زیادہ خوش ہوتی ہے۔ کیا میں جانتی نہیں ہوں اور اپنے دل کی بات بھی وہ تم ہی سے کرنے کی عادی ہے۔''

''چلی جاؤں گی کسی دن۔''

''کریم بھی کئی بار راحیلہ کو باتیں سنا چکا ہے کہ تمہاری بہن کو تمہاری اتنی بھی پروا نہیں ہے کہ تمہیں شاپنگ ہی کروا دے۔''

''امی، اب آپ کریم کی باتیں میرے سامنے نہ کیا کریں۔ اگر وہ اچھا ہوتا ناں تو خود ہی راحیلہ کا خیال رکھتا۔ الٹی سیدھی باتیں نہ بنایا کرتا۔'' اس کے ذکر پر وہ برا سا منہ بنا کر بولی۔

''بیٹا! اب وہ تمہارا بہنوئی ہے۔ اب تو اس کا عزت سے ذکر کر لیا کرو مگر تمہارا تو وہی عالم ہے کہ اس کا نام سن کر ہی اچھل کر آتی ہو جیسے وہ کوئی گیا گزرا ہو۔ ایسی بات نہیں ہے، اس کی بہت عزت ہے۔''

''ہاں معلوم ہے مجھے۔ کیسا ہے وہ؟ اور کتنی اس کی عزت ہے۔'' اس نے بڑبڑاتے ہوئے کہا اور اپنے کمرے میں آکر لیٹ گئی۔

اس وقت وہ کریم کے موضوع پر کسی سے بھی کوئی ٹاکرا کرنے کے لیے تیار نہیں تھی۔

☆☆☆

''انسان کی زندگی میں دو گام ضرور آتے ہیں۔ کسی کے دل میں اتر جانا یا دل سے اتر جانا......'' وہ سوچ رہا تھا۔ عام طور پر رات بارہ بجے تک وہ لازمی سو جایا کرتا مگر اس وقت تین بج رہے تھے اور نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔

''میں تمہارے دل میں داخل ہونے سے پہلے ہی اتار دیا گیا بلکہ جتلا دیا گیا خبردار اس جانب دیکھنا بھی نہیں۔ وہ تمہارے لیے ممنوعہ چیزوں میں سے ایک ہے۔ ایسا کون سا وہ شہزادہ ہے جس سے منگنی کے بعد بلکہ جس کے فرار ہو جانے کے بعد بھی وہ اسی کے نام کی مالا جپ رہی ہے۔ ہوگا کوئی...... مجھے کیا۔ جس راہ جانا نہیں اس طرف تو دیکھنا بھی نہیں چاہیے۔'' اس نے ایک بار پھر اپنے آپ کو سمجھایا۔

مگر دلِ ناداں سمجھنے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔ اسے یاد آرہا تھا غیر ارادی طور پر ٹیبل کی دراز میں آنے والی اس کی زخمی انگلی دیکھ کر اس کا پریشان ہو جانا۔ کیسے آگے بڑھ کر اس نے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا اور انگلی کو اپنے ہاتھ سے دباتے ہوئے کس معصوم بھرے لہجے میں کہا تھا۔

''ابھی خون بند ہو جائے گا۔ میری امی اسی طرح کرتی ہیں۔'' فرید بھی مسکرائے بغیر نہیں رہا تھا اور اس کے

کمرے سے باہر جانے کے بعد بولا۔

''کل میں بھی اپنا ہاتھ دراز میں دوں گا۔ تو دیکھنا اس سمیت پورا اسٹاف شور مچاتا ہوا آفس سے باہر نکل جائے گا مگر میرا ہاتھ کوئی نہیں تھامے گا۔''

''ہاں، پاگلوں کی حرکتیں دیکھ کر لوگ اسی طرح کیا کرتے ہیں۔'' ندیم خان بے اختیار ہنس دیا تھا۔

''اور تم جو اس کے لیے بے کل دکھائی دے رہے ہو اور اس سے بظاہر اخباری گفتگو کرتے ہوئے اپنا ہاتھ اپنی دراز میں دبا کر کیا اپنے عقل مند ہونے کا ثبوت دے رہے تھے۔''

''یار ایسا بے خیالی میں ہو گیا۔'' وہ واقعی کھسیا گیا تھا۔

''ہم نے تو کبھی بے خیالی میں چھری سے سیب کے بجائے اپنا ہاتھ نہیں کاٹا اور نہ ہی دراز میں کاغذات رکھتے ہوئے اپنی انگلیاں فگار کیں۔''

''تو تیرا یہ خیال ہے کہ میں نے یہ سب اس کی توجہ حاصل کرنے کے لیے کیا تھا؟''

''نہیں ہم یہ چاہتے تھے کہ یہ دیکھو کہ وہ تمہیں کتنی اہمیت دیتی ہے۔''

''مگر وہ اپنے سوا کسی کو کوئی اہمیت نہیں دیا کرتی۔'' اس نے فرید سے کہا تو وہ ہنس دیا۔

''اور ایسی لڑکیاں شادیاں کیا ہی نہیں کرتیں۔'' فرید کا لہجہ وثوق بھرا تھا۔

''ایسا کیوں کہہ رہے ہو تم؟''

''یار، لڑکیوں کی قسم ایک ایسی بھی دریافت ہوئی ہے جو اپنے خیالی محبوب سے محبت کرتی ہیں اور تب انہیں زمین پر رہنے والا کوئی بھاتا ہی نہیں۔''

''ایسا تم کس وجہ سے کہہ رہے ہو۔ تمہاری تو شادی ہوئے بھی پانچ سال کا عرصہ گزر گیا۔''

''یار، کہانیاں تو ساتھ، ساتھ چلا کرتی ہیں۔ جب یہ یونیورسٹی میں پڑھتی تھی تو میرا کزن اس کے ساتھ تھا۔ یہ صبا صاحبہ کیسے لڑکوں سے دور بھاگتی تھی اور پھر جہاں یہ پروڈکشن ہاؤس میں کام کرتی تھی تو وہاں اداکاروں میں سے کئی ہیروز بھی اس کی جانب لپکے تو یہ ان سے بھی دور بھاگی اور اب یہ ہمارے اخبار میں ہے اور مجھے تمہاری آنکھوں میں اس کے لیے محبت کی لہریں ٹھاٹھیں مارتی نظر آ رہی ہے تو میں تم کو پہلے سے وارن کر رہا ہوں کہ یہ تم کو گھاس بھی نہیں ڈالے گی۔''

''فرید صاحب گھاس کھاتے ہوں گے آپ، مجھے...... الحمدللہ میں مزے دار کھانے کھایا کرتا ہوں۔ اس لیے میرے لیے فکر مندمت ہوں۔''

''یار میں تو تمہیں سمجھا رہا تھا اور تم خواہ مخواہ تپ گئے۔'' فرید نے اس کا موڈ بحال کرنے کی کوشش کی۔

''میں لڑکیوں کے پیچھے لپکنے والا کوئی فلمی چھوکرا نہیں ہوں جسے ہیروئین کی چاہت حاصل کرنے کے لیے اپنی عزتِ نفس بھی چاہے داؤ پر لگانی پڑ جائے تو وہ اس کی فکر نہیں کیا کرتا۔''

اور اب اسے اپنی ہی کہی ہوئی باتیں غلط لگ رہی تھیں۔ محبت کرنے والا ہر لڑکا شاید از خود ہی اپنے آپ کو ہیرو ہی سمجھنے لگتا ہے۔ جیسا فلموں کا ہیرو بے مثالی ہوا کرتا ہے۔ بالکل ویسا ہی۔

''مگر جب کوئی ذی روح مکمل نہیں ہے تو میں کیسے مثالی صفات کا حامل ہو سکتا ہوں اور اسی طرح وہ بھی۔ شاید فرید، اس کے بارے میں بالکل ٹھیک کہتا تھا۔ وہ اپنے خیالی محبوب کی دیوانی ہے اور اس کے لیے ہی اپنی زندگی بتا دے گی۔ پاگل کہیں کی۔'' دلِ ناداں پھر بھی کچھ کہنے سے باز نہیں آیا اور وہ از خود خفت زدہ سا ہو گیا۔

☆☆☆

جون کی گرمی اور پھر آج اس کا روزہ بھی بغیر سحری کا تھا۔ شہلا کا خیال تھا کہ جب امی سحری کرنے کے لیے اٹھیں گی تو وہ اسے اٹھا دیں گی مگر وہ اور ابو تو طبیعت خرابی کے باعث روزہ ہی نہیں رکھ رہے تھے اور جب امی کی آنکھ کھلی تو فجر کی اذانیں ہو رہی تھیں۔

اور آج اسے راحیلہ کو نہ صرف لان کے سوٹ دلوانے تھے بلکہ اسے اپنی طرف سے اس کے لیے عید کا سوٹ بھی خریدنا تھا۔ یہ راحیلہ کی پہلی عید تھی اور وہ نہیں چاہتی تھی کہ کہیں کوئی کمی رہ جائے۔ سو وہ اسے میچنگ کی ہر چیز دلوائے چلی جا رہی تھی۔

''آپا اب بس بھی کریں، گھر چلتے ہیں۔'' راحیلہ نے اس سے کوئی تیسری بار کہا۔

''نہیں، ابھی تمہاری چوڑیاں اور پازیب رہ گئی ہیں۔''

''بعد میں لے لیں گے، مجھے اندازہ ہو رہا ہے کہ آپ بھی بہت تھک گئی ہیں۔''

''نہیں، میں نہیں تھکتی، چلو اب سامنے والی مارکیٹ میں...... چوڑیوں کی دکان پر۔''

''رش دیکھیں تو کس قدر بڑھ گیا ہے۔'' راحیلہ نے سیڑھیوں کی طرف لوگوں کی بھیڑ دیکھ کر اسے روکنا چاہا۔

''ارے بھئی چلو ناں۔'' شہلا نے اس کا ہاتھ تھاما اور تیزی سے آگے بڑھی۔

اب وہ راحیلہ کا ہاتھ پکڑے تیزی سے بڑھتی چلی جا رہی تھی اور پھر کوئی تیزی سے سیڑھیاں اترتے ہوئے اس سے ٹکرایا۔ دوسرے ہاتھ میں پکڑے شاپنگ بیگز اس کے ہاتھ سے گر پڑے۔

''سوری مس......'' ٹکرانے والے نے بیگز سمیٹ کر اس کی جانب دیکھا تو دیکھتا ہی رہ گیا۔

یہ حارث تھا جو ابھی اپنے دوست ریحان سے میٹنگ کر کے اس مال میں آیا تھا کہ اپنی ماں کے لیے کچھ لے لے مگر یہاں تو شہلا نظر آ گئی تھی۔

اور اس کے کان میں ریحان کی باتیں گونج رہی تھیں۔ ''ساجد کے بارے میں جو بات مجھے معلوم ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ اپنی تمام تر خوبیوں کے باوجود اسے خوب صورت لڑکیوں کی سنگت میں رہنا بہت پسند ہے۔ براؤن آنکھیں اور شہد جیسے براؤن بال اسے بے حد پسند ہیں اور کتنی عجیب بات ہے کہ اس کے ہاں جاب کرنے والی تمام لڑکیاں براؤن آنکھوں اور براؤن بالوں والی ہیں۔''

''تو پھر میں کیا کروں؟'' وہ الجھ کر بولا تھا۔

''کوئی براؤن آنکھوں والی لڑکی ڈھونڈو تا کہ اسے ہم وہاں جاب دلوا سکیں تو سمجھ لو، جو کام ہم نہیں کر سکے وہ لڑکی سب حاصل کر کے آ جائے گی۔''

''ریحان یار، ہم کوئی فلم نہیں بنا رہے کہ کوئی ہیروئن ہائر کر کے اس خبیث شخص کے پاس بھیجیں۔ اگر تم شرافت سے کچھ حاصل نہیں کر سکتے تو میں غیر اخلاقی ہتھکنڈوں سے تو کوئی کام نہیں کروں گا۔''

''میرے بھائی گھی بعض مرتبہ ٹیڑھی انگلیوں سے بھی نکالنا پڑتا ہے۔'' ریحان نے اسے سمجھایا۔

''تو پھر تو ہمیں کسی کال گرل سے رابطہ کرنا چاہیے۔ وہ زیادہ بہتر یہ کام کر سکے گی۔'' حارث کا غصہ بڑھتا ہی جا رہا تھا۔

''ایک بدمعاش شخص جو خوب صورت لڑکیوں کے ٹولے میں رہنا پسند کرتا ہو۔ وہ سب کو بے حد معزز اور نیک نظر آ رہا ہے تو اس سے اس کے دل کی بات غیر اخلاقی انداز سے ہی حاصل ہو سکتی ہے۔ اس کے علاوہ کوئی شفاف طریقہ ہے ہی نہیں۔''

''سوری یار، تم چھوڑ دو اب یہ سب۔''

میں عظمیٰ حمید زہری اور میرا اوستہ محمد

تعلیم میری انٹر ہے کیونکہ اس کے بعد رزلٹ کا انتظار کیے بنا کسی اور کی زندگی سنوارنے پہنچ...... ابھی تو میں خود تھوڑی، تھوڑی بات پر روتی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ایک اور روتا میری گود میں ڈال دیا ہاں جی 2012ء میں بیٹے کی ماں بنی پھر خود کو بھول کر اسے خاموش کرانے میں تین سال لگے۔ وہ چپ ہوا تو ہم نے سکھ کی سانس لینی چاہی لیکن لے نہ پائے کیونکہ پھر کیوٹ سی بیٹی زندگی میں رنگ لیے آگئی ابھی تو اسے جی بھر کر پیار بھی نہ کر پائے کہ دوسری بیٹی بھی رنگوں، خوشیوں اور رونق میں اضافہ کرنے پہنچ گئی۔ کیا کریں کل تک خود اسکول جاتے تھے آج بچے اسکول جانے لگے ہیں۔ زندگی بھاگ رہی ہے اور ہم زندگی کو پکڑنے میں ہی ہلکان ہوئے جا رہے ہیں۔ میرا شوق مطالعہ (ناولز، ڈائجسٹ، اسلامی بکس) اب قرآن پاک تو ہر کوئی شوق سے پڑھتا ہے ایک اور شوق بھی ہے ایک حسین سپنا ہے کعبہ کی زیارت، تعلق صوبۂ بلوچستان کے گاؤں (محمد مراد زہری سے) لیکن ابھی رہتی اوستہ محمد میں ہوں، بھئی جہاں سر کے تاج ہوں گے وہیں ہم بھی۔ ہمارے شہر اوستہ محمد کی خاصیت یہ ہے کہ وہ انگریزوں کے دور سے یوں ہی آب و تاب سے چلا آرہا ہے۔ انگریزوں کے دور کا اسکول، اسپتال اور جیل آج بھی اسی شان سے ہیں جیسے ابھی انگریز چھوڑ گئے ہوں۔ میرا ارمان ہے میری خواہش ہے کہ میں آپ سے ملوں بلکہ پاکیزہ کے ہر اس فرد سے ملوں جو ذرا برابر بھی پاکیزہ سے جڑا ہو۔

''یار حارث تم میری بات بالکل غلط سمجھ رہے ہو، میں ہر وہ طریقہ جائز انداز میں ہی اپناؤں گا جس سے مجھے یہ معلوم ہو جائے کہ اسے یہ سب کرنے کی کیا ضرورت تھی اور اس کے پیچھے یقیناً کوئی ایسی بات ضرور ہوگی جس کی وجہ سے اس نے صرف تم کو ہی نقصان پہنچایا جبکہ اس کے اکاؤنٹس تو دیگر بینکوں کی برانچز میں بڑی خوش اسلوبی سے چل رہے ہیں اور کسی کو بھی ساجد سے کوئی شکایت نہیں ہے۔''

''تو کیا تم سمجھتے ہو کہ میں ایسی کوئی لڑکی ڈھونڈ سکتا ہوں؟'' حارث کا لہجہ تمسخرانہ سا تھا۔ ''کیا تم مجھے جانتے نہیں ہو۔''

''کیوں نہیں ڈھونڈ سکتے۔ آخر اتنے عرصے بینک کے منیجر رہے ہو۔ کیا وہاں کوئی بھی بھوری آنکھوں اور بھورے بالوں والی لڑکی نظر نہیں آئی؟'' اب ریحان ہنس بھی رہا تھا۔

''آئی ہوں گی مگر میں نے کبھی کسی کو اتنے غور سے نہیں دیکھا۔''

''کسی کو بھی نہیں دیکھا؟'' ریحان کا لہجہ اب شرارتی تھا۔

''نہیں۔'' حارث کا لہجہ ویسا ہی سنجیدہ تھا اور وہ اس کی شرارت کو بھی نہیں سمجھ رہا تھا۔

''مجھے معلوم ہے تم کچھ نہیں کر سکو گے۔ میں اپنی سیکریٹری سے کہتا ہوں کہ کوئی ایکٹوسی لڑکی اپنی نظر میں رکھے.... جو انہی صفات کی حامل ہو۔''

''تمہارا کیا خیال ہے، پتا چل سکے گا کچھ؟'' حارث اس سے اٹک اٹک کر پوچھ رہا تھا۔

''انشاء اللہ ضرور...... تم بے فکر رہو۔ میں تمہارا دوست ہوں تمہاری پریشانی جب تک رفع نہیں ہوگی میں بھی چین سے نہیں بیٹھوں گا اور نہ ہی اب اس مسئلے کو حل کیے بغیر رہ پاؤں گا۔''

''اس کا مطلب ہے کہ میں اب ریلیکس ہو جاؤں۔'' حارث دھیمے لہجے میں بولا۔

''ہاں یار...... عید قریب ہے۔ تم اس کی تیاری شیاری کرو۔ ورنہ آنٹی اگر تمہارا ہمہ وقت منہ لٹکا دیکھیں گی تو وہ بھی رنجیدہ ہوں گی۔''

''اوہ، میں نے تو ابھی تک امی کے لیے عید کی کوئی شاپنگ نہیں کی اور وہ کبھی خود سے اپنے لیے۔۔ کوئی اہتمام نہیں کیا کرتی ہیں۔'' حارث نے چونکتے ہوئے اسے بتایا۔

اور اس وقت وہ اپنی والدہ کے لیے سوٹ لے کر نکلا تھا کہ شہلا سے ٹکرا گیا۔

اس کو اس کے شاپر زدیتے ہوئے وہ اس کی براؤن آنکھوں اور براؤن بالوں کو اس طرح دیکھ رہا تھا جیسے پہلی مرتبہ دیکھ رہا ہو۔ سوری مس کا جملہ ادا کرنے کے بعد اسے پتا چلا تھا کہ شہلا اس سے آج پھر ٹکرا گئی تھی۔

''سنیے آج میں آپ سے نہیں ٹکرائی ہوں، آپ مجھ سے ٹکرائے ہیں۔ میں نے آپ کا راستہ نہیں روکا بلکہ آپ نے روکا ہے۔'' شہلا کا لہجہ ناراضی لیے ہوئے تھا۔

''ہاں، آج واقعی میں آپ سے ٹکرایا ہوں۔'' وہ مسکرایا۔

''مگر اس کے لیے بھی میں آپ سے سوری کرتی ہوں کہ آج بھی آپ کی راہ میں نے کھوٹی کی۔'' شہلا اس کے ہی جملے اسے لوٹا رہی تھی۔

''سوری شہلا، آپ کو میری باتوں سے دکھ پہنچا۔'' اس نے انتہائی شائستہ لہجے میں کہا۔

''کوئی ایسا دیسا دکھ؟ آپ نے تو میری مٹی پلید کر کے رکھ دی تھی۔''

حارث کو اس کا مکالمہ سن کر دل میں ہنسی بھی آئی اور دل چاہا کہ کرارا سا جواب دے کر اس کی طبیعت بھی صاف کر دے۔

''اے پاگل لڑکی...... میرا تم سے ایسا کون سا ناتا تھا جو تم مجھ سے اتنی امیدیں وابستہ کر بیٹھی تھیں۔'' مگر وہ صرف مسکرا کر خاموش ہو گیا تھا۔

''مجھے لگتا ہے اللہ نے میری ساری دعائیں سن لی ہیں جب ہی تو آپ سے ملاقات ہوگئی۔'' راحیلہ جو ان دونوں کے قریب اجنبی بنی کھڑی تھی حارث کو اتنے اچھے موڈ میں دیکھ کر بولی۔

''آپ کی تعریف؟'' حارث نے پلٹ کر اسے حیرت سے دیکھا اور قدرے اکھڑ لہجے میں پوچھا۔ ''یک نہ شددو شد......''

''میں شہلا آپا کی چھوٹی بہن راحیلہ ہوں۔'' اس نے جیسے فخر سے بتایا۔

''السلام علیکم...... دراصل میں نے آپ کو دیکھا ہی نہیں۔''

''ہاں، آپ آپا کو دیکھ کر ہی سب کچھ بھول گئے تو آپ کو کوئی دوسرا کیسے نظر آسکتا تھا۔'' راحیلہ اپنے حساب سے اس سے مذاق کر رہی تھی۔ اور وہ کلس کر رہ گیا تھا۔

...... شہلا اسے تکے چلی جارہی تھی۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اسے اپنی آنکھوں میں بھر لے۔

منہ پر آئی بالوں کی لٹوں کو اس نے پیچھے کیا تو حارث نے اسے بغور دیکھا تو احساس ہوا کہ وہ صرف خوب صورت ہی نہیں بلکہ خوب صورت ترین لڑکی ہے۔ مگر لڑکیوں کو تو باوقار بھی ہونا چاہیے۔

''ویری گڈ۔'' وہ جیسے اپنے آپ سے بولا۔

''آپ تو اب بینک سے چلے گئے، کتنے دنوں بعد بات ہوئی ہے۔''

''آپ میرا یہ کارڈ رکھ لیں اس پر میرا موبائل نمبر بھی موجود ہے۔'' اس نے اپنی جیب کو ٹٹولا تو ضرور مگر کارڈ نہیں نکالا تھا۔

''تو کیا میں آپ کو فون کر سکتی ہوں؟'' شہلا کا دل خوشی سے پاگل ہونے لگا۔

''یوں کریں۔آپ مجھے اپنا نمبر دے دیں۔ میں فارغ ہوں گا تو خود آپ کو کال کر لوں گا۔'' اس نے جیب سے خالی ہاتھ نکال کر اس سے کہا۔

''وہ تو آپ کبھی نہیں کریں گے۔'' ہنستا ہوا چہرہ اداس ہو گیا۔

''کیوں نہیں کروں گا۔'' مگر دل میں وہ ہنس رہا تھا۔

''وہ اس لیے کہ آپ کے پاس فرصت ہوتی ہی نہیں ہے۔ بینک میں تو آپ ہمہ وقت مصروف رہتے ہی ہیں، گھر جاتے ہوں گے تو مجھے معلوم نہیں وقت ملتا ہے کہ نہیں۔''

''میں گھر جا کر آپ سے ضرور رابطے میں رہوں گا۔'' اس نے دل پر جبر کر کے کہا۔

''آپا...... آپ تو کہتی تھیں حارث صاحب بہت سخت مزاج ہیں مگر مجھے تو ایسا کچھ نہیں لگ رہا۔''

''اب اگر آپ کی آپا میری برائیاں کرتی رہی ہیں تو اس میں میرا تو کوئی قصور نہیں ناں۔'' وہ کھُلی سے بولا۔

تھوڑی دیر بات کر کے حارث کو ایسا لگا جیسے وہ خواہ مخواہ میں بیکار کی باتیں کیے جا رہا ہے تو وہ خود ہی چونکا اور پھر سنجیدہ لہجے میں بولا۔

''میں نے بلاوجہ آپ لوگوں کا ٹائم ضائع کیا۔ اس لیے اجازت دیجیے۔ اب میں چلتا ہوں۔'' یہ کہہ کر اس نے جانے کے لیے قدم بھی بڑھا دیے۔

''حارث! آپ صرف میری ایک بات کا جواب دے دیں۔'' شہلا نے ملتجی لہجے میں کہا۔

''کس بات کا؟'' اس نے حیرت سے دیکھا۔

''آپ مجھے فون کریں گے ناں؟''

''اور اگر نہ کروں تو؟'' اب اس نے اسے سپاٹ سے انداز میں دیکھا۔

''تو پھر میں مر جاؤں گی۔'' وثوق بھرے لہجے میں کہا گیا۔

''آپ کے لیے زندگی اتنی ارزاں ہے کیا؟'' اسے اس کے اس انداز پر غصہ سا آ گیا۔''اچھی لڑکیاں اس طرح کی باتیں نہیں کیا کرتیں۔''

''آپ مجھے فون کریں گے ناں؟'' شہلا کو جیسے کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا۔

''کوشش کروں گا۔'' اب وہ اس پر ایک اچٹتی سی نظر ڈال کر ہاتھ ہلاتا ہوا چلا گیا۔

''آپا...... آج تو میں بہت خوش ہوں۔ میری ناامیدی تو امید میں بدل گئی ہے۔''

''خوش تو میں بھی بہت ہوں مگر مجھے اندازہ ہے کہ وہ مجھے خود سے کبھی فون نہیں کریں گے۔ تم نے دیکھا نہیں پہلے وہ مجھے اپنا کارڈ دے رہے تھے اور پھر خود ہی ارادہ بدل دیا۔''

''مگر آپ کے پاس تو اُن کے موبائل کا نمبر موجود ہے ناں۔ آپ انہیں خود فون کر لیجیے گا اور مجھے پورا یقین ہے وہ آپ سے ضرور بات کریں گے۔''

''واقعی، ان کو دیکھ اور ان سے مل کر تمہارا دل بھی یہی کہہ رہا ہے؟'' شہلا نے وہیں کھڑے، کھڑے اس سے پوچھا۔

''سچی آپا...... حارث بہت ہی ڈیسنٹ قسم کے لگے اور ایسے لوگ کبھی جھوٹ نہیں بولا کرتے۔''

''ہاں، یہ تو ہے۔'' شہلا بھی مسکرانے لگی۔

☆☆☆

''شاید تمہارے دماغ کی کوئی کل ٹیڑھی ہے۔ سر پھرے تو تم تھے ہی مگر تم تو واقعی پاگل بھی ہو۔ ایک ایسی لڑکی جو تمہاری چاہت میں مری جارہی ہے تم نے اسے فون تک نہیں کیا۔'' ریحان نے اس کی ساری رودادسن کر اسے بری طرح لتاڑ دیا۔

''یار...... آج کل کی لڑکیاں اسی ٹائپ کی ہیں...... بینکوں میں آنے والیاں سب نہیں مگر کافی اسی طرح کی تھیں اور ان بے وقوف لڑکیوں کی باتیں سن کر...... کیا میں ہر ایک سے یہی کہوں کہ بجا فرمایا۔ میں بھی آپ کے اس جذبے کی قدر کرتا ہوں۔'' حارث نے غصے سے کہا۔

''مگر تم یہ بھی تو سوچو کہ وہ براؤن آنکھوں اور براؤن بالوں والی خوب صورت لڑکی ہے۔''

''تو کیا میں اس سے جھوٹ بولوں؟'' حارث کا غصہ بڑھ رہا تھا۔

''مصیبت کے وقت تو گدھے کو بھی باپ بنالیتے ہیں اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔'' ریحان نے کچھ سوچ کر کہا۔

''مگر میں کسی کو دھوکا دینے کے حق میں نہیں ہوں۔''

''یار بعد میں معذرت کرلینا اور اسے سچی، کچی بات بھی بتادینا۔''

''تو کیا وہ میری بات سن کر مجھے معاف کردے گی؟''

''تم نے ہی کہا ہے ناں...... وہ تم سے پاگلوں کی طرح محبت کرنے لگی ہے۔''

''مگر یہ تو اس کی بے وقوفی ہے۔ جب اس کی شادی ہوجائے گی تو وہ یہ سب بے وقوفی کی باتیں بھول جائے گی۔''

''ٹھیک ہے پھر...... اب تو کوئی پریشانی نہیں ہونی چاہیے۔'' ریحان نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

''تم نے کہا تھا ناں، تمہاری سیکریٹری کسی فنکارہ کو دیکھ لے گی تو تم ہی یہ سب دیکھ لو۔ مجھے یہ سب کرنا...... بس... اچھا نہیں لگ رہا۔'' حارث پھر ہتھے سے اکھڑ گیا۔

''میری سیکریٹری نے مطلوبہ صفات والی لڑکی ڈھونڈ تو لی تھی مگر وہ سانولی تھی اور اس کی آواز بھی قدرے بھاری تھی۔'' ریحان نے بتایا۔

''میک اپ کرنے سے ساری کالیاں بھی گوری ہوجاتی ہیں۔'' حارث نے کہا۔

''ہاں، ٹھیک ہے تمہاری بات...... مگر اس کی آواز کان میں چھری کی طرح لگ رہی تھی۔ جیسے اشتہار میں لوگ بھاری آواز والی لڑکیوں سے بھاگتے ہیں۔ وہ بھی کچھ اسی طرح کی تھی۔''

''شہلا کا نمبر تم لے لو اور بات کرلو۔'' حارث نے کچھ سوچ کر کہا۔

''وہ مجھ سے نہیں، تم سے محبت کرتی ہے تم بات کرو۔''

''نہیں یار، ایسی لڑکیاں سب سے محبت کرتی ہیں اور وہ جب تمہاری شاندار پرسنالٹی دیکھے گی ناں تو وہ تم سے بھی محبت کرنے لگے گی۔''

''کیا وہ...... واقعی ایسی لڑکی ہے؟''

''ہاں، یار...... یقین نہ آئے تو تم ابھی فون کرکے دیکھ لو۔''

''اچھا دینا ذرا تم نمبر۔''

اور ریحان...... اس کے سامنے ہی بیٹھ کر...... اپنے موبائل سے شہلا کا نمبر ملانے لگا۔

ایک بار......

دوبار...... مگر تیسری بیل پر شہلا نے اس کا فون ریسیو کرلیا۔

(جاری ہے)

پہلی سی محبت

صوفیہ امجد

آج میں نے کہانی لکھنے کی ٹھان ہی لی ہے اور میرا ذہن تیزی سے کہانی کا تانا بانا بننے میں مصروف ہے۔ مدیرہ کی فرمائش ہے کہ میں کوئی رومینٹک کہانی لکھوں...... مسائل سے پُر اور نصیحتوں سے بوجھل کہانیاں پڑھ، پڑھ کر اور شائع کر کے ان کی طبیعت بیزار ہو چکی ہے گویا۔

دل ڈھونڈتا ہے پھر وہی فرصت کے رات دن
بیٹھے رہیں تصورِ جاناں کیے ہوئے

اب ہماری جان مشکل میں آ گئی ناں......

خیر دعا کرتے رہے کہ کسی جذباتی ورومانوی کہانی کا پلاٹ ذہن میں آ جائے جو مدیرہ کے دل کو بھا جائے تو بات بن جائے۔ سو مجھ پر ایک جوش کی سی کیفیت طاری تھی، میں بیڈ سے ٹیک لگائے نیم دراز تھی کاغذ قلم گود میں تیار رکھا تھا اور ایک پیر تیزی سے ہل رہا تھا۔

''کیا کرتی ہو بھئی، پورا بیڈ لرز رہا ہے لگ رہا ہے زلزلے کی زد میں ہے۔'' شوہر نامدار بیڈ کے کنارے پر بیٹھے ہوئے ٹی وی دیکھ رہے تھے جبھی میری توجہ ان کی طرف مبذول ہوئی۔

''ٹھیک ہے، میں مانتی ہوں میرے اندر رومانیت کا فقدان ہے لیکن اگرچہ موصوف ہی ذرا رومینٹک ہوتے تو آج میری جان اتنی مشکل میں تو نہ ہوتی کم سے کم کچھ تو مواد ہوتا میرے پاس لکھنے کے لیے...... اب تجربہ تو کچھ ہے نہیں محض مشاہدے پر ہی تکیہ کرنا پڑے گا۔'' میں ان کی پشت کو گھور رہی تھی کہ اچانک انہوں نے پہلو بدلا اور ٹی وی اسکرین مجھے بھی نظر آنے لگی جہاں ہاتھی نما ریسلر ایک دوسرے کو اٹھا اٹھا کر پٹخ رہے تھے، لاحول ولاقوۃ ایسے پُرتشدد سین دیکھ کر کوئی لو اسٹوری کیسے تخلیق کی جاسکتی ہے۔ میں کاغذ قلم سنبھال کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

''پتا نہیں کیا ملتا ہے آپ کو ان سانڈوں کی لڑائی دیکھ کر۔'' میں باہر کا رخ کرتے ہوئے بڑبڑائی تھی۔

''جو تمہیں کہانی لکھ کر ملتا ہے۔'' جواب فوراً ہی وصول ہوا۔ میں بھنائی ہوئی باہر آ کر اپنے بیٹے کی رائٹنگ ٹیبل پر بیٹھ گئی۔ اپنے قریبی رشتے دار اور دوست احباب کی زندگیوں پر نظر ڈال رہی تھی۔ شاید کہیں کسی لو اسٹوری کے آثار ہوں تو کہانی میں خود ہی ''ہٹ'' لوں۔ شاید کسی نے محبت کی خاطر جوگ لیا ہو۔ کسی نے کسی کی خاطر زندگی تیاگ دی ہو۔ کہیں کوئی ان کہی محبت کی داستان دھیرے، دھیرے پنپ رہی ہو۔ منظرِ عام پر نہ آئی ہو فقط آنکھوں میں ہی لو دے رہی ہو۔''

میں نے اردگرد کے تقریباً سارے ہی نوجوان، بچے، بچیوں کو نظروں ہی نظروں میں تولا، اپنی محدود معلومات کے مطابق ان کے روز و شب کی سرگرمیوں کو ٹٹولا...... لیکن ہائے ری قسمت کامیابی نے رستہ نہ پایا...... سارے کے سارے اپنے کیریئر بنانے کی دُھن میں سرگرداں نظر آئے۔ لڑکے تو لڑکے، لڑکیاں بھی کسی سے پیچھے نظر نہ آئیں۔

جینز پر کرتیاں چڑھائے، اسکارف لپیٹے، لڑکوں کے شانہ بشانہ دوڑ رہی ہیں۔ نہ سجنے سنورنے کا شوق نہ اچھا نظر آنے کی لگن...... نہ نزاکت نہ دلربائی بس پڑھائی یا پیسے کی دہائی......

''یہ جو ہماری رائٹرز نے اتنی رومان پرور کہانیاں تحریر کی ہیں، آخر یہ کس دن کام آئیں گی۔'' اچانک ہی ایک خیال ذہن میں سرسرایا...... ''کیوں نہ ان ہی تحریروں میں سے کچھ ingredients لے کر میں بھی ایک گھوٹا تیار کرلوں۔''

ابھی کچھ دیر قبل میں کوکنگ چینل دیکھ رہی تھی، یہ نہ جانے اس کا اثر تھا یا مسٹر شیطان نے یہ آئیڈیا میرے دماغ میں ڈالا، لگتا ہے کہ موصوف کافی دیر سے میری پریشانی سے حظ اٹھا رہے تھے۔ ان کا تو کام ہی یہی ٹھہرا جہاں بندے کو پریشان اور کمزور پایا وہیں داؤ لگایا سیدھی راہ سے ہٹایا غلط راستہ سجھایا۔

ویسے آپس کی بات ہے آئیڈیا مجھے کسی حد تک پسند آیا بھئی ''آسانیاں'' کسے بری لگتی ہیں لیکن اپنی ان قارئین بہنوں کا کیا کروں جو کہانیاں اتنی دلچسپی اور دلجمعی سے پڑھتی ہیں جس کی کوئی حد ہی نہیں۔ فوراً پہچان لیں گی کہ اسٹوری فلاں، فلاں سے متاثر لگتی ہے اور فی الفور دھر لی جاؤں گی کہ فلاں، فلاں کو کاپی کرنے کی کوشش کی ہے۔ میں نے...... نہ بابا میری تو ساکھ بننے سے پہلے ہی راکھ ہو جائے گی میں یہ رسک نہیں لے سکتی۔

ویسے سوچنے کی بات ہے کہ کہانیوں کو اتنے خضوع وخشوع سے پڑھنے کی ضرورت ہی کیا ہے

......چلو اگر پڑھ بھی لیں تو جہ کے ساتھ تو کیا لازم ہے کہ ان کے مکالمے، فقرے، اور موضوع کو ازبر کرلیا جائے حد ہوتی ہے بھئی فراغت کی بھی......

''یہ آئیڈیا بھی فلاپ ہوگیا گیا، کیا جائے۔''

میری سوچ کا پنچھی پھر محو پرواز تھا۔

''لیس، لیس......'' اچانک میرے اندر جوش پیدا ہوگیا۔''یہ فلمیں بھی تو میرے لیے مددگار ثابت ہوسکتی ہیں۔ پاکستانی فلم انڈسٹری تو کسی جاں بلب مریض کی طرح آخری سانسیں لے رہی ہے۔ پڑوسیوں سے ہی استفادہ کرنا پڑے گا۔ آخر پڑوسیوں کے ایک دوسرے پر کچھ حقوق ہوتے ہیں اور پھر فلم کا موضوع خواہ جرائم و کرائم ہو یا انتقام وسیاست محبت کا تڑکا تو ہر ایک ہی میں نظر آتا ہے۔''

میں نے آنکھیں بند کیں اور گزشتہ چند سالوں میں دیکھی ہوئی کچھ مکمل اور کچھ نامکمل فلموں کو ذہن میں دُہرانے کی کوشش کی لیکن ....

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

سچی محبت کی داستانیں کم اور جسمانی محبت کے مظاہرے زیادہ نظر آئے۔ میں نے لاحول پڑھا اور اس ''نگری'' سے باہر نکل آئی۔ اب لے دے کے پاکستانی فلمیں ہی رہ جاتی ہیں دورِ حاضر کی اکا دکا فلمیں تو کسی کھاتے میں نہیں۔ پرانی فلموں پر ہی گزارہ کرنا پڑے گا۔

ساٹھ، ستر کی دہائی میں بڑی رومانی اور سوشل فلمیں بنا کرتی تھیں...... میں نے ہمتِ نسواں کا نعرہ لگا کر اس دور میں چھلانگ لگادی، فلمیں یاد آئیں تو اس زمانے کے گانے بھی کانوں میں رس گھولنے لگے۔

اے چاند ان سے جا کر میرا سلام کہنا میرا پیام دینا
واسطہ ایں رب دا تو جائیں وے کبوترا
چٹھی میرے ڈھول نوں پہنچائیں وے کبوترا
وے اِک تیرا پیار مینوں ملیا
میں دنیا تے ہور کی لینا

کیا فراغت کا دور تھا، سکون کا زمانہ تھا۔ نہ لوڈشیڈنگ کی مصیبت، نہ دہشت گردی کا خطرہ، نہ مہنگائی کی ہاہا کار، راوی چین ہی چین لکھتا تھا۔ سچ پوچھیے تو محبتوں کے پنپنے کے لیے انتہائی سازگار حالات میسر تھے۔

کتنے ہی مناظر میری آنکھوں کے سامنے لہرانے لگے۔

کہیں گاؤں کی الھڑ مٹیار، زیورات سے لدی پھندی پوری سج دھج کے ساتھ کھیتوں میں کھانا لے کر جارہی ہے تو کہیں شہر کی دوشیزہ اپنی سہیلیوں کے ساتھ ساحلِ سمندر پر پکنک منارہی ہے اور ہیرو اپنے دوستوں کے ساتھ لو اسٹوری کی شروعات کرنے کے لیے پہلے سے موجود ہے۔

کہیں ہیروین بڑی بے فکری سے گھر میں اپنے شوہر کے انتظار میں دوپٹا لہرا لہرا کر گانا گارہی ہے، اسے پورا یقین ہے کہ اس کا شوہر ٹھیک پانچ بجے آفس سے گھر پہنچ جائے گا۔ نہ ٹریفک جام میں پھنسنے کا اندیشہ، نہ فائرنگ کا خوف، نہ ہنگاموں کا دھڑکا۔

''اف...... کم بخت نے اتنی زور سے کاٹا ہے۔''

میں بلبلا کر اپنا پیر سہلا رہی تھی۔ نہ جانے اور کتنی دیر تک میں فلم نگری کی سیر میں مصروف رہتی اگر جو مچھر مجھے حقیقت کی دنیا میں نہ پٹختا۔

''بی بی باز آجاؤ......اس زمانے اور آج کل کے دور میں کوئی مماثلت نہیں ہے۔ نیا دور ہے، طور بدلے گئے۔ بہت سا پانی پلوں کے نیچے سے گزر چکا ہے تمہاری ایسی کوئی بھی کوشش بارآور نہیں ہوسکتی نہ پزیرائی کی سند حاصل کرسکتی ہے خود ہی سوچو۔'' کسی نے اندر سے تنبیہ کی۔''واقعی آج کیا کوئی مٹیار سج دھج کر گھر سے باہر نکل سکتی ہے درجن بھر لٹیرے اس کے پیچھے پڑجائیں گے۔ نہ چاند نہ چٹھی نہ ٹیلی گرام کے ذریعے سلام و پیار بھیجنے کی ضرورت باقی رہی ہے۔ سیل فون یہ کام سیکنڈوں میں کردیتے ہیں۔

کبوتروں کے ذریعے چٹھی بھیجنے کا تصور ہی مضحکہ خیز ہے انٹرنیٹ نے یہ ذمے داری بخوبی سنبھال لی ہے۔

اور اب کسی بھی ہیروئن کا گزارہ خالی، خولی ''پیار'' پر نہیں ہوتا اسے ''ہور'' بھی بہت کچھ چاہیے ہوتا ہے۔

زمانہ بہت فاسٹ ہوگیا ہے اور اس حساب سے محبتیں بھی اگر ان کو محبت کہا جاسکتا ہے اب تو تو نہیں اور سہی اور نہیں اور سہی...... کا زمانہ ہے اب تو ہیر دیہ شعر۔

بچھڑے ہیں بہت لوگ ایک تو بھی سہی
اب اتنی سی بات پہ کیا زندگی حرام کریں

گنگناتا ہوا آگے بڑھ جاتا ہے۔''روگ'' پالنے اور ''جوگ'' لینے کے زمانے تو کبھی کے لد گئے تم بھی اپنی کوششیں ترک کردو بس۔'' کوئی اندر سے میرا مذاق اڑا رہا تھا۔

''لیکن وہ...... مدیرہ کی خواہش اور مشورہ......'' میں منمنائی۔ ''محبت تو ایک آفاقی جذبہ ہے۔ وقت، حالات اور زمانے سے ماورا اُسے نہ تو چھپایا جاسکتا ہے نہ دبایا جاسکتا ہے نہ ختم کیا جاسکتا ہے۔'' میں نے بھاری بھر کم الفاظ کا سہارا لے کر اپنے اندر کی آواز کو قائل کرنے کی کوشش کی کچھ دیر خاموشی رہی شاید آواز نے پسپائی اختیار کرلی تھی۔ میری تھوڑی ہمت بندھی۔

''محبت کی کوئی سرحد نہیں ہوتی، نہ یہ کسی فارمولے کے تحت کی جاتی ہے اور نہ اس کے لیے کوئی اصول و قوانین وضع کیے گئے ہیں۔ نہ یہ وقت اور زمانے کی پابند ہے کیوپڈ کا تیر تو کہیں بھی کسی بھی وقت کسی کے بھی دل میں پیوست ہوسکتا ہے۔ خواہ وہ کسی محل کا مکین ہو یا جھونپڑے کا باسی......'' میں نے اپنے آپ کو سمجھایا۔

''یہ ٹی وی پر جو دھڑا دھڑ ڈراما سیریل چل رہے ہیں ان سے بھی تو استفادہ کیا جاسکتا ہے۔'' مسٹر شیطان کو شاید آج بڑی فراغت میسر تھی وہ غالباً میرے سرہانے بیٹھ گئے تھے اب انہوں نے مجھے ایک اور مشورے سے نوازا۔

''لو اور سنو...... ان پر تو خود وقت پڑا ہوا ہے مختلف ڈائجسٹوں میں چھپنے والے ناولوں پر ڈرامے بنا رہے ہیں بیچارے...... ویسے، خیال اتنا بھی برا نہیں ہے۔'' میں بھی فوراً بہکاوے میں آگئی تھی۔ اور مختلف چینلز پر چلنے والے ڈراموں کو ذہن میں دُہرانے لگی۔

''کون سا ڈراما میں بہت شوق سے دیکھ رہی تھی گزشتہ دنوں۔'' میں نے پیشانی دباتے ہوئے سوچا۔

کئی ڈرامے میرے ذہن کی اسکرین پر ابھرے اور غروب ہوگئے۔

''کیا ضروری ہے کہ ''جان لیوا'' محبت کی داستان رقم کی جائے ہلکی پھلکی لو اسٹوری سے بھی تو کام چلایا جاسکتا ہے۔'' اندر کی آواز نے مجھے سہارا دیا شاید اسے میری حالتِ زار پر ترس آگیا تھا میں نے اس سے اتفاق کرتے ہوئے فوری عمل درآمد کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ اب میں آنکھیں بند کر کے استغراق کے عالم میں بیٹھ گئی تھی اور آمد کا انتظار کررہی تھی۔ دھیرے، دھیرے کہانی کے خدوخال میرے ذہن میں سرابھارنے لگے تھے۔

''شبانہ گڈو کو تھپک، تھپک کر سلانے کی کوشش کررہی تھی۔ ریحان بڑی محویت سے اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ آج بھی روزِ اول کی طرح حسین و دلبربا تھی، گزرتے ماہ و سال کے ساتھ اس کی خوب صورتی میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی تھی۔ شاید اضافہ ہی ہوا تھا۔

وہ بچے کو سلا کر اٹھی تو ریحان کی محویت پر مسکرا اٹھی۔

''ایسے ٹکٹکی باندھ کر کیا دیکھ رہے ہیں۔'' اس نے ریحان کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔

''اپنی بیوی کو دیکھنے پر پابندی ہے کیا؟'' ریحان نے اس کی گداز کلائیوں کو نرمی سے تھاما جس میں کانچ کی لال اور ہری چوڑیاں اپنی بہار دکھا رہی تھیں۔

''شبانہ تم میرے ساتھ خوش تو ہو ناں؟'' ریحان نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بڑے پیار سے کہا۔

''میں جانتا ہوں میں تمہیں وہ سب خوشیاں نہیں دے سکا جس پر تمہارا حق ہے، تمہارا تو سارا زیور بھی یہ چھوٹا سا فلیٹ خریدنے میں کام آگیا۔ لیکن میں نے بھی فیصلہ کیا ہے جیسے ہی میری کمیٹی کھلے گی میں تمہیں کم از کم دو سونے کی چوڑیاں تو ضرور بنوا دوں گا۔'' ریحان نے اس کی چوڑیوں سے کھیلتے ہوئے کہا۔

''مجھے کسی زیور کی ضرورت نہیں...... آپ کا ساتھ اور آپ کا پیار ہی میرے لیے سب کچھ ہے۔ اور یہ دو کمروں کا گھر میرے لیے کسی جنت سے کم نہیں......''
شبانہ نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر اسے یقین دہانی کرائی۔
''تمہاری انہی باتوں نے تو مجھے تمہارا دیوانہ بنا رکھا ہے۔'' وہ محبت پاش نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا اور شبانہ کے چہرے پر ایک شرگیں مسکراہٹ پھیلتی جا رہی تھی۔
''لاحول ولا...... لائٹ کو بھی ابھی جانا تھا۔ اتنا اچھا رومینٹک سین بننا شروع ہوا تھا ذہن میں ابھی تو میں نے لکھنا بھی شروع نہیں کیا تھا۔'' میں سر پکڑ کر جنریٹر آن ہونے کا انتظار کرنے لگی۔ لیکن آج وہ بھی چلنے کے موڈ میں نہیں تھا۔ شاید...... دو، تین چیخیں مار کر خاموش ہو گیا۔
''بیٹا علی...... جنریٹر کیوں آن نہیں ہو رہا بھئی؟'' میں نے جھنجلا کر آواز لگائی۔
''امی شاید تیل ختم ہو گیا ہے مجھے لانا یاد نہیں رہا۔ اب تو صبح ہی کچھ ہوگا۔'' وہ ناکام واپس آ گیا تھا۔
''ویسے آپ پریشان نہ ہوں لائٹ بے وقت گئی ہے جلد ہی آ جائے گی۔ آپ ایسا کریں ٹیرس پر چل کر بیٹھیں۔ ہوا تو نہیں چل رہی لیکن اندر کے حبس کے مقابلے میں تو فریش ہی ہوگا۔'' اس نے اپنے سیل فون کی ٹارچ سے مجھے روشنی دکھائی۔
''نہیں، مجھے کہانی مکمل کرنی ہے، تم ایمرجنسی لائٹ اٹھا کر لا دو مجھے، شکر ہے آج میں نے چارج کر لی تھی اور ہاں پٹرول تمہیں پہلے سے ہی لا کر رکھنا چاہیے تھا ناں...... کچھ اپنی ذمے داری کا بھی احساس کر لیا کرو۔'' میں نے اپنی جھنجلاہٹ اس پر اتار دی تھی۔
''سوری امی!'' اس نے ایمرجنسی لائٹ آن کر کے ٹیبل پر لا کر رکھ دی۔
''اچھا خاصا سین چل رہا تھا۔ سارا ٹیمپو خراب کر کے رکھ دیا۔ اللہ ہی سمجھے ان نامعقول کے الیکٹرک

چاند رات

چاند رات کو
چاند دیکھتے ہوئے
آؤ ہم بھی اٹھائیں ہاتھ
اور مانگیں دعا
نہ ہوں کبھی جدا
ہمارے دلوں میں
محبتوں کے چاند بھی
عمر بھر
روشن رہیں

مرسلہ: فصیحہ آصف خان، ملتان

اے میرے وطن کی مٹی

کیسے کہوں عید مبارک
تیری اس مٹی میں
بہت معصوم بے گناہوں کے
خون پانی کی طرح بہہ رہے ہیں
کیسے کہوں، ہم وطنوں عید مبارک
میری ماؤں کے جگر گوشوں کے
جوان لاشوں پر
آہ و زاری، بے بسی ہے

انتخاب: شائقہ بے نظیر...... لیہ

والوں کو۔'' میں نے بڑبڑاتے ہوئے قلم اٹھا لیا تھا۔
''پتا نہیں کیا لکھنے کا سوچا تھا۔'' میں نے دوپٹے کے پلو سے چہرے پر آیا ہوا پسینہ صاف کیا۔ ذرا سی دیر میں ہی میں پسینے میں شرابور ہو گئی تھی اور دل پر گھبراہٹ سی طاری ہونے لگی تھی۔
''ہاں...... شبانہ شاید بچے کو سلا رہی تھی نہیں...... شاید شرما رہی تھی یا مسکرا رہی تھی۔'' میں نے دماغ پر زور ڈالا اور فوراً ہی قلم سنبھال لیا مبادا کہیں دوبارہ الفاظ و خیالات میرے ذہن سے اڑنچھو ہو جائیں۔

''شبانہ تھپک، تھپک کر بچے کو سلانے کی کوشش کر رہی تھی۔ آج تو سارا دن تنگ کیا ہے اس گڈو کے بچے نے، کتنے ہی کام ادھورے پڑے ہیں، اب ریحان آجائیں گے آفس سے تو بڑ بڑانا شروع کر دیں گے۔'' اس نے بیزاری سے سوچا۔

بچے کے سوتے ہی وہ باتھ روم میں گھس گئی تھی، اسی وقت بجلی دغا دے گئی۔ وہ نہا کر باہر نکلی تو کوئی زور، زور سے دروازہ دھڑ دھڑا رہا تھا۔

''کانوں میں روئی رکھی ہوئی ہے کیا..... اتنی دیر سے بیل بجا رہا ہوں، دروازہ پیٹ رہا ہوں۔'' دروازہ کھلتے ہی ریحان اس پر برس پڑا تھا۔

''میں باتھ روم میں تھی، نہ بیل کی آواز آئی نہ دروازہ پیٹنے کی۔'' اس نے بھی تنگ کر جواب دیا۔

''معلوم بھی ہے کہ شوہر کے آنے کا ٹائم ہے تو بندہ خیال رکھے۔'' ریحان نے ہاتھ میں پکڑا ہوا سودے سلف کا شاپر فرش پر پٹخ دیا تھا۔

''پہلے آفس میں جھک مارو پھر بسوں میں خوار ہو اس کے بعد سامان لاد کر لاؤ..... اِدھر بیگم صاحبہ ہیں انہیں کوئی پروا ہی نہیں ہے، اپنے آرام سے ہی فرصت نہیں ہے۔'' ریحان نے بھی سارے دن کی تھکن اور چڑچڑاہٹ اس پر انڈیل دی تھی اور گلے سے ٹائی اتار کر ایک طرف پھینک دی تھی۔

''ارے آفس جاتے ہو تو کیا احسان کرتے ہو مجھ پر، تمہاری ذمے داری ہے یہ اور آرام کا طعنہ نہ دینا مجھے، کون سے عیش آرام میسر ہیں مجھے اس دڑبے میں...... میری تو قسمت ہی پھوٹ گئی ہے تم سے شادی کر کے۔'' شبانہ کی آواز کافی بلند تھی۔ اب نہ جانے گرمی کی وجہ سے یا ان کی آوازوں کے شور سے گڈو سوتے، سوتے اٹھ گیا تھا اور اب گلا پھاڑ، پھاڑ کر رو رہا تھا۔

شبانہ نے بچے کو اٹھا کر کندھے سے لگا لیا۔ وہ بری طرح پسینے میں بھیگ رہا تھا۔

''اب کھڑے، کھڑے منہ کیا دیکھ رہے ہو اس کو باہر لے جاؤ ہوا میں، دیکھ نہیں رہے کیسا ہلکان ہو رہا ہے گرمی کی وجہ سے۔''

ریحان نے جوتے، موزے اتار کر ایک طرف پٹخے اور چپلیں پیر میں ڈال کر روتے ہوئے بچے کو سنبھال کر بڑبڑاتا ہوا باہر نکل گیا۔

''اللہ میری توبہ.....!'' شبانہ نے خالہ متی کے یہاں سے آیا ہوا شادی کارڈ اٹھا کر پنکھا جھلنا شروع کر دیا تھا۔ ''خواہ مخواہ ہی میں ریجھ گئی تھی ریحان کی شکل پر..... اس سے تو بہتر تھا میں اس کالے کلوٹے شبیر سے ہی شادی کر لیتی جس کے وہ، دو جنرل اسٹور چل رہے تھے۔ جنریٹر نہ سہی یو پی ایس تو خرید کر دے ہی دیتا مجھے۔'' اس نے زور، زور سے پنکھا جھلتے ہوئے سوچا تھا۔

''اوہ...... شکر ہے لائٹ آگئی۔'' میں نے سکون کی سانس لی۔ اور اٹھ کر ایک گلاس ٹھنڈا پانی پیا۔ کچھ حواس بحال ہوئے تو دوبارہ لکھنے بیٹھ گئی...... حسبِ عادت پہلے پچھلا پیراگراف پڑھنا شروع کیا تو حیران رہ گئی، ارے یہ کیا......؟ نہ جانے کب سین میں سے رومانس نکل کر خاموشی سے کہیں چلا گیا تھا...... شاید کسی چھت پر بیٹھ کر ہوا کھا رہا ہو۔ پیچھے اگر کچھ بچا تھا تو وہ صرف لوڈشیڈنگ تھی جس نے میری ساری محنت پر پانی پھیر دیا تھا۔

''یقین جانیں قارئین! اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے، میں نے بساط بھر کوشش کی تھی...... آپ کے لیے ایک رومان پرور کہانی لکھنے کی لیکن ناکام رہی...... سزاوار ہے تو یہ لوڈشیڈنگ یا پھر آج کل کے حالات جنہوں نے ہمارے احساسات کو کملا دیا ہے۔ ماحول کو ناسازگار بنا دیا ہے۔ مزاج اور رویوں کو متاثر کیا ہے۔ مجھے تو سارے لطیف جذبے سر پھوائے نڈھال پڑے نظر آتے ہیں لگتا ہے ان کی بھی۔'' ڈاؤن سائزنگ'' شروع ہو چکی ہے بندہ لکھے تو کیا لکھے کوئی مشکل سی شکل ہے میں تو یہی کہہ سکتی ہوں...'' مجھ سے پہلی سی محبت میرے محبوب نہ مانگ......''

ناولٹ

میرے چارہ گر

عالیہ حرا



"تو تمہیں اس رشتے پر بھی اعتراض ہے سندس......؟" لاؤنج میں آکر وہ صوفے پر اس کے سامنے بیٹھی اور مطلب کی بات کی۔

"ہاں ارم......" سندس نے اطمینان سے میگزین کی ورق گردانی کرتے ہوئے کہا۔

"کیوں......؟" ارم نے تیکھے ابروسے اسے دیکھا۔

"وہی...... جواب...... مستقل مزاجی والا۔"

"کیا......؟" ارم نے لفظوں کو چباڈالا۔

''میں ایک اچھی بہو، ایک اچھی بیوی نہیں بن سکتی۔''

''جب بہو اور بیوی کا رتبہ ملتا ہے تو خود بخود برتنا بھی آجاتا ہے۔ تم قبل از وقت کی قیاس آرائیاں بند کرو اور سیدھی طرح سے ہاں کہو۔''

''زبردستی ہے کیا......؟'' اس نے نگاہ اٹھا کر دیکھا۔

''ہاں...... پھوپی جان بھی چاہ رہی ہیں کہ تمہاری شادی ہو جائے۔ وہ جلد ہی تمہاری شادی کے فرض سے سبکدوش ہو جانا چاہتی ہیں، تمہیں ان کی طبیعت، ان کی حالت کا علم تو ہے۔''

''ہاں!'' سندس نے میگزین کے آخری صفحے پر نگاہ ڈال کر بند کر دیا۔

''میں بھی سوچ رہی ہوں کہ پھپھو کو اپنی ذمے داریوں سے فارغ ہی کر دوں۔''

''سچ!'' ارم کا چہرہ کھل اٹھا۔ ''پھر تم شادی پر راضی ہو؟''

''میں نے یہ کب کہا......؟'' وہ سنجیدگی سے بولی۔

''پھر......!'' ارم کے چہرے پر کھلی مسرت کی کلیاں مرجھانے لگیں۔

''پھر یہ کہ پھپھو کا معاشی بوجھ کم ہوگا تو مجھے جاب کر لینی چاہیے اور کہیں ہاسٹل میں شفٹ ہو جانا چاہیے۔''

''تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے...... پھپھو کو وقت سے پہلے بکرنا ہے کیا؟''

سندس اس کی شکل دیکھنے لگی۔

''ایک اچھا شخص تمہارا منتظر ہے، زیادہ بڑی فیملی بھی نہیں ہے، میرے خیال میں تمہارے لیے ایک بہترین گھر ہوگا۔''

''مگر میں ایک بہترین گھر کی بنیاد نہیں رکھ سکتی، میری بنیادیں بہت کمزور ہیں ارم......'' اس نے نہایت سنجیدگی سے کہا۔ ''اور شادی میری ضرورت ہے نہ وہ اہم ہے میرے لیے۔''

''ایک لڑکی کے لیے ہر حال میں شادی ضروری ہے سندس، مرد کا ساتھ اسے مضبوط اور مربوط بنا دیتا ہے۔ میری مثال تمہارے سامنے ہے۔ محبت اک نکھار پیدا کر دیتی ہے۔ اب تم ماضی میں نہیں حال میں جیو۔''

''ہونہہ......'' سندس تلخی سے ہنس دی۔ ''میرا ماضی ہی تو میرا مستقبل ہے، ارم تم کیا جانو میں کس طرح جیتی ہوں۔''

''پھپھو کو اور دکھ مت دو سندس...... ہاں کہہ دو۔''

ارم نے دھیرے سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ ''ہم سب تمہارے ساتھ ہیں۔''

''مگر یہ اپنے اماں، ابا کو لیے بیٹھی ہے اسے کیا معلوم کہ ہم اس کے لیے کیا سوچتے ہیں؟'' لاٹھی کے سہارے چلتی پھپھو اندر آگئیں تو وہ دونوں چونک گئیں۔ ان کی سانس پھول رہی تھی۔ شاید ان کی سانس کی تکلیف بڑھ رہی تھی انہیں ان ہیلر کی ضرورت تھی۔

''پھپھو آپ ٹھیک ہیں، میں لاؤں پف۔'' سندس بے چین ہوئی۔

''پھپھو دوالی......؟'' ارم بھی اٹھ گئی۔

''ہاں، میں نے لے لی ہے۔ بس یہاں تک آنے میں یہ حال ہو گیا۔'' انہوں نے گہری سانس لی۔

''پھپھو ہمیں بلوا لیتیں ناں......'' دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔

''میں نے یہاں آکر برا کیا...... کیا؟'' انہیں برا لگ گیا۔

''نہ نہیں...... تو پھپھو......'' دونوں گڑبڑا گئیں۔ راحت جہاں ٹیک لگا کر بیٹھ گئیں۔

''میں نے سوچا کہ میں خود جا کر ہی بی بی رانو کی مرضی پوچھ لوں۔'' سندس نے سر جھکا لیا۔ ایک ناخن سے دوسرا ناخن کترنے لگی۔

''مجھے یہ رشتہ بہت پسند آیا ہے، ریحان سلجھا ہوا لڑکا ہے، کم لوگ ہیں، ماں، باپ زیادہ تر دوسرے بچوں کے ساتھ رہتے ہیں، کینیڈا، امریکا، جرمنی......''

سندس کا دل ہتھیلیوں سے کوئی مسلنے لگا۔

''تمہارے لیے ایسا گھر ہی مناسب رہے گا۔''

دل پر اوس کی بوندیں گرنے لگیں۔

''تیری طبیعت ایسی ضدی ہے کہ خاندان

میں کوئی تجھے بہو بنانے کو تیار نہیں۔ کسی لڑکے میں ہمت نہیں کہ تجھے گھاس ڈالے۔ حالانکہ میری کتنی مرضی تھی کہ تو آیان کی دلہن بنے، تجھے بلقیس جہاں اپنی بہو بنالے۔'' بات کرتے کرتے وہ رکیں۔ سندس وہیں فرش پر دوزانو بیٹھ گئی۔

''مگر تیری زبان، ہٹ دھری، مرد مار طبیعت نے تجھے کہیں کا نہیں رکھا...... میرے بھروسے پر اب مت رہ...... میں آج مری کل دوسرا دن۔''

''اللہ نہ کرے پھپو......'' سندس نے دہل کر ان کا ہاتھ پکڑا اور چوم لیا۔ ''میری عمر بھی آپ کو لگ جائے...... اللہ آپ کی عمر دراز کرے۔'' اس نے ان کے گھٹنوں پر سر رکھ لیا۔

''موت برحق ہے سندس...... مرنا سب نے ہے۔'' ارم محبت سے پھپو کے بال سنوارنے لگی۔

''ارم کھڑکیاں کھول بچے، تازہ ہوا اندر آئے۔''

''جی پھپو......'' ارم اٹھ گئی۔

راحت جہاں دھیرے، دھیرے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرنے لگیں۔

''اب یا بعد میں یا وقت گزرنے کے بعد ہونا یہی ہے۔ شادی بھی موت کی طرح برحق ہے، تمہیں اپنی عادتیں بدلنا ہوں گی۔''

''پھپو......!'' سندس نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا۔

''کیوں، یہ فیصلہ بہت ضروری ہے کیا؟''

''ہاں بہت ضروری میری زندگی کے لیے تاکہ میں آرام سے مر سکوں، بیٹی بنا کر لائی تھی جب تو چھ سال کی تھی۔ اور تیرا باپ تجھے چھوڑ گیا تھا اور طلاق کے بعد تیری ماں فردوس نے دوسری شادی کر لی تھی۔'' پھپو نے ایک دفعہ پھر اسے ماضی یاد دلایا۔

''تیری شادی بھی مجھے ہی کرنی ہے۔''

''میں بھی یہی بات اسے سمجھا رہی ہوں مگر یہ ہے کہ مان کر ہی نہیں دے رہی۔'' ارم نے پلٹ کر کہا۔

سندس نے پھپو کی گود میں منہ چھپا لیا۔

''مائی نی میں کنوں آکھاں......'' آنکھ بھر آئی۔

''میرا درد نہ جانے کوئی......'' دل میں آکاس بیل پر اداس کی بوندیں گرنے لگیں۔ اسے اب فیصلہ کرنا تھا۔ مگر شادی کے نام پر اسے جھرجھری سی آجاتی تھی۔ اپنے ماں، باپ کا ٹوٹا ہوا رشتہ اس کے فیصلے کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ تھا۔ والدین کے رشتے کی ناکامی نے اسے عدم تحفظ کا شکار کر دیا تھا۔ اس کے اندر خوف، دہشت، اندیشے، محرومی براجمان تھے۔ سندس کی زندگی میں شادی کی گنجائش تھی نہ اہمیت...... مرد ذات پر اعتماد تھا نہ اس نام کا تحفظ...... وہ نہیں چاہتی تھی کہ اپنی ماں جیسی زندگی گزارے...... اور اس کی آنے والی نسل اس جیسی زندگی گزارے...... اپنی زندگی کو محرومیوں سے بچانے کے لیے یہ بہت ضروری تھا۔ اور یہ جب ممکن ہوتا جب وہ شادی ہی نہ کرتی۔ اس نے اپنی زندگی میں کوئی آئیڈیل نہیں بنایا۔ اس کی زندگی میں کوئی ہیرو نہیں آیا تھا۔ بلکہ اس نے اس کی گنجائش ہی نہیں رکھی تھی۔

اس کی طبیعت میں ایک تلخی تھی، نیچر میں خود سری، لہجے میں تناؤ، پیشانی پر تیکھی لکیریں، لباس اس کا ہمیشہ کا ؤ بوائے جیسے ہوتا۔ جینز، کرتہ، گلے میں اسکارف یا مفلر...... اس کی دوستیاں بھی لڑکوں سے تھیں۔ کھیل بھی لڑکوں والے تھے۔ خود کو آئیڈیل بنانے والے ہر لڑکے کا مذاق اڑایا تھا۔

خاندان میں کسی لڑکے کو اس سوچ کے قابل نہیں چھوڑا تھا کہ وہ اس سے شادی کرتا یا ان کی مائیں اس سے رشتہ جوڑتیں۔

راحت جہاں نے اس کے لیے باہر رشتے دیکھنا شروع کر دیے تھے۔ جنہیں وہ بڑی خوب صورتی سے ریجیکٹ کر رہی تھی۔ لیکن اس آخری آنے والے رشتے کی مستقل مزاجی نے اسے بھی ہرا دیا تھا۔

یہ رشتہ اس کے لیے تیسری بار آیا تھا۔ موصوف اور موصوف کی والدہ صاحبہ کو اس میں جانے کیا نظر آیا تھا کہ دہلیز ہی پکڑ لی تھی اور پھپو کے انداز سے لگتا تھا کہ وہ ہر صورت یہ رشتہ کروا کر ہی رہیں گی۔ حالانکہ اس

میں گھر بسانے کی صلاحیت نہیں تھی۔ اس کے اندر لڑکیوں والے طور طریقے نہیں تھے۔ ان صلاحیتوں کو اس نے اجاگر ہی نہیں کیا تھا جو اسے گھریلو وصف اختیار کرنے دیتیں۔ خاندان والے یہ سب جانتے تھے۔

راحت جہاں کو یہ رشتہ دل و جان سے پسند تھا اور اسے بھی کوئی فیصلہ کرنا تھا۔ ہاسٹل کی زندگی اسے کوئی بھی گزارنے نہیں دیتا۔ رات گئے تک سندس جاگتی رہی، اس کا انکار انہیں ہرٹ کرتا..... ارم کا سمجھانا بیکار تھا۔ اس نے ''ریحان'' سے مل کر انکار کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ نہ نو من تیل ہوگا نہ رادھا ناچے گی۔

☆☆☆

اس نے ریحان کو اپنے انسٹی ٹیوٹ میں ہی بلوالیا تھا۔ جہاں وہ وقتی طور پر ٹیچنگ کررہی تھی..... اب وہ درخت سے ٹیک لگائے ہونٹوں پر مسکراہٹ سجائے اس تناؤ سے چہرے والی لڑکی کو دیکھ رہا تھا۔

''میرے خیال میں ہم پوائنٹ کی بات کرلیں۔ میں آپ کے ساتھ شادی نہیں کرسکتی..... آپ انکار کردیں، میری زندگی آسان ہوجائے گی۔'' اپنی بات کہہ کر وہ اسے دیکھنے لگی۔

''کیوں! آپ کسی کو پسند کرتی ہیں کیا؟'' ریحان اسے اسی انداز میں دیکھتا رہا۔

''نہیں.....!''

''پھر.....؟''

''میری دو منگنیاں اور ایک نکاح ٹوٹ چکا ہے، ہر جگہ میرے اسکینڈل ہیں، میں ایک اچھی لڑکی نہیں ہوں، بہتر یہ ہے کہ.....''

''بہتر یہ ہے کہ دو برے لوگ مل جائیں، میں بھی اچھائی کا دعویٰ نہیں کرتا، کینیڈا، جرمنی میں اکیلا رہا ہوں، میری بھی شہرت اور کردار خاص اچھے نہیں ہیں، میں بھی اسی کی وجہ سے شادی کررہا ہوں تاکہ شادی شدہ کہلاؤں اور اپنی مرضی سے زندگی گزاروں۔''

اپنی مسکراہٹ کا گلا گھونٹ کر ریحان آفندی اپنی بات کہہ کر دوسری جانب دیکھنے لگا..... سندس منہ کھولے حق دق اسے دیکھ رہی تھی بازی ہی پلٹ گئی تھی۔

''اور تمہیں بھی شوہر کے نام پر تحفظ چاہیے.....''

''مجھے کسی تحفظ کی ضرورت نہیں ہے۔'' تناؤ بھرے لہجے میں کہا۔

''اور مجھے بھی بیوی کی خاص ضرورت نہیں ہے۔''

''پھر.....؟''

''پھر یہ کہ شادی ہونے دو..... تمہاری پھپو اور میری والدہ کے سر سے یہ بوجھ اتر جائے گا۔'' اک اور آکاس بیل وجود میں سر اٹھانے لگی۔ اور اس نے سر جھکالیا۔

ہاں یہ بھی اک راہ ٹھیک تھی، نہ فیملی بنتی، نہ فیملی بڑھتی، الگ، الگ سمتوں کے مسافر الگ ہی رہتے ہیں..... پھپو کا بھی مسئلہ حل ہوجاتا..... وجود کی بیل پر ارغوانی زرد پھولوں کی کونپلیں پھوٹنے لگیں۔

''اچھے کی خواہش تو کی ہی نہیں تھی..... تو..تو پھر دل کیوں اداس ہوگیا۔'' اس نے خود سے ہی سوال کیا۔ رات گئے وہ جاگتی رہی..... صبح اس نے پھپو کو ہاں میں جواب دے دیا تھا۔

پھپو کے کندھوں کا بوجھ اتر گیا، ان کے چہرے کی خوشی دیدنی تھی۔

''دیکھنا تم کتنا خوش رہوگی۔'' ارم نے اسے خوشی سے گھما ڈالا۔

''ہوں.....'' اک زردی مسکراہٹ نے اس کے چہرے کا احاطہ کرلیا۔

اس کی شادی کی تیاریاں شروع ہوگئیں۔ اس کے اندر جذبے تو تھے ہی نہیں۔ وہ تو بس اپنی مصروفیات میں مصروف رہتی تھی کسی چیز سے دلچسپی نہیں تھی۔

اس کی امی نے اس کی شادی کے لیے ایک بڑی رقم کا چیک بھیجا..... سندس کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ بھلا رقم ماں کی محبت کا بدل ہوسکتی ہے۔ وہ کمی، وہ گھاؤ بھر سکتی ہے۔ وہ کتنی کمزور تھی اندر سے، اس کا قصوروار کون تھا۔ بظاہر اس نے خود پر اخروٹ ایسا خول چڑھا رکھا تھا۔

اس کی شادی پر بابا خود آئے رسم ادا کرنے باپ بن کر رخصت کیا...... کاش، کاش...... !یہ محبت، یہ خیال اس وقت رکھ لیتے جب اس کی ضرورت تھی۔ اب...... اب...... اس کی نیچر میں بے اعتنائی آگئی تھی' اس کے اندر محبت کی نمو نہیں ہوسکی تھی۔ مرد اس کے لیے کوئی اہمیت نہیں رکھتا تھا۔ ہر مرد اس کے باپ جیسا تھا۔ خود غرض، خود پسند، بے مروت، بدلحاظ اور اپنے لیے جینے والا۔

ریحان اس کی دوسری مثال تھا...... اور اس کی زندگی...... خالی نظروں سے باپ کی اُمڈ آنے والی محبت دیکھتی رہی۔ اِک آنسو آنکھ سے نہ نکلا...... ماں، باپ کی محبت میں بہت رو چکی تھی اب صبر آچکا تھا، صبر بھی قیامت کا......

رخصت ہوکر ریحان کے گھر آگئی۔ انکل، آنٹی سب نے اس کا بہت اچھا استقبال کیا۔ ان کے انداز سے محبت عیاں تھی اور محبت...... محبت اس کے اندر مر گئی تھی۔ محبت اس کی زندگی میں آئی ہی نہیں تھی۔ اس کا بیڈ روم بے حد خوب صورت سجا ہوا تھا۔ ہوسکتا ہے یہ کمرا' انکل، آنٹی کے جذبے...... گلاب کے پھولوں کی مہک، موتیا کے گجرے اس کا یہ روپ...... اس کے دل کی سنگلاخ زمین پر کچھ نمو کردیتا مگر...... سب بیڈ روم سے چلے گئے، سناٹا سا ہر سو پھیلتا جارہا تھا۔ گہری سانس لے کر وہ بیڈ سے اتری۔

انتظار کس کا تھا، امید کس سے تھی ڈریسنگ کے قد آور آئینے کے آگے رک گئی۔ اتنا سجا سنورا روپ یہ ہار سنگار، چوڑیاں، مہندی، گجرے، یہ سندس تھی۔ ذرا سا آگے ہوئی انگلیوں سے شیشے کی سطح کو چھوا۔ پائل، چوڑیوں کا جلترنگ بجا۔ خود کو آئینے میں دم بخود دیکھتی رہی۔

''اتنا روپ آیا ہے میری بچی پر۔'' پھپھو کی آواز سنائی دی۔

''ہائے سندس، ریحان تو گیا، ناز ہوگا اسے اپنی خوش نصیبی پر۔'' اس کی آنکھ بھر آئی۔

''خوش نصیبی؟'' آئینے کے آگے سے ہٹی...... گھڑیال میں ساڑھے تین بج رہے تھے۔ بعض حقیقتیں ایسی بھی ہوتی ہیں...... دریچے کے آگے ٹھہری، مسحور کن ہوا نے چھو لیا۔ چودھویں کا چاند چمک رہا تھا۔ چھوٹے سے ٹیرس پر چاندنی پھیلی تھی...... اِک راکنگ چیئر اور ٹیبل پر رکھی تھی۔ چند اخبار اور پانی کا گلاس...... جانے کون، کون اس کی طرح تنہا، اداس اور اکیلا ہوگا۔ ڈریسنگ روم کی جانب انداز ے سے بڑھی۔ تبھی بڑی عجلت بھرے انداز سے وہ دروازہ کھول کر اندر آگیا۔ ٹھٹک کر پردہ تھامے، وہیں دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑی ہوگئی۔

''اوہو...... مجھے دیر ہوگئی...... دراصل دوستوں کی وجہ سے۔'' اس کے قریب آکر ٹھہرا۔ ''واؤ...... بیوٹی فل...... مشرق کی یہی بیوٹی تو مجھے پسند ہے۔ سندر تا۔'' دھیرے سے رخسار چھوا۔

''یہ آپ کا گفٹ......'' اِک ڈبیا اس کی جانب بڑھائی جو اس نے دھیرے سے تھام لی۔

''مجھے یقین ہے ہم دوستوں کی طرح نئی زندگی کا آغاز کرسکتے ہیں تاکہ کسی کو ہمارے تعلق پر شک بھی نہ ہو۔ یہ سب لوگ جلد ہی چلے جائیں گے۔'' ریحان نے اسے نظروں کے حصار میں رکھا ہوا تھا۔ سندس کی پلکیں جھک گئیں۔

''میں بھی بہت تھک گیا ہوں، چینج کرلیں آپ بھی......'' وہ مڑ کر بیڈ کی جانب بڑھ گیا۔ وہ بھی پیچھے پلٹ گئی۔ اپنے، اپنے رستے پر دور تک اداسی اور بے کیف سی کیفیت تھی، وہ چینج کرکے باہر نکلی تو جہازی سائز بیڈ پر پھولوں کے درمیان تکیہ منہ پر رکھے وہ بے خبر سو رہا تھا۔

دھیرے سے وہ صوفے پر ٹک گئی۔ وہ وعدہ نبھا رہا تھا۔ اسے یقین آگیا...... مرد صرف اپنے لیے جیتا ہے، اس کے ابا کی طرح، سارے جذبے اپنی غرض کے لیے ہوتے ہیں۔ پھر کیسا گلہ...... کیسی شکایت یہ سب تو طے تھا ناں...... دھیرے سے سر صوفے کی پشت سے ٹکا لیا...... جانے بار، بار آنکھیں کیوں بھیگ رہی تھیں۔

صبح ریحان اٹھا تو وہ بے ترتیب سی صوفے پر لیٹی تھی، کشن سر کے نیچے رکھے۔ پاؤں سمیٹے، سینے پر رکھے اخبار پر اپنا مہندی والا ہاتھ رکھے...... بالوں میں پتیں' چمک موجود تھی۔ ہلکا ہلکا میک اپ چہرے پر موجود تھا۔ گھنیری پلکوں پر مسکارا ابھی لگا تھا۔ جانے کیوں ریحان کو اس پر بے انتہا ترس آنے لگا۔ لیکن اگلے ہی لمحے وہ کندھے اچکا کر واش روم کی طرف بڑھ گیا۔

کتنے خول خود پر چڑھا رکھے تھے۔ اکیلی تنہا جیتے' جیتے شاید تھک چکی تھی۔ اپنے ماں، باپ کے جرم کی سزا خود کو جانے کب سے دے رہی تھی۔ خوشیاں، خواہشیں خود پر حرام کرلی تھیں۔

''سندس! میرا خود سے وعدہ ہے اس وقت سے جب میں نے تمہیں پہلی بار دیکھا تھا۔ اس سگنل پر جہاں تم اپنی سائیکل روک کر اس چوراہے پر کبوتروں کو دانہ ڈال رہی تھیں۔ تم نے میرے دل میں جگہ بنالی تھی پھر بارہا میں نے تمہیں دیکھا۔ اکیلا، اداس، بھیڑ میں' لوگوں میں، اکیلے کسی پارک میں، کسی شاپ پر جبھی میں نے سوچ لیا تھا کہ تم سے ہی شادی کرنی ہے، تم دوہری زندگی گزار رہی ہو، تمہیں جینا سکھانا ہے، تمہیں مرد کا اعتبار اور اعتماد دینا ہے۔ تمہاری زندگی میں خوشیوں کا سیندور لگانا ہے۔ دیکھو میری خواہش پوری ہوگئی، تم یہاں میرے گھر میں' میرے بیڈ روم میں آگئی ہو۔'' وہ اسے تکے جا رہا تھا۔

''یہ فاصلے بھی ختم ہو جائیں گے، اس یقین کے ساتھ جو تمہارے اندر پیدا ہوگا کہ ہر مرد تمہارے بابا جیسا خود غرض نہیں ہوتا جو اپنے لیے جیتے ہیں...... کچھ میرے جیسے بھی پاگل' دیوانے ہوتے ہیں، جو دوسروں کے لیے جینا جانتے ہیں، میں اپنے وعدے کو ایفا کروں گا۔ ہمارے درمیان محبت رقص کرے گی، میں زور زبردستی کا قائل نہیں ہوں۔ مزہ خود سے محبت پیدا ہونے میں ہے۔'' ریحان زیر لب مسکرا رہا تھا۔

☆☆☆

ناشتا ان لوگوں نے سب کے ساتھ نیچے ڈائنگ ٹیبل پر ہی کیا...... ارم، انیلا اور سارہ لے کر آئی تھیں ناشتا...... ریحان ہنسی مذاق میں پیش پیش تھا۔

''اس چوڑی دار پاجامے، کرتے اور کھڑے دوپٹے میں کتنی حسین لگ رہی ہو۔'' سارہ تعریف کر رہی تھی۔ ''ریحان تو پاگل ہوگیا ہوگا۔''

''پاگلوں کے سر پر سینگ تو نہیں ہوتے۔'' سندس سر جھکائے مسکرا رہی تھی۔ ویسے پر پھپوا سے دیکھ کر واری صدقے جا رہی تھیں۔

☆☆☆

''ابھی ایک بیڈ روم میں رہنا ہماری مجبوری ہے۔ ماما، بابا مہمان وغیرہ سب آئے ہوئے ہیں، گھر خالی ہو جائے گا تو میں اپنا بیڈ روم نیچے شفٹ کرلوں گا۔'' وہ الگ رہتا تھا۔

قد آور شیشے کے آگے ریحان کھڑا ٹائی کی ناٹ باندھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ سندس خاموشی سے میگزین دیکھ رہی تھی۔ بیڈ روم میں منفرد سی کلون پھیلی ہوئی تھی۔

''تمہاری پرائیوی متاثر ہوئی ہوگی۔'' آئینے میں اسے دیکھا۔ ''میں چاہتا ہوں کہ ماما، پاپا خوش ہو جائیں۔ انہیں میری فکر نہ ہو۔'' میگزین سے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ جواب رسٹ واچ لگا رہا تھا۔

''ٹھیک لگ رہا ہوں ناں؟'' وہ اس کی جانب گھوما۔

''ہوں......'' وہ مسکرا دی۔

''جب تک ماما، پاپا ہیں ان کو کمپنی دو...... ان کی محبتیں سمیٹو، میرے پیرنٹس بہت اچھے ہیں، ہم سب بہن بھائیوں کی بھرپور تربیت کی ہے انہوں نے کبھی کسی چیز کی کمی نہیں ہونے دی۔''

سندس کے وجود میں سوکھے پتے چرمرانے لگے۔

''تمہیں ان کی گیدرنگ میں مزہ آئے گا۔ دل نہ چاہے بھی تو بھی ان کے درمیان بیٹھنا۔''

''جی......'' یا اس نے دل میں سر اٹھایا۔

''اچھا میں چلوں...... آفس سے دیر ہو رہی ہے۔'' بیگ اٹھا کر وہ باہر نکلنے لگا۔

''خدا حافظ......'' سندس خالی نظروں سے اسے

دیکھنے لگی۔ آج وہ دو دن بعد ہی آفس جانا شروع ہوگیا تھا۔ معلوم نہیں یہ مرد کا کون سا روپ ہے فرشتہ یا بہروپ...... اداسی ہر سو پھیل گئی۔ اوس کی بوندیں کاجل پر پھیل گئیں۔ جل تھل ہونے لگی۔ سیڑھیوں پر شور ہوا...... آنسو چھپانے کے لیے باتھ روم میں بھاگی اور بیسن کا ٹاپ کھول دیا۔

☆☆☆

ساس زہرہ جمال...... اور جمال احمد اس سے خوش تھے...... خاموش، من موہنی، سندر، پیاری، باحیا، بااخلاق، سندس انہیں بہت پسند آرہی تھی۔ ان کا انتخاب غلط نہ تھا، ریحان کا فیصلہ یونہی تو نہیں تھا۔ کچھ دیکھ کر ہی ہاں کی تھی۔

پھپھو روز فون کرتیں...... ہر دوسرے دن ریحان اسے پھپھو سے ملوانے لے جاتا۔ وہ تو لمحوں کی زندگی جی رہی تھی۔ جمال ہاؤس کے تمام پنچھیوں نے اڑ جانا تھا۔ اس کی زندگی ویسی بے آب و گیا رہتی کچھ لوگ ہوتے ہیں پیدائشی بدقسمت۔ خوشیاں مقدر تھیں نہ دلی سکون، اِک گھر اِک دریچے کا سپنا تو دیکھا ہی نہیں تھا۔ وہ بھی دوسروں کے لیے جی رہی تھی۔ کھانا خانساماں پکاتا تھا، اس کے ساتھ کھڑی ہوجاتی، تینوں وقت کا کھانا بنواتی، ٹیبل سجاتی، انہیں کمپنی دیتی۔

شام کو سب لاؤنج میں ٹی وی دیکھتے یا لان میں بیٹھ کر باتیں کرتے۔ ریحان کے قہقہے سب سے بلند ہوتے۔

''ریحان ہنی مون کا پروگرام بناؤ بیٹا!'' ماما نے مشورہ دیا۔

''ابھی نہیں ماما، ابھی آپ لوگوں کے ساتھ رہیں گے جب آپ چلے جائیں گے پھر سوچیں گے...... کیوں......؟'' مسکرا کر سندس کو دیکھا۔

''پھر تو بہت وقت گزر جائے گا۔'' ماما مسکرائیں۔

''یہ آپ کی بہو کی مرضی ہے کہ ابھی آپ لوگوں کے ساتھ رہنا ہے۔ بعد میں سوچیں گے۔'' ریحان شرارت سے ہنسا...... سندس اسے دیکھنے لگی۔

ساس، سسر محبت سے اسے دیکھنے لگے۔ کتنی تابعدار محبت کرنے والی بہو ملی تھی انہیں۔

''یہ دُہری زندگی کب تک......!'' رات سوتے ہوئے اس نے بے اختیار سوچا۔

''یار...... والدین کی خوشی کے لیے اگر میں چھوٹے، چھوٹے جھوٹ بول دیتا ہوں تو تم ہرٹ مت ہوا کرو...... یہ ڈوز ان کے لیے ضروری ہے۔'' اپنے بستر پر لیٹا ریحان کہہ رہا تھا۔ وہ آنکھیں موندے کشن منہ پر رکھے سوتی بن گئی۔

''تم جاگ رہی ہو، سنو اِدھر بیڈ پر آجاؤ، بہت بڑا ہے یہ اور مجھے پھیل کر سونے کی عادت نہیں ہے۔''

''میں ٹھیک ہوں۔'' اس نے دھیرے سے کہا۔

''مرضی ہے تمہاری۔'' وہ یہ کہہ کر سونے کے لیے لیٹ گیا۔

صبح وہ اس کی سرخ آنکھیں دیکھ کر مسکرا دیا۔

''مجھ سے مت ڈرو سندس، میں بہت بے ضرر ہوں اور پھر اِک بات ہمارے درمیان طے بھی تو ہے۔''

''ایسی تو کوئی بات نہیں۔'' وہ کمرے سے نکل گئی۔

اِک خوف، سراسیمگی، دہشت اس کے چہرے پر تھی۔ ان کے درمیان بہ دستور فاصلہ تھا۔ اپنی توجہ وہ اسے دے رہا تھا، خیال رکھ رہا تھا بظاہر مگر اس کے گرد بنا حصار ٹوٹ نہیں رہا تھا۔ اس لیے کہ معاہدہ یہی تھا۔

☆☆☆

''کتنے دن ہوگئے تم نے پرندوں کو دانہ نہیں ڈالا۔'' سندس چونک گئی۔ وہ یہ کیا کہہ رہا تھا۔

''میں نے تمہیں اکثر کبوتروں کو دانہ ڈالتے دیکھا تھا۔''

''ظاہر ہے پرندوں کا بھی ہم پر حق ہے۔'' وہ تھوڑی جزبز ہوئی۔

''اب بھی جاتی ہو؟''

''نہیں، اب سائیکلنگ نہیں کرتی، اِدھر چھت پر ہی ڈال دیتی ہوں بہت کبوتر آتے ہیں۔'' ریحان اسے دیکھے گیا۔

''تمہیں، ہم سب کی عادت نہیں ہوئی؟'' ریحان درخت سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا۔

سندس اسے دیکھ کر بائیں جانب دیکھنے لگی۔

''نہیں...... آپ سب لوگ چلے جائیں گے پھر بھی تو مجھے اکیلے ہی رہنا ہے ناں۔''

''کیا کرو گی پھر؟'' ریحان نے سینے پر ہاتھ باندھ لیے۔

''میں نے کچھ سوچا نہیں ہے۔''

''میرے ساتھ چلو گی؟'' دھیرے سے کہا۔

''کہاں؟'' اس نے سر اٹھایا۔

''جرمنی......!''

''میں کیا کروں گی وہاں جا کر آپ کی تو اپنی زندگی ہے ناں یہی تو طے ہے ہمارے درمیان۔''

''اور تم......؟''

''میں بہت حقیقت پسند لڑکی ہوں، سپنوں میں نہیں رہتی، خواب نہیں دیکھتی...... دوسروں کے لیے جیتی ہوں، میں جاب کروں گی اور اِک اولڈ ہوم بناؤں گی یا پھر دارالشفا جیسا کوئی ادارہ، جہاں مستحق لوگوں کی مدد کی جائے۔''

''اپنے دوستوں سے ملواؤ ناں کل......'' اس کی بات سن کر اس نے کہا۔

''میرے دوست...... آپ کو کوئی فائدہ نہیں دیں گے۔''

چاندنی اس کے پورے وجود پر پھیلی ہوئی تھی۔ کلائیوں میں موتیے کے گجرے تھے، جو ماما اسے پہناتی تھیں۔ ننھی سی لونگ ناک میں جگمگا رہی تھی۔ کانوں کے ہلتے جلتے آویزے...... کیا اس کے دل میں محبت کی جوت جگانی پڑے گی۔

''چلیں اندر......''

''کیوں......؟''

''ماما، پاپا کو کافی دینی ہے۔''

''میں بھی تو یہاں اکیلا ہوں۔'' لفظ سے زیادہ لہجے کے زیر و بم نے اسے ٹھٹکا دیا۔

''آپ کافی پئیں گے؟''

''ہاں...... اگر ساتھ، ہاٹ کیک ہو......''

دھیرے سے اس نے ہاتھ تھام لیا۔

اس کے اندر کرنٹ دوڑ گیا۔

''شادی کی رنگ پہن کر رکھا کرو...... مجھے اچھا لگے گا اور ممی بھی خوش ہوں گی۔'' اس کی لمبی، لمبی مخروطی انگلیاں ویران تھیں۔

''اچھا......'' دھیرے سے ہاتھ چھڑائے۔

''اندر چلیں......'' ایک قدم پیچھے ہٹی اور جانے لگی۔ ریحان نے ہاتھ بڑھا کر بالوں کا کیچر کھول دیا۔ سیاہ زلفیں شانوں پر بکھر گئیں، وہ بے ساختہ مڑی...... ریحان مسکرا رہا تھا شرارت سے۔

''تمہارے بال بہت خوب صورت ہیں، سلکی، ملائم۔'' مٹھی میں بال لے کر ان کا لمس محسوس کیا۔

''میں ان کی خوشبو محسوس کر لوں؟'' وہ دھیرے سے جھکا اور وہ جھجک کر دو قدم پیچھے ہٹی۔

''چلیں میں کافی بنا رہی ہوں۔'' وہ کہہ کر اندر بڑھ گئی۔

ریحان خاموشی سے اسے جاتا دیکھتا رہا...... سنجیدگی سے کچھ سوچتے ہوئے وہ اپنائیت کی راہ اختیار کرنا چاہ رہا تھا اور وہ دشمنِ جاں گریز کی۔ محبت نمو پا ہی نہیں رہی تھی۔

''سندس......!'' وہ اُدھر ہی پشت پر ہاتھ باندھ کر ٹہلتے ہوئے سوچ گیا۔ وہ چار دن بعد ماما، پاپا نے چلے جانا تھا۔ ان کے درمیان تانے بانے ایسے ہی تھے۔ اسٹڈی روم میں بیٹھی وہ ایسے ہی لیپ ٹاپ پر... سرچنگ کرتی رہی۔

''یہ طے ہے ہمارے درمیان محبت نہیں ہوگی۔ پھر یہ بھی طے ہے یہ شادی، یہ محبت دکھاوا ہے۔ آپ کو اپنی زندگی جینی ہے۔ محبت کی میری زندگی میں بھی گنجائش نہیں تو پھر راستوں کے کوس کیوں گنوں۔ کیوں میں ایسی محبت لوں جو خالص ہے اور نہ میری ہے، ریحان...... مجھے آپ سے توقع تو ہے ہی نہیں،

ہمارے راستے الگ ہیں، میرے راستے میں یہ کاغذی گلاب کاشت نہ کریں...... کہ میں اپنی زندگی بھی نہ گزار سکوں۔''

رات گزرتی رہی، وہ جانے لیپ ٹاپ پر کیا، کیا کرتی رہی...... اچانک مٹی کی خوشبو سانسوں کی دہلیز پر پہنچی تو چونک گئی۔ بارش......

اٹھ کر دریچے سے باہر جھانکا۔ بارش کی بوندیں اوس کی صورت گر رہی تھیں۔ ہلکی، ہلکی پھوار تھی۔ مٹی کی مہک...... موتیا کے پھولوں کے ساتھ ہم رقص تھی۔ ایسے ہی دریچے سے لگ کر باہر دیکھتی رہی۔ جانے کیسی اداسی تھی جو اندر تک اتری جا رہی تھی۔

☆☆☆

اگلے دن چھاجوں مینہ برس رہا تھا۔ اس کے سسر اور ساس نے مل کر پکوڑے بنائے اور وہ ان کا ہاتھ بٹاتی رہی۔ کتنی مکمل اور پُرمحبت زندگی تھی ان کی کیسی ہم آہنگی تھی۔ یہ لگاؤ، یہ انداز، یہ فطری محبت...... سندس نے ان کے سب بچوں میں دیکھی تھی۔

''مکمل والدین کے مکمل بچے......!'' اس نے حسرت سے سوچا۔ اس کی طرح نامکمل محروم اور یاس زدہ نہیں...... بظاہر مسکرا کر محبت بھرے انداز میں انہیں دیکھتی رہی اور شیشے کی دیوار کے پار سے ریحان اسے اس کے انداز کو دیکھتا چونک گیا۔ ایک ہاتھ کی ہتھیلی پر چہرہ ٹکائے، دوسرے ہاتھ کی ہتھیلی سے مگ گھماتی وہ اس کے دل میں اترتی چلی گئی۔

''کبھی کسی کو مکمل جہاں نہیں ملتا۔'' ریحان نے گہری سانس لی۔ ''مگر میں تمہیں مکمل جہاں دینا چاہتا ہوں۔'' گرم، گرم جلیبیاں، سموسے، کچوریاں، رول کا شاپر تھامے سر جھٹک کر شور مچاتا ریحان اندر آ گیا۔

''ماما ابھی تک آپ کے پکوڑے تلے گئے نہ پاپا نے املی کی چٹنی تیار کی...... حد ہو گئی سستی کی......''

''تمہارے پاپا سست ہو گئے ہیں، ان سے نہیں بنی املی کی چٹنی میرے پکوڑے بن گئے ہیں۔''

''بیگم اگر میں جلدی بنا لیتا تو تمہارا کچن میں ساتھ کون دیتا۔ باہر ساون اور اندر تم......'' اس کے سسر بھرپور انداز سے اس کی ساس کے قریب جھک کر سرگوشی کر رہے تھے۔ اس نے نگاہ چرالی۔

ریحان پلیٹوں میں چیزیں نکال رہا تھا۔

''مجھے پتا نہیں تھا کہ تمہیں اس برستے ساون میں کیا چیز پسند ہے، میں سب ہی کچھ لے آیا۔'' وہ کہہ رہا تھا۔

''ساون! برستی بارش ہم سب کی کمزوری ہے اسے ہم بھرپور انداز میں مناتے ہیں اور اس بار تو کافی عرصے بعد ہم سب اکٹھے منا رہے ہیں۔ ماما، پاپا بہت خوش ہیں۔'' ریحان کہہ رہا تھا۔

سندس نے ٹیبل پر نگاہ کی۔

ساون...... اس نے کبھی نہیں منایا۔ اس کی زندگی میں رومانس نہیں تھا۔ وہ تو بس جی رہی تھی۔ اندر سب پکوڑے سموسے کھا لیتے اور وہ بچوں کے ساتھ لان میں کرکٹ کھیلتی رہتی۔

کن من بوندوں کے درمیان وہ اپنی کالونی کی سڑکوں پر سائیکل چلاتی...... گرم، گرم حلوا اور نرم، نرم پوریاں بچ جانے پر اس کے لیے رکھ دی جاتی تھیں۔

اس نے اگر اپنی دنیا الگ بنالی تھی تو کسی نے اس میں انٹرفیئر نہیں کیا تھا۔ بس پھپھو کی محبت نے اسے سمیٹ رکھا تھا۔

ڈائننگ ٹیبل پر ایک قہقہہ بلند ہوا...... وہ حال میں واپس آ گئی۔

ریحان نے لاؤنج کی کھڑکیاں کھول دی تھیں بارش کی پھوار اور نم ہوا اندر آ رہی تھی۔ سب ساون انجوائے کر رہے تھے ان کے چہرے چمک رہے تھے۔

''یار جلدی سے کھا لو پھر باہر لان میں چلتے ہیں۔''

''نہیں بلال لانگ ڈرائیو پر چلتے ہیں۔''

اس کے ساس سسر مکمل طور پر ساون منانے کے موڈ میں تھے۔ اسے لگا وہ بھی ان کی باتوں پر مسکرا رہی ہے۔

''ہم ساون منانے کہاں چلیں؟'' ریحان اس کی جانب جھکا۔

''برخوردار...... پہلا ساون میاں کی مرضی سے

ہوتا ہے دوسرا ساون بیگم کی مرضی سے۔'' بلال مصطفیٰ نے سموسے سے انصاف کرتے ہوئے کہا۔
''دلہن یہ اپنے سسر کے ہاتھ کی املی کی چٹنی چکھو......'' اس کی ساس نے اس کی جانب پیالہ بڑھایا۔
''اور تیسرا ساون......'' ریحان ہنس رہا تھا۔
''بچوں کی مرضی سے۔'' لاؤنج میں قہقہہ بلند ہوا۔
''اگر میں اس شخص سے محبت کرلوں...... اس شخص کو اپنے رنگ میں رنگ لوں؟'' جانے کیسا خیال تھا جو گرم، گرم جلیبیاں کھاتے ہوئے ذہن کو چھو گیا۔
''ریحان تمہاری فلائٹ کب کی ہے؟'' پاپا پوچھ رہے تھے۔
''ابھی تو بکنگ نہیں ہوئی پاپا!
ہم لوگ اگلے ہفتے چلے جائیں گے۔'' بادل زور سے گڑگڑائے اور بارش کی رفتار میں اضافہ ہوگیا۔
''لانگ ڈرائیو کی خواہش چھوڑیں بیگم......چلیں لان میں بارش کا مزہ لیں۔ پھر اگلے سال یہ فرصتیں ملیں نہ ملیں۔'' گرم گرم سموسہ اور کافی کا مگ لے کر وہ دونوں باہر نکل گئے۔
''تم مجھے اتنے غور سے دیکھ رہی تھیں کہ میرا ایمان ڈگمگانے لگا تھا۔'' ریحان نے اسے نظر بھر کر دیکھا۔
''میرے ماما، پاپا میں بے حد انڈر اسٹینڈنگ ہے۔ آئیڈیل ہیں یہ میرے...... اور میں ان کی جیسی زندگی گزارنا چاہتا تھا مگر......'' کہتے، کہتے وہ رک گیا اور دریچے سے باہر برستی بارش دیکھنے لگا۔
سندس اس کی شکل دیکھنے لگی۔
وہ اس شخص کو کیسے چاہ سکتی ہے جو کسی اور راستے کا مسافر ہے۔
''آپ کی راہ میں کوئی رکاوٹ تو نہیں ایسی آئیڈیل زندگی تو اب بھی آپ گزار سکتے ہیں۔ مرد بااختیار ہوتا ہے۔'' سموسہ کترتے ہوئے اس نے کہا۔
''کبھی کبھی مرد بے اختیار بھی ہو جاتا ہے رشتوں کے ہاتھوں۔''
''نہیں......'' دھیرے سے سر اٹھایا۔ ''میں آپ کی راہ کی رکاوٹ نہیں ہوں اور نہ بنوں گی۔ یہ ہمارے درمیان طے تھا، آپ آزاد ہیں اور میں آپ کی پابند نہیں ہوں۔''
''تم یہاں اکیلی کیسے رہو گی میرے جانے کے بعد؟''
''مجھے ہاسٹل چھوڑ دیجیے گا اور سب سے کہہ دیجیے گا کہ ہم لوگ جرمنی شفٹ ہو رہے ہیں۔ میرے گزارے کے لیے ایک جاب ہی بہت ہے۔ پھپھو بھی آسودہ اور آپ کے پیرنٹس بھی مطمئن......'' ریحان کو لگا باہر برستا سارا ساون ان سیاہ آنکھوں میں سما گیا ہو۔ جس کے آگے ضبط کے پہرے اور صبر کے چوکیدار تھے۔
''تم کبھی زندگی میں روئی ہو؟'' جانے کیسا سوال تھا جو ریحان نے پوچھ لیا اور سندس اسے دیکھنے گئی۔
''ہاں......! جب تک بچپن تھا جب تک روتی تھی اس کے بعد مجھے نہیں یاد پڑتا کہ میں کبھی روئی ہوں، بچے پیرنٹس کے آگے روتے ہیں یا پھر محبت کے ہاتھوں...... اور میری زندگی میں یہ دونوں رشتے ہی نہیں ہیں تو پھر توقع کیسی...... کیسے آنسو......'' وہ مسکرائی۔ پاس کے پیڑ پر زرد ارغوانی کلیاں...... اس کے پس منظر میں برستی بارش......
''ہم بہت اچھے دوست تو بن سکتے ہیں۔''
''نہیں! دوستی محبت کی راہ کی پہلی شرط ہے اور آپ نے واپس جانا ہے اِک نئی زندگی گزارنے کے لیے من پسند من چاہی ایسا نہ ہو یہ دوستی راہ کی رکاوٹ بن جائے۔'' وہ دھیرے سے کھڑی ہوگئی۔
اس کا دھانی دوپٹا اس کے شانوں پر تھا۔ کچھ سے نکلے ہوئے بال کانوں میں جھولتے ہلکے، ہلکے آویزے ہاتھوں کے کنگن......
''چلیں ہم بھی لان میں چلتے ہیں۔''
''اگر میں تمہیں اپنے ساتھ لے چلوں؟'' اس کی کلائی تھام لی...... اِک لمحے کو اِک کرنٹ سا دوڑ گیا۔
''نہیں...... ! یہ ممکن نہیں...... اس بوجھ کو اسی مقام پر پڑا رہنے دیں۔ میں اپنی تنہائی سے کبھی تھکتی نہیں ہوں۔ ہر انسان کو من پسند زندگی نہیں ملتی۔''

دھیرے سے کلائی چھڑانی چاہی۔

''اور تمہاری من پسند زندگی کیا ہے؟'' اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ چند لمحے تک سندس اسے دیکھتی رہی اور پھر واپس بیٹھ گئی۔

''میں زندگی کو گزارتی آئی ہوں، من پسند زندگی کیا ہوتی ہے مجھے نہیں معلوم......''

''تمہاری پھپو تو کہتی ہیں من موجی ہے جو دل میں آتا ہے کرتی ہے۔'' اِک تلخی نے لبوں کو چھولیا۔

''ہاں وہ ٹھیک کہتی ہیں۔ جب حفاظت کرنے والے نہ ہو، نگہبان نگاہیں نہ ہوں تو پھر اپنی حفاظت کے لیے انسان اپنے ہی ہو جاتا ہے اور لوگ ہاتھ کا میل بنالیا کرتے ہیں، روندکر گزر جاتے ہیں، میں نے خود کو مسلنے نہیں دیا۔ اس لیے سب مجھے مرو مار کہتے ہیں۔'' وہ ہنس دی۔

''تمہاری لڑکوں سے دوستیاں ہیں۔''

''دوستیاں......؟'' اسے کرنٹ سا لگا۔ اِک کرب تھا جس نے ذات کو چھولیا۔

''میں کل آپ کو اپنے دوستوں سے ملواؤں گی۔'' بہ مشکل وہ مسکرائی۔ دل کا کرب چھپا کر مسکرانا کیا ہے کوئی اس کے دل سے پوچھتا۔ ریحان کی اس کے بارے میں سوچ غلط تھی۔ یہ خیال ہی سوہانِ روح تھا۔

''اگر میں تم سے ہی زندگی شروع کردوں......'' کلائی پر گرفت مضبوط ہوگئی۔

''مجھے توقع نہیں ہے، ہمارے درمیان یہ تو طے نہیں......''

''تمام مسودے، تمام مفروضے نہ خاک بھی تو ہوسکتے ہیں۔ محبت کے بغیر انسان جی نہیں سکتا...... من پسند شریکِ سفر من پسند زندگی دیتے ہیں۔''

باہر لان میں کسی بات پر کھلکھلاتے ہوئے اس نے ساس، سسر کو دیکھا۔

''آؤ محبت بڑھالیں۔'' اس کی مٹھی اپنی ہتھیلی پر کھول لی۔

''میرے ساتھ زبردستی مت کریں...... زندگی کھیل ہے مگر میری زندگی نہیں، مجھے گھر، در یچے، بچے اِک گھریلو لائف کی خواہش نہیں ہے۔ میں نہیں چاہتی کہ......'' وہ کہتے، کہتے رک گئی۔

ریحان اسے ہمہ تن گوش ہوکر سن رہا تھا۔

''کہ......''

''آپ ادھورے ہوں......'' اور ہاتھ کھینچ لیا۔

''ادھورا مرد ہمیشہ خودترسی کا شکار ہوکر اپنی ذات کی تکمیل چاہتا ہے۔ اس تکمیل کے لیے وہ کتنے رشتوں کا خون کرتا ہے اس بات کی بھی پروا نہیں کرتا......'' اس نے اِک نگاہ اسے دیکھا۔

''اس لیے بہتر یہی ہے کہ من پسند زندگی کا انتخاب کریں، مسکرائیں...... اس راز میں، میں ہمیشہ آپ کا ساتھ دوں گی۔'' ریحان اسے دیکھے گیا۔

اپنی ذات میں اکھڑ ایسی لڑکی...... کیسے ہر درخود پر بند کررکھا تھا۔ خوشیوں کے بغیر رہنا کیسا ہوتا ہے۔ کوئی بھی سندس کو دیکھ کر اندازہ کرسکتا تھا۔ بظاہر مسکراتی، اندر سے بھیگی، حزن زدہ، اداس کی رات ایسی کوئی ایسے بھی ماں، باپ کے رشتوں کو محسوس کرتا ہے۔

☆☆☆

اگلی صبح وہ پھپو کے گھر آگئی، ریحان صبح اسے چھوڑ گیا تھا۔ اسے ایمبیسی جانا تھا۔ پھپو کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی اسے دیکھ کر خوش ہوگئیں۔

''تیرے بس جانے کی خوشی مجھے کتنی ہے، تجھے اندازہ ہے۔'' سندس نے ان کے سینے پر سر رکھ لیا۔

''بالکل نہیں...... اگر ہوتی تو آپ ٹھیک ہوجاتیں......''

''بڑھاپا...... بھی کبھی پلٹا ہے۔''

''آپ پلٹالیں بس، آپ کے شانوں کا بوجھ اتر گیا ہے۔''

''تیرے پھوپا ہوتے تو پلٹا بھی لیتی...... ان کے جانے کے بعد تیری محبت نے مجھے زندہ رکھا ہے

ورنہ تو......"

"آپ لوگوں کی کتنی کامیاب زندگی تھی ناں......؟"

"ہاں......مگر زندگی نے وفا نہ کی...... زندگی کو کامیاب محبت بناتی ہے اور ہمارے درمیان بہت محبت تھی۔"

"محبت......! بعض لوگ اتنے بدقسمت ہوتے ہیں کہ محبت انہیں چھو کر بھی نہیں گزرتی۔"

"تو اپنی زندگی میں ایسی ہی محبت رکھنا۔" اس نے دوبارہ پھپھو کے سینے پر سر رکھ لیا۔

"خالص محبت کی زندگی میں جگہ نہیں، ادھوری، ادھار محبت کی میں قائل نہیں۔" وہ اندر ہی اندر سسکی۔

"سندس......؟" ارم اسے لاؤنج میں لے کر بیٹھی۔ "کیا بات ہے چار ماہ ہو رہے ہیں شادی کو کوئی خوش خبری نہیں۔" ارم ایسی ہی تھی سیدھی بات کرنے والی۔

"میرے ساس، سسر جا رہے ہیں عمرہ کرتے ہوئے۔" اس نے نظر چرالی۔

"میں اس خوش خبری کی بات نہیں کر رہی۔"

"ہم لوگ بھی جلد ہی جرمنی چلے جائیں گے۔" مسکرا کر اسے دیکھا۔

"خیر سے جاؤ......مگر میں اس خوشخبری کی بھی بات نہیں کر رہی۔"

"پھر؟" حیرت سے آنکھیں پھیلائیں۔

"ایک سے دو......دو سے تین اور تین سے چار۔"

"پاگل ہو گیا......؟" اس نے اسے پرے دھکیلا۔ "فی الحال ہماری زندگی میں ایسی کوئی خواہش ہے اور نہ ریحان کی مرضی۔"

"بچے زندگی کی رونق ہوتے ہیں، میں نہیں سمجھتی کہ ریحان ایسے ہیں اور تم......تم تو ہر وقت بچوں میں گھری رہتی تھیں۔"

"یار...... کوئی اور بات کرو...... ہو جائے گا یہ مرحلہ بھی طے اپنے وقت پر۔" اس نے سائڈ میں پڑا میگزین اٹھا لیا۔

اور ارم نے بغور اس کا جائزہ لیا۔ وہ مسکرا رہی تھی۔

ارم کو کچھ سکون ملا۔ سندس نے اک گہری سانس لی۔

شام کو ریحان آ گیا۔ لان میں اِک ہجوم جمع تھا اور ان کے درمیان میں سندس ملکہ بنی بیٹھی تھی۔

بادلوں بھرا موسم تھا کن من، کن من ہو رہی تھی۔

"ان سے ملیں یہ میرے دوست ہیں۔" سندس کھڑی ہوئی لفظ "دوست" پر زور دیتے ہوئے اس کی جانب بڑھی۔

"ریحان سب سے ہاتھ ملانے لگا......وہ سب نو، دس، گیارہ، پندرہ اور سولہ سال تک کی عمر کے بچے اور بچیاں تھیں۔ کرکٹ بلکہ ہر کھیل کے ساتھی تھے۔

"سندس کرکٹ بہت اچھا کھیلتی ہے۔"

"اس کی ہاکی بھی اچھی ہے۔"

"فٹبال کے گول بنانے کا تو کمال ہی ان کا ہے۔"

"ان کا میتھ بہت اچھا ہے۔"

"کمپیوٹر کھیلنا تو ہے مجھے انہوں نے ہی سکھایا ہے۔" ایک، ایک بچہ سندس کی خصوصیت بتا رہا تھا اور سندس سینے پر ہاتھ باندھے معصومیت بھری مسکان چہرے پر سجائے انہیں دیکھ رہی تھی۔ ریحان سب سے خوش دلی سے ملا۔ سب ہنسی خوشی...... رخصت ہوئے۔

"آج میں نے اپنے دوستوں سے ملوایا ہے کل کو آپ کچھ اور سمجھ کر مجھ پر کوئی الزام کوئی تہمت نہ لگا دیں۔"

"میں ایسا ہوں؟" ریحان یک ٹک اسے دیکھنے لگا۔

"شوہر بن کر انسان بہت کچھ سوچتا ہے۔"

"مگر میں تو صرف تمہارا دوست بننا چاہتا ہوں...... ہاں دوست۔"

"مجھے دوستوں کی کمی نہیں ہے، آپ اپنا کام جاری رکھیں۔ میں ایسا دوست نہیں بنانا چاہتی جو راہ کی رکاوٹ ہو۔" ریحان کرسی پر بیٹھ گیا۔ دلچسپی بھرے انداز میں مسکراتے ہوئے اسے دیکھنے لگا۔

"میں اتنا برا آدمی نہیں ہوں...... جتنا تم نے سمجھ لیا ہے۔"

"مجھے آپ کی برائی یا اچھائی سے کوئی غرض نہیں

اوصاف انسان کے اپنے لیے ہوتے ہیں۔
''ہوں...... تم بھی، کبھی بہت گہری باتیں کرتی ہو۔''
''آپ چائے لیں گے یا ٹھنڈا......''
''آج لگتا ہے زوروں کی بارش ہوگی، اپنے ملک کے ساون کا تو مزہ ہی اور ہے۔'' سر اٹھا کر وہ آسمان کو دیکھنے لگا۔
سندس اسے دیکھے گئی۔ اپنی توجہ کا ارتکاز محسوس کر کے اس نے سر جھٹکا۔
''میں کچھ لاتی ہوں۔'' وہ اندر کی جانب بڑھی۔
''میں بھی چلتا ہوں۔'' اس کے پیچھے پیش قدمی اور ساتھ، ساتھ چلتے ہوئے اس کا کیچر کھول دیا۔
وہ بے ساختہ مڑی اور مڑتے، مڑتے ریحان سے ٹکرا گئی۔ ریحان نے ہتھیلیوں پر سنبھال لیا۔
''سنبھل کر یار...... موسم ویسے ہی خطرناک ہے۔ اوپر سے یہ کھلی زلفیں......'' شرارت سے اس نے بال بکھرائے۔
''کیوں کیچر کھولا تھا؟'' سنبھل کر آگے بڑھی۔
''اتنا تو حق ہے ناں......''
''حق......'' اس کے ضبط کی طنابیں چٹخنے لگیں۔
مرد جانے کس حق کی بات کرتا ہے، ضرب بھی خود ہی لگاتا ہے تقسیم بھی خود کرتا ہے اور کبھی مسئلہ فیثا غورث کی طرح الجھا بھی دیتا ہے جو طے ہوا تھا...... وہ بھول رہا تھا یا پھر...... وقت کے آگے ہار رہا تھا۔

☆☆☆

کیا اس کا انجام بھی اس کے والدین کی طرح ہوگا۔ الگ، الگ چلنے والے مسافروں کو الگ ہی رہنا ہوتا ہے ندی کے دو کناروں کی طرح۔
اپنی گزشتہ زندگی سے وہ خوش نہیں تھی اور اب ریحان کے کہے نے حرف آخر بنا کر مہر لگا دی تو پھر کس طرح سے وہ ...... کچھ اور سوچتی جن کی زندگی میں محبت نہ ہو وہ محبت کو کیسے پھیلا سکتے ہیں، اس کے سامنے لیپ ٹاپ کھلا تھا ساتھ میں رکھا کافی کا مگ ٹھنڈا ہو گیا۔ آہٹ پر سر اٹھایا تو سامنے ریحان تھا۔

محبتوں، دعاؤں کے
پھول اپنے پیاروں کی نذر

قابل احترام پیاری باجی عذرا رسول کے نام
خدا کرے سلامت رہے کسی دعا کی طرح
اِک تو اور دوسرا مسکرانا تیرا
باجی انجم انصار کے نام
ہر لفظ میں محبت ہر لفظ میں دعا
مقروض کر دیا ہے تیرے خلوص نے
سالوں پہ محیط نہیں تجھ سے رشتۂ محبت
جنم جنم کا ساتھ ہے تجھ سے، میری ہر سانس تیرے نام
پیاری مصنفات، شاعرہ، تبصرہ نگار پیاری، پیاری بہنیں، باجیاں، آنٹیاں مستقل سلسلوں کی انچارج، کیوٹ سی عظمیٰ آفاق، پیاری شائستہ زریں، پیاری بہن نزہت اصغر، پیاری بہن صغریٰ زیدی، سوئی سی آمنہ حماد، محترم آنٹی ذکیہ بلگرامی، محترم باجی اختر شجاعت دنیا کے ہر کونے میں مقیم پاکیزہ بہنوں کے نام......
وابستہ جن کی یادوں سے میرے شام و سحر ہیں
ان پھول جیسے لوگوں کو یا اللہ کبھی اداس نہ کرنا (آمین)

ہری مرچ

☆کسی شخص کو سگریٹ کی عادت تھی اور ڈاکٹر نے سختی سے منع کیا تھا اور تنبیہ کی تھی کہ سگریٹ نوشی سے بچنا ہے۔ جب وہ شخص ڈاکٹر کے پاس گیا تو ڈاکٹر نے پوچھا۔ ''امید ہے کہ آپ نے سگریٹ چھوڑ دی ہوگی؟''
مریض: سنا ہے الٹے ہاتھ سے جو بھی کھاؤ شیطان کے پیٹ میں جاتا ہے، اس لیے ہم نے سگریٹ بھی الٹے ہاتھ سے۔ پیا تا کہ شیطان کے پھیپھڑے خراب ہوں۔''
از: زرین زبیر کوٹھاری، کراچی

''کون سا مسئلہ ہے جو الجھ گیا ہے۔''

''نہیں تو......'' وہ سیدھی ہو کر بیٹھی۔

''میں سلجھادوں......'' وہ آگے جھکا۔

''نہیں......!'' مسکرا کر سر اٹھایا۔ '' میں حل کر لیتی ہوں۔''

''میری مدد......

''کسی اور کے لیے ہے۔'' لیپ ٹاپ شٹ ڈاؤن کیا۔

''وہ کسی تم بھی تو ہو سکتی ہو۔''

سندس کھڑی ہوگئی۔

''تم سے بے حد انسیت محسوس کرنے لگا ہوں۔'' اس نے ہاتھ تھام لیا۔

''آپ کے گھر میں جو رہتی ہوں۔'' ہاتھ کھینچتے ہوئے اس نے جواب دیا۔

''پھر؟'' تحیر بھرے انداز میں دیکھا۔ ریحان کچھ بولتے، بولتے سر جھٹک کر مسکرا دیا۔

''جاؤ......''

اور اپنے بیڈ روم تک جاتے، جاتے سندس کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔

''میں کہاں رہتی ہوں، میرا گھر...... ریحان کا انداز...... میری منزل کہاں ہے؟'' ریحان ٹھیک ہی ہنسے تھے۔''

☆☆☆

موسم آج کل ابر آلود ہو رہا تھا۔ کبھی تیز بارش کبھی دھوپ۔ اس بدلتے موسم میں ایک دن ساس، سسر بھی چلے گئے۔ ریحان نے بھی چلے جانا تھا مگر کب......؟ اس نے پوچھا ہی نہیں تھا۔ ایسے حساب کتاب کے سوال ان کے درمیان تھے ہی نہیں۔

ایک بار پھر تنہائی کے دن رات اس کے لیے ہوں گے، لان کی سیڑھیوں پر بیٹھ کر اس نے آزردگی سے سوچا۔ '' وہاں پھپھو کے گھر میں تنہائی... کی گھڑیاں دوستوں کے درمیان بیت جاتی تھی مگر اب...'' کسی، کسی کے مقدر میں تنہائی ہی کیوں ہوتی ہے؟ اور بھی تو لوگ بغیر ماں، باپ کے رہتے ہیں۔ ان کی زندگی بھی مکمل ہوتی ہے، وہ گھر بھی بناتے ہیں' ان کے بچے بھی ہوتے ہیں اور وہ مکمل خوش و خرم بھی ہوتے ہیں مگر میں کیوں نہیں......'' اس نے برستی پھوار میں اپنی ہتھیلیاں کھول لیں پانی کی ٹھنڈک دل میں اترتی محسوس کرنے لگی۔

''نہیں میں سنبھل جاؤں گی، خود کو اتنا مصروف کر لوں گی کہ بس...... اور جب سارے جذبے تھکاوٹ کی نذر ہوں گے تو کیسا شکوہ کیسا گلہ......'' وہ اداسی سے مسکرا دی۔

☆☆☆

آج کل ریحان صبح جو نکلتا تو رات گئے گھر آتا۔ جانے کہاں مصروف رہتا تھا کوئی پوچھنے والا بھی نہیں تھا۔ روک ٹوک کا رشتہ ان کے درمیان تھا ہی نہیں۔ کبھی، کبھی دل بے ایمان ہونے لگتا مگر ایسے خیالات سختی سے جھٹک دیتی۔

کچھ سالوں بعد ادھر ہی اس جگہ پر کوئی اور محروم تمنا بچی بچو یاس ہوگی جس کی آنکھیں ماں کو تلاش کریں گی، ہر کسی کے باپ میں اپنے باپ کو ڈھونڈیں گی نہیں وہ کبھی ایسی نسل کو جنم نہیں دے گی جو اس کی ممتا کو الزام دے۔ وہ گھٹنوں پر سر رکھے کتنی دیر تک نیر بہاتی رہی کوئی نہیں تھا جو اس کے آنسو پونچھتا۔

روزوں کی آمد تھی۔ اس دفعہ اس نے سوچ لیا تھا پورے روزے رکھے گی۔ اچھا ہے کھانے پینے کی بچت ہوگی، ہاسٹل کا صرف کرایہ دینا ہوگا۔ جتنی بچت ہوگی اس کے لیے بہتر ہوگا۔ ریحان یوں ہی تو مصروف نہیں ہیں۔ اچانک ہی اعلانِ رخصت ہوگا اس نے اِک گہری سانس لی۔ جو چیز طے ہو تو اس کا دکھ کیسا...... پھپھو خوش اس کا گھر بس گیا، اس کے ساس' سسر مطمئن تھے کہ ان کے بیٹے کا گھر آباد ہے۔ یہ دل آباد کب ہے کون جانے...... ظاہر ہے معاہدہ ہی تھا۔

''یہ دل آباد کب تھا سندس بیگم؟'' اندر سے آواز آئی۔ خواہ مخواہ کی اداسی نے گھیر لیا تھا۔ یہ تنہائی اور اکیلا

پن ون، رات کا کھیل تو اس کے ساتھ تھا۔

''کبھی کبھی یہ احساس حد سے سوا ہو جاتا ہے کہ ہم کتنے اکیلے ہیں اور تنہائی کے اس سفر میں کوئی ساتھ نہیں، کوئی ساتھ نہیں ہے جبھی تو تنہائی ہے۔'' وہ لاؤنج میں بیٹھی یہی باتیں سوچ رہی تھی تبھی باہر ہارن بجا۔

وہ کھڑکی سے گیٹ کے اندر آنے والے راستے کی طرف دیکھنے لگی یہاں تک کہ اپنے مخصوص انداز میں ہنستا ہوا ریحان اندر آ گیا۔

''تم یہاں...... بادل باہر برسنے کو ہیں۔''

''ہاں مگر مجھے رات کی بارش میں بھیگنا اچھا نہیں لگتا بس محسوس کرنا اچھا لگتا ہے۔''

''اچھا......'' ریحان اس کے سامنے بیٹھ گیا۔

''اور کیا، کیا محسوس کرتی ہو؟''

''وہ سب، جو میں کر سکتی ہوں۔''

''کبھی تم نے مجھے محسوس کیا؟''

سندس اس کی شکل دیکھنے لگی۔

''یہ ایک مشروط بندھن ہے ایک عہد...... کچھ شرائط کے ساتھ۔''

''آؤ شرائط باطل کر دیں...... عہد توڑ دیں اور اس قنوطیت سے محبت کو مشروط کر لیں۔'' فضا میں بھیگی ہوا کے ساتھ اس کے مخصوص کلون کی خوشبو بھی رقص کرتی چکرانے لگی۔

''کاغذی بندھن امر نہیں ہوتے۔''

''محبت ہر رنگ میں امر ہوتی ہے۔''

''محبت......!'' وہ حیرت زدہ ہوئی۔

''جس سے والدین نے محبت نہیں کی کوئی دوسرا کیونکر کرے گا......'' اس نے دکھ سے سوچا۔

''آپ کے جانے کا کیا ہوا؟'' یک دم موضوع بدل دیا۔

''تمہیں بہت جلدی ہے؟''

''نہیں...... مجھے اپنے ہاسٹل کا انتظام کرنا ہے۔''

''ہوں۔'' وہ کچھ دیر سوچتا رہا۔

''تم اسی گھر میں رہ لو۔''

''اور لوگوں کو......؟''

''لوگوں کو کچھ بھی بتا دیں گے۔''

''یہ میری زندگی کا سوال ہے، میں کیسے مطمئن کروں گی۔''

''اور تمہاری جاب......؟''

''بن جائے گا کوئی وسیلہ بھی۔'' وہ صوفے سے اٹھنے لگی۔

''دیکھو رمضان شروع ہو رہا ہے، سوچ رہا ہوں اس بار روزے بھی یہیں رکھوں گا اور عید بھی پاکستان میں کروں بہت عرصے بعد یہ موقع ملا ہے اپنے ملک میں۔'' سندس چپ سی ہو گئی۔

''پھر ہم لوگ سیٹس کنفرم کروا لیں گے۔''

''ہم لوگ......؟''

''ہاں...... مطلب میں اور میری بیوی......'' اس نے بے نیازی سے کہا۔

ایک چھناکے سے وجود چور، چور ہو گیا۔ بعض اوقات سب کچھ جانتے بوجھتے بھی زخم بہت گہرا محسوس ہوتا ہے۔

''آپ نے شادی کب کی؟''

''بس...... یار اچھی لگی لڑکی...... دل کے قریب تو کر لی ہنی مون ہمارا جرمنی میں ہوگا۔''

''بے حد مبارک ہو۔''

جذب سے اسے دیکھے گیا۔

''تمہیں دکھ ہوا؟'' اس نے اپنی مسکراہٹ دبا کر پوچھا۔

''کس بات کا......؟''

''میری شادی کا۔''

''نہیں...... یہ تو ہمارے درمیان طے تھا۔''

''تم طے شدہ باتوں کو یاد رکھتی ہو۔''

''ہاں، بعض طے شدہ باتیں زندگی کا حصہ...... زیست کا حاصل ہو جاتی ہیں۔ ہمیں ان کے مطابق زندگی گزارنی ہوتی ہے۔ اور یہی زندگی کا قانون بن جاتی ہیں؟''

''اور قانون ٹوٹنے کے لیے ہوتے ہیں۔''

ریحان مسکرایا۔

سندس کی نگاہ اس پر ٹک گئی۔ بے معنی باتیں...... بامعنی لگ رہی تھیں مگر اس کی زندگی اتنی سستی نہیں تھی۔

''مجھے نیند آرہی ہے۔''

''مگر میری نیند تو اڑ گئی ہے۔''

''اپنی بیگم کے پاس جائیں۔''

''ظالم کی شرطیں بڑی کڑی ہیں۔'' وہ ہنس رہا تھا۔

''اچھی شرطوں کو مان لیتے ہیں۔''

''نہ مانوں تو......؟''

''تو زندگی میں ایک کمی رہ جاتی ہے۔''

''تم میری دوست نہیں بن سکتیں۔''

''آپ کی زندگی میں دوستوں کی بھلا کیا کمی...... '' وہ صوفے کے قریب لیٹنے کی غرض سے جانے لگی۔ ''مجھ سے اچھے دوست آپ کی زندگی میں ہیں۔''

''مگر تم تو...... تم ہو۔''

اس کے آگے بڑھتے قدم رک گئے۔

''ہاں میں، میں ہوں محرومِ تمنا، مایوس اور سوگوار......'' اس نے دل میں سوچا۔

''سنا تھا تم بہت شوخ و چنچل ہو......'' پھر سوال کر کے روک لیا۔ سندس نے پلٹ کر اسے دیکھا اور جواب دیے بغیر آگے بڑھ گئی۔ ریحان نگاہِ ترحم سے اسے جاتا دیکھتا رہا۔ جتنا وہ اس کے قریب ہونا چاہتا تھا وہ اتنی ہی دور...... اور دور ہو رہی تھی...... اس کی باتوں کو سچ مان لیا تھا۔

''اب اس غلط فہمی کے حصار سے اسے کیسے نکالوں۔'' رات دھیرے، دھیرے گزر رہی تھی۔

☆☆☆

''تم تو، بالکل برعکس ہو اپنی شخصیت کے۔'' کھانا کھاتے ہوئے اسے دیکھا۔

''اچھا...... معلوم نہیں۔''

''اپنے بارے میں اتنی بے خبری اچھی نہیں ہوتی۔''

سندس چپ رہی۔

''جتنا میں تمہیں جان گیا ہوں، اتنا تم نہیں جانتیں۔''

''آپ نے جانا ہے تو فضول...... اور میں جان کر کیا کرتی...... ہم تو بس مسافر لوگ ہیں۔'' وہ برتن سمیٹ کر اٹھنے لگی۔

''چلو سمندر پر چلیں۔'' سندس کھڑے، کھڑے چپ اسے دیکھے گئی۔

''آؤ۔'' وہ ساتھ ہی کھڑا ہو گیا۔

''یوں اچانک......''

''ہاں موسم بہت اچھا ہے۔'' نہ چاہتے ہوئے بھی وہ اس کے ساتھ چلی گئی۔ کتنی دیر تک وہ لوگ ساحلِ سمندر پر ٹہلتے رہے، ڈوبتے سورج کو دیکھتے رہے۔ ریحان بہت دلچسپ باتیں کرتا رہا۔ وہ ہنستی رہی۔ اس کی یادوں میں ایک اچھا دن محفوظ ہو گیا۔

پھر یہ ہوا...... کہ اچانک ہی وہ اسے ہر جگہ لے جانے لگا۔ لانگ ڈرائیو پر...... کھانے پر...... آؤٹنگ کے لیے...... اور شاپنگ کے لیے...... اپنی پسند کی ڈھیروں چیزیں خریدیں مگر اس کے مشورے سے وہ ساتھ، ساتھ کھنچی جاتی۔

☆☆☆

انہی دنوں ایک سوہان روح حادثہ ہو گیا۔ پھپو کو زبردست اٹیک ہوا اور وہ گزر گئیں اور وہ ان کے سرہانے بیٹھی آنسو بہاتی رہی۔ وہ اس سے کتنی خوش... خوش گئی تھیں۔ ''اتنا ہی خوش ریحان بھی ایک دن چلا جائے گا۔ اللہ نہ کرے...... مطلب ملک سے باہر۔'' اس نے اپنے خیالات کی خود ہی تصحیح کی۔ سارے خول، سارے بندھن، سارے حصار، ساری طنابیں ٹوٹ جائیں گی۔ اک نئی زندگی جنم لے گی۔ پھپو کے جاتے ہی ہر کوئی اجنبی نظر آرہا تھا۔ ریحان کے ساتھ وہ گھر آگئی تھی۔

اس کی اداسی اور دکھ کو محسوس کرتا ریحان اس کا بہت خیال رکھ رہا تھا۔ پھپو اس کے لیے کیا تھیں ان کے جانے کے بعد اسے احساس ہو رہا تھا۔ اس روز ریحان گھر آیا تو وہ لان کی سیڑھیوں پر بیٹھی تھی۔ گاڑی سے اتر کر وہ بھی اس کے پہلو میں آبیٹھا۔ اس نے

چونک کر اسے دیکھا۔

''تم جو ہو، جس طرح سے ہو ویسی ہی زندگی گزارو، جس طرح سے رہنا چاہتی ہو رہو...... سندس۔'' اس نے اپنا بازو اس کے شانے پر پھیلا لیا۔

''خوش رہا کرو ڈیئر!''

''آپ کب واپس جا رہے ہیں۔''

''کیوں، تمہاری خوشی کا تعلق میرے جانے سے ہے؟''

وہ چپ رہی۔

''میں چاہتا ہوں کہ تم اس اداس، خاموش، روتی ہوئی لڑکی کو ہاسٹل شفٹ کر دو...... میں نے جانے کا ارادہ ترک کر دیا ہے۔ میرے پاپا نے یہ گھر بہت شوق سے بنایا ہے اور ماما اسے آباد دیکھنا چاہتی ہیں۔ میں یہاں اپنی، بیوی کے ساتھ رہنا چاہتا ہوں...... خوشی، خوشی...... بامسرت زندگی۔'' اس نے شانوں پر اپنا دباؤ بڑھایا۔

سندس دھک سے رہ گئی۔

''اس کی خواہش ہے کہ میں تمہیں الگ کر دوں...... مگر میرے لیے یہ ممکن نہیں۔'' ریحان نے اس کے شانے سے بازو ہٹا لیا۔

گویا اس کے سر سے سائبان اٹھ گیا۔

''ابھی تو ابھی تو......''

کتنے لمحے خاموشی کی نذر ہو گئے۔

''پھر کب تک......!'' سر گھما کر اسے دیکھا اس سے جملہ پورا نہ ادا ہو سکا۔

''کل شام تک......'' جانے کیسے منہ سے نکلا۔

''ہاں مرد ہر بات بھول سکتا ہے، مرد با اختیار ہوتا ہے۔ سارے قول سے پھر سکتا ہے مگر وعدے تھے ہی کب ہمارے درمیان۔'' وہ دل ہی دل میں طنزیہ ہنسی ہنسی۔ اور دھیرے سے اٹھ گئی۔ زندگی کی سانسیں ٹھٹک گئیں۔ ریحان اسے جاتے دیکھتا رہا...... بادل زور سے گرگڑائے تھے۔ بارش میں اضافہ ہو گیا۔ مچلتے جذبوں کو دل میں گنتا ریحان بارش دیکھتا اور محسوس کرتا رہا۔

☆☆☆

باہر کسی گاڑی کا ہارن بجا تھا۔

''ریحان میں ہاسٹل جا رہی ہوں، باہر گاڑی آ گئی ہے، یہ ارم کا فون نمبر ہے اول تو میرے متعلق کوئی پوچھے گا نہیں بس ارم کو فون کر کے کہہ دیجیے گا کہ ہم لوگ اچانک جرمنی چلے گئے ہیں۔ اس لیے ملنا نہیں ہو سکا۔ میرے متعلق کچھ مت بتایئے گا۔ میری جاب اگر کسی اور شہر میں ہو جائے گی تو میں یہاں سے چلی جاؤں گی۔'' کاغذ کا ٹکڑا اس کی جانب بڑھایا۔

ریحان نے لے کر سرسری سی نگاہ ڈالی اور سائڈ پر رکھ دیا۔

''ٹھیک ہے۔'' چھوٹا سا ہینڈ کیری بیگ گھسیٹ کر سندس کمرے سے باہر نکلی۔ لمحہ بھر کو رکی ہوئی سانس خارج کی۔

''یہ کمرا، یہ گھر سب پرایا تھا...... سب پرایا ہے۔'' چار سو نگاہ کی۔ اسی لمحے وہ پلٹی اور بیڈ سائڈ ٹیبل پر رکھا چھوٹا سا فریم جس میں ان دونوں کی شادی کی تصویر تھی، یہ فریم اسے بھی بہت پسند تھا۔ فریم اٹھا کر وہ آگے بڑھی ہی تھی کہ دوسرے لمحے مائی فیئر لیڈی کی چارمنگ خوشبو اس پر برس پڑی۔ خوشبو کی پھوار مسلسل برس رہی تھی۔ اس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ گھبراہٹ میں وہ ریحان سے ٹکرائی۔ ریحان نے پورا پرفیوم اس پر ختم کر دیا۔

''صد شکر کہ تم اس بے رنگ و بو کی لڑکی کو اس کمرے سے باہر چھوڑ آئیں، اس خوش شکل سی لڑکی کو میں خود ہی خود میں رنگ لوں گا۔ زبردستی ہی سہی۔ محبتیں زبردستی بھی اپنا آپ منوا لیتی ہیں۔'' ریحان نے اسے اپنے حصار میں لے لیا۔ سندس بھونچکی سی رہ گئی۔

''سنو نادان لڑکی...... تم نے پھپھو کو ڈاج دینا تھا، شادی نہیں کرنا تھی' اس لیے میں نے خود کو برا بنا کر تمہارے سامنے پیش کیا...... اور میں اتنا بھی برا نہیں ہوں جتنا تم نے سمجھ لیا تھا۔'' اس نے اسے سامنے کیا۔ اس نے ڈرتے، ڈرتے آنکھیں کھولیں۔

''اگر اتنا ہی برا ہوتا تو گزرے ماہ و شب میں

تمہیں تسخیر نہ کر لیتا۔'' سندس دم بخود تھی۔

''ہاں میں نے ہر جگہ تمہارا پیچھا کیا ہے۔ کبھی کسی سگنل پر، کبھی کسی چوراہے پر...... کبوتروں کو دانہ ڈالتی...... یونہی اپنی سوچوں میں گم فٹ پاتھ پر چلتی لڑکی، کسی پارک میں سنگی بینچ پر بیٹھی۔ بچوں کو دیکھتی، کبھی کرکٹ کھیلتی...... کبھی سر پھرے لڑکوں سے لڑتی...... ان کا سر پھاڑتی۔'' سندس کی پلکیں رخساروں پر ڈھلک گئیں۔ باہر بادل زور سے گرجے اور موسلا دھار بارش شروع ہوگئی۔ اِک ساون اندر بھی برسنے لگا۔

''مائی فیئر لیڈی...... میں تم پر سے زرد آنچل ہٹا کر شوخ رنگوں کے دھانی رنگوں سے تمہیں ڈھک دینا چاہتا تھا۔'' اس کے بال کھل کر شانوں پر بکھر گئے۔

ریحان محبت کی سرگوشی کرتا اسے ازسرِنو زندگی کی نوید مسرت دے رہا تھا۔

''یہ ضروری نہیں ہوتا جانِ ریحان...... کہ ہم سدا اپنے والدین کو سامنے رکھ کر زندگی گزاریں...... ہاں ان کی زندگی خوشگوار ہے ضرور ورنہ......''

''میری محبت تمہیں مضبوط ماں بھی تو بنا سکتی ہے۔ تم کیوں خوفزدہ ہو۔'' سندس پھل پھل رو رہی تھی۔

اس شخص کو اس نے کتنا غلط سمجھا تھا۔ یہ تو...... یہ تو......

'' بس یار...... پہلے اداسی سے اور اب آنسوؤں سے مجھے مارو گی۔'' دھیرے سے چہرہ اٹھایا۔ مسلسل رونے نے اس کی آنکھوں کو متورم کر دیا تھا۔

''محبت کی ابتدا ہی تم سے کی ہے۔ وہ الگ بات کہ خاموش محبت...... میں جانتا ہوں تمہیں لفظوں پر نہیں پریکٹیکل پر اعتبار ہے۔ آزمائش شرط ہے۔''

دھیرے سے اپنی ہتھیلیوں پر اس کے آنسو سمیٹ لیے۔ وہ بہ مشکل مسکرائی۔

''چراغ تلے اندھیرا رہتا ہے۔ جب تک دوسرا چراغ روشنی نہ کرے۔'' یقین اس کے اندر اتر رہا تھا۔

دھیرے سے ریحان کے شانے پر سر رکھ دیا۔

باہر بارش کا شور اپنے عروج پر تھا۔ بادل گرج، گرج کر برس رہے تھے۔ اندر محبت کا نزول...... کسی تحفے کے مانند سندس پر ہو رہا تھا۔

پہلی محبت، پہلی چاہت، پہلی بارش، پہلا احساس، یقین بن کر وجود میں اتر گیا تھا۔

''آپ کی بیوی؟'' بے اختیار بھیگی پلکوں کے ساتھ سر اٹھایا۔

''تم ہو ناں......!'' انگلی سے رخسار چھوا۔

''اور میرا ہاسٹل!''

''وہاں وہ لڑکی رہے گی جو بے رنگ و بو کی ہے اور جس کا سامان تم اس کمرے سے باہر رکھ آئی ہو۔'' وہ شوخی سے ہنسا۔

خوشبوؤں کی طرح میری ہر سانس میں
پیار اپنا بسانے کا وعدہ کرو
رنگ جتنے تمہاری محبت کے ہیں
میرے دل میں چھپانے کا وعدہ کرو

''سنو......! میرے بغیر تم زندگی گزار لیتیں میری تصویر کے سہارے...... وہ تصویر مجھے بہت پسند ہے جس فریم کو تم نے چرا کر اپنے بیگ میں رکھ لیا ہے۔''

ریحان نے اس کے بیگ سے فریم نکال کر سامنے رکھا...... سندس شرمندہ ہوگئی۔

''اس فریم کو اسی طرح دیکھنا چاہتا ہوں ہمیشہ تمہارے ساتھ......'' اس کے شانوں پر ہاتھ رکھ کر ہتھیلی پر ٹھوڑی ٹکا کر اس نے فریم کو دیکھا...... سندس کی نگاہ بھی فریم پر پڑی۔

آئینے میں ان کا عکس جھلملا رہا تھا۔

سندس محجوب سی ہو کر مسکرا دی اور دل سے نثار ہوتے اس شخص کی محبت پر ایمان لے آئی۔ محبت جو کبھی نہیں مرتی...... مر جائے تو ازسرِنو زندہ ہوتی ہے۔

باہر موسم اور اندر محبت کا جوبن عروج پر تھا...... ست رنگی برسات اس بار محبت میں ڈوب آئی تھی...... اب فرار ممکن نہیں تھا۔ سندس اس دہلیزِ محبت پر سجدہ ریز ہوگئی۔ اس کے دل کی زمین بھی تو صدیوں سے محبت کی پیاسی تھی۔

حسد

عائشہ خان

آج پھر زہرا بھابی کے گھر تقریب میں شرکت کے بعد واپسی پر تانیہ کا پارہ ہائی تھا۔ یہ صرف آج کی ہی بات نہیں تھی۔ یہ مسئلہ ہر دفعہ پیش آتا۔ جب منصور کے خاندان میں کوئی تقریب ہوتی۔ پہلے تو تانیہ جانے سے ہی انکار کر دیتی پھر منصور کسی نہ کسی طرح اسے منا کے لے بھی جاتا تو وہ وہاں بیٹھے، بیٹھے ایک، ایک بات نوٹ کرتی جاتی پھر گھر آ کر منصور کی جو شامت آتی۔

''دیکھا، دیکھا......'' وہ غصے میں بولی۔



''کیسے زہرا بھابی تیار تھیں، اتنا مہنگا سوٹ پہنا ہوا تھا۔'' اس نے اپنی جیٹھانی کا نام لیا۔

''کیوں نہیں پہنیں میری بھابی، اللہ رکھے میرے بھائی کو، بھابی سدا سہاگن رہیں۔'' منصور نے یہ کہہ کر اس کا اعتراض مسترد کر دیا۔

''میں یہ نہیں کہہ رہی کہ وہ اتنے مہنگے سوٹ نہیں پہنیں بلکہ آپ کو یہ یاد دلانا چاہ رہی ہوں کہ کیسے پچھلے ماہ آکر اپنے حالات تنگ ہونے کا رونا رو رہی تھیں۔'' وہ سخت لہجے میں بولی۔

''اب اگر تمہاری یہ اپنی فالتو باتیں ختم ہوگئی ہوں تو میں سو جاؤں؟'' منصور نے بیزاری سے اجازت چاہی۔

''ہونہہ۔'' وہ تن فن کرتی کمرے سے باہر چلی گئی تو منصور نے سکھ کی سانس لی۔

☆☆☆

اگلے ہفتے بڑی نند کے بیٹے کی شادی تھی۔ تانیہ شادی کی تیاریاں زور شور سے شروع کر رہی تھی۔ ڈیزائنر کے خوب صورت کپڑے اور ان کی میچنگ جیولری۔ پھر سینڈل بھی عمدہ..... غرض کہ وہ پوری طرح ان لوازمات سے لیس ہونا چاہتی تھی۔ اپنی منجھلی نند عابدہ کو جلانے کے لیے جس سے اس کا خود ساختہ سا مقابلہ رہتا تھا۔ شادی کے بعد وہ عابدہ ہی تھی جو اس سے مرعوب سی دکھائی دیتی تھی۔ تانیہ جو بھی نئی چیز زیب تن کرتی عابدہ بے ساختہ پوچھ لیتی۔

''بھابی یہ کب لیا، کہاں سے لیا؟''

''یاد نہیں.......'' وہ اترا کر سوچ کر کہتی۔ اب نند کے گھر شادی میں وہ یہ سب کرنے والی تھی۔ وہ یہ موقع ہاتھ سے گنوانا نہیں چاہتی تھی، اپنی مہنگی ترین اشیا سے وہ سب کو حیران کر دینا چاہتی تھی۔ خود تو وہ یاد نہیں کہہ کر آگے بڑھ جاتی لیکن یہی عمل اگر زہرا بھابی یا عابدہ کرتیں تو بھونچال آ جاتا۔ وہ منصور کو جتا، جتا کر کہتی۔

''میرے پوچھتے ہی ان کی تو یادداشت چلی جاتی ہے۔ ذرا جو یاد ہو کہ فلاں چیز کہاں سے خریدی تھی...... ارے سب بہانے کرتی ہیں کہ میں بھی ان جیسی چیز نہ خرید لوں...... ہونہہ، بھاڑ میں جائے ایسی پسند، گنواروں جیسی......اور وہ عابدہ، آخر خود کو سمجھتی کیا ہے، بنتی ایسی ہے جیسے ڈیفنس میں رہتی ہو۔ ارے میاں کرتا کیا ہے ایک چھٹیچر سی نوکری۔'' وہ مزید بھی کچھ بولنا چاہتی تھی مگر منصور جو آفس سے تھکا ہوا گھر تو آیا تھا...... لائٹ بند کر کے لیٹ گیا۔ اور وہ حسب معمول کمرے سے واک آؤٹ کر گئی۔

☆☆☆

اسی مسئلے کا کوئی حل نکلتا دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

اب تو جب سے زہرا بھابی کے بڑے بیٹے سے عابدہ کی بڑی بیٹی کی شادی ہوئی تھی۔ مسئلہ اور گمبھیر ہو گیا تھا...... وہ دونوں گھرانے آپس میں گھی، شکر ہو گئے تھے......اور تانیہ کے طعنے، تشنے مزید بڑھ گئے۔ اس کو یہ اتحاد ہضم نہیں ہو رہا تھا اور یہی وجہ تھی کہ اس کا احساس کمتری بڑھتا جا رہا تھا۔ اب یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ منصور اپنے بہن، بھائیوں میں جانا چھوڑ دے۔ یہ تو کوئی حل نہیں تھا۔ بچے بھی ہر تقریب سے واپسی پر ''جھگڑا الرٹ'' رہتے...... کہ اب جھگڑا شروع ......اول تو منصور بیوی کی ان بے سروپا باتوں کا جواب نہیں دیتا تھا مگر وہ کچھ نہ کچھ ایسی چبھتی ہوئی بات کر جاتی جس کا نہ چاہتے ہوئے بھی وہ تلملا کر جواب دیتا اور یوں جھگڑا بڑھ جاتا۔

''عورت کی زبان درازی آدمی زیادہ دیر برداشت نہیں کرتا۔'' یہ بات منصور گاہے بگاہے اسے باور کرا چکا تھا مگر تانیہ نہ جانے کس مٹی کی بنی ہوئی تھی کہ اس پر اثر ہی نہیں ہوتا اور وہ ضرور اپنی بھڑاس نکال کر رہتی۔ آج بھی وہ زہرا بھابی کے پوتے کی چھٹی کی تقریب سے ہو کر آئے تھے کہ تانیہ حسب معمول شروع ہو گئی۔

''مٹھائی تو ایسے چگا رہی تھیں جیسے چڑیا کے بچے کو کھلا رہی ہوں......اور مٹھائی کا ڈبا پکڑا ہوا ایسے تھا جیسے ہم لے کر ہی بھاگ جائیں گے۔'' وہ ہاتھوں پر

کلینزنگ لوشن لگاتی مزید بولی۔ ”اور وہ حمنی“ اس نے جیٹھانی کی بیٹی کا نام لیا۔

”وہ حمنی تو کیسے اتراتی پھر رہی تھی، چھوٹی تھی تو میرے گرد ہی منڈلاتی تھی، چچی میرا بھی میک اپ کر دیں..... چچی میرے بال بنا دیں اور اب خود کو سب آ گیا تو یہ نہ ہوا کہ چچی کو بھی مہندی لگا دے..... کیسے عابدہ کی فیملی میں اس نے سب کے ہاتھوں پر مہندی لگائی۔“

منصور، اس کی ان شکوے بھری باتوں کو غلط نہیں سمجھتا تھا۔ تانیہ کی آدھی سے زیادہ باتیں سچ تھیں..... بھابی زہرا اور عابدہ باجی کی فیملی اس سے امتیازی سلوک کرتی تھی مگر اسے تانیہ کی ہر وقت چخ چخ پر اعتراض تھا۔ ان کے اس رویے کی وجہ سے تانیہ کا ہر وقت اسے طعنے دینا زہر لگتا، اب تو دل بیزار رہنے لگا تھا۔ بچوں پر بھی ان باتوں کے منفی اثرات مرتب ہو رہے تھے اور یہ بات تانیہ کو سمجھ نہیں آتی تھی۔

☆☆☆

وہ ٹیلی فون اسٹینڈ کے قریب بیٹھی کافی دیر سے اپنی چھوٹی بہن سے گفتگو کر رہی تھی، بہن جو کہ عابدہ باجی کی دور پرے کی سسرال میں بیاہی تھی۔ اس نے ایک نئی خبر دی جسے سن کر تانیہ تن فن کرتی میاں کے آنے کا انتظار کرنے لگی۔

”بالا ہی بالا اپنی بیٹی کی بات پکی کر دی اور ہمیں خبر تک نہیں ہونے دی۔“ اس خبر کی تصدیق زہرا بھابی نے بھی کر دی۔ جنہیں تانیہ نے خیر خیریت پوچھنے کے بہانے فون کیا تھا۔ ابھی وہ غصے سے تلملا رہی تھی کہ منصور آفس سے آیا۔ وہ بوجھل قدموں سے چلتا ہوا ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتا دھم سے صوفے پر بیٹھا ہی تھا کہ تانیہ شروع ہو گئی۔

”سنا آپ نے، ہمیں تو دودھ میں سے مکھی کی طرح نکال دیا آپ کے گھر والوں نے اور آپ ہیں کہ ہمیں ان کے گھر ہر تقریب میں گھسیٹے پھرتے ہیں۔“

اس سے پہلے کہ وہ مزید کچھ اور بولتی منصور جو آفس سے پہلے ہی اپنے باس سے ڈانٹ کھا کر آیا تھا..... اس کا ہاتھ اٹھا اور چٹاخ کر کے تانیہ کے گال پر اپنے نشان چھوڑ گیا۔ تانیہ منہ کھولے ہکا بکا گال پر ہاتھ رکھے جہاں کی تہاں رہ گئی۔

”آئندہ تم نے اپنی بکواس بند نہ کی تو تین لفظ کہہ کر تمہیں یہاں سے رخصت کر دوں گا، سمجھیں.....!“ وہ سخت لہجے میں کہہ کر وہاں سے چلا گیا۔ اور تانیہ وہیں زمین پر بیٹھتی چلی گئی۔



سلسلے وار ناول

دیارِ صبح کے اجالوں میں

نایاب جیلانی

ساتواں حصہ

پھر واقعی ہادی بدل گیا تھا۔ اس کی پہلے والی گم شدہ چونچالی واپس آگئی تھی۔ گو کہ یہ چونچالی طنز کے ورق میں لپٹی ہوا کرتی تھی جسے محض اسما ہی محسوس کر سکتی تھی۔ اماں اور پھولن دیوی تو لطف اندوز ہو، ہو کر... بے حال ہوئی جاتیں۔ اماں بہت خوش تھیں۔ ان کا پرانا ہادی لوٹ آیا ہے۔ لیکن وہ یہ نہیں جانتی تھیں کہ ان کا ہادی کس سازش کے تحت لوٹا ہے۔ بہر حال جو بھی تھا...... ایک مرتبہ پھر کافی عرصے بعد گھر کی فضا...



خوشگوار ہوگئی تھی...... یوں لگتا تھا جیسے ہادی نے اپنی موجودہ زندگی سے سمجھوتا کرلیا ہے...... اس کی اس تبدیلی کی رپورٹ مانسہرہ تک اور کہوٹا تک پہنچادی گئی تھی۔ سو فرداً فرداً اس کے دونوں بھائیوں، دونوں بھابیوں اور دونوں بہنوں کی کال آنا شروع ہوگئی تھیں۔ وہ سب اسے نئی زندگی کے آغاز کی مبارک باد دے رہے تھے۔ بہت خوش ہو رہے تھے اور اس کے عقل مندانہ فیصلے کو سراہ رہے تھے۔ صائم نے تو مارے جوش میں یہ تک کہہ دیا تھا۔

''ہادی! جب میں دوبارہ آؤں ناں...... تو ڈھیر سارے بچے مجھے چیاؤں، پیاؤں، میاؤں کرتے دکھائی دیں...... اور تایا، تایا کہتے مجھ سے لپٹ جائیں۔'' صائم کی فرمائش پہ ہادی دانت پیس کر... بہ مشکل مسکرا کر پوچھ رہا تھا۔

''یعنی ایک سال میں تم مجھ سے کتنے بچوں کی ڈیمانڈ کرتے ہو؟'' اس کا انتہائی معصومانہ سوال سن کر صائم نے ترنت جواب بھی دے دیا تھا۔

''چھ کی...... یہ کم از کم ہیں۔ زیادہ سے زیادہ جتنے بھی۔'' وہ ہنس ہنس کر اپنی فرامائش نوٹ کروا رہا تھا۔ صائم بچوں کے لیے اتنا ہی کریزی تھا کیونکہ وہ خود اس نعمت سے محروم تھا۔

''تم نے ''ہمیں'' جانور تو نہیں سمجھ رکھا؟'' ہادی نے دل ہی دل میں اسے موٹی سی گالی دے کر بظاہر ہنس کر مدھم آواز میں کہا۔ اس کا لہجہ دھیما پڑ گیا تھا۔ ہمیں سے مراد یعنی اسما اور وہ خود تھا...... اسما کو جیسے غش آنے لگا...... وہ اپنے فرشی بستر پر محوِ استراحت تھی...... اور ہادی پورے بیڈ پر پھیل کر بھائیوں سے گپ شپ انجوائے کر رہا تھا۔ اس کی گفتگو سے اسما کو اندازہ ہو رہا تھا۔ ان کے درمیان کیا باتیں چل رہی تھیں۔

وہ مارے خفت وشرم سے جھنجلا کر کروٹ بدل چکی تھی۔

''بہت بڑا ڈرامے باز ہے یہ...... جانے کس منصوبے کے تحت سارے گھر والوں کو منٹوں میں رام کرلیا...... لگتا ہے یہ کوئی ڈبل گیم کھیلے گا...... باہر کچھ اور اندر کچھ...... اس میں بھی بہتری کے آثار ہیں، کم از کم ... میں دوسروں کی نگاہوں میں سوالیہ نشان بننے سے تو بچ جاؤں گی...... اور کیا پتا، بظاہر مجھے سب کی نگاہوں میں اپنا کر ہادی نے سمجھوتے کی کوئی راہ نکال لی ہو؟ یہ بھی تو ایک خوش آئند عمل ہے۔ مجھے سمجھوتا نما یہ زندگی بھی قبول ہے، کم از کم بابا اور عاشر تو مطمئن رہیں گے۔''

اسما کی سوچیں منفی ہونے سے پہلے ہی مثبت سمت میں بہنے لگی تھیں۔ معاً ہادی کی آواز نے اسے پھر سے اپنی طرف ...متوجہ کرلیا تھا۔

''میں تمہاری ''خواہش'' پہ غور وفکر کرتا ہوں...... تم میرے آنے والے بچوں کے اخرجات کا بار اٹھالو کیونکہ بابا جو مجھے تنخواہ دیتے ہیں اس میں تو صرف چوسنیاں اور فیڈر آئیں گے۔ باقی دودھ، ڈاپئرز، سیریل وغیرہ کا خرچہ کہاں سے لاؤں گا؟'' ہادی نے اپنے غم زدہ، متفکر انداز میں بات کی تھی جیسے واقعی وہ اسی غم میں گھلتا جارہا تھا کہ اخراجات بڑھ گئے تو کہاں سے خرچہ پورا کرے گا۔

''تو غم نہ کھا...... تیرے آدھے بچوں کا میں خرچہ اٹھاؤں گا۔ آدھے بچوں کا خدا اٹھالے گا...... آدھے بچوں کو بابا کے کھاتے میں ڈال دیں گے اور جو باقی بچے ان میں سے......'' صائم اس کی پریشانی اور تفکر کو جان کر فوراً سینہ تان کے میدان میں کود پڑا تھا۔ پھر اس کے مشوروں کو سن کر ہادی اش اش کر اٹھا تھا۔

''اور جو باقی بچے ان کو یتیم خانے میں چھوڑ آئیں گے، ہے ناں......! بے غیرت! ذرا حیا نہ آئے گی تجھے، میرے معصوم نونہالوں کو میری زندگی میں ہی یتیم خانوں میں دھکے کھانا پڑیں گے۔ تف ہے تم دونوں پہ...... جو بڑے چچاؤں کے نام پر دھبا ہو گے۔ ارے تم کہو، ہم جو باقی بچے انہیں بھی آپس میں بانٹ لیں گے۔'' ہادی نے اسے بری طرح سے گھرکا تو وہ اسے غیرت دلاتا تپ اٹھا تھا۔

''کمینے، ایک آدھ بھی نہیں پال سکو گے۔''

''نہیں، ہمیں ''مزید'' پہ بھی غور وفکر کرنا ہوگا۔''

ہادی کے الفاظ اسما کو مارے شرم وغصے کے تپانے کے لیے کافی تھے...... مسئلہ یہ تھا، وہ سوتی بن کر پڑی تھی۔ بیچ میں بول نہیں سکتی تھی۔ ورنہ ہادی کو مزہ چکھا دیتی۔

اللہ، اللہ کر کے فون بند ہوا تو ہادی نے موبائل اٹھا کر صوفے پر اچھال دیا تھا...... اسما کے کانوں میں واضح آواز پہنچی تھی پھر وہ زیرِ لب بڑبڑاتا اپنا غصہ نکالتا رہا۔

''صائم! تو تر کی جا کر، عزہ سے بیاہ کے بھی کھوتا ہی رہا۔ آفرین ہے تیرے کھوتے دماغ پر بچوں کے بارے میں اتنی لمبی فرمائشی لسٹ لکھوادی۔ یہاں پہ ایک بھی سوچنا محال ہے...... لاحول ولاقوۃ......'' ہادی نے کلس کر تکیہ درست کیا تو اچانک محتاط انداز میں ہلتی ہوئی اسما پر نگاہ پڑی تھی۔

وہ لمحہ بھر کے لیے ٹھٹک گیا تھا...... کچھ دیر قبل صائم سے بات کرتے ہوئے وہ اس کی موجودگی کو قطعاً فراموش کر چکا تھا۔ اب جو نظر پڑی تو خیال آیا۔ پھر وہ کچھ سوچ کر بستر سے اتر کر نیچے آیا تھا۔ ننگے پاؤں دبے قدموں چلتا ہوا وہ اسما کے قریب دوزانو بیٹھ گیا تھا۔ اسما اسے غیر متوقع اپنے قریب آتا دیکھ کر اندر ہی اندر ہڑبڑائی تھی۔ تاہم اس نے ظاہر ہونے نہیں دیا تھا کہ وہ جاگ رہی ہے۔

کچھ دیر تک ہادی وہیں بیٹھا رہا...... پھر اس نے اسما کی آنکھوں کے سامنے اپنا ہاتھ لہرایا تھا۔ اسے تھوڑا شک سا پڑا تو موبائل اٹھا کر اس کی ٹارچ آن کر لی تھی۔ اب ٹارچ کی روشنی سیدھی اسما کے چہرے پر پڑ رہی تھی۔ اس سے مزید اداکاری محال ہوگئی تھی۔ ہادی بھی اس کی لرزتی پلکوں کی جنبش کو پا گیا تھا۔ وہ گہری سانس کھینچتا پیچھے ہٹا تو اسما نے پٹ سے آنکھیں کھول کر اس پر چڑھائی کر دی تھی۔

''یہ کیا بدتمیزی تھی؟''

''کون سی؟'' وہ بیڈ کے کنارے پر ٹک کر ٹانگیں نیچے لٹکا کے بیٹھ گیا تھا۔ اسما کو جاگتا پا کر اسے اپنی کچھ دیر قبل کی گفتگو پر خجالت ہو رہی تھی۔ اس لیے اس کا لہجہ دھیما تھا۔

''یہ منہ پر ٹارچ مار کے ایکسرے کرنے کی۔''

اسما نے تنک کر پوچھا تو وہ آئیں بائیں کرنے لگا۔

''تم نے کوئی سپنا دیکھا ہوگا۔ سپنوں میں بھی تمہیں میں ہی دکھائی دیتا ہوں۔ تمہارے قریب بیٹھا ہوا، تمہارا اپنی آنکھوں سے ایکسرے کرتا ہوا۔'' اس نے سنبھل کر مذاق اڑانے والے انداز میں کہا۔ اسما اس کے مسکرانے پر تاؤ کھا کر رہ گئی۔

''مجھے چکمہ دینے کی ضرورت نہیں......'' وہ بگڑ کر بولی۔

''تمہیں کوئی چکمہ دے سکتا ہے؟ تم تو خود میٹر گھما کر رکھ دیتی ہو۔'' اس کا انداز گہرا اور کاٹ دار قسم کا تھا۔

''جس دن اصل میں آپ کا میٹر گھمایا، اس دن آپ کو پتا چل جائے گا۔ ابھی میں آپ کا لحاظ کر رہی ہوں۔'' اسما کا انداز دھمکانے والا تھا۔ ہادی کا غصہ بھی عود آیا۔

''تم نے جو توپ چلانی ہے چلا کر دکھا دو۔''

''میری ''توپوں'' کا رخ بھی برداشت نہیں کر پائیں گے کجا کہ اگر چلا دی تو......؟'' وہ معنی خیزی سے بولی تو ہادی استہزائیہ مسکرا دیا تھا۔

''یہ دھمکیاں کسی اور کو دینا......'' اس نے ناک پر سے جیسے مکھی اڑائی تھی...... پھر کچھ خیال آنے پر بولا۔ ''یہ جو تم سپنوں میں مجھے قریب بیٹھا دیکھ رہی ہو اس سے باز آجاؤ......'' اب وہ جان کر ثابت کرنے پر تلا ہوا تھا کہ وہ اسما کے قریب بیٹھنے کا گناہ کرنے والا نہیں تھا۔ دوسرے معنوں میں اسما کو یقین دلانا چاہتا تھا کہ اس نے یہ حرکت نہیں کی۔

''آپ بھی میرے منہ پر موبائل کی روشنی مار کر یہ دیکھنے سے باز آجائیں کہ میں سو رہی ہوں یا جاگ رہی ہوں۔'' اس کے ترنت جواب نے ہادی کو لمحہ بھر کے لیے گڑبڑا دیا تھا۔

''اور تم میری...... اور میری اماں کی باتیں چھپ، چھپ کر سننے سے پرہیز کرو......'' ہادی نے بھی

چند دن قبل والا واقعہ دہرایا تھا۔ جب اسما نے اماں اور ہادی کی گفتگو باہر کھڑے ہو کر غیر دانستہ اور کچھ دانستہ سن لی تھی۔ اسما کے چہرے کا رنگ واضح طور پر بدلا تھا۔ ہادی فاتحانہ انداز میں مسکراتا ہوا اسے لاجواب کر کے دوبارہ اپنے گرم بستر میں گم ہو گیا تھا جبکہ اسما کی پوری رات دوبارہ آنکھ نہیں لگ پائی تھی۔

ہادی کا مزاج ایسا ہی تھا دھوپ چھاؤں سا...... تاہم دونوں نے سمجھوتے کے خاموش ایگری منٹ پر سائن کر لیے تھے...... گو کہ ہادی نے اسے کسی بھی طرح قبول نہیں کیا تھا پھر بھی زندگی کی گاڑی کو دونوں ہی نے گھسیٹنا شروع کر دیا تھا۔

اسما پوری ذمے داری کے ساتھ اماں، بابا اور ہادی کی ضروریات کا خیال رکھ رہی تھی۔ ان کے لیے اچھے سے اچھا کھانا پکاتی، گھر کی تزئین و آرائش کا دھیان رکھتی...... پھولن دیوی کا آدھا بوجھ اسما نے خود اٹھا لیا تھا۔ گھر کی چمک دمک اور رزق لوٹ آئی تھی۔

عرصے بعد گھر ایک گرہستن کی وجہ سے پھر اپنی اصلی صورت میں پلٹ آیا تھا۔

ہادی اور اسما کی تکرار اور منہ ماری بھی روزانہ کا معمول تھی۔ دونوں اپنی، اپنی بھڑاس اچھی طرح نکال کر کمرے سے باہر ایک محبت کرنے والے میاں، بیوی کا رول پلے کرنے لگے تھے اور ان...کوششوں میں دونوں کا برابر ہاتھ تھا۔ ہادی اپنی طرف سے اماں، بابا کو بھرپور مطمئن کر رہا تھا، دوسری طرف اسما بھی اپنے حسن عمل سے سب بہترین ہونے کا سگنل دیتی۔

اس صبح اسما کچن میں ناشتا بنا رہی تھی جب ہادی کی اونچی پکار پہ پھولن دیوی کے ہاتھ سے اچار کی بوتل گری اور اسما کے ہاتھ سے آٹے کا پیڑا۔

''الٰہی خیر......'' پھولن دیوی نے سینے پر دو ہتھڑ مار کر مارے گھبراہٹ میں ٹوٹی بوتل کی کرچیاں اٹھائیں تو ایک مرتبہ پھر اندر سے ہادی کی اونچی پکار سنائی دی۔

''دیوی جی! کیا کر دیا...... اللہ کرے، آپ کا گھر نہ رہے...... آپ پر یہ موٹاپا روز بروز چڑھے۔ آپ سے چلنا تو کیا ہلنا بھی دشوار ہو۔ اللہ کرے... دلدار خان کسی اور سے دل لگا لے۔ خان کی یادداشت لوٹ آئے اور وہ آپ کی محبت سے انکاری ہو جائے۔'' ہادی کی لمبی غراہٹ نما تقریر پہ اسما نے دہل کر پھولن دیوی کو مخاطب کیا تھا۔

''کیا کر آئی ہو پھولن دیوی......! بچنے کے آثار نہیں لگتے۔'' اسما کے پوچھنے کی دیر تھی دیوی جی نے پھر سے سینے پر ہتھڑ مارا...... اسے بہت کچھ یاد آ گیا۔ وہ ہادی کا تیسرا نہیں، چوتھا نہیں، آٹھواں نیا موبائل مشین میں دھو چکی تھی۔

''اوئی میں کرموں جلی مرگئی۔'' اس نے اپنے ماتھا بھی پیٹ ڈالا تھا لیکن اس کی کراہ سینے میں دبی رہ گئی...... اندر سے ایک مرتبہ پھر غراتی ہوئی آواز وہاں تک آئی۔

''دیوی جی! اپنا انجام سوچ رکھو...... آج میرے ہاتھوں سے سلامت نہیں بچوگی۔ تمہارے پاس پورے پانچ سیکنڈ کا وقت موجود ہے۔ سوچنے میں لمحہ بھی مت لگاؤ۔ تم کون سی قسم کا انتخاب کرتی ہو مرنے کے لیے آپشن میرے پاس بہت ہیں۔ تمہیں گلے میں پھندا... ڈلوانا ہے، نیلا تھوتھا کھانا ہے یا چھت سے تمہیں دھکا دیا جائے؟ اس میں بچنے کے چانسز بھی بے شمار ہیں۔ اس کو رہنے دو...... میں تمہیں ایک ہی جھٹکے میں اوپر پہنچا دوں گا۔ جس طرح تم ایک ہی جھٹکے میں میرے اتنے بڑے، بڑے نقصان کر چکی ہو۔ اگرچہ یہ زہر کا گھونٹ ہے پر مجھے دلدار خان کی زندگی تمہارے عتاب سے بچانے کی خاطر بھرنا پڑے گا...... دیوی جی! آج تمہیں میرے ہاتھوں مرنا ہی پڑے گا۔'' ہادی کی آواز لمحہ بہ لمحہ قریب آتی جا رہی تھی اور ایسے ہی پھولن دیوی بھی لمحہ بہ لمحہ گیلری، لاؤنج، برآمدے اور صحن سے باہر نکلتی جا رہی تھی۔

جب تک ہادی خونخوار تیور لیے کچن میں داخل ہوا پھولن دیوی اپنے کوارٹر میں جا کر بند ہو چکی تھی۔

"کہاں ہے وہ چالیس من کی ہیروئن! خوراک کی دشمن، روٹیوں کی ویرن...... بوٹیوں کی عاشق ...... آج میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔" ہادی کے تیور دیکھ کر اسما کو احساس ہو گیا تھا کہ پھولن دیوی ایک مرتبہ پھر کوئی عظیم گڑبڑ کر چکی ہے۔

"آپ کو کچھ چاہیے ہے ہادی......" اس نے جان بوجھ کر اس کے غصے کو نظر انداز کر کے حلاوت سے پوچھا۔

ہادی نے تن فن کرتے اسے دیکھا۔

"تم کیا دوگی مجھے......؟" وہ جلے کٹے لہجے میں بولا۔ وہ متواتر پھولن دیوی کو تلاش کر رہا تھا...... لیکن پھولن دیوی کوئی سوئی تو تھی نہیں جو نظر نہ آتی...... وہ کچن میں کہیں تھی ہی نہیں۔

"میں وہ سب کچھ دے سکتی ہوں جو میرے دائرۂ اختیار میں ہے۔" اسما کا لہجہ پُرنم اور بوجھل ہو گیا۔"آپ مانگ کر تو دیکھیں......؟" اس کا دل بھی بوجھل ہو گیا۔ لبالب بھر گیا...... ہادی نے حتی المقدور اسے گھورنا چاہا پھر انداز اور اور لہجہ بدل کر نرم ہو گیا۔ اسی نرمی اور ملائمت سے اس نے عجیب انداز میں اسما سے کہا۔

"میری سب "چوری" ہوئی خوشیاں لوٹا سکتی ہو؟ جو تم نے چرا لی ہیں۔" ہادی کے الفاظ اسما کے دل کو تاراج کر گئے تھے۔ وہ لمحوں میں ڈھے سی گئی تھی۔

ہر روز جوئی امنگیں اور ہمتیں مجتمع کر کے نئے دن کا آغاز کرنے کی کوشش کرتی ہادی کے صرف ایک ہی وار میں ہر کوشش، ہر امنگ، ہر امید کا کانچ ٹوٹ کر بکھر جاتا...... تب اسما بے بس ہو جاتی، لاچار ہو جاتی ...... بے قابو ہو کر اپنا ضبط کھو دیتی تھی۔

وہ ہادی کو کیسے بتاتی، کس طرح سے وضاحت دیتی؟ اگر وہ حقیقت کھول بھی دیتی تو کیا گارنٹی تھی ہادی سب کچھ رفع دفع کر دیتا؟ اس نے لازماً انتقام لینے کے لیے گلناز تک پہنچنا تھا اور پھر سب کچھ بکھر کر تباہ ہو جاتا۔

☆☆☆

بغیر دستک دیے کمرے میں داخل ہونا ہادی کا معمول تھا۔ وہ مرضی سے آتا مرضی سے جاتا۔ اپنا کمرا تھا سو اجازت کی کیا بات تھی؟ اس دن وہ اپنی ہی جھونک میں گنگناتا ہوا کمرے میں داخل ہوا تو اسما بھی اسی پل نہا کر واش روم سے باہر آئی تھی۔ اس نے بالوں کے نیچے تولیا پھیلا رکھا تھا۔ اور اس کے لمبے، لمبے لچھے دار گھنگھرالے بال پوری پشت پر بکھر کر عجیب پیچ و خم میں الجھا رہے تھے۔ وہ اپنے ہی دھیان میں بے نیازی ڈریسنگ تک آئی تھی۔ پھر اس نے تولیا ہٹا کر بالوں کو سلجھانا شروع کیا تھا۔

اس کا متناسب بھرا، بھرا سراپا ہادی کو بوکھلانے' ہڑبڑانے اور گھبرانے پر مجبور کر چکا تھا۔ اس کی دلی کیفیات عجیب ہو گئی تھیں پر وہ خود کو بڑے قرینے سے سنبھالتے ہوئے گلا کھنکھار کر اسما کو اپنی موجودگی کا احساس دلا رہا تھا۔ اور اسما گردن موڑ کر ایسی حواس باختہ ہوئی کہ بیڈ پر گرائے تولیے کو اٹھا کر اپنا سر ڈھکنے کی کوشش کرنے لگی۔

بغیر دوپٹے کے یا کھلے سر کے ساتھ پہلی مرتبہ ہادی نے اسے دیکھا تھا۔ سو یہ دیکھنا، نظر انداز کرنے والی سچویشن کے زمرے میں نہیں آتا تھا۔ اس کے حواس قدرے ٹھکانے پر آئے تو اس نے اپنا موبائل، چابیاں اور والٹ وغیرہ میز پر رکھا۔

اسما خاصی ناراض، ناراض کھڑی تھی اور ہادی جان بوجھ کر اسے نظر انداز کر رہا تھا۔ جیسے دل پر کوئی واردات نہ گزری ہو یا دونوں کے درمیان ایک ان چھوا سا لمحہ بھی نہ پھسل کے گرا ہو۔

کافی دنوں سے دونوں "تکرار" سے بچ رہے تھے۔ ایک کمرے میں یوں سوتے جیسے دونوں ایک کمرے کے کرائے دار ہوں۔

ہادی کا وہی معمول تھا۔ کبھی اجنبی، کبھی آشنا، کبھی دشمن اور کبھی متنفر...... موڈ ہوتا تو بات کرتا ورنہ کئی، کئی دن بلاتا نہیں تھا...... اسما اس کی ساری ضروریات کا خود سے خیال رکھتی...... اس کی ہر ضرورت بن کہے پوری

کر دیتی...... اس کے کھانے، پہننے اور سونے کا خیال ...... گو کہ ہادی نے کبھی اسے اپنی ضرورت کے لیے نہیں کہا تھا۔ اسما خود بخود اس کی ضروریات پہ نظر رکھتی تھی ...... تاکہ ہادی کو شکایت کا موقع نہیں ملے۔ اس دن کے بعد اسما نے کپڑے بھی خود دھونے شروع کر دیے تھے۔ کیونکہ دیوی جی بغیر جیبوں کی تلاشی لیے ہر مرتبہ لاکھوں کا نقصان کروا دیتی تھی۔ موبائل، پیسے، چابیاں، کاغذ کچھ بھی ہوتا مشین کے چکر میں ڈھل دھلا کر اپنی اصلیت کھو دیتا تھا۔

اماں اور بابا کے سمجھانے پر اسما کو آنے والے اچھے دنوں کی بڑی امید تھی۔ اسی لگن میں وہ ہادی کا ہر برا رویہ سہہ جاتی۔ ہر زہریلی بات کو پی لیتی ...... ہر زخم کو برداشت کر لیتی۔ وہ ہادی کی خدمت گزاری میں اپنا من، تن، دھن لٹا رہی تھی۔ صرف اس امید پر کہ اماں بابا کی ساری کہی باتیں ایک دن سچ ہو جائیں گی۔ ہادی اسے اپنا لے گا، اپنی بیوی کی جگہ دے گا۔ اپنے دل کے ایک کونے میں اسے ٹھکانا فراہم کر دے گا...... ایک دن سارے خواب، سارے خیال سچ ہو جائیں گے۔ اور ہادی کو یقین آ جائے گا جو کچھ بھی اس کے ساتھ انسانیت سوز چال چلی گئی تھی ...... اس میں اسما کا کوئی قصور نہیں تھا۔

''آئینے میں اپنے حسنِ جہاں سوز کو دیکھ دیکھ کر دل بھر گیا ہو تو ایک کپ چائے کا سوال ہے...... اگر نہ بھرا ہو تو چائے بنانے کے بعد بقیہ ماندہ شغل پورا کر لینا...... یعنی اگلی قسط میں۔'' اسما اپنے ہی خیالوں میں گم تھی جب ہادی نے گلا کھنکھار کر اسے اپنی طرف متوجہ کیا اور اپنے ازلی صاف گو، برجستہ اور شفاف انداز میں کہا۔ ہادی کے احساس دلانے پر اسما پر گھڑوں پانی پڑ گیا تھا...... وہ آئینے کے سامنے سے ہٹ گئی تھی۔ پھر منہ ہی منہ میں بڑبڑاتے ہوئے اپنا دوپٹا اوڑھنے لگی...... بال سٹ چکے تھے۔ اور ہادی کے انداز بھی بدل چکے تھے۔

''یہ تم منہ ہی منہ میں مجھے کوسنے اور گالیاں کیوں دے رہی ہو؟ چائے نہیں بنانی تو نہ بناؤ...... گالیاں تو مت دو...... کوئی بات نہیں، دیوی جی کے ہاتھ کا... جو شائدہ پی لوں گا لیکن تم سے گالی نہیں سنوں گا۔'' ہادی نے ٹھنک کر کہا تو اسما کا اس الزام پر دماغ گھوم اٹھا۔

''میں نے کب آپ عالی حضرت کی شان میں گستاخی کی ہے؟'' وہ انتہائی خفگی سے پوچھ رہی تھی۔ ہادی نے اس کی بڑبڑاہٹ کا نکتہ اٹھایا۔ ساتھ موبائل پہ بھی شغل جاری تھا۔

''میں نے محسوس کیا ہے......'' شانِ بے نیازی سے کہا گیا۔ اسما کی آنکھوں میں استہزا اتر آیا۔

''اچھا...... تو جناب جی بھی کچھ محسوس کرنے لگے ہیں؟'' اس کا انداز گہرا کاٹ دار اور طنزیہ تھا۔ ہادی موبائل پہ ٹک، ٹک کرتا پوری جان سے اسما کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔

''کیوں؟ جناب جی، انسان نہیں؟ فولاد ہیں...... روبوٹ ہیں...... پتھر کے ہیں؟ کوئی جذبات اور کوئی...... احساسات نہیں رکھتے......'' ہادی لمحوں میں سنجیدہ ہو گیا تھا۔ پھر اس نے باہر نکلتی اسما کو روک لیا...... وہ اس سے جواب لیے بغیر جان بخشی کرنے والا نہیں تھا۔

''مجھے کیا پتا......؟'' وہ ہادی کے روکنے پر رک گئی تھی۔ پھر کندھے اچکا کر بولی۔ ہادی کے تاثرات بدل گئے تھے۔ اس نے اپنا موبائل ہاتھ سے رکھ دیا تھا...... اب وہ بڑی گہری نظر سے اسما کو دیکھ رہا تھا۔ ایسی نظر جس میں واضح طور پر تپش تھی۔ اسما کو اپنے گال جلتے ہوئے محسوس ہوئے تھے۔

''تو کیا تم پتا لگوانا چاہتی ہو؟'' معاً ہادی کی آواز نرم ہوتی ہوتی بوجھل سی ہو گئی...... وہ بیچ کا فاصلہ مٹاتا اس کے قریب آ گیا تھا۔ اتنا قریب کے اس کی گرم سانسوں کی تپش اسما کے گالوں اور پیشانی کو جھلسا رہی تھی۔ اسما کا دل سینے کی حدود میں ٹکرس کھاتا بے قابو سا ہو گیا۔ اسے ہادی کے لب و لہجے میں کچھ خاص کچھ الگ اور انوکھا محسوس ہو گیا تھا۔ کیا اس کا نصیب اس پر

مہربان ہو گیا تھا؟

"آپ اس بات کی اجازت دیں گے؟" اسما نے بڑی مشکل کے ساتھ اپنا اعتماد بحال کرتے ہوئے پوچھا۔ ہادی کو اس کے سوال اور ذہانت نے بے پناہ متاثر کیا۔ اسے امید ہی نہیں تھی، وہ براہِ راست اس سے یہ سوال کرے گی۔

ہادی کی آنکھوں کی چمک بڑھتی چلی گئی...... پھر اس نے اسما کے کندھوں کو دونوں ہاتھوں سے تھام کر بڑی گمبھیر آواز میں کہا تھا۔

"اگر میں کہوں ہاں تو پھر تم کیا کرو گی؟" وہ اس کے گرد حصار بنا کر کھڑا تھا...... اردگرد کے تمام رستے مسدود کر کے...... جیسے اسما کے لیے راہِ فرار کی کوئی گنجائش نہ رکھنا چاہتا ہو۔ اور اسما ایسے ساکت تھی جیسے سانس بھی لینے کا خیال نہ آرہا ہو اندر اس کے دل کی دھڑکنوں میں ایک بھونچال، ایک تہلکہ مچا ہوا تھا۔ یہ ہادی اسے آزما رہا تھا یا پھر وہ سچ مچ اپنا دل صاف کر کے اسما کی طرف پلٹنا چاہتا تھا۔ کیا وہ اتنی بلند بخت تھی؟ کیا وہ اتنی خوش نصیب تھی کہ روٹھی ہوئی قسمت کی پری نے اس پر اپنے سنہری پر پھیلا دیئے کہ بھولے ہوئے گھروں کو بھی واپس آرہے تھے؟ یا جھلستی دھوپ میں بادلوں کے ٹکڑوں نے سایہ کر دیا تھا؟ یا اندھیروں نے چھٹ کر اجالا کر دیا تھا؟ یا پھر بہاروں نے واپسی کے سفر کا قصد کر لیا تھا۔ اسما کی کپکپاتی، تھرکتی پلکوں کے کناروں میں نمی اترنے لگی۔ اس کی آواز جھر جھرانے لگی۔ اس پر قیامت کی گھڑی آنے لگی۔

"تم جواب دے سکتی ہو؟" وہ معنی خیزی سے سابقہ گمبھیر لہجے میں اس کے اعتماد کی بنیادوں کو ہلا رہا تھا۔ اس کو اسما کے اعتماد کی بنیادوں کو ہلانا آتا تھا۔ اسے اسما کو اپنے حصار سے باہر کرنا بھی آتا تھا۔ اسے اسما کا چین و سکون لوٹنا بھی آتا تھا۔

"تو میں ایک اور جیون خدا سے مانگوں گی جسے آپ کے نام کر سکوں......" اسما کی دھیمی پُرنم آواز ہادی کی پوری ہستی ہلا گئی۔ وہ لمحہ بھر کے لیے منجمد رہ گیا۔ وہ اس کے لفظوں پر دم بخود تھا۔

اسے کئی پل لگے تھے خود کو سمجھانے میں...... سنبھالنے میں...... کچھ بولنے کے قابل کرنے میں...... یہ اسما نے کیا کہہ دیا تھا، ایک کھلا ہوا سچ...... ایک جلتا بجھتا سا آس ورجا میں ڈولتا اظہار...... ہادی کے لیے اس کمرے میں کھڑا رہنا محال ہو گیا تھا...... اسما کا سامنا کرنا دشوار ہو گیا تھا۔ اس کے اندر یکا یک شور بڑھنے لگا، آوازیں بڑھنے لگیں۔ یوں لگ رہا تھا، دل و دماغ کی نگری میں ایک زلزلہ آ گیا ہے۔

☆☆☆

کشف کے فون پر فون آرہے تھے۔ وہ ان دونوں کو مانسہرہ آنے کی دعوت دے رہی تھی۔ اماں چاہتی تھیں ہادی اسی اتوار اسما کو ساتھ لے جائے...... لیکن ہادی ٹال مٹول سے کام لے رہا تھا۔

اس دن جو "بے اختیاری" کی ایک کیفیت اسما پر طاری ہوئی تھی اور اس نے ایک الہامی کیفیت میں "اظہار" کو لفظوں کا پیراہن پہنا کر خود کو بے مول کر دیا تھا۔ تب سے لے کر اب تک وہ ہادی سے کتراتی پھر رہی تھی۔ دونوں کا آمنا سامنا بھی کم ہو رہا تھا...... لیکن جب بھی موقع ملتا، ہادی اسے کچوکا لگانے سے باز نہیں آتا۔ کم تو وہ پہلے بھی نہیں تھا۔ اب تو اس کے ہاتھ اسما کی کمزوری آ گئی تھی۔ جس سے فائدہ اٹھا کر وہ اپنے سارے جذبوں کی تسکین کر لیتا تھا۔

گو کہ ان کا رشتہ اب بھی ادھورا تھا۔ وہ نام کی حد تک میاں بیوی تھے۔ اصل حقیقت کیا تھی؟ یہ کوئی نہیں جانتا تھا۔ باقی سب لوگ بشمول اماں اور بابا سب اسی بات پر خوش تھے کہ ہادی اپنی ہٹ دھرمی سے باز آ کر اسما کو اپنا چکا ہے۔ اسما نے بھی اپنے رویے سے کچھ بھی ظاہر نہیں ہونے دیا تھا۔

لیکن اس دن ہادی کا موڈ بری طرح سے آف تھا۔ جانے باہر کا غصہ تھا جو اسما بیچاری پر نکال دیا تھا۔ ویسے تو اسے غصہ اگلنے کے لیے کسی بہانے کی ضرورت نہیں ہوتی تھی۔ لیکن اس دن اسے بہانہ بھی میسر تھا اور موقع

بھی...... فیکٹری کا مال پنجاب سے خرید کر اُن کی فیکٹری تک پہنچانے والے کچھ بڑے ڈیلرز کی دعوت تھی۔

بابا نے ہوٹل وغیرہ کے بجائے انہیں گھر میں ہی کھانا کھلانے کا سوچا تھا...... اس ضمن میں اسما نے خاصی تیاری بھی کرلی تھی۔ جب وہ ایک ساتھ کئی ایک ڈشز سے نبرد آزما تھی تب پھولن دیوی نے اسما کو آ کر ہادی کا پیغام دیا۔

''پائی جان فرما رہے ہیں، تین کپ دودھ والی چائے بنا کر ساتھ کچھ لوازمات کے بیٹھک میں پہنچا دیں۔''

''کون لوگ آئے ہیں؟ انہوں نے بھی ابھی آنا تھا...... دیکھ تو رہی ہو۔ کوئی چولہا خالی نہیں...... مہمان پہنچنے والے ہیں۔ مجھے کھانا تیار کرنا ہے...... جانے یہ ہادی کیسے اٹھا کر لے آئے۔'' اسما کے سر پر جھنجلاہٹ سوار ہوگئی تھی...... بابا نے ابھی ابھی فون کیا تھا کہ کھانا ان کے آنے تک ٹیبل پر لگا ہو...... وہ بس پہنچنے ہی والے ہوں گے۔''

''ان کے یار دوست ہیں کوئی...... مجھے تفصیل نہیں پتا۔'' پھولن دیوی نے دانت نکوسے۔

''ہادی کے دوست بھی ہادی کی طرح ہوں گے۔ کسی نہ کام کے، ویلے نکمے...... اپنے گھروں سے کچھ ملتا نہیں جو منہ اٹھا کر روز آجاتے ہیں۔'' وہ ہادی کے دوستوں سے ویسے بھی تپی بیٹھی تھی۔ پھر یہ کوئی خاص دوست نہیں تھے جو اُن کی اتنی تواضع کی جاتی...... اپنی گلی کے سلام دعا والے لڑکے تھے۔ جو ہادی کی طرح اِدھر اُدھر ٹائم پاس کرتے پھر رہے تھے۔

اب اسما کے فرشتوں کو بھی نہیں پتا تھا کہ پھولن دیوی اپنی موٹی عقل کا اتنا گھٹیا استعمال کرے گی۔

اس نے من و عن بیٹھک میں جا کر اپنا بھونپو آن کر دیا تھا۔ ہادی کی اپنے ''محلے داروں''، نکمے یاروں کے سامنے بے پناہ سبکی ہوئی تھی۔ وہ مارے اہانت و غصے کے تب تو چپ کر گیا تھا لیکن جب وہ لوگ اسے کول کرنے کے سو، سو مشورے دے کر اپنے گھروں کو روانہ ہوئے تب ہادی بھی تن فن کرتا اندر آ گیا تھا۔

اسما تب بڑی مصروف تھی۔ اس کے پاس سر کھجانے کا بھی ٹائم نہیں تھا۔ کجا کہ ہادی کے نیلے پیلے چہرے پر توجہ کرتی، وہ مہمانوں کی تواضع میں مگن تھی۔ ان کے لیے کھانا لگایا۔ ڈشیں بھر بھر کے اندر بھجواتی رہی پھر کھانے کے بعد قہوہ اندر پہنچایا۔ مہمان جب رخصت ہوئے تب پانچ بج رہے تھے۔ وہ دوپہر کی دعوت بنانے میں مگن تھی...... اور تقریباً سب ہی ناشتے کے بعد سے بھوکے بیٹھے تھے۔

بابا اپنے مہمانوں کے ساتھ چلے گئے تب برتن سمیٹ کر اس نے سب سے پہلے اماں کو کھانا دیا تھا۔ پھر دیوی جی کو...... اگر پتا ہوتا کہ یہ ہادی کے سامنے اس کا پیغام نشر کر آئی تھی تو آج کم از کم اسما اسے بطور سزا کے کھانا ہرگز نہیں دیتی۔

وہ تو معاملہ تب کھلا جب اماں نے ہادی کو کھانے کے لیے آواز دی۔ وہ اپنے کمرے میں سارے تاثرات محفوظ کر کے بیٹھا تھا۔ ٹی وی چلنے کی آواز آرہی تھی۔ اماں کے بلانے پر اس نے کھانا کھانے سے انکار کر دیا تھا۔

اسما کو تب بھی سمجھ نہیں آئی تھی۔ اس نے سوچا۔ ٹی وی کے سامنے بیٹھ کر کھانا، کھانا ہوگا...... وہ ٹرے اچھی سی سجا کر جب اپنے کمرے میں پہنچی تو ہادی غصے میں لال پیلا ہوا چیخ پڑا۔

''کیوں آئی ہو؟'' وہ اسے دیکھ کر غرایا تھا۔ اسما اس کے غرانے پر ہکا بکا رہ گئی تھی۔ کیا اسے نظر نہیں آرہا تھا۔ وہ کیوں آئی ہے؟ اسما نے ٹرے اس کے قریب بیڈ پر رکھنی چاہی تو وہ دوبارہ چیخ پڑا تھا۔

''میں پوچھ رہا ہوں، کیوں آئی ہو؟''

''آپ کے لیے کھانا لائی ہوں، کیا نظر نہیں آرہا؟'' اسما نے رسانیت سے کہا۔ ہادی کے بے وقت غصے کی وجہ اس کی سمجھ سے بالاتر تھی۔

''مجھے نہیں کھانا...... واپس لے جاؤ......'' وہ تلخی سے سابقہ انداز میں بولا۔ اسما کو بلا کی حیرت ہوئی۔

''ناشتے کے بعد سے کچھ نہیں کھایا؟ کیا اب بھی

بھوک نہیں ہے؟ طبیعت تو ٹھیک ہے نان؟'' اسما کا اتنا پوچھنا عذاب ہوگیا تھا۔ ہادی نے ریموٹ اٹھا کر صوفے پر دے مارا۔

''ناشتے کے بعد سے اب تمہیں خیال آیا ہے؟'' اس کا انداز کاٹ دار تھا۔

''میں مہمانوں کے لیے کھانا بنا رہی تھی اور گھر والے مہمانوں کے جانے کے بعد......'' اسما وضاحت دینا چاہ رہی تھی جب اس نے اسما کی بات بیچ میں اچک لی تھی۔

''تو جاؤ...... جا کر مہمانوں کی خاطر داریاں کرو۔'' اس کا انداز زہر خند تھا۔

''مہمان تو چلے گئے ہیں۔'' اسما روہانسی ہو کر بیٹھ گئی۔

''تو تم بھی جاؤ۔ میری نظروں سے ہٹو......'' وہ ایک دم دہاڑا تھا۔ جیسے اسما کے بیٹھنے پر زیادہ غصہ آیا ہو۔

''آخر آپ کو کیا ہوا ہے؟'' اسما رو دینے کو تھی...... وہ جتنا بھی غصہ کرتا تھا...... اشتعال اگلتا تھا۔ کم از کم اس طرح سے پیش نہیں آتا تھا۔ اسما کچھ دیر کے لیے سوچتی رہی۔ خود پہ قابو پاتی رہی۔ اس کے غصے کی وجہ تلاش کرتی رہی۔

''پاگل کتے نے کاٹ لیا ہے مجھے۔'' ہادی نے جلبلا کر جواب دیا۔

''پھر تو انجکشن لگوانے چاہئیں۔ یہاں گھر میں کیا کر رہے ہیں۔'' اسما کے الفاظ پر ہادی کا ٹمپرا اور بھی لوز ہوگیا۔ اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ ٹرے اٹھا کر اسی کی طرف دے ماری۔ کئی طرح کے سالن اور گرم، گرم لوازمات اسما کی طرف اچھلتے ہوئے اس کے ہاتھ اور پاؤں بری طرح سے جلا گئے تھے۔ ہادی اس کارروائی کے بعد پیچھے مڑ کر دیکھنے کی ضرورت محسوس نہ کرتے ہوئے دروازہ ایک دھماکے سے بند کرتا باہر نکل گیا تھا۔

جبکہ اسما جلن، درد اور تذلیل کے احساس سے بلک بلک روتی باہر آنے کے لیے اٹھی تو پھولن دیوی افشاں و خیزاں وہاں پہنچ گئی۔ اسما کی حالت دیکھ کر اس کی چیخ بلند ہوئی تھی...... پھر وہ اسما کو پکڑ کر اماں کے

پاس لے آئی تھی۔ اماں اس کی حالت پہ دھک سے رہ گئیں۔ اسما نے روتے ہوئے ہر ممکن طرح سے جھوٹ بول کر اُن کی تسلی کرائی تھی۔

''مجھے پتا نہیں چلا اور پاؤں اٹک گیا...... یوں ٹرے پوری کی پوری میرے اوپر آگری۔'' اسما کا درد اور تکلیف کی شدت سے برا حال تھا۔ اماں نے پھولن دیوی کو کلف کا پاؤڈر (ارا روٹ) لینے کے لیے بھیجا تھا۔ اماں نے فوراً جلے نشانوں پر سارا پاؤڈر چھڑک دیا تھا۔ کچھ ہی دیر میں اسے ٹھنڈک کا احساس ہونے لگا تھا۔ تب پھولن دیوی نے اماں کو ہادی کے فوں، فوں کرتے گھر سے نکلنے کی پوری فلم سنادی۔ اماں نے ایک مرتبہ پھر اسے آڑے ہاتھوں لیا تو اسما کو سچ، سچ سب کچھ بتانا پڑا...... تب پھولن دیوی کو بھی اپنی چیپ حرکت کا خیال آگیا تھا۔

''میں مرجاواں...... ہادی پائی جان کو اس بات کا غصہ تھا؟ ہائے اسما باجی جی مینوں معاف کردو...... ساری غلطی میری اس لمبی زبان کی ہے۔ بے شک، کاٹ کے اسے کتوں کے آگے ڈال دو جی...... سارا قصور میرا ہے۔'' پھولن دیوی نے اپنا بھونپو آن کیا تو اسما اور اماں ہکا بکا رہ گئیں۔ یعنی ہادی کا غصہ بجا تھا۔ اس گدھی کو بھلا اور کتنا کوستے...... پھر وہ الارم بجا، بجا کر رو رہی تھی۔ اماں نے اسے بہ مشکل چپ کرایا تھا۔

اسما اپنی جگہ پر نادم اور پریشان تھی۔ ہاتھوں اور پیروں کی جلن کم ہوئی تو ہادی کا خیال ستانے لگا۔ وہ بھوکا پیاسا نہ جانے کہاں چلا گیا تھا۔

پھولن دیوی پہ بھلا کیا غصہ کرتی...... وہ اٹھ کر نادم، نادم سی اپنے کمرے میں آگئی۔ تب تک محترمہ نے سارا کمرا صاف کر دیا تھا پھر اسما سے معافی بھی مانگی۔ اسما نے اسے معاف کر دیا۔ بیچاری کو کیا سزا دیتی۔ وہ تو عادت سے مجبور تھی۔

پھر رات دس بجے کے قریب ہادی کی واپسی ہوئی تھی۔ تب تک اسما چل، چل کر اپنی ٹانگیں تھکاتی رہی۔ دل کو کسی پل قرار نہیں تھا۔ ہادی کی صورت دیکھ کر جان میں جان آئی۔

وہ سیدھا اپنے کمرے میں چلا گیا۔ اور اسما تیزی سے کچن کی طرف آئی تھی۔ وہ صبح کا بھوکا تھا اور غصے میں کبھی باہر سے بھی نہ کھا کر آتا...... اسما کو شدید غم لگا ہوا تھا گو کہ وہ خود بھی پکا، پکا کر تھک چکی تھی اور بھوک سے نڈھال تھی۔ تاہم ہادی کی وجہ سے اس کی بھوک پیاس سب اُڑ چکی تھی۔

اس کی فضول بات اگر پھولن دیوی نے اپنی...... بے وقوفی میں ہادی کے دوستوں کے سامنے کردی تھی تو اس میں اسما کا کوئی قصور نہیں تھا۔ لیکن ہادی تو عادی تھا بنا قصور کے بھی قصوروار ٹھہرانے کا۔

اسما جلدی سے ایک مرتبہ پھر ٹرے سجا رہی تھی...... اپنے جلے ہوئے ہاتھوں اور پاؤں کی تکلیف بھلا کر...... اماں دوا کھا کر سو چکی تھیں۔ بابا بھی نماز کے بعد آرام کر رہے تھے۔

اسما نے ساری لائٹس آف کیں۔ تالے لگائے کھڑکیاں بند کیں اور ٹرے اٹھا کر اپنے کمرے میں آگئی۔

ہادی نے اس کے ہاتھ میں پھر ٹرے دیکھی تو تنک اٹھا۔

''تم پھر کھانا اٹھا لائی ہو۔ پہلا حال بھول گیا ہے۔ گھنٹا لگا ہوگا، صفائی کرنے میں۔'' وہ غصے سے چیخ کر رہ گیا تھا۔

''یعنی ابھی تک غصہ نہیں اترا۔'' اسما نے گہری سانس کھینچی۔

''پہلے میں خود لائی تھی۔ اب اماں نے اصرار سے کہا تھا سونے سے پہلے آپ کو کھانا کھلا کے سلاؤں؟'' وہ اپنی جھونک میں ٹرے میز پر رکھتے ہوئے بولی۔

''سلاؤں......؟'' ہادی نے ایک بھوں اچکا کر اس کے فقرے کا آخری لفظ حیرت سے دہرایا۔

''میں...... تم مجھے کھانا کھلا کر سلاؤ گی؟ اپنے

ہاتھ سے کھانا کھلا کر......؟''

''ہیں......؟'' اسما حیرت زدہ سی رہ گئی۔

''میں نے یہ کب کہا؟''

''مجھے تو ایسے ہی سمجھ آیا۔'' ہادی نے اپنی بات پر زور دیا تھا۔

''تو پھر آپ کی سمجھ کا قصور ہے۔ اب اٹھ جائیں، شہنشاہِ معظم! کھانا ٹھنڈا ہو رہا ہے۔'' اسما نے جیسے منت کی تھی۔ ہادی کو پھر سے اپنی ناراضی کا خیال آ گیا۔

''مجھے نہیں کھانا...... ایک دفعہ کی بات سمجھ میں نہیں آتی۔'' وہ نہایت غصے سے بولا۔

''اماں تو کہتی ہیں میرا ہادی بڑا فرمانبردار ہے مگر آپ تو بہت ضدی ہیں، بات نہیں سمجھتے۔'' اسما نے اسے ایموشنل کرنا چاہا تھا۔

''ضدی تو میں ہوں، اگر اپنی کرنی پر آ جاؤں تو تمہیں مزہ چکھا دوں...... لیکن کیا ہے ناں کہ مجھے اپنے منصب سے نیچے گرنے کا کوئی شوق نہیں۔'' اس کا انداز بڑا معنی خیز قسم کا ہو گیا تھا۔ اسما سمجھ تو گئی تھی پھر جان کر نظر انداز کر گئی۔

''اچھا، سب باتیں چھوڑیں، پہلے کھانا کھا لیں۔ پیٹ سے کیسی ناراضی۔'' اسما نے پچکارنے والے انداز میں کہا اور ٹرے اٹھا کر اس کے قریب رکھنی چاہی۔

ہادی نے پہلے کی طرح ہی ٹرے پیچھے کی طرف دھکیلنی چاہی تو اسما کے جلتے پھپھولوں کی درگت بن گئی...... شدید رگڑ کے ساتھ آبلے چھل گئے۔ اسما کے منہ سے بے ساختہ کراہ نکلی اور ساتھ ہی تکلیف کی شدت سے آنسو نکل آئے۔

ہادی کچھ چونک کر سیدھا ہوا۔ پھر اس کے سفید میدے میں لتھڑے ہاتھوں کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔

''کیا ہوا ہے ہاتھوں کو؟''

''جل گئے تھے۔ جب آپ نے ٹرے الٹی۔'' اسما نے بھی جتا دیا۔ شاید وہ سنی ان سنی کر گیا۔

''وہ تو نظر آ گیا ہے۔ ہاتھوں پر لگا کیا رکھا ہے؟ یہ سفید سفوف کیا چیز ہے؟'' ہادی نے جل کر پوچھا۔

''اماں نے لگایا ہے۔'' اسما نے آنکھیں پونچھ کر بتایا تھا۔

''یہ کیا چیز؟''

''کلف...... اماں نے پانی میں گھول کر اس کا لیپ لگایا ہے تاکہ جلن کم ہو سکے......'' اس نے سوں، سوں کرتے ہوئے بتایا۔

''کلف......؟'' وہ حیرانی سے بولا۔

''جی...... کلف، کیا آپ نہیں جانتے۔ سفید رنگ کی ہوتی ہے، پانی میں گھول کر کسٹرڈ کی طرح پکاتے ہیں، کپڑوں کو اجلا کر کے اکڑانے کے لیے......'' ابھی وہ پوری تفصیل بتانا چاہتی ہی تھی جب ہادی نے اس کا منہ بند کروا دیا۔

''میں نے کلف بنانے کی ریسپی نہیں پوچھی...... جسٹ شٹ اپ......'' وہ بھنا اٹھا تھا۔ چہرے پر تناؤ کی کیفیت تھی جیسے خود پر غصہ آ رہا ہو یا اپنی نازیبا حرکت پر...... وہی ٹرے الٹنے والی حرکت...... اسما نے چپ چاپ کھانے کی ٹرے اٹھائی اور دروازے تک جانے لگی۔ پیچھے سے ہادی نے آواز دے کر اسے روکا تھا۔

''ٹرے وہاں رکھ دو......'' اس نے بیڈ کی طرف اشارہ کیا تھا۔ اسما کی آنکھیں حیرت سے کھل گئی تھیں۔ اس نے ہادی کی طرف دیکھا تھا۔ وہ اسما کو ہی دیکھ رہا تھا۔ نظریں اور جھک گئیں۔ اسما نے آگے بڑھ کر ٹرے بیڈ پر رکھ دی تھی۔ اب وہ ہادی کی کارروائی دیکھ رہی تھی۔ وہ ایک، ایک دراز کھولتا خاصا جھنجلا رہا تھا۔ جیسے کچھ تلاش کر رہا ہو پھر جھلاتا ہوا باہر نکل گیا۔ اسما کو حیرانی سی ہوئی۔ پھر وہ اس کے پیچھے چلی آئی۔ اب وہ کچن کے کیبنٹ کھول، کھول کر دیکھ رہا تھا۔ حتیٰ کہ فریج بھی کھولا جب مطلوبہ چیز دستیاب نہیں ہوئی تو بڑبڑاتا ہوا باہر نکل گیا۔ اسما نا سمجھی کے عالم میں واپس اپنے کمرے میں آ گئی۔ کھانے کو دیکھ کر افسوس سا ہوا تھا۔

''جانے کہاں نکل گئے، کھانا ٹھنڈا ہو جائے گا۔''

وہ اپنے فرشی بستر پر تھک کر لیٹ گئی تھی، آج پورا دن کچن میں نکل گیا تھا۔ بھوک کی وجہ سے انتڑیاں کرلا

...رہی تھیں تاہم ایک بھی نوالا کھانے کو دل نہیں چاہ رہا تھا، تھکن بے بہا تھی مگر آنکھوں میں نیند کہیں نہیں تھی۔ کچھ دیر بعد کھٹ پٹ کی آوازوں کے ساتھ ہادی کی واپسی ہو گئی تھی۔

اسما نے دیکھا نہیں...... وہ سیدھا اپنے بیڈ کی طرف جانے کے بجائے اس کے قریب آ گیا تھا پھر وہ کارپٹ پر دوزانو بیٹھا تو اسما ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔

وہ کیا کرنا چاہ رہا تھا؟ اسما نے دیکھا اس کے ہاتھ میں ایسی ٹیوب تھی جو برن انجری پر لگائی جاتی ہے۔ اس نے ٹیوب کھول کر اسما کے ہاتھوں کا جائزہ لیا۔

''تم نے ابھی دھوئے نہیں۔''

''کیا......؟'' وہ چونک گئی۔

''ہاتھ اور پاؤں بھی۔'' ہادی نے اسے واش روم کی طرف بھیجا۔ جب وہ ہاتھ دھو کر واپس آئی تو ہادی نے اس کی طرف تولیا پھینکا۔ ہاتھ دھونے سے تکلیف بڑھ گئی تھی۔ زخم سرخ تھے اور خون رسنے لگا۔ اسے ہاتھ دھونے کا فیصلہ غلط لگا۔

''کلف ٹھیک نہیں تھی؟'' جب ہادی نے زخم کا جائزہ لے کر ٹیوب لگائی تو اسما کہے بغیر نہیں رہ سکی تھی۔

''ہرگز نہیں......'' وہ مصروف سا اپنا کام کر رہا تھا۔ اسما کا دل دھڑکنے لگا...... وہ بڑی احتیاط سے مرہم لگا رہا تھا۔ اس کے مسیحا کی بھی کیا ہی بات تھی۔ زخم بھی خود دیتا تھا اور مرہم بھی خود ہی لگاتا تھا۔ اس کے دل میں میٹھا میٹھا سا درد جاگنے لگا تھا۔ وہ سر جھکائے اپنا کام کر رہا تھا۔ ہاتھوں پر مرہم لگ گیا تھا۔ اب وہ اس کے پیروں کا جائزہ لے رہا تھا۔ جب اس نے اسما کا پیر پکڑ کر مرہم لگانا چاہا تو اس نے کسمسا کر پیر پیچھے کھینچنا چاہا۔ ہادی نے نگاہیں اٹھائے بغیر کہا۔

''لیٹ می سی......'' اس نے پیر پہ اپنے ہاتھ کا دباؤ ڈالا تو اسما کی کسمساہٹ ختم ہو گئی تھی۔ اسے تکلیف میں کمی کا احساس کم ہوا تھا۔ زخموں کی جلن میں کمی کے ساتھ ایک گوناں سکون ملا تھا۔

ہادی کی یہ مہربانی اس کے دل میں کئی طرح کے خوب صورت محسوسات کو جگا گئی تھی گو کہ اس کا سر جھکا ہوا تھا۔ اور جھکے سر کے ساتھ بالوں کا ایک گچھا ماتھے پر سایہ فگن تھا۔ وہ اتنا مصروف تھا کہ اسے اسما کی نگاہوں کی تپش کا بھی احساس نہیں ہوا تھا۔ وہ بھی موقع سے فائدہ اٹھا کر اسے جی بھر کے قریب سے دیکھ رہی تھی۔

معاً ہادی نے بے ساختہ اس کی طرف دیکھا تو وہ گڑبڑا کر نظر جھکا گئی۔ ہادی کو بڑا عجیب سا احساس ہوا۔ وہ کچھ دیر تک اسما کے خجالت سے پُر چہرے پر نظر جما کر بیٹھا رہا۔ وہاں پہ کچھ ایسا موجود تھا جو اسے اپنی طرف کھینچ رہا تھا۔ اس نے بہ مشکل اس احساس سے خود کو چھڑایا۔

''میری خدا ترسی پہ خوش فہمیوں کو جگہ مت دینا۔'' وہ اس کی مسروریت کا عکس اسما کے چہرے سے تلاش کر چکا تھا۔ جب وہ بولا تو اس کا لہجہ اتنا تلخ نہیں تھا۔

''انسانیت بھی کسی چیز کا نام ہے۔ ویسے بھی میرا دل بڑا گداز واقع ہوا ہے۔ میں کسی کو تکلیف میں نہیں دیکھ سکتا۔ چاہے کوئی میرے ساتھ کتنا ہی برا نہ کر چکا ہو۔'' اس کا انداز واضح طور پر اسما کی دھوکا دہی کو جتاتا ہوا تھا۔

''آپ وضاحت نہ بھی دیتے تو کوئی حرج نہیں تھا۔ مجھے ویسے بھی خوش فہمیاں لاحق نہیں ہوتیں کیونکہ میری قسمت ایسی مہربان نہیں۔'' اسما نے گہری سانس کھینچ کر بے ساختہ جواب دیا۔ وہ اس کی اس غلط فہمی کو کم از کم ختم نہیں کر سکتی تھی۔ اسما کا انداز دھیما اور پُرسوز تھا۔ ہادی کو اس کا انداز بڑا دل گداز لگا تھا۔ اس نے لمحوں میں پینترا بدل لیا تھا۔ کیونکہ پینترا بدلنے میں اسے بڑا کمال حاصل تھا۔

''فرض کرو، تمہاری قسمت تم پر مہربان ہو جائے......؟'' ہادی کا لہجہ معنویت سے بھرپور تھا، اسما لمحہ بھر کے لیے چپ ہو گئی تھی۔

''میں خوش فہم نہیں ہوں۔'' وہ گہری سانس بھر کے بولی۔ جیسے چبا، چبا کر ایک، ایک لفظ ادا کر رہی

ہو...... اندر دل کو کس قدر ٹھیس پہنچی تھی۔ اس طرح کی ہلکی سی ضرب دینا، ٹکر مارنا، ٹھوکر لگانا ہادی کے معمول کا ایک حصہ تھا۔ وہ جان، جان کر اسے آزماتا ...... آزمائش میں مبتلا کرتا، تکلیف دیتا لیکن اس وقت اسما کے جواب نے اسے منہ بند کرنے پر مجبور کردیا تھا۔ وہ تلملاتا ہوا اپنے بستر پر جا بیٹھا تھا۔ تب ہی اس کی کھانے پر نظر پڑی تھی جو ابھی تک جوں کا توں رکھا تھا۔

باہر کے ماحول پر ہلکے شور کا راج پاٹ تھا۔ کھڑکیوں کے سامنے پردے ہلے تو اندازہ ہوا تھا باہر شاید ہوا چل رہی تھی۔ اور ہوا کی شدت میں خاصی جارحیت تھی۔ کھڑکیوں کے شیشے بج رہے تھے۔ کچھ ہی دیر بعد بوندوں کی ٹپ، ٹپ کا شور سنائی دیا تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے باہر بارش ہو رہی ہو۔

اسما کی کروٹ پہ ہادی نے ذرا آگے ہو کر دیکھا...... وہ اٹھ کر کھڑکیاں بند کرنا چاہ رہی تھی۔ ہادی اسے اٹھتے دیکھ کر کھڑا ہو گیا پھر اس نے خود کھڑکیاں وغیرہ بند کر کے پردے برابر کر دیے تھے۔ باہر جا کر لاؤنج اور کچن کی کھڑکیاں بھی چیک کر آیا تھا۔ پھر جب وہ بستر پر بیٹھ کر کھانا کھانے لگا تو اسما کو بولنا پڑا۔

''اب تک تو ٹھنڈا ہو چکا ہے، کیا گرم کے لاؤں؟''

''ٹھیک ہے، ضرورت نہیں۔'' اس نے ٹرے سامنے کر لی تھی۔ پھر وہ کھانے میں مگن ہو گیا۔ چند پل بعد اسے کچھ احساس ہوا تو اسما کی طرف دیکھا...... وہ بھی ٹرے کی طرف متوجہ تھی۔ شاید اسے بھوک لگی تھی لیکن کچن میں جانے کے خیال سے سستی آڑے آ رہی تھی یا شاید تھکن کی وجہ سے اٹھنا محال ہو رہا تھا۔

وہ سارا دن کاموں میں مصروف رہی تھی۔ پھر دعوت کا اہتمام بھی کیا تھا۔ پھیلاوا بھی سمیٹا...... لیکن جب خود کھانے کا وقت آیا تو......

''کھانا کھاؤ گی؟'' اس کی نگاہوں میں اتری بھوک دیکھ کر ہادی کو ترس آ گیا۔ اسما اس کی آفر پہ چونک گئی۔

''بھوک لگ رہی ہے لیکن اس وقت کچن میں کون جائے؟ صبح دیکھ لوں گی۔'' اس نے بڑی بے پروائی سے جواب دیا تھا۔

''میرے ساتھ شیئر کر لو......'' ہادی نے چند لمحے سوچنے کے بعد کہا۔ اسما پہ حیرت کا آسمان آ گرا...... وہ اتنی حیران ہوئی کہ اپنی جگہ سے ہل بھی نہیں سکی۔

''یہاں آ جاؤ......'' اس نے بستر کی طرف اشارہ کیا۔ اسما کو اس کی مہربانی بھی ڈھکوسلا لگی تھی۔ وہ ایک انچ بھی حرکت نہ کر سکی۔ کیا ضرورت تھی؟ ابھی وہ جتا کر بے عزت کر دیتا...... اس نے اپنی خوش فہمی کا گلا گھونٹ دیا کہ اس کی عادتوں سے اسما اب خوب واقف ہو چکی تھی۔

''میں......؟'' اسما بے یقینی سے بولی۔

''کیا تمہارے علاوہ بھی کوئی کمرے میں موجود ہے؟'' ہادی نے طنزیہ انداز بنایا۔

''جی......'' اس پہ حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے تھے۔

''تمہیں سنائی نہیں دیتا؟'' وہ چڑ گیا...... اسما عجیب کشمکش میں مبتلا ہو گئی۔ جائے یا نہ جائے...... ہادی کے موڈ کا کیا بھروسا تھا؟ وہ جاتی تب بھی ناک تک عاجز کر دیتا۔ نہ جاتی تب بھی چین لینے نہیں دیتا۔ اب وہ کرتی کیا؟

''آ بھی جاؤ...... ورنہ کچھ بھی نہیں ملے گا۔'' اس نے دھمکایا۔ اسما ٹس سے مس نہ ہوئی عجیب گھبراہٹ نے اپنے شکنجے میں لے لیا تھا۔ کرے نہ کرے؟ اٹھے نہ اٹھے۔ جائے نہ جائے......؟

''او کے رہنے دو، میں خود آتا ہوں۔ تمہارے زخم ہیں، دکھیں گے۔'' کچھ سوچ کر ہادی نے ٹرے اٹھائی اور اس کے قریب فرشی بستر پر آ گیا۔ اسما کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ اس پہ شادیٔ مرگ طاری تھی۔ یہ کیسا معجزہ تھا؟ یہ کیسی مہربانی تھی؟ کیا یہ ڈھکوسلا تھا۔

وہ ٹرے اسما اور اپنے بیچ رکھ کر بیٹھ گیا۔

''اب کھاؤ۔ لیکن تم کھاؤ گی کیسے؟ تمہارے ہاتھوں پہ تو مرہم لگا ہے؟'' ہادی کی جیسے ہی اس کے ہاتھوں پر نظر پڑی کچھ مایوس سا ہو گیا تھا۔ اس کے

دونوں ہاتھ دوائی سے لیپ شدہ تھے۔

''میں نہیں کھاتی......'' وہ اسی لیے اٹھ نہیں رہی تھی کہ کھانا لینے جاتی کیسے؟ پھر کھاتی کیسے؟ وہ ہادی کی آفر بھی اسی لیے نظر انداز کر رہی تھی۔

''تو کیا بھوکی رہوگی؟'' ہادی کا لہجہ نرم پڑ گیا۔ انداز بدل گیا۔ اس کی لفظوں میں بھی نرماہٹ اتر آئی تھی۔

''جی......'' اس نے بہ مشکل ہی کہا تھا۔

''احمق......'' ہادی نے جھلا کر کہا۔

''تو پھر کیا کروں......؟'' اسما نے بے بسی سے اپنے زخم خوردہ ہاتھوں کو دیکھا۔

''یعنی اس مسئلے کا کوئی حل نہیں۔ جب تک تمہارے زخم ٹھیک نہیں ہوئے تو تم بھوکی رہوگی؟'' اس کا انداز پُرسوچ تھا۔

''جی...... ای ای۔'' اسما گم صم رہ گئی تھی۔

''بے وقوف...... ہر مسئلے کا کوئی نہ کوئی حل ضرور ہوتا ہے۔'' ہادی اب بھی سوچتا سا نظر آرہا تھا۔

''مطلب......؟'' وہ دیکھتے، دیکھتے حیران ہوتی ایک دم چونک گئی تھی۔ ہادی نوالہ بنا رہا تھا پھر اس نے نوالہ اسما کی طرف بڑھا دیا۔ یعنی اس کے منہ کی طرف...... اور اسما جیسے دم بخود رہ گئی تھی۔ اس کا منہ آپوں آپ حیرت سے کھل گیا تھا۔ ہادی نے اس کے کھلے منہ میں نوالہ ڈال دیا تھا اور اسما اتنی حیران تھی کہ منہ بند کرنا بھی بھول گئی۔ ہادی کو ہی اسے احساس دلانا پڑا۔

''اب منہ تو بند کرلو۔'' ہادی کے کہنے پر اسما نے ہوش میں آکر منہ تو بند کرلیا تھا لیکن اسے غش پہ غش آرہے تھے۔ وہ ایک کے بعد ایک نوالہ بناتا گیا اور اسما کے منہ میں ڈالتا گیا۔ ایسے ہی سارا کھانا ختم ہوگیا...... اور اسما کی حیرت بھی...... ہادی نے خود ٹرے میں خالی برتن رکھے اور کچن میں پہنچا آیا تھا...... جب وہ اپنے بستر پر پہنچ کر لحاف کھول رہا تھا...... تب اسما کی سماعتوں سے ہادی کی آواز ٹکرائی تھی۔

''کسی غلط گمان میں مت رہنا۔ جب میں اپنے پالتو جانوروں کو اپنے ہاتھوں سے کھلا سکتا ہوں تو ایک زخمی انسان کو کیوں نہیں؟ بتایا تو ہے میرے دل میں انسانیت کا بڑا درد بھرا ہے۔'' وہ لحاف منہ تک اوڑھتے اسما کے دل پر چرکے لگاتا مزے سے کروٹ بدل گیا تھا...... اور اسما ہکا بکا رہ گئی تھی۔ اس کے دل میں بھالا سا اتر گیا تھا۔ وہ یہ سب نہ بھی بتاتا تب بھی اسما جانتی تھی کہ اس پر یہ مہربانی کسی اور محبت بھرے جذبے کے تحت نہیں کر رہا...... ترس کھا کر انسانی ہمدردی کے تحت مہربان ہو رہا ہے۔

وہ کروٹ بدل کر ضبط کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ پھر بھی کتنے ہی آنسو بند توڑ کے اس کا تکیہ بھگوتے رہے۔ جانے وقت نے کون، کون سے امتحان لینے تھے، جانے آزمائش کے دن کب پورے ہونے تھے۔

☆☆☆

اگلا پورا ہفتہ ہادی کو یاد بھی نہ رہا کہ اسما کا حال احوال پوچھنا ہے۔ اس رات کی مہربانی کے بعد اسے شاید انسانیت کا درس بھول گیا تھا۔

اسما کے ہاتھ بہت وقت لگا کر بہتر ہوئے تھے...... تاہم تکلیف پہلے سے کم ہو چکی تھی...... ہاتھوں کے زخموں پر تو کھرنڈ آچکا تھا...... دل کے زخموں پر کھرنڈ کیسے جمتا......؟ دل کے زخم کیسے بھرتے؟

جو اذیت اس کا لاچار اور اکیلا دل سہتا تھا، برداشت کرتا تھا، اس کی گہرائی میں کوئی بھی اتر نہ پاتا...... اور لاچاری و بے بسی کا یہ حال تھا کہ وہ سب کچھ اپنی ذات پہ سہنے اور برداشت کرنے پر مجبور تھی۔ کوئی ایسا اپنا نہیں تھا جس سے شیئر کر کے دل کا بوجھ ہلکا کرلیتی۔

اسمارا اور گلناز ایسی سہیلیاں تھیں جو اسے پرایا کرنے سے پہلے از خود پرائی ہو چکی تھیں۔

اسمارا تو بات بھی بہت کم، کم کرتی تھی، عاشر نے بتایا تھا کسی فیشن ڈیزائننگ کورس میں مصروف ہو چکی ہے۔ اور گلناز کو اسما خود منہ نہیں لگاتی تھی۔ گو کہ اس کے فون متواتر آیا کرتے تھے۔ جب اسما نے کوئی رسپانس نہ دیا تو وہ خود بخود پیچھے ہٹ گئی تھی اور اسما کو بھی کوئی پروا

نہیں تھی۔

بس اسے خود پہ پورا یقین تھا...... جس طرح گلناز نے اپنی شرمناک چالوں سے اسمارا اور ہادی کو ملوث کر کے اسما کی زندگی میں الجھنیں بھری تھیں۔ وہ خود اپنے یقین، اعتماد اور ارادوں کی پختگی کے ساتھ ان الجھنوں کو ختم کرلے گی۔ اسمارا کو بتائے بغیر...... وہ اپنی زندگی کے مسودے کو خود ترتیب دے لے گی۔ وہ ہر بے ترتیبی کو خود سنوار لے گی۔ وہ اپنے حسنِ عمل سے ہادی کے دل کو پلٹا لے گی، اپنی طرف موڑ لے گی۔ کوئی بھی کام مشکل نہیں ہوتا۔ کوئی بھی کام ناممکن نہیں تھا۔

اس کا یقین اسے ہر روز باحوصلہ کرتا...... وہ ہر رات کے بعد ٹوٹتی ہمتوں کو مجتمع کر کے نئی امید کے ساتھ ہر صبح کو خوش آمدید کہتی۔

گو کہ ہادی اب بھی موڈی، بے نیاز اور اکھڑا، اکھڑا تھا لیکن وہ پہلے کی طرح اسما کو نظر انداز نہیں کرتا تھا۔ چاہے طنز کے تیر پھینکتا، خوب اپنی بھڑاس نکالتا یا غصہ اگلتا تاہم بات ضرور کرتا تھا۔ وہ آپس میں گفتگو تو کرتے تھے چاہے طنزیہ ہی سہی۔

اسما کے دل کو اتنی ''ڈھارس'' ہی بہت تھی وہ اپنے قناعت پسند دل کو تھپکیاں دے کر سلا لیتی تھی۔ ایسے ہی روکھے پھیکے سرد بے جان دن گزر رہے تھے۔ انہی دنوں میں اچانک عاشر اس سے ملنے کے لیے آ گیا تھا۔ اور اسما کو یوں لگا جیسے وہ اپنے لاڈلے بھائی کو صدیوں بعد دیکھ رہی ہے۔ جب وہ عاشر سے ملی تو ضبط کے سارے بند ٹوٹ گئے تھے۔ وہ روئی تو پھر روتی ہی چلی گئی یہاں تک کہ عاشر بوکھلا گیا۔ پھر اماں کے ٹوکنے پر اسما بہ مشکل سنبھلی تھی لیکن عاشر سے گلہ کیے بغیر نہ رہ سکی۔

''شادی سے پہلے ہی مجھے بھول چکے ہو...... بھلا بعد میں کیا کرو گے؟'' اس کی خفگی ملاحظہ کر کے عاشر پھیکے انداز ہنس دیا تھا۔ اس کی پھیکی ہنسی اسما کے دل میں کئی طرح کے خدشے جگا گئی تھی۔

''شادی ہوگی تو تب ناں......'' عاشر کے الفاظ اسما کا دماغ گھما گئے تھے۔ وہ رونا بھول کر اس پر چڑھ دوڑی تھی۔

''کیوں نہیں شادی ہوگی؟ رات بھی بابا کی کال آئی تھی۔ وہ بتا رہے تھے جلدی تمہارے سر پر سہرا سجائیں گے۔''

''میرے سر پر سہرا سجانے کا خواب، خواب ہی نہ رہ جائے۔'' عاشر نے مسکرا کر ہلکے پھلکے انداز میں کہا لیکن اسما کے دل میں کھٹکا جاگ گیا تھا۔ اسے لگ رہا تھا جیسے عاشر اس سے کوئی بات چھپا رہا تھا۔ کوئی بات تو تھی ناں؟ اسما کو عاشر پہلے والا عاشر نہیں لگ رہا تھا۔ وہ کچھ بدلا، بدلا سا لگ رہا تھا۔ وہ سارے کام ختم کر کے فرصت سے اس کے پاس آ بیٹھی۔

''عاشر! گھر میں کچھ ہوا ہے؟ امی ٹھیک تو ہے؟ مجھ سے تو بات بھی نہیں کرتی۔'' اسما نے دھڑکتے دل کے ساتھ پوچھا تھا۔ اسے عاشر بہت چپ، چپ، الجھا، الجھا اور پریشان لگ رہا تھا۔ آخر کیا بات تھی؟ کیا معاملہ تھا؟

''وہ اب کسی سے بات نہیں کرتی، عجیب ہو چکی ہے، اس کے کام ختم نہیں ہوتے، کوئی بوتیک شوتیک لانچ کر رہی ہے اپنے کسی فرینڈ کے ساتھ۔'' عاشر کا انداز بہت روکھا تھا جیسے اسے اسمارا کے کام کرنے پر اعتراض تھا۔ اسما کو بھی شاک لگا۔ یعنی اسمارا اپنا کام کر رہی تھی۔ ایک بزنس...اور اسے پتا ہی نہیں تھا۔

''بابا نے منع نہیں کیا۔ اور تم نے؟'' اسما حیرت سے پوچھ رہی تھی۔ یعنی اتنا کچھ ہو گیا تھا اور وہ بے خبر تھی۔

''وہ بابا کے یا میرے منع کرنے سے رکتی ہے؟'' عاشر گہرے پھیکے لہجے میں بولا تھا۔ اسما ہکا بکا رہ گئی۔

''مگر کیوں؟ اسے ضرورت کیا ہے؟ ہمارے پاس سب کچھ تو ہے؟ وہ کام کیوں کرنا چاہتی ہے۔''

''اسے خود مختاری چاہیے اس لیے، ماما اس کی بیک پہ ہیں، خیر مجھے کوئی اعتراض نہیں تھا...... بابا نے بھی اس کی خوشی جان کر روکا نہیں۔'' عاشر نے مزید بتایا۔

''اور شادی کے کیا ارادے ہیں؟'' اسما کے بولتے خدشات باہر آ رہے تھے۔ اس کے گمان میں

اسکے وہم محض گمان نہیں تھے ۔ کچھ تو تھا جو غلط تھا...... غلط کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔

''فی الحال تو ماں ٹال مٹول کر رہی ہیں۔'' عاشر نے اسے بری طرح سے بھونچکا کیا...... وہ کچھ پل بول نہیں پائی تھی۔ لفظ جیسے کھوتے چلے گئے تھے..... آخر اُدھر کیا ہو رہا تھا؟

''وجہ؟'' بہت دیر بعد وہ کچھ بولنے کے قابل ہو سکی تھی۔

''پتا نہیں، میں خود بہت الجھ رہا ہوں، چھوڑو ان باتوں کو یہ بتاؤ ہادی تمہارے ساتھ ٹھیک ہے ناں؟'' عاشر نے اچانک بات کو پلٹا تھا یوں کہ اسما سنبھل بھی نہیں پائی۔ عاشر کا انداز کھوجتا سا تھا جیسے وہ کچھ جاننا چاہ رہا تھا۔ اسما کی باتوں سے کوئی سرا پکڑنا چاہ رہا تھا یا وہ کسی کھوج میں یہاں آیا تھا۔ اسما کا دل واضح طور پر دھڑکنے لگا۔

اس نے پوری طرح سے ہادی اور اپنی کامیاب میرج لائف کی تصویر کشی کر کے عاشر کو مطمئن کرنا چاہا تھا۔ پتا نہیں عاشر اس کے ان ''جھوٹوں'' سے مطمئن ہوا تھا یا نہیں؟ لیکن تب وہ چپ ضرور کر گیا تھا۔ اس کے تاثرات ناقابلِ فہم تھے ۔ وہ اسما کا چہرہ ٹٹول ٹٹول کر دیکھتا رہا جیسے کچھ پڑھنا چاہ رہا ہو۔ پھر وہ تین دن کوئٹہ میں رہا اور زیادہ وقت ہادی کے ساتھ بتایا۔ ہادی نے اپنی بھرپور اداکارانہ صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے عاشر کے سامنے ایک بہترین بہنوئی کا رول پلے کیا تھا اور اس کے ساتھ، ساتھ وہ ایک محبت کرنے والا شوہر بن کر عاشر کی آنکھوں میں دھول جھونکتا رہا...... اور سچ تو یہ تھا کہ جو خدشات یہاں آتے ہوئے عاشر کے دل و دماغ میں موجود تھے' جاتے ہوئے ان خدشات کا شائبہ تک نہیں تھا۔

وہ اپنی بہن کی خوشحال زندگی سے پوری طرح مطمئن ہو کر لوٹا تھا...... ہادی نے اسے اپنے عمل سے ثابت کر کے دکھا دیا تھا کہ وہ اپنی بیوی کے بغیر ایک لمحہ بھی نہیں رہ سکتا۔ اس لیے اسما پنڈی کا نام تک بھول گئی تھی ۔ وہ اپنے گھر، شوہر اور گھرداری میں اتنی مگن، خوش اور شاد تھی کہ اسے میکا یاد تک نہیں آتا تھا اور عاشر کے لیے اس یقین کے بعد دنیا کی ہر خوشی ہیچ تھی، وہ بڑا پُرسکون ہو کر پنڈی واپس گیا تھا۔

☆☆☆

ہادی ان دنوں سرِشام ہی گھر لوٹ آتا تھا۔ سردی کا زور بھی بڑھ چکا تھا۔ کہر کی لامحدود چادر تن جاتی تھی ۔ باہر کچھ دکھائی نہیں دیتا تھا۔ اسما لاؤنج میں انگیٹھی دہکا لیتی، اس کے اپنے کمرے کا ہیٹر ٹھیک نہیں تھا۔ پھر انگیٹھی سے کوئلے اپنے کمرے لے جاتی۔

پھولن دیوی اپنے کوارٹر میں چلی گئی تھی ۔ اسما نے اماں کو دوا کھلا کر اُن کے کمرے میں پہنچا دیا تھا۔ تب ہی عزہ کی کال آ گئی تھی ۔ وہ اکثر اسما سے فون پر بات کرتی ۔ ہادی سے الگ تکرار کرتی اور اسے اسما کا خیال رکھنے کے بارے میں وارننگ دیتی رہتی ۔

اس دن بھی عزہ نے فون کر کے اس کا حال احوال پوچھا تھا پھر بڑے سرسری انداز میں بابا وغیرہ کی خیریت معلوم کی۔ عاشر کی شادی کو بھی ڈسکس کیا تھا۔ اس کا انداز بڑا عام سا تھا۔ لیکن اسما کو اتنا بھی عام نہیں لگا۔

''عاشر کی منگنی تمہاری ماموں زاد سے ہوئی ہے ناں؟'' عزہ کو جیسے اچانک خیال آیا تھا۔

''ہاں، بچپن سے بات طے ہے۔ منگنی ہی سمجھ لو.....'' وہ حیران تھی کہ عزہ کو کیسے عاشر اور اسمارا کا خیال آ گیا۔ اسمارا سے تو اس کی کبھی ملاقات بھی نہیں ہوئی۔

''تمہاری کزن مجھے دبئی میں ملی تھی ۔ میں ایک فیسٹول میں شرکت کرنے وہاں گئی تھی ۔ وہ اپنی فرینڈ کے ساتھ تھی ۔ ان لوگوں نے وہاں ڈریس ایگزیبیشن کا کوئی پروگرام رکھا تھا۔'' عزہ کی تفصیل اسما کو دنگ کرنے کے لیے کافی تھی ۔ اسمارا اور دبئی......؟ وہ بھی اکیلے......؟ ماموں، ممانی، بابا اور عاشر نے اسے جانے کیسے دیا...... اور کیا اسمارا اتنی دلیر ہو گئی تھی جو تنہا دبئی تک سفر کر آئی۔ اسے گھر سے اجازت کیسے ملی؟ اسما کا تو

دماغ چکرا گیا۔ جبکہ عزہ اپنی دُھن میں مگن اسے مزید بتا رہی تھی۔

''مجھے تمہاری کزن کا بی ہیور بہت عجیب لگا...... وہ تمہارے بارے میں کوئی اچھی رائے نہیں رکھتی...... اور تم جانتی ہو اسما اس لڑکی کی تصویریں ابھی تک ہمارے پاس ہیں۔'' عزہ نے کس بات کی طرف اشارہ کیا تھا، اسما جیسے سن سی ہوگئی تھی۔ کیا اسے اب بھی خاموش رہنا چاہیے؟ وہ عزہ کو بتادے، گلناز کی چال اور اسمارا کی بے گناہی...... اس کی کزن خواہ مخواہ ان لوگوں کے سامنے بدنام ہو رہی تھی...... پھر اسمارا اس کی ہونے والی بھابی تھی۔ وہ اس کی انسلٹ کیوں کرواتی......؟ بلکہ جہاں تک ممکن تھا...... وہ اسمارا کا دفاع کرنا چاہتی تھی۔

''وہ ایک پراپر گیم تھی عزہ......! اس میں آپی کو ملوث کیا گیا تھا...... ہماری ایک پڑوسن ہے ناں گلناز...... وہ عاشر کو اوائل عمری سے چاہتی تھی۔ عاشر نے جب اس کی محبت کو پزیرائی نہ بخشی تو وہ اندر ہی اندر عاشر اور آپی کی رقیب بن گئی...... کیونکہ عاشر اور آپی ایک دوسرے کو چاہتے تھے پھر گلناز نے ایک لمبا چوڑا پلان بنایا۔ قدرت نے اسے موقع فراہم کر دیا تھا ہادی کی صورت میں...... گلناز نے عاشر کے موبائل سے ہادی کا نمبر چرا کر ان سے راہ و رسم بڑھا لیے۔ وہ آپی کی تصویریں آپ لوگوں کو سینڈ کرتی تھی۔ آپ سب کو بھی غلط فہمی ہوگئی...... ایکچوئلی...... وہ لڑکی گلناز تھی...... جو اپنے مفاد کی خاطر محض عاشر اور آپی میں دراڑ ڈالنے کے لیے ہادی اور مجھے ٹارگٹ بنا کے اپنا انتقام پورا کر رہی تھی۔ اس سب میں آپی کا کوئی قصور نہیں...... وہ میرے بھائی سے محبت کرتی ہے، باقی جو کچھ گلناز نے کیا۔ اللہ اسے ضرور سزا دے گا......'' اسما نے ایک لمحہ لگایا تھا سوچنے میں پھر عزہ کو من و عن پورا قصہ سنا دیا گو کہ بات بہت شرمناک تھی اور گلناز کی حرکت اس سے بھی زیادہ شرمناک...... پھر بھی عزہ کو بتا دینے میں کوئی حرج نہیں ہوا تھا۔ کیونکہ اسما کو لگ رہا تھا کہ عزہ کچھ نہ کچھ جانتی ہے۔

ہمارے بچے

عید پر سب اپنے پیاروں سے مل کر خوش ہوتے ہیں اور ہمیں بھی اس عید پر 16 دسمبر 2014ء آرمی پبلک اسکول پشاور کے شہید بچوں کے ساتھ لاہور کے چلڈرن پارک میں دھماکے سے اڑ جانے والے سب بچے یاد آرہے ہیں۔

اپنے ماں، باپ کے معصوم سے پیارے بچے
اے وطن! تجھ پر فدا ہوگئے سارے بچے
مائیں روتے ہوئے آپس میں یہ کہتی ہوں گی
ابھی اسکول سے آئیں گے ہمارے بچے
وہ مسلمان کیا، انسان نہیں ہوسکتے
جن درندوں نے بلکتے ہوئے مارے بچے
ارضِ پاک کی اے میری بہادر ماؤ!
قوم کا فخر ہیں، دراصل تمہارے بچے
لاشے ہاتھوں پہ اٹھا کر یہی کہتے ہوں گے
یہ ہمارے تھے بڑھاپے کے سہارے بچے
پیکرِ صبر و وفا ہیں کہ جنہوں نے چپ چاپ
قبر میں اپنے ہی ہاتھوں سے اتارے بچے
کوئی بھی عہد انہیں بھول نہ پائے گا ظہور
مشعلِ راہ ہیں وہ سب چاند ستارے بچے

شاعر: ظہور چوہان
انتخاب: مہرین کنول، لیہ

''اگر یہ بات سچ ہے تو اس لڑکی گلناز کو کوڑوں کی سزا دینی چاہیے۔ ایک شاطر لڑکی نے ہم سب کو.... بےوقوف بنایا......'' عزہ نے مارے غصے اور حیرت کے گلناز کو بے طرح گالیوں سے نوازا...... اسما چپ چاپ سن رہی تھی۔ اس کا دھیان باہر کی طرف اچانک پلٹ گیا تھا...... باہر موسم اچانک خراب اور طوفانی ہوگیا تھا۔ بادل گھر، گھر کے آگئے تھے۔

"میں اگر ہادی کو بتا دوں تو وہ گلناز کو صفحۂ ہستی سے مٹا آئے۔ کتنی مکار لڑکی ہے وہ...... یعنی دو گھروں کو برباد کرنے پر تلی تھی۔" عزہ نے دانت پیس لیے اس کا غصہ کسی طور کم نہیں ہو رہا تھا۔

"ہادی کو کچھ مت بتانا، تمہیں اللہ کا واسطہ...... ہادی میں ذرا بھی برداشت نہیں۔ وہ گلناز کا قتل عام کرنے چل پڑیں گے۔ یوں اور بھی بدنامی ہوگی۔ بات کھلے گی تو عاشر کا دل بھی خراب ہوگا۔ میں نہیں چاہتی میرے بھائی کی خوشیوں میں رکاوٹ آئے اس کی شادی ہونے والی ہے۔" اسما نے منت بھرے لہجے میں کہا۔ اس کے انداز میں سچائی کے ساتھ، ساتھ امی اور عاشر کے لیے پیار واضح طور پر نظر آ رہا تھا۔ تب عزہ فوراً چونکنا ہوئی۔

"عاشر اور امی کی؟" عزہ نے نہ جانے کیوں بات دُہرائی۔

"ہاں......" اسما نے یقین بھرے لہجے میں کہا۔

"مگر امی تو مجھے کچھ اور بتا رہی تھی۔" عزہ کا انداز اور بڑبڑاہٹ نظر انداز کرنے والی نہیں تھی۔ اسما لمحہ بھر کے لیے متحیر ہوئی۔ اس کا دل انجانے خدشے سے لمحہ بھر کے لیے کانپ سا گیا۔

"امی نے کیا بتایا؟" اسما باہر ہوتے کھٹکے سے ۔رہنیاز حیرت پر قابو پاتی بہ مشکل بول پائی تھی۔

"یہی کہ اس کی عاشر سے کوئی منگنی نہیں......" عزہ نے جیسے اس کے سر پر آسمان گرایا تھا۔ اسما کو یوں لگا جیسے وہ چکرا کر زمین بوس ہو جائے گی۔ کیا عزہ سے امی نے یہ کہا؟ اسما کو یقین نہیں آیا تھا، آ ہی نہیں سکتا تھا۔ اسے لگا عزہ کو سمجھنے میں غلطی ہوئی ہوگی۔ بھلا اسما را ایسے کیوں کہے گی؟ عاشر میں تو اس کی جان تھی۔ وہ عاشر کے نام سے اپنی سانسوں کو جڑا محسوس کرتی تھی۔ اسما خود ان دونوں کی محبت اور چاہت کی گواہ تھی۔

امی تو مر کر بھی عاشر کے نام سے اپنا نام نہ ہٹاتی۔ عاشر کو چھونے والی ہوائیں تک اسے اپنا رقیب لگتی تھیں۔ گلناز کے ساتھ اس کی دشمنی بھی اسی وجہ سے تھی کہ گلناز کے دل میں عاشر کا خیال تھا۔

اسما کے لیے اس بات پر یقین کرنا مشکل تھا۔ اس کا دماغ سناٹے میں آ چکا تھا۔ یوں لگ رہا تھا ہر چیز اپنے مرکز سے ہٹ رہی ہے...... سب کچھ خلط ملط ہو رہا تھا۔ ہر طرف گڑبڑ اور ہلچل مچی ہے۔ اسما کے دل میں ہزار دفعہ بھی عزہ کو جھٹلانے کے باوجود خدشات منڈلاتے رہے، اسے عاشر کی بجھی بجھی صورت کا خیال بھی بے چین کر رہا تھا۔ پھر بھی دل تھا کہ مانتا ہی نہیں تھا۔ کیا امی خود عاشر سے اپنی ہی زندگی میں دستبردار ہونے کا فیصلہ کر سکتی تھی؟ نہیں کبھی نہیں......

اور ابھی وہ عاشر کو فون ملا کر بات کرنے کا ارادہ رکھتی ہی تھی جب کھٹکے کی آواز پر چونک گئی۔ اس کے پیچھے ہادی کھڑا تھا۔ سر تا پانی میں شرابور، باہر گیٹ پر تو لاک لگا تھا۔ پھر ہادی کہاں سے آیا؟

"دیواریں کس لیے ہوتی ہیں؟" اس کی آنکھوں میں اترا سوال دیکھ کر وہ مخصوص بے ساختہ لہجے میں بولا، اس کا انداز عام سا تھا۔ اسما کو تسلی ہوئی۔ صد شکر کہ وہ عزہ اور اس کی گفتگو نہیں سن سکا تھا۔ ورنہ ابھی کے ابھی ایک عدالت سج جاتی اور اسما وضاحتوں کے لیے کہاں، کہاں سے دلائل اکٹھے کرتی؟ اسما کچھ پرسکون ہو گئی تھی۔

"دیواریں حصار کے لیے ہوتی ہیں۔" اس نے اطمینان سے جواب دیا۔

"اور ضرورت کے وقت انہیں پھلانگ بھی سکتے ہیں۔" ہادی نے ترنت کہا...... "میں کب سے گیٹ بجا رہا ہوں۔ دیوی جی تو سارے اونٹ، گھوڑے بیچ کر خراٹوں اور خوابوں میں ٹہل رہی ہوگی۔ میں نے سوچا، تم بھی سو چکی ہو۔ پھر اتنی ٹھنڈ میں قلفی جما کر بھیگا ککڑ بن کے کھڑے رہنے سے بہتر تھا میں دیوار پھلانگ کر آ جاتا۔" اس نے اپنی کارگزاری بتائی۔ اسما کمرے میں ہی چلی آئی...... پہلے ہادی کے کپڑے نکالے پھر اس کے لیے کھانا گرم کرنے کچن میں آ گئی۔ جب وہ کھانا ٹرے میں سجا کر دوبارہ کمرے میں آئی تب تک ہادی کمبل میں دبک چکا تھا۔ موبائل آن تھا

اور کم پھیلی جارہی تھی۔ سردی کی شدت سے ہادی کے دانت بج رہے تھے۔ ہونٹ نیلے تھے اور گال انتہائی سرخ...... اسما کچھ سوچ کر دوبارہ باہر آگئی۔ آتش دان میں لکڑیاں ابھی تک سلگ رہی تھیں۔ اس نے کوئلے نکال کر انگیٹھی میں بھرے اور اٹھا کر اندر لے آئی لیکن یہ کوئلے ایسے دم دار نہیں تھے...... لکڑیاں سلگ، سلگ کر راکھ بن چکی تھیں۔ وہ بجھی راکھ سے چنگاریاں نکال لائی تھی۔ ہادی نے دیکھ کر نفی میں سر ہلایا۔

''یہ تو بجھ گئے۔'' اس کا انداز مایوسانہ تھا۔ اسما ساتھ لائی پھونکنی سے پھونک مار، مار کر کوئلوں کو تپانے لگی۔

''پھونک ماروں گی تو جل اٹھیں گے۔'' اس نے بیچ میں پھونکوں کا شغل ترک کر کے بتایا۔

''تمہاری پھونک میں ایسا کمال ہے؟'' ہادی کو اس کی بچکانہ ادا پر ہنسی آگئی۔ وہ بجھی راکھ میں پھونکیں مار، مار کر گرد اڑا رہی تھی۔ ننھے ذرے کمرے میں اڑنے لگے تھے۔

''ہاں دیکھیے گا ذرا...... ابھی سارے کوئلے تپ جائیں گے...... میں نے پہلے بھی یہ تجربہ کیا ہے۔'' وہ اپنے کمالات بتارہی تھی۔ ہادی نے سمجھ کر سر ہلایا۔ یعنی تسلیم کرلیا۔

''لیکن کوئلے تپانے سے کیا فائدہ ہوگا؟'' اب وہ بڑی دلچسپی سے پوچھ رہا تھا۔ اسما اپنے شغل کو جاری رکھتے ہوئے لمحہ بھر کے لیے رکی...... وہ موبائل سے نظریں ہٹائے اس کی طرف متوجہ تھا۔

''فائدہ؟ فائدہ ہی تو ہوگا، کمرا گرم ہوجائے گا، حرارت بڑھے گی تو آپ کو سردی نہیں لگے گی۔'' وہ سادگی سے پھونکیں مارتی فائدے بتارہی تھی۔

''اس کے علاوہ کوئی اور اچھے اور قابلِ توجہ فوائد......؟'' ہادی لبوں پر مسکراہٹ سمیٹ کر کہنی کے بل تھوڑا اونچا ہوا تھا۔ یوں کہ نیچے بیٹھی اسما اسے اب واضح نظر آرہی تھی۔

''اس سے بہتر کون سا فائدہ ہوسکتا ہے؟ آپ کی سردی کم ہوگی۔ آپ کو طمانیت محسوس ہوگی، ٹھنڈک کا اثر زائل ہوجائے گا۔'' اسما نے نگاہ اٹھا کر تعجب سے بات مکمل کی...... پھر فوراً ہی پلکیں جھکالیں۔ جانے وہ کن نظروں سے غور و فکر فرمارہا تھا۔ اسما کو عجیب سی جھجک محسوس ہوئی۔

''یعنی کہ تم چاہتی ہو، میں 'گرم' ہوجاؤں؟'' وہ کراؤن سے ٹیک لگا کے بیٹھا تھا۔ جھک کر تھوڑا مزید آگے ہوا۔ یوں کہ اسما اور اس کے درمیان میں بس انگیٹھی کا فاصلہ بچا تھا۔

یہ کیا سوال تھا؟ معنی خیز سا......؟ کچھ ابھارتا تھا۔ واضح کرتا، احساس دلاتا۔ اسما دم بخود رہ گئی تھی۔ وہ اس کی بات کا کیا مطلب اخذ کرتی؟ کیا جواب دیتی؟ وہ بھونچکی سی متعجب نگاہوں سے ہادی کو دیکھتی رہی...... وہ جواب لینے کے لیے مزید آگے ہوا۔ یعنی جواب کے بغیر ٹلنے والا نہیں تھا۔

''ٹھنڈک میں ہر 'ہوش مند' انسان گرم رہنا چاہتا ہے۔'' اسما نے سارا زور ''ہوش مند'' پہ ڈالا تھا۔ ہادی کے لبوں پہ مسکراہٹ مچل اٹھی۔ اسے اسما سے بات کرنے میں لطف آیا۔ پہلی مرتبہ طنز و طعنے کے علاوہ عام سی سادہ گفتگو چل رہی تھی۔ جو اتنی سادہ بھی نہیں تھی۔

''تم مجھے کوئی بے ہوش انسان سمجھتی ہو؟'' ہادی نے نچلا لب دانتوں تلے دبا کر مسکراہٹ پھر سے ضبط کی تھی۔

''لگتا تو یہی ہے۔'' اسما نے اس کی بات کو ٹالتے ہوئے سرسری انداز اپنایا۔

''ویسے'' ہوش'' میں تو آہستہ، آہستہ میں آرہا ہوں۔'' اس نے ایک مرتبہ پھر معنی خیزیت کی فضا بحال کرلی تھی۔ اسما کچھ چونک سی گئی...... اس کی بات کا کیا مفہوم تھا؟ یعنی وہ اپنے رویّے کو بدلنا چاہتا تھا؟ جو بے ترتیبی اس نے از خود پھیلا رکھی تھی، اسے سمیٹنا چاہتا تھا۔ ترتیب دینا چاہتا تھا؟ کیا وہ فاصلوں کو پاٹنا چاہتا تھا۔ اپنے اور اسما کے درمیان موجود خلیج کو ختم کرنا چاہتا تھا؟

اسما کا دل بے اندازہ ہی دھڑک اٹھا...... کیا ہادی

کی بدگمانی ختم ہو رہی تھی؟ اسما کا صبر آخر رنگ لے آیا تھا؟ کیا ہادی اسے اپنانا چاہتا تھا؟ اس کا دھڑکتا دل بھر بھر آ رہا تھا۔ اندر کہیں دل کی ویران نگری میں صبح نو کے شگوفے کھل رہے تھے...... جیسے ساحلوں پہ پھول بکھر رہے تھے۔ اور ہادی ان ساحلوں سے پھول چنتا اس کے حواس گم کر رہا تھا۔

''میں گرم ہوا تو درجۂ حرارت بڑھ جائے گا...... میری گرمی سہہ لو گی؟'' ہادی اسے خاموش سوچوں میں مگن دیکھ کر واپس موضوع کی طرف لے آیا، اسما جیسے ہڑبڑا سی گئی۔ یہ ہادی کو آج کیا ہو رہا تھا؟ یہ پٹری سے کیوں اتر رہا تھا؟ یہ باتوں سے بہلانا چاہتا تھا یا آزمانا چاہتا تھا؟ یا اللہ! یہ ماجرا کیا تھا؟ ہادی اور اتنا مہربان......؟ انتہائی نرم گفتاری سے بات کرتا ہوا اور بار، بار مسکراہٹوں کے تیر پھینک کر قتل کرنے کی کوشش کرتا ہوا......

''آپ کی بات کا کیا مفہوم بنتا ہے؟'' اسما نے بہ مشکل اپنے دھڑکتے دل کی دھڑکنوں کو ہموار کرتے ہوئے پوچھا۔ ہادی اسے اب بھی پُرتپش نظروں سے دیکھ رہا تھا...... اور اس کی نگاہوں کا اثر اسما کی ہتھیلیوں میں اتر رہا تھا۔

''یعنی مفہوم بھی میں بتاؤں؟ کیا تم خود سمجھ نہیں سکتیں؟'' وہ معنی خیزی سے گمبھیر لہجے میں اسما کے حواسوں پر بجلیاں گراتا ہوا بولا۔ اسما کے لیے اپنے حواس ٹھکانے پر رکھنے محال ہو گئے۔

کیا وہ ایک مرتبہ پھر اس کا مذاق اڑانا چاہتا تھا؟ اپنی مہربانی کے پھول نچھاور کر کے آخر میں اسے ذلیل کر دینا چاہتا تھا ہمیشہ کی طرح......؟ اسما کو گزشتہ منظر بھولے نہیں تھے اور وہ ہر دفعہ اس کی لچھے دار باتوں میں الجھ کر حقیقت سمجھ جاتی تھی۔ جیسے وہ اس کی خدمت گزاری، محبت اور حسنِ عمل سے اس کی طرف پلٹ آیا ہو۔ کیا یہ پہلے کی طرح کوئی سوانگ (بہروپ) تھا یا حقیقت......؟ وہ اسے بے بس کر کے مذاق اڑانا چاہتا تھا۔

''میں کیا کہوں؟ میرے پلے آپ کی کوئی بات نہیں پڑ رہی......'' اس کے لہجے میں بیچارگی اتر آئی۔

''میری سمجھ کے قریب، قریب بھی آپ کی کوئی بات نہیں پھٹک رہی۔'' اس کی لاچاری کا کوئی انت نہیں تھا...... ہادی نے بڑی بھرپور نگاہ سے اسما کا چہرہ دیکھا۔ سانولے رنگ میں سرخیاں گھل رہی تھیں۔ یہ کمرے کی حرارت کا اثر تھا۔ یا ہادی کی باتوں کا؟ اس کا چہرہ بے پناہ تپ رہا تھا۔ اطراف میں گھنگرالے بالوں کی لٹیں گر رہی تھیں، جنہیں وہ بار، بار کانوں کے پیچھے اڑستی تھی۔ وہ اپنی حیا اور جھجک کے پردے میں بڑی باکمال لگ رہی تھی۔ انتہائی دل آویز...... انتہائی دلنشین، سادگی، وقار اور حیا کا مرقع......

ہادی نے دلچسپی کے سارے لوازمات کے ساتھ اسما کے چہرے کو نگاہوں کی قید میں جکڑا تھا۔ وہ اسے ایک ٹک دیکھ رہا تھا۔ انتہائی فرصت اور رغبت سے اس کے گالوں کی سرخی ہادی کو مقناطیس کی طرح باعثِ کشش لگ رہی تھی۔ اس کی اٹھتی گرتی پلکوں کی نزاکت اور حیا میں لپٹی گھبراہٹ اور جھجک اس کا ''درجۂ حرارت'' بڑھا رہی تھی۔ وہ مدہوش سا بے قابو ہوتا تھوڑا اور آگے کو جھکا۔

''جب قریب آؤ گی تو ہر بات تمہاری سمجھ کے خود بہ خود قریب پھٹک جائے گی۔'' ہادی کا لہجہ رواں اور نرم تھا۔ اسما کو جیسے غش آنے لگا۔

''قریب آؤ تو تمہیں سمجھاؤں...... تمہاری ''سمجھ'' کی برین واشنگ کروں...... تمہاری سمجھ کو عقل سکھاؤں۔'' وہ سابقہ انداز میں خواب آگیں تاثر سے کہہ رہا تھا۔ اسما جیسے بے ہوش ہوتے، ہوتے بچی تھی۔

''کک...... کیسے؟'' اسما کا اعتماد طوطوں کی طرح پھر سے اڑ چکا تھا۔ ہادی نے اس کا بے حواس انداز ملاحظہ اور اور پھر کمبل تھوڑا سا ہٹا کر پیچھے کھسکتے ہوئے اپنی طرف اشارہ کیا۔

''اِدھر آؤ......''

''کیا......'' اسما پسینے، پسینے ہو گئی...... اسے اپنی سانس رکتی ہوئی محسوس ہوئی۔ ہادی نے بازو دراز کر

کے اپنا ہاتھ پھیلا دیا۔ انگیٹھی کے اوپر اس کا ہاتھ پھیلا تھا۔ اور اسما بس چکرانے کے قریب، قریب پہنچ چکی تھی۔ ہادی کا ہاتھ جوں کا توں تھا۔

''آؤ ناں اسما! یہاں آؤ......'' ایک نرم گرم سی درخواست تھی یا ایک محبت بھری درخواست...... اسما کو جیسے کرنٹ لگا، وہ تھوڑا پیچھے کی طرف کھسک گئی۔

''ہادی! آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے۔'' اسما کا دل بھر آیا۔ جو پہلا احساس اس پیش رفت کے بعد ابھرا تھا، وہ تذلیل کا احساس تھا۔ کیا ہادی اس کا مذاق اڑانے والا تھا؟ اسما کے اندر کانچ سے ٹوٹنے لگے۔

''ٹھیک کہاں ہے؟ کیا تمہیں ٹھیک دکھائی دے رہی ہے؟ مجھے ایک سو تائیس ڈگری بخار چڑھ رہا ہے اور تم ایسی طبیب ہو جسے مسیحائی تو بہت دور، مرض سمجھنا بھی نہیں آرہا۔'' ہادی نے معنی خیزی کی حد کرتے ہوئے اس کے حواس گم کر دیے...... وہ کیا چاہتا تھا؟ کس چیز کی تمنا رکھتا تھا؟ کون سی خواہش اسے اکسا رہی تھی؟ اسما نادان بچی نہیں تھی جو سمجھ نہیں پاتی۔ وہ اس کی درخواست کو ہر طریقے سے جانچ نہیں پا رہی تھی۔ آیا یہ وقتی ماحول کا اثر تھا؟ لمحاتی خواہش کی شوریدہ سری تھی یا وہ اندر سے ہر بدگمانی کی جڑوں کو اکھاڑ کر اسما کی طرف سے دل صاف کیے اس کی طرف پلٹ آیا تھا؟

اگر ایسا تھا تو اسما پہ آج مبارک ہادی کا فیضان ہو گیا تھا۔

''ہادی! پلیز......'' اسما نے آنکھیں بھینچ لیں...... ''اور کتنی اداکاری کریں گے؟ یہاں پر آپ کے گھر والے نہیں...... جنہیں سب اچھا دکھانا مقصود ہو۔'' وہ شدتِ ضبط سے کراہ اٹھی۔

''ڈفر، گدھی، میں گھر والوں کے سامنے اتنا رومینٹک ہونا افورڈ نہیں کرسکتا۔ میں اتنا دیدہ دلیر یا دوسرے معنوں میں اتنا بے شرم نہیں ہوں۔'' ہادی نے مسکرا کر جیسے اس کی عقل پر چوٹ کی تھی۔ حد تھی، اتنے رومینٹک ماحول میں وہ گھر والوں کو اٹھا کر لے آئی تھی۔ بھلا اتنی رومینٹک سچویشن گھر والوں کے سامنے کری ایٹ کی جا سکتی تھی۔

''تو پھر اس مذاق کو بند کریں خدارا......'' اس کے اشک گرنے کو بے تاب تھے اور وہ بہ مشکل خود پر قابو پا کر بول رہی تھی۔

''یہ مذاق کہاں ہے؟ یہ واضح سچائی ہے اسما! کیا تم نہیں سمجھتیں؟ میرے پاس آؤ یہاں......؟'' ہادی کا اصرار اسما کو بے یقینی کے ساحلوں سے کھینچ کر یقین کی حدوں تک لے آیا تھا...... وہ دھڑکتے دل کے ساتھ اپنی جگہ سے اٹھی اور ہادی کے قریب آگئی۔ اس نے کچھ اور پیچھے کی طرف کھسک کر اسما کے لیے جگہ بنائی۔ یوں کہ ہادی نیم دراز تھا اور اسما بیڈ سے نیچے پاؤں لٹکا کر اپنی گود میں ہاتھ دھرے سر جھکائے بیٹھی تھی۔

ہادی نے اس کا نرم اور پُرحرارت ہاتھ پکڑ لیا۔ اس کے لمس نے اسما کے اندر تہلکہ مچاتی دھڑکنوں میں کچھ اور طغیانی بھری۔ اس کا لمس اسما کی ہتھیلیوں میں بول رہا تھا۔ وہ انتہائی نروس تھی اور ہادی انتہا کا... پُراعتماد اور پُرجوش......

وہ اب بہت قریب سے اسما کے نین نقش دیکھ سکتا تھا۔ اس کا چہرہ پڑھ سکتا تھا۔ اس کی چھلکتی حیا کی خوب صورتی کو محسوس کر سکتا تھا۔ ہادی کی آنکھوں میں خمار بھرنے لگا۔ جذبوں کا دریا چڑھنے لگا۔

''تم میرا بہت خیال رکھتی ہو ناں اسما! مجھ سے محبت کرتی ہو ناں اسما......'' اس نے اسما کے ہاتھ پر اپنا دوسرا ہاتھ بھی رکھ دیا۔ اس کے ہاتھ سرد تھے۔ اسما کے ہاتھ گرم تھے۔ وہ لاشعوری طور پر اپنے ہاتھوں کو اسما کے ہاتھ کی گرمائش سے حرارت دے رہا تھا۔ اسما اس کے سوال پر مہر بہ لب اور ساکت تھی۔ وہ اسے کیا جواب دیتی؟ کیا ہاں......؟ لیکن شرم اور حیا اسے پابند کر رہی تھی۔ ورنہ دل تو جیسے ازل سے ہادی عبدل زئی کی پابوسی یعنی قدم بوسی کے لیے بے قرار تھا۔ محبت ایسا ہی بے اختیار جذبہ ہے۔ یہ لاچار ہوتی بھی ہے لاچار کرتی بھی ہے۔ خوار ہوتی بھی ہے، خوار کرتی بھی ہے، ذلیل ہوتی بھی ہے، ذلیل کرتی بھی ہے۔ اور سرخرو

ہوتی بھی ہے اور کرتی بھی ہے۔ لیکن اسما کو اب تک محض خوار ہی کر رہی تھی۔ سرخروئی کا تو نام ونشان بھی نہیں تھا۔

''بتاؤ ناں اسما! مجھ سے محبت کرتی ہو؟ میرا خیال کس لیے رکھتی ہو؟ میرے برے رویے کے باوجود، کیا میری محبت اور التفات پانے کے لیے؟'' ہادی کا نرم لہجہ اسما کے فگار دل پر پھوار کے مانند برس رہا تھا۔ اس نے گہری سانس بھر کے دھیمی آواز میں اقرار کیا۔

''جی......''

''کیوں......؟'' ایک اور تعجب میں ڈالنے والا سوال۔

''ہر عورت کی طرح میری بھی خواہش ہے، میرا شوہر مجھے چاہے، مجھ سے محبت کرے، کیا یہ خواہش بے جا ہے...؟'' اس کا اعتماد دھیرے، دھیرے لوٹ رہا تھا۔ وہ پلکیں جھکا کر کہہ رہی تھی۔ ہادی کی طرف براہِ راست دیکھنے سے گریزاں تھی...... کیونکہ وہ جانتی تھی کہ ہادی اسی کی طرف متوجہ ہے۔

''تم محبت کو ڈیزرو کرتی ہو؟'' اس نے ایک اور دل ادھیڑتا سوال کر ڈالا تھا۔ اسما نے پلکوں کی چلمن بڑے دکھ سے اٹھائی...... پھر اس نے زخمی نگاہ سے ہادی کی طرف دیکھا۔

''کیا میں محبت ڈیزرو کرنے کے لائق نہیں ہوں؟''

اسما نے جلتی نظر سے ہر منظر کو پس منظر بنتے دیکھا تھا...... ہادی اپنے حال میں لوٹ رہا تھا۔ اپنے اصل کی طرف آ رہا تھا۔ اسما کی بدقسمتی کا پھیر ایسا نہیں تھا جو کسی سمت چلا جاتا۔

''اگر میں کہوں، نہیں تو؟'' ہادی نے لب بھینچ کر کہا۔

''پھر میرا سوال ہوگا کہ مجھے یوں اپنے پاس، اپنے پہلو میں بٹھانے کے لیے کیوں بلایا ہے؟ میری توہین کرنے کے لیے؟ میری تذلیل کے لیے؟'' اس کا لفظ، لفظ غم میں بھیگ رہا تھا۔ مارے ذلت کے اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا رہا تھا۔ وہ شدید... بے بسی کے احساس تلے کراہ رہی تھی۔ اور ہادی اسے ٹٹولتی نگاہ سے جانچ رہا تھا۔ اس کے تاثرات ہادی کو بوکھلانے کے لیے کافی تھے۔ لیکن اس نے خود پر ایک بے نیازی کا خول چڑھا لیا تھا۔

''صرف یہ بتانے کے لیے کہ خاصی بے وقوف ہو تم۔'' ہادی نے بوکھلاہٹ میں وہی کیا جو وہ ہمیشہ سے کرتا آ رہا تھا۔ ''بلکہ یہ بھی جانچنے کے لیے کہ تم کتنی عقل مند ہو؟''

''تو کیا ہو گئی تسلی......؟'' اسما نے زخمی انداز میں ذلت و بے بسی کے شکنجے میں پھڑپھڑاتے ہوئے پوچھا اور بڑی سہولت کے ساتھ سنبھلتے ہوئے اٹھ گئی اور ہادی نے اپنا سر بے ساختہ تھام لیا۔ وہ چاہتا کچھ تھا ہو کچھ جاتا تھا۔

''تسلی کرو گی تو ہو گی ناں......'' وہ ساری بازی ہاتھ سے نکلتے دیکھ کر خود پر لعنت ڈالتا دھپ، دھپ کرتا باہر نکل گیا تھا اور اسما ہکا بکا سی اسے باہر نکلتا دیکھتی رہ گئی۔

اسے ہادی کا غصے میں باہر نکلنا سمجھ نہیں آیا تھا۔ اس کو پاس بلا کر بے عزت کر کے تن فن کرنے کا مقصد بھلا کیا تھا؟ یعنی چت بھی اس کی پٹ بھی اس کی۔

وہ الٹا چور بنا...... ہر بات میں خود کو حق بجانب سمجھتا تھا۔ لڑتا بھی خود تھا، غصہ بھی خود کرتا تھا۔ طنز کے تیر بھی چلاتا تھا۔ زہر بھی اگلتا تھا، بھڑاس بھی نکالتا تھا۔ تیور بھی دکھاتا تھا، تذلیل بھی کرتا تھا۔ مہربان بھی ہوتا تھا، جان بھی بن جاتا تھا۔ بلائے جان بھی بن جاتا تھا۔ اور پھر ناراض بھی خود ہی ہو جاتا تھا۔ اور شاید اس بات کی توقع بھی رکھتا تھا کہ وہ بلاوجہ روٹھتا رہے۔ اسما بلاوجہ مناتی رہے۔

ہادی کیا واقعی اصل حقیقت جان چکا تھا یا لمحہ لمحہ اسما کو اذیت دینا اسے سکون دیتا تھا۔ اب دونوں کے بیچ تناؤ کیا صورت اختیار کرے گا۔ کیا اسما واپس چلی جائے گی یا ہادی گھر والوں کے دباؤ میں آکر اسے قبول کر لے گا۔ یہ سب جاننے کے لیے پڑھیے ماہ اگست میں اس ناول کا آخری حصہ

مجھے عید منانی ہے

نزہت جبیں ضیا



''اللہ سمجھے ان جاہلوں کو..... رمضان میں بھی چین نہیں ہے، کیسے ٹائم پر نظریں جمائے گھات لگائے بیٹھے رہتے ہیں جیسے کوئی جانور اپنے شکار کی گھات میں ہو، اِدھر ٹائم ہوا نہیں کہ جھٹ سے بٹن بند کر دیا۔ ویسے تو کوئی بھی سرکاری نوکر اپنی ڈیوٹی پر وقت سے نہیں جاتا ہمیشہ دیر سے جاتا ہے مگر ایک یہ لوگ.....'' اس نے ایک گالی سے نوازا..... ''چاہے ہڑتال ہو، بارش ہو، سردی ہو یا گرمی اپنی ڈیوٹی پر فوری پہنچ جاتے ہیں، ایسے وقت کے پابند تو دنیا کے کسی کونے میں نہیں ہوں گے جیسے ہمارے یہاں کے بجلی بند کرنے والے ہیں، منحوس مارے نہیں کے، روزے میں منہ خراب کر دیتے ہیں، میرا بس چلے تو گولی سے.....'' رقیہ کی قینچی جیسی زبان چلی تو چلتی گئی۔ ابھی کچھ دیر پہلے تو وہ ظہر کی نماز سے فارغ ہو کر پنکھے کے نیچے لیٹی تھی ابھی آنکھ لگی ہی تھی کہ گھرر گھرر چلتا پنکھا رکنے لگا اِدھر پنکھے کی گھرر، گھرر بند ہوئی اُدھر رقیہ کی زبان چلنے لگی۔ سخت گرمی، گھٹن اور حبس تھا اور روزے میں نیند بھی ضروری تھی اوپر سے بچوں کی چیخ و پکار نے جلتی پر تیل کا کام کیا..... گڈو، ججو، وجو اور سلیم سب ہی صحن میں نیم کے درخت کے نیچے کھیل رہے تھے رقیہ ہوا کرتی ہاتھ کا پنکھا سنبھالے ہڑبڑ کرتی صحن میں آئی اور پلنگ پر لیٹ گئی۔

''ارے کمبختو! تم لوگ بھی سو جاؤ، شیطانوں کی طرح سارا دن اودھم مچاتے رہتے ہو۔'' منہ پر ململ کا دوپٹا ڈالتے ہوئے رقیہ نے گرمی کی جھنجلاہٹ بچوں پر نکالی۔

''ارے بہو! کتنا سوؤ گی..... فجر کے بعد بھی سو جاتی ہو، کیا دن بھر سوتی رہو گی.....؟'' اماں کو بہو کی

بڑبڑاہٹ سن کرغصہ ہی تو آ گیا تھا۔

''اماں! تمہاری نیند پوری ہو جاتی ہے مجھے دس دھندے نپٹانے پڑتے ہیں، صبح سے رات تک کمر تختہ ہو جاتی ہے میری...... کام کرتے، کرتے نڈھال ہو جاتی ہوں۔ اوپر سے یہ بچوں کی فوج نے جینا حرام کر رکھا ہے۔''

''زبان سنبھال کر بات کرو بہو! کیا کہہ رہی ہو...... نظر لگاؤ گی کیا بچوں کو......؟ یہی تو میرے گھر کی رونق، میرے آنگن کا اجالا ہیں۔ اِدھر اُدھر کا غصہ کاہے کو ان معصوموں پر نکالتی ہو، گرمی ہے تو سب کے لیے ہے، روزے ہیں تو سب کے لیے ہیں، تم کوئی انہونی کر رہی ہو کیا؟''

''اماں چپکی ہو جاؤ، بس دماغ مت کھاؤ میرا۔'' رقیہ نے بیزاری سے کہا بچوں نے دیکھا کہ اماں اور دادی میں معرکہ شروع ہو گیا تو سلیم، شجو اور گڈو کو لے کر باہر نکل گیا۔ اور وجو دادی کے پیروں سے لپٹ گیا تو اماں منہ بناتی ہوئی وجو کو لے کر اپنے کمرے کی طرف چلی گئیں۔ شور ختم گیا تھا، بچے بھی نہیں تھے، رقیہ نے دوپٹا دوبارہ منہ پر ڈالا اور سکون کی سانس لے کر سونے کی کوشش کرنے لگی، جانتی تھی اماں وجو کو سلا کر باقی تینوں پوتوں کی بھی رکھوالی کر لیں گی۔ دونوں ساس، بہو کو تو جھگڑنے کا بہانہ چاہیے تھا ذرا سی بات ہوتی اور ہنگامہ شروع ہو جاتا دونوں فریقین ہی برابر کے تھے کوئی ہار ماننے کو تیار نہ ہوتا۔ اکثر جھگڑا بچوں کی وجہ سے ہی ہوتا۔ بچوں میں دادی کی جان تھی اور رقیہ بچوں سے بیزار وہ بچوں کو کچھ نہ کچھ کہتی اور دادی سے برداشت نہ ہوتا، وہ بھی دل بھر کے سنا دیتیں اور یوں جھگڑا شروع ہو جاتا۔ کبھی، کبھی یہ جھگڑا تین، تین دن پر محیط ہوتا ناصر بیچارہ تو ماں اور بیوی کے درمیان پس کر رہ گیا تھا اگر بیوی کو سمجھاتا تو الٹی دس باتیں سننے کو ملتیں، ماں کو غلطی سے کچھ کہہ دیتا تو زن مرید کے طعنے مل جاتے، اپنی بیوگی اور ناصر کی پرورش کو لے کر اماں کی دہائیاں عروج پر ہوتیں اور ناصر بیچارہ سر جھکا کر گھر سے باہر نکل جانے میں عافیت جانتا...... اماں بھری جوانی میں ہی بیوہ ہو گئی تھیں۔ میاں بیچارے غریب چھوٹی سی دکان چلاتے تھے جس سے گھر بہ مشکل چل پاتا، ناصر پانچ سال ...... کا تھا اس کے ابا کا انتقال ہو گیا۔ ان کے انتقال کے بعد ان کی چھوٹی سی دکان ناصر کے ماموں چلانے لگے اماں نے بہت محنت، مشقت اور پریشانیوں سے ناصر کو بہ مشکل میٹرک تک پڑھایا کہ ناصر کے ماموں کا بھی انتقال ہو گیا۔ تب سے ناصر نے گھر سے کافی فاصلے پر بنی وہ چھوٹی سی پرچون کی دکان خود سنبھال لی تھی گو کہ آمدنی زیادہ نہ تھی مگر گزارہ ہو ہی جاتا تھا۔ ناصر سیدھا سادہ، کم گو اور شرمیلا سا لڑکا تھا جبکہ اماں کو اکیلے زندگی گزارنے نے کافی جہاندیدہ بنا دیا تھا وہ کافی دیکھ بھال کے چلتیں، اکلوتے بیٹے ناصر کو بہت پیار کرتی تھیں اور اب جلد از جلد اس کی شادی کرنا چاہتی تھیں۔ ناصر نے ساری زندگی اپنے گھر میں خاموشی اور سناٹا دیکھا وہ زیادہ کسی سے بولتا، نہ ماں سے کوئی فرمائش یا ضد تب سے اماں نے ایک ہی خواہش دل میں بسا رکھی تھی کہ وہ ناصر کے کم از کم چار بیٹوں کو تو دیکھ سکیں وہ اللہ پاک سے یہی دعائیں مانگتیں کہ ان کے آنگن میں گہما گہمی ہو، بچوں کا شور، ہنگامہ اور لڑائی جھگڑے ہوں، ان کے گھر میں بھی بچوں کے قہقہے گونجیں۔ بچوں کی معصوم شرارتوں سے وہ بھی لطف اندوز ہو سکیں انہوں نے ناصر کے لیے رقیہ کو پسند کیا...... رقیہ دور دراز کی رشتے دار تھی۔ اور وہ بھی کافی تنک مزاج...... اس بات کا احساس ناصر کو پہلے دن ہی ہو گیا۔

''میری اماں غصے کی تھوڑی تیز ہیں مگر دل کی بری نہیں۔'' اس نے رقیہ سے کہا تھا تو رقیہ نے بھی جھٹ کہہ دیا۔

''غصہ تو میرا بھی کم نہیں ہے۔'' ناصر حیرت سے اپنی نوبیاہتا بیوی کو دیکھتا رہ گیا۔ ناصر سمجھ گیا تھا اماں سیر تو بیوی سوا سیر اب تو اللہ ہی مالک ہے۔ ساس، بہو میں ہر، ہر بات پر اختلافات ہوتے۔ انہی اختلافات اور تو، تو میں...... میں میں ان کی شادی کو آٹھ سال گزر گئے

اور ان آٹھ سالوں میں اماں اگر کسی بات سے مطمئن تھیں تو یہ کہ رقیہ نے ان کی گود میں یکے بعد دیگرے چار پوتے ڈال دیے تھے۔ اماں کی دعائیں اور برسوں پرانی خواہش رنگ لائی تھی۔ لڑائی جھگڑے اپنی جگہ مگر اماں رقیہ سے پیار بھی بہت کرتی تھیں، اس کا بہت خیال رکھتیں اور رقیہ بات بے بات یہی احسان جتاتی کہ اماں یہ چار، چار تمہاری خواہش پر پیدا کیے، ورنہ میری صحت اس قابل نہیں تھی کہ اتنی جلدی یہ سب کرسکوں، بچے بھی تمہارے ہی ہیں، تم نے تو مجھے بس بچے پیدا کرنے کی مشین سمجھ رکھا ہے۔

☆☆☆

اس بار تو رمضان المبارک کے شروع ہوتے ہی بلا کی گرمی پڑ رہی تھی، ایسے میں غضب کی اور ٹائم بے ٹائم لوڈ شیڈنگ نے زندگی عذاب کر رکھی تھی سو ناصر کی فیملی بھی ایسی ہی آفتوں کا شکار تھی۔ وہ لوگ پسماندہ علاقے میں رہتے تھے جہاں آس پاس ان جیسے ہی کم حیثیت کے لوگ تھے، چھوٹے موٹے کام کر کے گزارہ کرنے والے..... گھروں کی دیواریں آپس میں ملی ہوئی تھیں۔ کہیں کہیں پکی چھتیں تھیں ورنہ تو شیٹ اور ٹین والے گھروں میں ویسے بھی دھوپ کی شدت اور تمازت زیادہ اثر انداز ہوتی ہے۔ اوپر سے پرانے اور خستہ حال پنکھے جن کی برائے نام ہوا اور زور شور سے آتی آوازیں بھی ان لوگوں کے لیے سکون کا باعث ہوتیں کہ کم از کم چل تو رہے ہیں اور جب گھنٹوں کے لیے یہ پنکھے بھی بند ہوجاتے تو ایسے میں رقیہ کی جھنجلاہٹ عروج پر ہوتی اور وہ دل بھر کر بک، بک کرتی۔ اماں کی سماعتوں پر رقیہ کی دہائی ناقابلِ برداشت بار بن جاتی تب ہی اماں درمیان میں آکر ایک شوشا چھوڑ دیتیں اور نتیجتاً معرکہ شروع ہوجاتا۔

☆☆☆

افطار سے کچھ دیر پہلے ناصر بھی دکان بند کر کے چلا آتا پھر افطار کر کے نماز پڑھ کر چائے پینے کے بعد دوبارہ دکان پر چلا جاتا۔ غریب ہو یا امیر رمضان المبارک میں ہر شخص اپنی حیثیت کے مطابق اہتمام کرتا ہے۔ سحری اور افطار کے لیے خصوصی تیاریاں ہوتی ہیں، رقیہ کو بھی افطار کی تیاری کرنے کے لیے کچھ دیر پہلے سے ہی باورچی خانے میں جانا پڑتا تھا۔

اسی وقت اچانک سے پنکھے کی گھرر، گھرر کی آواز سن کر پتا چل گیا کہ لائٹ آچکی ہے۔ رقیہ شکر ادا کرتی ہوئی دوپٹا سمیٹ کر اٹھ کر کمرے میں آگئی۔

''افوہ......! ایک تو اس کی نیندیں ہی ختم نہیں ہوتیں، ارے بھئی وجو کو دیکھو کب سے بے چین ہو رہا ہے، تمہارے پاس آنے کو سنبھال، سنبھال کر تھک گئی ہوں۔'' رقیہ کو دوبارہ لیٹتا دیکھ کر اماں کی زبان میں پھر سے کھجلی ہوئی، وہ ان سنی کر کے کروٹ لے کر لیٹ گئی۔ پسینے، پسینے وجود کو پنکھے کی ہوا کسی نعمت سے کم نہیں تھی۔ گھنٹا ڈیڑھ گھنٹے کی نیند پوری کر کے وہ اٹھی اور منہ دھو کر افطار کی تیاری کے لیے باورچی خانے میں آگئی۔ کچن کا تو نقشہ ہی بگڑا ہوا تھا۔

''توبہ ہے اماں! کیا حالت بنا رکھی ہے باورچی

دل کی ویران گلیاں

دل کے ہر غم میں ایک ہی راستہ
ہوتا ہے
جو دل کی ویران گلیوں میں
محبت کے پھول کھلاتا ہے
اور ہمیشہ کے لیے اپنے دل
زمین
میں یقین کا راستہ دکھاتا ہے
اے میرے ہمدم دل کی گلیوں کو
اپنے پیار سے آباد رکھنا
اور دل کی سرزمین پر قدم رکھ کر
میرے دل کو مہکا دینا

شاعرہ: رفعت یونس خادم......ملتان

خانے کی تم نے؟" سارا باورچی خانہ الٹا پڑا تھا۔ برتنوں کے ڈھیر پر مکھیاں بھنبھنا رہی تھیں۔ آٹے کا تسلا کھلا پڑا تھا۔ پیاز کے چھلکے بکھرے پڑے تھے۔

"ہاں تو کیا کرتی' تم تو سوگئی تھیں بچوں کو بھوک لگی تھی پراٹھے بنا کر دیے میں نے، انڈے تلے اور دجو کو چائے بنا کر پلائی۔ بھوک سے بلک رہا تھا بیچارہ...... تمہیں تو اپنے علاوہ کسی کا خیال ہی نہیں ہے۔ بچے چاہے تڑپ، تڑپ کر بھوک سے مر جائیں پر تمہیں کوئی احساس نہیں کہ نظر بھر کے ان کی طرف دیکھ لو نہ جانے کیسی ماں ہو تم؟"

"ہاں، ہاں تم ہی سگی ہو، میں تو سوتیلی ہوں ناں...... مجھے احساس نہیں ہے، تم احساس کرنے والی ہو ناں......" وہ بڑبڑاتی ہوئی برتنوں کو اٹھا کر پٹخ کر رہی تھی۔

تب ہی پسینے میں شرابور ہانپتا ہوا ناصر گھر میں داخل ہوا۔ گرمی کی شدت سے چہرہ لال بھبوکا ہو رہا تھا۔ گھر میں داخل ہونے سے پہلے حسبِ معمول وہ اماں اور بیوی کی آوازیں سن چکا تھا۔

"ذرا سا دم لے کر پسینہ خشک کر کے نہالے، روزے میں پیدل چل کر آنے سے دیکھو تو کتنا نڈھال ہو گیا ہے۔" اماں کو بیٹے کے ناتواں وجود کو دیکھ کر ترس آگیا۔ ناصر نے رومال سے پسینہ صاف کرتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔

"ابا، ابا" بچے ناصر کو دیکھ کر اس کے پاس آگئے۔

"ارے ذرا دم تو لینے دو ابا کو۔" اماں نے کہا، اس بار رقیہ نے بس گھور کر دیکھا منہ سے کچھ نہیں بولی۔

اسی شور ہنگامے میں افطار کا وقت ہو گیا۔ رقیہ نے دستر خوان لگایا۔ اماں نے بھی اس کا ہاتھ بٹایا۔ بچے بھی دادی کے آس پاس آبیٹھے۔ اماں روایتی ساس کی طرح رقیہ سے بات بے بات تو، تو میں، میں ضرور کرتیں لیکن اس کا خیال بھی بہت رکھتی تھیں۔ خاص طور پر ہر عید کو اماں اس کے لیے اپنے ہاتھ سے جوڑا سیتیں اور چاند رات کو اسے جوڑا دیتیں۔ اسے ناصر کے ساتھ چوڑیاں پہننے بھیجتیں...... چاروں بچوں کو گھر میں رکھ لیتیں اور کبھی چاروں کو لے کر دو گلی چھوڑ کر ان کی رشتے دار بہن حمیدہ رہتی تھیں وہاں چلی جاتیں۔ جب ناصر اور رقیہ چاند رات کو گھوم گھام کر واپس آتے تب اماں بھی بچوں کو لے کر آجاتیں۔ بچوں کو سلا کر اماں اپنے ہاتھ سے مہندی گھول کر رکھتیں اور رقیہ کے ہاتھوں پر لگاتیں۔ شیر خورمے کی تیاریاں خود ہی کرتیں۔ شروع، شروع میں تو رقیہ کو یہ سب اچھا لگتا پر اب اسے یہ سب ڈھکوسلا لگتا۔ اماں بھی رقیہ کی.... سرد مہری سے اب چڑ جاتیں۔

بچوں کی پے در پے پیدائش، روز بروز بڑھتی ہوئی مہنگائی، اخراجات، دکھ، بیماری...... اب دو بچے اسکول بھی جانے لگے تھے، یہ سارے مسائل نمٹاتے، نمٹاتے رقیہ پاگل ہو جاتی۔ ناصر سے تو جو کچھ بھی ہوتا سب کچھ لا کر رقیہ کے ہاتھ پر رکھ دیتا۔

مغرب کی نماز پڑھ کر ناصر دکان پر واپس چلا گیا تھا۔ اماں بچوں کو لے کر چھت پر چلی گئی تھیں، اس وقت وہ بچوں کو اسلامی قصے کہانیاں سناتی تھیں۔ رقیہ سلائی مشین لے کر بیٹھ گئی۔ اس بار نہ اماں بازار گئیں اور نہ رقیہ کے لیے عید کا جوڑا لے کر آئیں اور غصے میں آکر رقیہ نے بھی اپنے لیے عید کا جوڑا نہیں خریدا حالانکہ ناصر نے لاکھ کہا مگر وہ رقیہ ہی کیا جو کسی کی بات مان لے...... بچوں کی اور ناصر کی تیاری ہو چکی تھی۔

رمضان المبارک کا آخری عشرہ چل رہا تھا۔ عید جیسے، جیسے قریب آرہی تھی رقیہ کا غصہ اور جھنجلاہٹ بڑھتی جارہی تھی۔ وہ بات بے بات غصہ بچوں پر نکالتی۔ بچوں کی زیادہ تر ذمے داری اماں پر ہی تھی۔ حتیٰ کہ اماں ہی بچوں کو قرآن پاک بھی خود پڑھاتیں۔ نماز بھی سکھائی، سحری کے بعد نماز اور قرآن پاک پڑھ کر سب سو جاتے تھے۔ صبح ناصر اٹھ کر دکان چلا جاتا۔ اماں کے ساتھ تو بچے سو جاتے اور رقیہ اپنی نیند پوری کر لیتی۔

اس روز بھی ناصر حسبِ معمول صبح اٹھ کر دکان چلا گیا تھا۔ رقیہ کے سر میں درد ہو رہا تھا۔ اماں کی نیند آج کافی گہری تھی تب ہی وجو اٹھ کر ماں کو اٹھانے

لگا۔ دو سالہ دجو کو بھوک لگی تھی اور اسے روٹی کی ضرورت تھی۔

''جاؤ دادی کو بولو۔'' راقیہ نے نیند بھری آنکھیں بہ مشکل کھول کر دجو کو کہا۔

''دادی نہیں اٹھیں۔'' وہ تتلا کر بولا۔ رقیہ نے باورچی خانے سے پاپے لاکر اس کے ہاتھ میں تھما دیے۔

''یہ کھالو......! ابھی دادی اٹھ جائیں گی۔''

''اماں! چائے دے دد۔'' دجو توتلی زبان میں چیخا۔

''ابھی یہ کھالو چپ کر کے، میرا سر دکھ رہا ہے چلاؤ مت۔'' رقیہ بولی پر اس کی چائے، چائے کی رٹ جاری رہی۔

''چپ کر دادی کا سگا...... انہیں دیتی چائے وائے، میں کچھ نہیں کرتی، سب دادی کرتی ہیں تیرے لیے۔'' رقیہ کو تپ چڑھی تو کھینچ کر تھپڑ لگا دیا وجو اتنی زور سے چلا کر رویا کہ دوسرے کمرے میں سوئی اماں بھی گھبرا کر دوڑی چلی آئیں۔

''دادی، دادی..... اماں نے مارا ہے۔'' دجو دوڑ کر دادی کی ٹانگوں سے چمٹ کر اور زور، زور سے رونے لگا۔

''ہائے اللہ!'' دادی نے وجو کے پھول سے گال پر رقیہ کے ہاتھ کی پانچوں انگلیاں چھپی دیکھیں تو ان کا تو دم ہی نکل گیا۔ انہیں لگا جیسے کسی نے ان کے گال پر طمانچہ دے مارا ہو۔ ان چاروں پوتوں میں تو ان کی جان تھی اور وجو کا سرخ پڑتا نازک گال اور بلک، بلک کر رونا ان سے برداشت نہیں ہو سکا وہ تڑپ گئیں۔

''رقیہ پاگل ہو گئی ہو تم......؟ کیسی ماں ہو، ساری جھنجلاہٹ ان معصوموں پر نکالتی ہو۔ یہ اولاد ہے تمہاری، کیوں جلاد جیسا برتاؤ کرتی ہو ان کے ساتھ...... اگر ایک کپ چائے بنا کر دے دیتیں تو کون سی قیامت آجاتی۔ مائیں تو اپنی نیندیں، سکھ آرام سب کچھ بچوں کے لیے قربان کر دیتی ہیں۔ تمہیں اپنی نیند پیاری ہے۔'' اماں غصے سے بے قابو ہو کر چلائیں۔

''ہاں، ہاں! میں جلاد ہوں، دشمن ہوں ان سب کی، تم میری اولاد کو میرے خلاف بھڑکاتی ہو اماں تب ہی بچے تمہارے دیوانے ہیں، مجھے کچھ نہیں سمجھتے، مجھ سے زیادہ تم سے پیار کرتے ہیں۔''

''ارے، ارے کیا بک رہی ہو، پاگل ہو گئی ہو کیا؟ میں کیوں بھڑکاؤں گی، تیرے دماغ میں خناس بھرا ہے رقیہ......تب ہی الٹی باتیں سوچ رہی ہے۔''

''غلط نہیں سوچتی میں، تم ہمارے بیچ میں آکر فاصلے بڑھا رہی ہو، ہر کام میں برائی، ہر بات میں تنقید، یہ کرد، یہ نہ کرد۔ بچوں کو کھلانا، پلانا، نہلانا، سلانا سب تم کیوں کرتی ہو......؟ مجھے میرے بچوں سے دور کر رہی ہو تم، ہمیں کیوں خود کچھ کرنے نہیں دیتی......؟ کیوں ہر بات میں ٹانگ اڑا دیتی ہو، چھوڑ کیوں نہیں دیتی ہم لوگوں کو۔ تم دوریاں بڑھا رہی ہو......؟ کیوں فاصلے پیدا کر رہی ہو۔ میرے بچے ہر بات تم سے کرتے ہیں؟ تمہیں مجھ سے زیادہ پیار کرتے ہیں۔'' رقیہ نے کئی دن کی بھڑاس دل بھر کے نکالی اور اماں آنکھیں پھاڑے مُنہ کھولے اس کی زبان سے نکلے ہوئے ایک، ایک لفظ کا زہر اپنے اندر اتارتی چلی گئیں۔ کتنا غلط سوچ رہی تھی وہ ان کے پیار کو کتنا غلط رنگ دے رہی تھی۔ محبت کو فتنہ اور فساد سمجھ رہی تھی۔ کتنی ناداں تھی۔

''اچھا ٹھیک ہے...... اگر تم یہ سمجھتی ہو تو آج کے بعد تمہارے اور تمہارے بچوں کے درمیان نہیں آؤں گی، یہ تمہارے بچے ہیں، اللہ پاک ان سب کو تمہارے لیے راحت اور سکون کا ذریعہ بنائے۔ تم جیسے چاہے اور جس طرح مناسب سمجھو اپنے بچوں کو پالو، میں اپنی محبت کے ہاتھوں مجبور تھی لیکن اب...... اب میں کچھ نہیں بولوں گی۔'' اماں کی بوڑھی آنکھوں میں آنسو آگئے وہ سر جھکائے کمرے سے چلی گئیں۔ شور د پکار سے معصوم بچہ سہم گیا تھا۔

''ہونہہ، دیکھتی ہوں میں بھی کتنا عمل کرتی ہو اپنے کہے پر۔'' رقیہ نے بڑبڑاتے ہوئے دوبارہ سے

کروٹ بدل لی اور اس کی آنکھ لگ گئی۔

''اماں، اماں جلدی اٹھو، دادی کہیں چلی گئی ہیں......'' سلیم نے بری طرح جھنجوڑا تو رقیہ ہڑ بڑا کر اٹھ بیٹھی۔

''ارے بھئی! کہاں گئی ہوں گی' یہیں ہوں گی پڑوس میں۔'' رقیہ نے جھنجلا کر کہا۔

''نہیں اماں! میں نے سب جگہ دیکھ لیا ہے، محلے میں نہیں ہیں۔ ہم لوگ سو کر اٹھے تو دادی نہیں تھیں۔'' سلیم، گڈو تو رونے والے تھے۔

''ارے بھئی حمیدہ خالہ کے گھر گئی ہوں گی، آ جائیں گی شام تک......'' وہ بیزاری سے کہہ کر اٹھی۔ ظہر کی نماز کا وقت ہونے لگا تھا۔ بچے ایسے ہی گندے سندے پھر رہے تھے۔

''اماں، اماں گڈو نے میری کاپی پھاڑ دی۔'' اس لمحے سلیم چلاتا ہوا آیا اس کے پیچھے، پیچھے گڈو بھی تھا۔

''جھوٹ مت بولو، میں تو مٹا رہا تھا وہ خود پھٹی ہے۔'' گڈو بھی بولا۔

''بکواس کرتا ہے تو جھوٹا ہے۔'' سلیم نے اس کو مکا جڑ دیا۔

''میرا کام اچھا تھا، اس لیے تم کو جلن ہو رہی تھی۔''

''نہیں اماں......'' گڈو کمر پکڑ کر رونے لگا۔

''دادی مناتی ہیں تو کبھی نہیں پھٹتا۔'' سلیم چلایا۔

''چپ کرو دونوں اپنی بک، بک، ٹجو اٹھ جائے گا تم دونوں پڑھائی بند کرو میں نہانے جا رہی ہوں تم دجو کو سنبھالو۔'' الماری سے کپڑے نکال کر رقیہ نے پلٹ کر دونوں کو گھر کا۔

''دادی، دادی دودھ کی بوتل۔'' اتنے میں ٹجو نے کسمسا کر کروٹ لی اور بنا آنکھیں کھولے نعرہ لگایا۔ رقیہ، ٹجو کے لیے دودھ کی بوتل لے کر آئی، بچوں کو کپڑے بدلوانا، نہلانا، دودھ دینا یہ سب کام کا تو رقیہ کو پتا بھی نہیں چلتے تھے سب کچھ اماں ہی کر لیتی تھیں۔ نہا کر آئی تو سلیم اور گڈو کو بھوک لگ گئی۔

''توبہ ہے بھئی، تم لوگ بھی عذاب ہو عذاب......'' جھنجلا کر چائے اور پاپے سامنے لا کر رکھ دیے۔

''اماں یہ کیا...... دادی روزانہ ہمیں پراٹھے بنا کر دیتی ہیں، نہیں کھایا جاتا ہم سے یہ۔'' گڈو نے پلیٹ سرکا کر منہ بنا لیا۔

''چپ کر کے کھالو، افطار کر لینا اچھا سا۔'' رقیہ نے آنکھیں نکال کر ڈرایا تو بچے منہ بسورنے لگے۔ رقیہ نماز پڑھنے کھڑی ہوئی تھی کہ ناک میں جلنے کی تیز بو آئی چولھے پر چھولے چڑھائے تھے۔ گلنے کے لیے جیسے تیسے سلام پھیر کر باورچی خانے کی طرف بھاگی تب تک وہ جل کر راکھ ہو چکے تھے۔

''کمبختو! تم لوگوں کو لڑائیوں سے فرصت نہیں ملتی، بدبو نہیں آئی جلنے کی سارے چھولے جل کر راکھ ہو گئے۔'' غصہ بچوں پر اتارا۔

''اماں ہمیں کیوں ڈانٹ رہی ہو ہمیں کیا پتا، آپ سوتی رہتی ہو اس ٹائم، دادی کرتی ہیں یہ کام تو۔'' گڈو نے چائے کا گھونٹ لیتے ہوئے کہا وہ گھور کر رہ گئی۔ شام تک بچوں نے زندگی عذاب کر دی۔ دادی، دادی کی رٹ لگائے رکھی۔ کبھی دادی اتنی دیر کے لیے کہیں نہیں گئیں۔ حمیدہ خالہ کے گھر بھی دو تین گھنٹوں سے زیادہ نہ گزارتی تھیں۔ سارا دن گزر گیا تھا۔ بچے دادی کی کمی کو شدت سے محسوس کر رہے تھے۔ رقیہ کو کب عادت تھی گھر کے کاموں کے ساتھ، ساتھ بچوں کی ذمے داریاں سنبھالنے کی وہ بھی ہلکان ہو گئی۔

''اماں کو لے آؤ جا کر خواہ مخواہ ہی بھاؤ دکھا رہی ہیں، بھلا میں نے ایسا کیا کہہ دیا کہ یوں دماغ خراب کر کے بنا بتائے جا بیٹھی ہیں حمیدہ خالہ کے گھر ہی ہوں گی اور کہاں جائیں گی بھلا...... یوں بچوں کی طرح حرکتیں زیب دیتی ہیں بھلا......'' افطاری کے بعد وہ ناصر سے کہنے لگی۔

''چپ کرو رقیہ! تم بھی بہت بولتی ہو، مجھے پتا ہے میں گیا تھا دن میں حمیدہ خالہ کے یہاں کیونکہ ان کا فون آیا تھا انہوں نے اماں سے چھپ کر میرے پڑوس والی دکان میں فون کر کے بتایا اور مجھ سے بات کی کہ

اماں سخت ناراض ہیں انہوں نے آنے سے منع کر دیا ہے۔'' ناصر نے کہا اس کا لہجہ تھوڑا تلخ تھا۔

'' ہونہہ، بہت غصہ دکھا رہی ہیں، دیکھتی ہوں میں بھی کب تک دکھاتی ہیں غصہ، بڑا پیار کرتی ہیں ناں اپنے لاڈلوں سے؟ پھر اتنا غصہ کس لیے بھلا......؟ وہ کیا سمجھتی ہیں ان کے بغیر بچے یا گھر نہیں چل سکتا۔'' رقیہ کو مزید غصہ آ گیا۔ کہنے کو تو رقیہ نے کہہ دیا مگر دو دن میں اسے اندازہ ہو گیا کہ یہ گھر اماں کے بنا نہیں چل سکتا۔ بچوں نے جینا حرام کر دیا تھا۔ گڈو کو بخار آ گیا تھا۔ سلیم بالکل چپ ہو گیا تھا۔ وجو اور شجو الگ ریں، ریں کر رہے تھے، دادی، دادی کی رٹ لگا کر رقیہ کا دماغ خراب کر رہے تھے۔ گزشتہ دو دنوں میں بچے کئی بار پٹ چکے تھے۔

گڈو، شجو اور وجو کو پڑوس میں چھوڑ کر وہ دوپہر کو سلیم کو لے کر ناصر کو بنا بتائے حمیدہ خالہ کی طرف چل پڑی۔ حمیدہ خالہ اسے دیکھ کر خوش ہو گئیں جبکہ اماں نے سلام کا جواب بھی سرسری انداز میں دیا۔ حتیٰ کہ سلیم کو دیکھ کر کسی قسم کے والہانہ پن کا اظہار بھی نہ کیا۔

'' اماں! گھر چلو!'' رقیہ نے لٹھ ماری۔

'' گھر......؟ کون سے گھر......'' اماں نے نظریں ترچھی کر کے اس کی جانب دیکھا۔

'' تمہارے بیٹے کا گھر اور کون سا گھر......؟'' وہ گڑبڑا کر بولی۔

'' نہیں رقیہ......! وہ گھر تمہارا اور تمہارے بچوں کا ہے جہاں میں منفی کردار نبھا رہی ہوں اور میں نہیں چاہتی تھی کہ میں بیچ میں آ کر تمہارے اور تمہارے بچوں کے درمیان فاصلے پیدا کروں۔ میں نے بیچ سے ہٹ کر تمہیں تمہارے بچوں کے قریب ہونے کا موقع دیا ہے۔ اس لیے اب دوبارہ نہیں آؤں گی۔ میں یہاں پر خوش ہوں اور تم اپنے بچوں کے ساتھ خوش رہو۔ یہاں آنے کا احسان کرنے کا شکریہ......'' اماں نے نہایت بیزاری سے بات مکمل کی اور اٹھ کر کھڑی ہو گئیں۔

'' ہائیں......!'' رقیہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اماں یوں سنگدلی سے صاف انکار کر دیں گی۔

'' دادی، دادی......'' انہیں اندر جاتا دیکھ کر سلیم ان کی طرف لپکا......'' اماں، دادی کو لے کر چلو۔'' وہ رونے لگا۔ اماں کا دل تڑپ گیا مگر انہوں نے پلٹ کر دیکھا بھی نہیں اور دوسرے کمرے کی طرف بڑھ گئیں۔

'' سلیم گھر چلو!'' رقیہ نے کھڑے ہو کر اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا۔

'' اماں نہیں...... دادی...... دادی۔'' سلیم رونے لگا مگر رقیہ اسے گھسیٹتی ہوئی گھر سے باہر لے آئی۔ رقیہ کے گھر سے نکلتے ہی اماں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔ اماں کی بھی کوئی عزت تھی، انا تھی، گزشتہ آٹھ سالوں میں ایک دن بھی بہو کو نیند سے نہ جگایا تھا۔ اس کی ہر ضرورت کا وقت سے پہلے خیال رکھا، چاروں بچوں کی پیدائش پر سوا، سوا مہینے پلنگ پر بٹھا کر اپنے ہاتھ سے کھانا کھلایا۔ بچوں کی بیماری میں خود رات، رات بھر جاگتی تھیں۔

نمکین غزل

ہمارا ایک ہی تصب العین ہے
کیونکہ میری ایک آنکھ عین دوسری غین ہے

ہاتھی دانت اتنے لمبے کیوں ہوتے ہیں
مفکر سوچ کر برسوں سے بے چین ہے

جن کی بیویاں شکی مزاج ہوتی ہیں
یہی تو ان کی قسمت کی وین ہے

ملکی حالات پر غور کرنا پاگل پن کی علامت ہے
اسی لیے تو پاگلوں کا سردار میرا فین ہے

لوگوں کی منفی سوچ نے ہلا ڈالا ہے نزی
پھر بھی ہم نے ڈالا نہیں کوئی بین ہے

شاعرہ: نازیہ نزی...... نوشہرہ کینٹ

سلیم سارا راستہ روتا ہوا آیا۔ سب خوش تھے کہ دادی آجائیں گی مگر دادی کو نہ دیکھ کر گھر میں پھر سے اودھم بازی ہونے لگی۔ ناصر بیچارہ الگ پریشان تھا، اس بار اماں نے بھی ضد پکڑلی تھی۔ عید سر پر تھی اور گھر کا حال برا تھا، نہ ڈھنگ کی تیاری اور نہ کوئی کھانا کبھی تھی۔ گھر تھا کہ بکھرا پڑا تھا۔

اِدھر عید کا چاند نظر آیا اُدھر رقیہ کو بری طرح رونا آگیا۔ ہر سال اماں عید کا کتنا اہتمام کرتی تھیں۔ رقیہ کے ساتھ مل کر گھر کی صفائیاں کرتیں، شیر خورے کی تیاری خود اپنے ہاتھ سے کرتیں۔ بچوں کو گھمانے لے جاتیں، ناصر اور رقیہ کو بازار بھجواتیں اور اپنے ہاتھوں سے رقیہ کے ہاتھوں پر مہندی لگاتیں۔ ایک، ایک بات یاد آرہی تھی، رقیہ کا دل بھر آیا تھا۔ باہر خوب رونق لگی تھی۔ بچے بہت اداس تھے تو ناصر ان کو لے کر بازار چلا گیا تاکہ بچے کچھ بہل جائیں۔ اکیلے گھر میں رقیہ کا دل اور گھبرانے لگا...... کسی کام میں دل نہیں لگ رہا تھا اماں کے بنا ایک کمی تھی۔ اس بار اماں کے ہاتھوں سے سلا عید کا جوڑا بھی نہیں تھا۔ وہ کل کیا پہنے گی وہی پرانے کپڑے۔

☆☆☆

''اماں......'' بے ساختہ اس کے منہ سے نکلا اور وہ سسک پڑی۔ ''میں اکیلی ہوں اماں آجاؤ...... تمہارے بغیر میری عید، عید نہیں...... میرا گھر ویران ہے۔'' وہ تکیے میں منہ دیے سسک رہی تھی۔ تب ہی کسی نے پیچھے سے کاندھے پر ہاتھ رکھا۔

''اٹھ پگلی! چاند رات کو خوشیاں مناتے ہیں یوں روتے نہیں...... تو اکیلی نہیں ہے، تیری اماں ہے تیرے ساتھ۔'' وہ چونک کر اٹھی تو سامنے نم نم آنکھیں لیے اماں کھڑی تھیں۔

''اماں...... اماں مجھے معاف کردو اماں...... میں نے غلط سوچا، غلط کہا اس گھر کو، میرے بچوں کو تمہاری ضرورت ہے اماں...... ہم تمہارے بغیر کچھ نہیں، نہ یہ گھر، گھر ہے، نہ رونق ہے اور نہ ہی خوشیاں، ہم بہت اداس ہیں تمہارے بنا، نہ ہماری چاند رات ہے اور نہ ہی ہماری عید...... دیکھو تو میرا اپنا جوڑا بھی نہیں ہے۔'' وہ زار و قطار روتی ہوئی اماں سے لپٹ کر بولے جا رہی تھی۔

''ارے پگلی! چپ کر جا، ایسے کیسے ہوسکتا ہے کہ تیری ماں ہو اور تو نئے کپڑے نہ پہنے دیکھ! تیرے لیے اپنے ہاتھوں سے کپڑے سی کر لائی ہوں اور یہ تیرے لیے مہندی جو اپنے ہاتھوں سے گھول کر تیرے ہاتھوں پر لگاؤں گی۔'' اماں نے ہاتھ میں پکڑے شاپر سے نیا جوڑا اور سوکھی مہندی کا ڈبا نکال کر اس کو دکھایا۔

''اماں تم کتنی اچھی ہو...... اور میں کتنی پاگل اور بے وقوف ہوں تمہارے بغیر تو میں مر ہی......''

''چپ کر، بک، بک بند کر اپنی...... ایک لفظ بھی نکالا تو زبان کھینچ کر ہاتھ پر رکھ دوں گی۔'' اماں اپنی پرانی جون میں واپس آئیں تو رقیہ روتے، روتے ہنس دی۔

''چل اب ہم دونوں مل کر پہلے گھر کی صفائی کریں گے۔ پھر تو بازار جا کر ناصر کے ساتھ چوڑیاں پہن کر آنا پھر میں اپنے ہاتھوں سے تجھے مہندی لگاؤں گی۔ اور میرے بچے کہاں ہیں......؟'' اچانک اماں نے چاروں طرف دیکھا۔

''میری پیاری اماں۔'' رقیہ نے اماں کے پچکے گال چوم لیے۔ اسی لمحے ناصر بچوں کو لے کر داخل ہوا تو اندر کا منظر دیکھ کر چکرا گیا جیسے سب خواب ہو خود کو نوچ، نوچ کر حقیقی دنیا میں واپس آیا۔

''دادی، دادی......'' بچے دیوانہ وار دادی کی طرف دوڑ کر اُن کی بانہوں میں سما گئے۔ اماں نے بچوں کے ساتھ، ساتھ آگے بڑھ کر ناصر اور رقیہ کو بھی بانہوں میں بھر لیا۔ اماں کے کمزور وجود میں سما کر سب کے چہروں پر سکون اتر آیا۔ کتنے دنوں بعد آج گھر، گھر لگ رہا تھا مکمل اور آسودہ...... چاند رات اور عید کی رونقیں بڑھ گئی تھیں ناصر محبت پاش نظروں سے رقیہ کے مطمئن چہرے کی طرف دیکھ رہا تھا جو شاپر سے اپنا عید کا جوڑا نکال کر اسے دکھا رہی تھی۔

حور کے پہلو میں

رضوانہ پرنس

"امی پلیز میں کوئی چائے وائے نہیں بنا رہی' میرا کچن میں جانے کا ذرا سا بھی موڈ نہیں ہو رہا۔" علینا کے لہجے میں اتنی بیزاری تھی کہ ہاجرہ بس اس کا منہ دیکھ کر رہ گئیں لیکن آنکھوں میں چھپی خفگی بتا رہی تھی کہ وہ اس سے ناراض ہو گئی ہیں اور ہاجرہ کے اس انداز سے علینا اچھی طرح واقف تھی تبھی وہ ایک ٹھنڈی سانس لے کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"اچھا بنا رہی ہوں چائے لیکن امی مجھے سمجھ میں نہیں آتا کہ اتنی شدید گرمی میں آخر شرجیل بھائی کو سوجھتی کیا ہے



گھر سے نکلنے کی ادراگر خیر خیریت سے ہمارے یہاں پہنچ بھی جاتے ہیں تو کم از کم بیچاری گری کی عزت کا خیال کر کے چائے تو نہ مانگا کریں۔'' اس کی آواز خاصی اونچی تھی ہاجرہ نے گھبرا کر دروازے کی جانب دیکھا۔

''کم بخت ایک تو اپنے گلے میں بھونپو فٹ کیا ہوا ہے۔ ذرا شرم نہیں آتی کہ مہمان سن لے گا۔'' لفظ ''بھونپو'' پر علینا کو بے اختیار ہنسی آگئی جسے چھپاتے ہوئے وہ کچن میں چلی آئی۔ اتنی گرمی میں چائے بنانا اسے شدید کوفت سے دوچار کررہا تھا۔ اگر امی اس وقت گھر پر نہ ہوتیں تو وہ شرجیل بھائی کو دروازے سے ہی رخصت کر دیتی۔

''پتا نہیں کیوں وقت بے وقت منہ اٹھائے چلے آتے ہیں۔'' بڑبڑاتے ہوئے اس نے چائے کا پانی چولھے پر رکھا۔

''کیا ہوا بھئی تمہارا موڈ اس وقت کافی آف لگ رہا ہے؟'' شرجیل کی آواز پر وہ اچھل ہی پڑی۔

''اُفوہ شرجیل بھائی، آپ تو ڈرا ہی دیتے ہیں۔'' اس نے خفگی سے انہیں گھورا۔

''دراصل میں یہ کہنے آیا تھا کہ چائے کا تکلف مت کرو۔ میں بس جا رہا ہوں۔'' شرجیل کا لہجہ بتا رہا تھا کہ اس نے علینا کی باتیں سن لی ہیں۔ وہ دل ہی دل میں خوش ہوگئی۔

''تم روٹھے ہم چھوٹے۔ کاش آپ بہت عرصے کے لیے ناراض ہو جائیں۔'' یہ سب اس نے دل میں سوچا تھا لیکن بظاہر بہت معصومیت سے پوچھا۔

''آپ اتنی جلدی جا رہے ہیں۔ امی نے تو آپ کے لیے چائے بنانے کو کہا تھا۔''

''اصل میں مجھے خوف ہے کہ کہیں چائے کی پتی کے بجائے تم پیالی میں زہر ہی نہ ڈال دو، میں اپنے امی اور ابو کا اکلوتا بیٹا ہوں۔ مر گیا تو وہ بھی بے موت مارے جائیں گے۔'' چہرے پر مظلومیت کا کافی اچھا تاثر سجایا تھا شرجیل نے۔ وہ بری طرح تپ گئی۔

''ویسے آئیڈیا بہت اچھا دیا ہے آپ نے۔ آئندہ میں بہترین کوالٹی کا زہر منگوا کر رکھوں گی تاکہ آپ کو مرنے میں زیادہ دیر نہ لگے اور میں بھی انتظار کی زحمت سے بچ جاؤں۔''

''چلو خیر اب چائے بنا ہی دو۔ باتوں میں چائے کا پانی کھولنے لگا ہے بالکل تمہارے مزاج کی طرح۔'' وہ بہت اطمینان سے کہتا ہوا واپس پلٹ گیا۔

''اللہ کی قسم اس وقت تو میرا دل چاہ رہا ہے کہ میں یہ چائے کا پانی آپ کے سر پر ڈال دوں۔'' اس نے دانت پیس کر باہر جاتے ہوئے شرجیل کی طرف دیکھا جسے ہاجرہ بہت محبت سے پکار رہی تھیں۔

☆☆☆

''پتا نہیں ان ڈائجسٹوں اور ٹی وی کے ڈراموں میں ہیروئن کے کزنز اتنے ہینڈسم کیسے ہوتے ہیں۔ اللہ کی قسم میں تو اس معاملے میں بہت ہی غریب ہوں۔'' اس نے بہت حسرت سے سامنے ٹی وی اسکرین پر چلتے ہوئے ڈرامے کو دیکھتے ہوئے اریبہ کو مخاطب کیا تو وہ بے اختیار ہنس دی۔

''علینا خدا کے لیے تم اپنے کزنز کا مقابلہ افسانوں اور ڈراموں کے ہیروز سے کرنا چھوڑ دو۔ اپنے آپ کو افسانوی دنیا سے نکال کر دیکھو تو تمہیں اپنے اردگرد کے لوگ خود بخود اچھے لگنے لگیں گے۔'' اریبہ کی یہ نصیحت اسے ذرا بھی نہ بھائی۔ اس نے بہت خفگی سے اسے دیکھا۔

''یہ تم بات بے بات مجھے افسانوں اور ڈراموں کا طعنہ کیوں دینے لگتی ہو۔ یہ نالفتا میرے اپنے خیالات اور احساسات ہیں۔ مجھے اللہ نے حسن پرست بنایا ہے تو پھر بھلا میں کیسے شرجیل بھائی جیسے کزن کو برداشت کروں جو ہر وقت میری جان کو آئے رہتے ہیں۔''

''بری بات ہے علینا کسی کا ذکر یوں حقارت سے نہیں کرنا چاہیے۔ شرجیل بھائی اب اتنے برے بھی نہیں ہیں۔'' اریبہ نے فوراً ہی اسے ٹوکا۔

''ہاں اتنے برے بھی نہیں ہیں بس رنگ گہرا سانولا ہے۔ آنکھیں بھی غور سے دیکھنے پر نظر آ ہی جاتی ہیں اور ناک کی چوڑائی نہ پوچھیے ایسا لگتا ہے کہ.....''

''بس کر دو علینا۔'' بے اختیار اریبہ نے اس کا جملہ پورا ہونے سے قبل ہی اسے ٹوکا تھا۔ ''میں مانتی ہوں تمہیں شرجیل بھائی پسند نہیں ہیں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ

تم ان کی شکل صورت کا یوں مذاق اڑاؤ۔ اچھی خاصی نرم دل لڑکی ہو تم پھر شرجیل بھائی کے لیے اتنی بے رحم کیوں ہو جاتی ہو؟'' اریبہ کے لہجے میں ٹھیک ٹھاک غصہ تھا۔ علینا کچھ کھسیا سی گئی۔

''میں کیا کروں اریبہ؟ مجھے وہ ذرا بھی اچھے نہیں لگتے۔ مجھے ان کی کچھ کہتی ہوئی آنکھوں سے شدید الجھن ہوتی ہے۔ ان کی باتوں میں چھپے اُن کے جذبات میں اچھی طرح سے سمجھتی ہوں اریبہ پھر مجھے اُن سے چڑ نہ ہو تو کیا ہو؟'' اس نے بہت الجھے ہوئے انداز میں اپنی صفائی پیش کی۔

''ہاں اس بات کو تو میں نے بھی محسوس کیا ہے۔ شرجیل بھائی کی خاموش محبت کچھ نہ کہتے ہوئے بھی جیسے سب کچھ کہہ جاتی ہے۔ اس دن تمہاری سالگرہ پر تمہاری اتنی بے اعتنائی، اتنی بے رخی کو محسوس کرتے ہوئے بھی انہیں اپنی آنکھوں پر اختیار نہ تھا۔ ان کی نظریں بھٹک کر بس بار بار تمہارے ہی چہرے پر رک رہی تھیں۔'' اریبہ کی بات پر علینا شرارت سے ہنس دی۔

''ہائے اریبہ کتنے افسانوی سے جملے ہیں تمہارے۔ کاش شرجیل بھائی کی جگہ اگر یہ ظالم ہوتا تو ان جملوں میں کتنی خوب صورتی سمٹ آتی۔'' وہ ٹی وی اسکرین کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی تھی جس میں ہینڈسم سا ہیرو کزن کے روپ میں ہیروئن کو زمانے سے ٹکرانے پر اکسا رہا تھا۔

''سدھر جاؤ علینا۔ یہ شکل صورت سب ثانوی چیزیں ہیں۔ سچی محبت نصیب والوں کو ملتی ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قول نہیں سنا تم نے کہ زندگی، اس کے لیے مت گزارو جس کے لیے تم زندہ ہو بلکہ زندگی اس کے لیے گزارو جو تمہاری وجہ سے زندہ ہے۔'' اریبہ نے بڑے خوب صورت قول کے ساتھ اسے سمجھانے کی کوشش کی تو وہ کچھ جھنجلا سی گئی۔

''افوہ اریبہ یہ تم شرجیل بھائی کی اتنی وکالت کیوں کر رہی ہو چلو میں تائی امی سے کہہ کر اُن کا رشتہ تمہارے لیے بھجواتی ہوں، کیا تم یہ رشتہ قبول کر لوگی؟ یہ نصیحتیں اور اقوال تم اپنے اوپر بھی تو لاگو کر کے دیکھو۔'' اس کے طنز کو اریبہ نے بڑے تحمل سے برداشت کیا تھا۔

''ان اقوال کو سمجھنے کے لیے بہت گہرائی میں جانا پڑتا ہے اور تم بالکل سطحی ذہن کی مالک ہو اور دوسری بات یہ کہ مجھے اس رشتے پر ہرگز کوئی اعتراض نہ ہوتا لیکن ان کے دل میں تم ہو، میں نہیں۔ بس یہی انکار کی وجہ بنتی ہے۔'' اریبہ نے بہت ٹھہرے ہوئے انداز میں اس کے طنز کا جواب دیا تھا لیکن دہکتے ہوئے شعلوں کی حدت علینا نے اس کے ہر لفظ میں محسوس کی تھی۔

☆☆☆

''امی آپ نے مجھے بلایا؟'' اس نے دروازے سے ہی پکار کر پوچھا تو ہاجرہ نے سر کے اشارے سے اثبات میں سر ہلا دیا۔ وہ طوعاً و کرہاً اندر چلی آئی۔ اتنا مزے دار ایوارڈ شو آ رہا تھا جب فواد نے آکر اسے امی کے بلانے کی اطلاع دی تھی۔

''افوہ فواد، امی سے کہہ دو میں تھوڑی دیر میں آؤں گی بس بریک ہونے ہی والی ہے۔''

''نہیں باجی، امی نے آپ کو فوراً بلایا ہے۔'' وہ عجلت میں کہتا ہوا لاؤنج سے باہر نکل گیا تھا اور اس وقت کمرے میں امی کے پہلو سے وہ لگا بیٹھا یقیناً اسی کا منتظر تھا۔ علینا کا ماتھا ٹھنکا، یقیناً کوئی خاص بات تھی جس کی گواہی فواد کی آنکھوں کی چمک اور ہونٹوں میں دبی شرارتی سی مسکراہٹ دے رہی تھی۔ وہ کچھ تجسس سے امی کے نزدیک آکر بیٹھ گئی۔

''سب خیریت تو ہے ناں امی؟'' اس نے سوالیہ نظروں سے ماں کی جانب دیکھا۔

''ہاں۔ ہاں، سب ٹھیک ہے بس تمہیں بتانا تھا کہ کل شام شہزاد بھائی اور رابعہ بھابی آ رہے ہیں ہمارے گھر تمہارا رشتہ لے کر۔'' اُن کا یہ جملہ بم بن کر جیسے اس کے پرخچے اڑا گیا۔

''میرا رشتہ لے کر؟'' اس نے ناقابلِ یقین نظروں سے ماں کو دیکھا۔

''ظاہری بات ہے اب وہ شرجیل بھائی کے لیے

میرا پروپوزل تو لانے سے رہے۔'' پندرہ سالہ فواد نے ہنستے ہوئے اسے چھیڑا تو وہ بپھر ہی اٹھی۔

''اپنے بے تکے مذاق اپنے پاس ہی رکھا کرو بدتمیز۔ ورنہ مجھ سے مار کھاؤ گے۔'' وہ اتنی زور سے چلائی کہ فواد کی ہنسی کو بریک لگنے میں ایک لمحہ بھی نہیں لگا تھا۔ ہاجرہ نے گہری نظروں سے اس کے غصے سے تمتماتے ہوئے چہرے کی طرف دیکھا۔

یہ تو وہ بھی جانتی تھیں کہ اُن کی حسن پرست اور خود پسند بیٹی کو شرجیل اپنے رنگ اور معمولی نقوش کی وجہ سے نہیں بھاتا ہے اور اس رشتے کی بات سن کر وہ ضرور اپ سیٹ ہوگی لیکن اس کے اتنے شدید ری ایکشن کی انہیں توقع نہیں تھی۔

صبح جب رابعہ بھابی نے فون پر اپنے آنے کی اطلاع دیتے ہوئے اپنا مدعا بھی بیان کیا تھا تو ہاجرہ نے فوراً ہی شارجہ فون کر کے اپنے شوہر کو اس خبر کی اطلاع دیتے ہوئے علینا کی مرضی کے متعلق اپنے خدشات کا اظہار بھی کیا تھا لیکن ارشد نے ان کی بات کو سنجیدگی سے نہیں لیا تھا۔

''افوہ ہاجرہ تم بھی کمال کرتی ہو۔ ارے علینا ابھی نادان ہے، کم عقل ہے۔ اس عمر میں لڑکیاں افسانوی دنیا میں رہتی ہیں۔ انہیں شوہر کے روپ میں ایک ہیرو چاہیے ہوتا ہے۔ وہ شکل صورت اور پرسنالٹی کو لڑکے کے کردار، اس کی نیچر اور اس کے برائٹ فیوچر پر زیادہ فوقیت دیتی ہیں لیکن شادی ہو جانے کے بعد وہی عام سی صورت والا شوہر انہیں جی جان سے پیارا ہو جاتا ہے۔'' انہوں نے اپنے خیالات کا اظہار اتنے اعتماد سے کیا کہ وہ مزید بحث کر ہی نہیں سکیں۔

''دیکھو ہاجرہ میرے پاس بھی کل شہزاد بھائی کا اس سلسلے میں فون آیا تھا، بھئی مجھے تو دل سے خوشی ہوئی۔ شرجیل اپنا خون ہے، ہم بچپن سے اسے دیکھ رہے ہیں۔ کتنا باادب، تمیزدار اور کیئرنگ نیچر کا لڑکا ہے وہ۔ جاب بھی اسے کتنی اچھی مل گئی ہے۔ آگے بھی ترقی کے شاندار چانسز ہیں۔ ہماری علینا اپنے تایا، تائی کی کتنی چہیتی ہے کتنی چاہ سے وہ اسے مانگ رہے ہیں۔ ہمیشہ خوش رہے گی میری بچی۔ میں تو تصور بھی نہیں کر سکتا ان لوگوں کو انکار کرنے کا۔'' آخری جملہ کہتے ہوئے وہ خاصے جذباتی سے ہو گئے۔ اُن کا اتنا لمبا لیکچر سننے کے بعد ہاجرہ کے پاس سوائے ان کی ہاں میں ہاں ملانے کے اور کوئی چارہ نہیں رہا تھا۔

ویسے بھی ان کے شوہر پرائے دیس میں صرف انہی لوگوں کے آرام و آسائش اور خوشیوں کی خاطر اپنی فیملی سے دور تنہائی کا دکھ جھیلتے ہوئے شارجہ میں ایک بڑی فرم میں اچھی پوسٹ پر تھے۔ یہ جاب انہیں پچھلے سال ہی اپنے ایک دوست کے توسط سے ملی تھی۔ بچوں کی پڑھائی ڈسٹرب ہو جانے کے خیال سے فی الحال وہ ان لوگوں کو اپنے پاس نہیں بلا پا رہے تھے لیکن علینا کے رشتے کی بات کے بعد اب ان کا پورا ارادہ ہو رہا تھا کہ وہ بیٹی کی رخصتی کر کے بیوی اور بیٹے کو اپنے پاس بلا لیں گے۔ لیکن اس وقت علینا نے رو، رو کر اپنا جو حشر کیا ہوا تھا وہ ہاجرہ کے ہوش اڑائے دے رہا تھا۔

''امی پلیز کوئی بھی بہانہ کر کے تائی امی کو منع کر دیں یہاں آنے سے۔'' وہ روتے ہوئے بار، بار یہی تکرار کیے جا رہی تھی اور ہاجرہ کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کریں تو کیا کریں۔ شہزاد بھائی کو آنے سے منع کرنا گویا اپنی ازدواجی زندگی کو داؤ پر لگانا تھا۔ ارشد شاید انہیں اور علینا کو کبھی معاف نہیں کرتے اور دوسری طرف بیٹی کے بے بس آنسو انہیں اپنے دل پر گرتے ہوئے محسوس ہو رہے تھے۔

ذاتی طور پر تو انہیں بھی شرجیل بہت پسند تھا۔ کتنی محبت اور اپنائیت تھی اس کی طبیعت میں۔ علینا کو دیکھ کر اس کی آنکھوں میں جو چراغ جل اٹھتے تھے وہ بھی ان سے ڈھکے چھپے نہیں تھے۔'' پتا نہیں علینا کو اس سادہ اور پُرخلوص شخص سے اتنی نفرت کیوں ہے۔'' انہوں نے بہت تاسف سے سسکیاں لیتی ہوئی علینا کی جانب دیکھا۔

''علینا اگر تم ٹھنڈے دل سے سوچو تو خوش قسمتی خود تمہارے دروازے پر دستک دینے آ رہی ہے اور.....'' ان کا جملہ پورا ہونے سے قبل ہی وہ چیخ اٹھی۔

"امی پلیز یہ خوش قسمتی نہیں بلکہ ایک بلا ہے جو دستک دیے بغیر میری خوشیوں کو کھانے ہمارے گھر آ رہی ہے۔ میں مر جاؤں گی امی اگر آپ نے ہاں کر دی۔"

"یا اللہ میں کیا کروں!" ہاجرہ نے بہت بے بسی سے اپنے ماتھے پر ہاتھ مارا۔ تبھی لاؤنج میں رکھے فون کی تیز بجتی ہوئی گھنٹی نے جیسے خود ہی اس مسئلے کا حل سنا دیا تھا۔

☆☆☆

"باجی یہ سب آپ کی بددعاؤں کی وجہ سے ہوا ہے۔" فواد نے بہت شکایتی نظروں سے علینا کی جانب دیکھا۔

"ارے واہ...... بھلا اس حادثے کا مجھ سے کیا تعلق۔ میں نے تو محض اس رشتے سے انکار کیا تھا جو کہ میرا حق ہے۔" اس کے لہجے میں ہٹ دھرمی تھی۔

"آپ جس طرح بین کر رہی تھیں وہ بددعا کا ہی ایک روپ تھا۔" وہ ہنوز اپنی بات پر قائم تھا۔

"زیادہ بکواس کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تمہارا مطلب ہے کہ اگر میں خوشی خوشی ہاں کر دیتی تو اُن کا ایکسیڈنٹ نہیں ہوتا اور اپنے حق کے لیے آواز اٹھانے کو بددعا نہیں کہتے سمجھے تم۔" علینا نے سختی سے اسے ڈانٹا۔

"اس وقت حق وق کی بات مت کیجیے اور شرجیل بھائی کے لیے دعا کریں۔ امی نے ابھی فون پر بتایا ہے کہ کافی چوٹیں آئی ہیں۔" فواد نے ناگواری سے اسے ٹوکا۔

"نہ وہ میری بددعاؤں سے زخمی ہوئے ہیں اور نہ ہی میری دعا اُن کو لگے گی۔ ان سب چیزوں کا تعلق احساس اور محبت سے ہوتا ہے اور میرے دل میں ان کے لیے ایسا کوئی جذبہ ہے ہی نہیں۔" وہ غصے سے کہتی ہوئی اپنے کمرے میں چلی گئی۔ فواد نے بہت تاسف سے اسے جاتے ہوئے دیکھا تھا۔

☆☆☆

وہ ایک لمحے کو تو حیرت سے گنگ ہی رہ گئی۔ بہت ہی ناقابلِ یقین نظروں سے اس نے ماں کو دیکھا۔

"ایسے کیا دیکھ رہی ہو۔ جاؤ جا کر کپڑے بدلو اور ہلکا سا میک اپ بھی کر لینا۔ آج ہی کالج سے تم کو دیر سے آنا تھا اور یہ موبائل کیوں آف رہتا ہے تمہارا؟" ہاجرہ ایک ہی

انمول موتی

☆ انسان کی گفتگو سے اس کا وزن کیا جاتا ہے اور اس کے کردار سے اس کی قیمت لگائی جاتی ہے۔

☆ خوب صورت ہونا اہم نہیں بلکہ اہم ہونا خوب صورتی ہے۔

☆ انسان کی خوب صورتی سے محبت نہیں ہوتی بلکہ جس سے محبت ہو جائے وہ خوب صورت لگنے لگتا ہے۔

☆ رشتے خون کے نہیں ہوتے احساس کے ہوتے ہیں اگر احساس ہو تو اجنبی بھی اپنے اگر احساس نہ ہو تو اپنے بھی اجنبی لگتے ہیں۔

حوصلہ

ناکامی کا غم کرنے سے منزلیں نہیں ملتیں
حوصلے بھی ٹوٹ جاتے ہیں اکثر اداس رہنے سے

از: مہرین ضیا بخش...... کراچی

سانس میں اسے ہدایت دینے کے ساتھ ساتھ سرزنش کرنا بھی نہیں بھولی تھیں۔

"امی لیکن عاصمہ آنٹی کو اچانک یہ کیا سوجھی اور اتنی ایمرجنسی میں کیوں آ رہے ہیں وہ لوگ؟" اسے کسی طور یقین نہیں آ رہا تھا۔

عاصمہ، ہاجرہ کی کلاس فیلو ہوا کرتی تھیں۔ ان کی شادی کسی بزنس مین سے ہوئی تھی۔ قسمت کی دھنی تھیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے میاں کا کاروبار کچھ ایسا چمکا کہ دولت کی ریل پیل میں ہاجرہ کی دوستی بالکل چھپ ہی گئی۔ رسمی سلام دعا یا پھر اپنے شاندار سے بنگلے میں کسی فنکشن میں ہاجرہ بھی انہیں کبھی کبھار یاد آ جاتی تھیں۔ اس بار علینا بھی ان کے ساتھ عاصمہ آنٹی کے گھر اُن کے بیٹے کے امریکا جانے کے سلسلے میں ایک شاندار فنکشن میں گئی تو اس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئی تھیں۔ خوابوں سے بھی زیادہ

حسین تھا۔ ان کا گھر اور اس پر مستزاد ان کا خوب صورت اور ہینڈسم بیٹا جو امریکا میں اپنا بزنس سیٹ کرنے جا رہا تھا۔ سارا وقت اس کی نگاہوں کے حصار میں رہا تھا۔

شہروز نے بھی آسمانی کپڑوں میں ملبوس اس پیاری سی لڑکی کا چپکے، چپکے یوں اپنی طرف دیکھنا محسوس کر لیا تھا۔ تبھی وہ ہاجرہ آنٹی کو سلام کرنے کے بہانے ان لوگوں کے قریب چلا آیا۔ علینا کا دل دھک، دھک کرنے لگا۔

''آنٹی، اس بار تو آپ شاید ایک سال بعد ہمارے گھر آئی ہیں۔'' کتنا خوب صورت اور میٹھا لہجہ تھا اس کا۔ شہروز کی شخصیت اس کی گفتگو اس کا انداز جیسے علینا کو ایک سحر میں جکڑ رہے تھے۔

''بس بیٹا میری اور عاصمہ کی دوستی کو ہم دونوں کی مصروفیات نے جیسے دھندلا کے رکھ دیا ہے۔ ویسے میں درمیان میں ایک بار آئی تھی لیکن تم سے ملاقات نہ ہو سکی۔''

ہاجرہ نے سہیلی کی بے مروتی پر مصلحت کا پردہ ڈالتے ہوئے بہت کمزور سا جواز پیش کیا تھا پھر شہروز نے کچھ باتیں علینا سے بھی کی تھیں اور وہ جیسے ایک ٹرانس میں اس کی باتوں کا جواب دیتی رہی تھی۔

واپس آ کر بھی بس سارا دھیان سارا خیال سمٹ کر اسی دشمن جان میں لگا دیا۔ وہ کچھ پل کچھ لمحے اس کی زندگی میں آ کر ٹھہر سے گئے جب شہروز اپنی وارفتہ نگاہیں اس کے چہرے پر جمائے بہت دلکش انداز میں اس سے باتیں کر رہا تھا۔

''یہ ڈراما نگار اور افسانہ نگار خواتین کچھ ایسا غلط بھی نہیں لکھتیں۔ ان کے ہیرو مجسم ہو کر اسی دنیا میں کہیں نہ کہیں نظر آ ہی جاتے ہیں جیسے کہ شہروز۔'' اس نے مسکراتے ہوئے سوچا۔

اریبہ اپنی ماموں زاد کی شادی میں ملتان گئی ہوئی تھی اور اس وقت وہ اپنی اس واحد ہمراز دوست کو بہت مس کر رہی تھی۔ اریبہ کے جانے کے بعد اس کی زندگی اس مختصر سے عرصے میں دو بڑے نئے موڑوں سے گزری تھی۔ شرجیل کے ایکسیڈنٹ نے وقتی طور پر اس کے رشتے کی بات ٹال دی تھی لیکن بہرحال خطرے کی تلوار بدستور علینا کو اپنے سر پر لٹکتی محسوس ہو رہی تھی۔ کیونکہ شرجیل تیزی سے روبصحت ہو رہا تھا اور اس کی صحت یابی کے بعد لازمی طور پر یہ ایشو پھر سے اٹھنا ہی تھا اور پھر شہروز سے ملنے کے بعد تو جیسے وہ اپنا دل اپنا چین وسکون اپنی نیند سب ہی شہروز کے حوالے کر آئی تھی۔

زندگی اپنے جادو کے پٹارے میں انسان کے لیے کچھ ایسے دن بھی چھپا کر لاتی ہے جو اسے حیران و ششدر کر دیتے ہیں۔ علینا کے لیے بھی آج کا دن کچھ ایسا ہی جادوئی تھا۔ صبح ہی صبح ہاجرہ کے پاس عاصمہ کا فون آ گیا کہ شام کو وہ اپنی نند اور جیٹھانی کے ساتھ علینا کے سلسلے میں ان کے گھر آ رہی ہیں۔

ہاجرہ کے تو ہاتھ پاؤں ہی پھول گئے۔ فوراً ہی شوہر کو فون گھما ڈالا۔ اس سے پہلے وہ انہیں علینا کے شدید ری ایکشن کے بارے میں بتا چکی تھیں جو شرجیل کے رشتے کے سلسلے میں اس نے دیا تھا۔ ارشد ایک لمحے کو سوچ میں پڑ گئے۔ اپنی بیٹی کے اونچے معیار اور خیالات سے اچھی طرح واقف تھے۔ تبھی بجھے ہوئے دل سے بیوی کو سمجھانے کی کوشش کی۔

''ہاجرہ ہمارے اور عاصمہ کے اسٹیٹس میں زمین آسمان کا فرق ہے اور تمہاری یہ دوست بہت اونچی ناک والی بھی ہے۔ ہماری حیثیت کو کمتر سمجھتی ہے علینا وہاں کبھی خوش نہیں رہے گی لیکن مجبوری یہ ہے کہ ہماری بیٹی کی نظروں میں صرف ظاہری حسن اور چمکتی دمکتی دنیا کی اہمیت ہے۔ ان روشنیوں کے پیچھے چھپے اندھیروں سے وہ واقف نہیں۔'' ارشد کا لہجہ تھکا تھکا سا تھا۔

''پھر میں منع کر دوں عاصمہ کو؟'' ہاجرہ نے الجھے ہوئے ذہن کے ساتھ پوچھا۔

''نہیں، ان لوگوں کو آنے دو۔ ابھی فوراً کوئی جواب نہیں دینا اور نہ ہی شہزاد بھائی اور بھابی کو اس رشتے کے بارے میں بتانا۔ میں یہ فیصلہ اللہ پر چھوڑتا ہوں مجھے پورا یقین ہے کہ اس کی مرضی میں میری بچی کی بہتری چھپی ہوئی ہے۔''

ارشد کی اجازت ملنے پر ہاجرہ نے شام کے لیے

خاصے انتظامات کر لیے تھے اور اس وقت علینا تو جیسے اپنے آپ کو ہواؤں میں اڑتا ہوا محسوس کر رہی تھی۔ اس کے خوابوں کی تعبیر اتنی جلدی مل جائے گی اس نے سوچا بھی نہیں تھا۔ تبھی اچانک ہی اریبہ کا فون آگیا۔ وہ کل رات ہی ملتان سے واپس آئی تھی۔

''ارے بے مروت لڑکی تم تو ملتان جا کر مجھے بھول ہی گئی تھیں سیل بھی آف کر رکھا تھا۔'' اس نے اریبہ سے خفگی کا اظہار کرنا چاہا لیکن لہجے میں چھپی خوشی کو اریبہ نے فوراً محسوس کر لیا۔

''بس یار موبائل جلدی میں گھر پر ہی بھول گئی تھی لیکن یہ تو بتاؤ آج تمہاری آواز میں اتنی کھنک کیوں؟''

اریبہ کے تجسس پر وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

''تم کہتی تھیں ناں کہ میں ڈراموں اور افسانوں کی دنیا میں رہنا چھوڑ دوں لیکن اریبہ میری لگن سچی تھی مجھے میرا افسانوی ہیرو مل گیا ہے۔ وہ سچ مچ میری زندگی میں آرہا ہے۔'' علینا کی ایکسائٹ منٹ عروج پر تھی۔ اریبہ نے بہت حیرانی سے اس کی بات سنی۔

''اور اب شرجیل بھائی کا کیا ہوگا۔ تم لوگ اپنے تایا کو کیسے انکار کرو گے؟'' علینا سے تفصیل سننے کے بعد اس نے گہری سانس لے کر پوچھا۔

''اُفوہ اریبہ! خدا کے لیے میری خوشی پر فضول سوال کر کے سیاہی تو نہ پھیر دو۔ ابو کا مسئلہ ہے اور پھر ابو سے پوچھ کر ہی امی نے انہیں آنے کی اجازت دی ہے۔''

''ویسے علینا وہ موصوف تمہارے عشق میں کچھ زیادہ ہی دیوانے نہیں ہو رہے؟ ورنہ ایک ہی ملاقات کے بعد بھلا کون فوراً ہی رشتہ بھجواتا ہے......؟'' اریبہ نے اس کا موڈ بدلنے کی خاطر اسے چھیڑا تو وہ ہنس دی۔

''شرجیل بھائی جب شہروز کو دیکھیں گے ناں تو خود ہی دل میں شرمندہ ہو جائیں گے۔ بھلا میرا ان کا کوئی جوڑ بنتا تھا۔ پتا ہے ایک بار میں اپنی کچھ کتابیں لینے ان کے ساتھ ایک بک شاپ پر گئی تھی تو ایک لڑکا میرے قریب سے آہستہ سے یہ کہتا ہوا گزرا کہ ''حور کے پہلو میں لنگور۔'' وہ ہنستے ہوئے بہت تضحیک آمیز لہجے میں اریبہ کو وہ تمہ سنا رہی تھی۔

''خیر شرجیل بھائی اب اتنے برے بھی نہیں ہیں۔ وہ لڑکا یقیناً تم دونوں کو ساتھ دیکھ کر جیلس ہو گیا ہوگا۔ کوئی خوب صورت لڑکی لفٹ نہیں کرواتی ہوگی اسے۔'' اریبہ نے بہت ناگواری کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ تبھی ہاجرہ کے پکارنے پر علینا نے عجلت میں اسے خدا حافظ کہتے ہوئے فون بند کر دیا۔

☆☆☆

''امی مجھے تو وہ لوگ ذرا بھی پسند نہیں آئے۔ بہت ہی مغرور اور شو آف قسم کی خواتین تھیں۔'' فواد بڑی صاف گوئی سے اُن کا تجزیہ کر رہا تھا۔ علینا نے گھور کر اسے دیکھا۔

''تم ابھی اتنے بڑے نہیں ہوئے ہو کہ اپنی ماہرانہ رائے دے سکو۔ اس لیے اپنا منہ بند ہی رکھو تو اچھا ہے۔''

علینا کے ٹوکنے پر فواد شرارت سے ہنس دیا۔

''اگر ابھی میں ان خواتین کی تعریف کر رہا ہوتا تو باجی کے نزدیک مجھ سے زیادہ عقل مند کوئی اور نہ ہوتا۔''

ہاجرہ اس کی بات پر بے اختیار مسکرا دیں۔

''خیر فواد ایسا کچھ غلط بھی نہیں کہہ رہا۔ عاصمہ تو خیر ہے ہی بہت مزاج والی لیکن اس کی نند اور جیٹھانی تو اس سے بھی دو ہاتھ زیادہ نظر آرہی تھیں۔ مجھے حیرت اس بات پر ہو رہی ہے کہ بقول ان کے شہروز کے لیے ایک سے بڑھ کر ایک حسین اور ویل آف لڑکیوں کے رشتے موجود ہیں پھر انہیں ہماری علینا ہی کیوں شہروز کے لیے پسند آئی؟'' ہاجرہ کی تشویش پر علینا نے تفاخر سے انہیں دیکھا۔

''امی آپ کی بیٹی بھلا کسی سے کم ہے اور یقیناً وہ لوگ شہروز کے اصرار پر یہاں آئے ہیں۔ آپ نے نوٹ نہیں کیا تھا اس فنکشن میں وہ ہم لوگوں کو کتنی اہمیت دے رہا تھا۔'' ہاجرہ نے ٹھنڈی سانس لے کر اپنی خود پسند بیٹی کو دیکھا کچھ کہنا چاہا لیکن نہ جانے کیا سوچ کر خاموش ہو گئیں۔ دل کسی طور اس رشتے پر آمادہ نہیں ہو رہا تھا لیکن بیٹی کے چہرے پر بکھرے دھنک رنگوں کو بھی تو وہ نظر انداز نہیں کر سکتی تھیں۔

☆☆☆

لفظ کہنے والوں کا کچھ نہیں جاتا
لفظ سہنے والے کمال کرتے ہیں

''ارے اریبہ وہ سامنے ٹیبل پر شہروز کی شہلا پھوپی بیٹھی ہوئی ہیں۔ یہی تو کل عاصمہ آنٹی کے ساتھ ہمارے گھر آئی تھیں۔'' علینا نے سرگوشی میں اریبہ کو بتایا۔ وہ لوگ ابھی ابھی ریسٹورنٹ میں داخل ہوئی تھیں۔ کل شہروز کے گھر والوں کے آنے کی خوشی میں وہ اریبہ کو ٹریٹ دینے اپنے اس پسندیدہ ریسٹورنٹ میں آئی تھی۔ تبھی شہلا پھوپی کی نظر بھی ان دونوں پر پڑ گئی۔ انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے انہیں اپنے پاس بلایا تو وہ دونوں کچھ جھجکتے ہوئے اُن کے نزدیک چلی آئیں۔ شہلا کے ساتھ ان کی کوئی دوست بھی تھیں۔

''آؤ علینا، کمال ہے بھئی ابھی میں تمہارے ہی متعلق رافیہ سے باتیں کر رہی تھی اور تم اچانک ہمیں مل گئیں۔'' انہوں نے بہت گرم جوشی سے دونوں کے سلام کا جواب دیتے ہوئے اپنی خوشی کا اظہار کیا اور ساتھ ہی ساتھ بیٹھنے کو بھی کہا۔ اریبہ نے آنکھوں کے اشارے سے علینا کو منع بھی کرنا چاہا لیکن وہ اس وقت تک بیٹھ چکی تھی سو ناچار اریبہ کو بھی اس کی پیروی کرنا پڑی۔

''بھئی مجھے تو تم بہت پسند آئی ہو علینا۔ شہروز سے بھی میں نے گھر جا کر تمہاری بہت تعریف کی۔'' شہلا کی بات پر علینا کے چہرے پر فخر و خوشی کے رنگ بکھر گئے۔

''ہاں بھئی تم کیوں نہ تعریف کرو گی آخر شہروز کو منانے کا معرکہ بھی تو تم ہی نے سر کیا ہے۔'' رافیہ نے ہنستے ہوئے انہیں چھیڑا تو اریبہ کے ساتھ، ساتھ علینا نے بھی چونک کر اُن دونوں کو دیکھا۔

''بھئی عاصمہ بھابی کی پریشانی اور ڈپریشن مجھ سے برداشت نہیں ہو رہا تھا۔ اپنے اکلوتے بیٹے سے اٹیچڈ بھی تو بہت ہیں۔ اس کے امریکا جانے پر اتنی اداس ہو رہی تھیں تو بس میں نے ہی شہروز کو فوری شادی کے لیے راضی کیا تاکہ اُن کا کچھ دل بہل جائے۔'' شہلا نے مسکراتے ہوئے وضاحت دی تو علینا کی جان میں جان آئی۔

''ویسے بیٹا تمہیں شہروز کے امریکا جانے کے بعد عاصمہ بھابی کا بہت خیال رکھنا ہوگا۔ ہم لوگوں نے اسی لیے تمہارا انتخاب کیا ہے کہ متوسط گھرانوں کی لڑکیاں زیادہ نخرے نہیں دکھاتیں۔ ورنہ ہمارے شہروز کے لیے حسین اور امیر کبیر لڑکیوں کی کمی نہ تھی لیکن وہ کب تو شہروز سے پہلے ہی امریکا اڑ جانے کے لیے تیار تھیں پھر عاصمہ بھابی تو ویسے ہی تنہا کی تنہا رہ جاتیں۔'' اپنے حساب سے وہ علینا کو شاید اس کی حقیقت بتا کر آنے والے وقت کے لیے تیار کر رہی تھیں۔

''کیا مطلب آنٹی یعنی علینا شہروز کے ساتھ امریکا نہیں جائے گی۔'' اریبہ نے حیرت سے انہیں دیکھا۔ علینا کے چہرے کا رنگ پھیکا پڑنے لگا تھا۔

''کمال کرتی ہو تم بیٹا، ہم نے علینا کو امریکا بھیجنے کے لیے نہیں بلکہ یہاں عاصمہ بھابی کی تنہائی کی خاطر اپنی بہو بنانے کا سوچا ہے ورنہ ہم اپنے اسٹینڈرڈ کی بہو نہ لے آتے۔ شہروز کے جوڑ کی امیر ترین اور حسین ترین لڑکی کا رشتہ چھوڑ کر ہم نے اس سیدھی سادی عام سی لڑکی کو اپنے گھر لانے کا اسی لیے سوچا ہے کہ وہ سسرال کو اپنا گھر سمجھے گی۔ ارے عاصمہ بھابی نے تو علینا کی خاطر لوگوں کی باتوں کی بھی پروا نہیں کی جو انہیں طعنے دے رہے ہیں کہ......'' وہ بات ادھوری چھوڑ کر چپ ہو گئیں۔

''کیا طعنہ دے رہے ہیں وہ آنٹی؟'' اریبہ نے بہت ضبط سے پوچھا۔

''بس کیا بتاؤں، جلنے والے تو جلتے ہیں ناں، بقول ان کے عاصمہ بھابی مخمل میں ٹاٹ کا پیوند لگانے کے درپے ہیں۔ عاصمہ بھابی نے بھی سب کو ٹھیک ٹھاک سنا دیں کہ انہیں اپنی بہو جان سے پیاری ہے۔ وہ صورت اور اسٹیٹس سے زیادہ سیرت اور کردار کو ترجیح دیتی ہیں۔'' شہلا نے بہت پیار سے علینا کا ہاتھ تھام لیا جو برف کی طرح ٹھنڈا ہو رہا تھا۔

''اصل میں شہروز ہے ہی اتنا ہینڈسم، گڈ لکنگ اور سرخ و سفید کہ سب سمجھتے تھے کہ عاصمہ اس کے لیے کوئی حور پری ہی ڈھونڈ کر لائیں گی۔ شاید اسی لیے لوگ عاصمہ کی پسند پر جل رہے ہیں۔'' رافیہ نے شہلا کی بات کا دفاع

کیا بھی تو ان الفاظ میں جو علینا کی روح تک کو جھلسا گئے۔

اللہ نے زبان میں بڑے، بڑے ہتھیاروں سے زیادہ طاقت رکھی ہے۔ اس کی ذرا سی جنبش انسان کو بے موت مار بھی سکتی ہے اور اندر سے مرے ہوئے شخص کو زندہ بھی کر سکتی ہے۔ اریبہ اچھی طرح سے علینا کے زرد پڑتے چہرے کو محسوس کر رہی تھی۔ اپنی دوست کی نیچر کو اس سے زیادہ بھلا کون سمجھ سکتا تھا۔ جانتی تھی کہ علینا کی خود پسندی کو اس وقت کتنی شدید ٹھیس پہنچی ہے۔ یہ لڑکی جسے اپنے حسن، اپنی ذات پر بڑا زعم تھا۔ کالج میں، دوستوں میں، خاندان میں جو اپنے مقابل کسی کو نہیں گردانتی تھی آج خود اپنی ہی نظروں میں گری جا رہی تھی۔

''اچھا آنٹی آپ لوگ کھانا انجوائے کریں۔ ہمارا بھی آرڈر بس آنے ہی والا ہوگا۔'' اریبہ نے اٹھتے ہوئے کہا تو علینا بھی فوراً ہی کھڑی ہو گئی۔

''او کے بیٹا خوش رہو۔ رافیہ تمہیں اچھا لگا ہاں ہماری ہونے والی بہو سے مل کر۔'' شہلا پھوپی نے بہت لگاوٹ بھری نظروں سے علینا کو دیکھتے ہوئے رافیہ سے پوچھا۔

''ہاں بھئی ماشاء اللہ بہت اچھی بچی ہے۔'' رافیہ نے رسمی سا جملہ بولا تھا۔ وہ دونوں اپنی ٹیبل پر واپس آ گئی۔ اریبہ نے گہری نظروں سے علینا کے اترے ہوئے چہرے کو دیکھا۔

''یار تم ان خواتین کی جاہلانہ باتوں کو دل پر مت لو۔ اگر انہیں عقل و سمجھ ہوتی نا تو وہ اپنی بھابی کے پلان پر یوں پانی نہ پھیرتیں۔''

''کیا مطلب؟'' اریبہ کی بات پر علینا نے چونک کر اسے دیکھا۔

''ارے بھئی اپنی بے وقوفی میں وہ بتا گئیں کہ شہروز یہ شادی محض اپنی ماں کو خوش کرنے اور ان کی تنہائی دور کرنے کے لیے کر رہا ہے۔ اسے بیوی نہیں، تمہارے روپ میں اس کی ماں کو بہلانے کے لیے ایک کھلونا چاہیے۔ ویسے میں تم سے ایک بات پوچھوں؟'' اس نے سوالیہ نظروں سے علینا کی جانب دیکھا جو اس کے جملوں کی تلخی اور سچائی دونوں ہی کی کڑواہٹ اپنے دل پر محسوس کر رہی تھی۔

''ہاں پوچھو۔'' اس نے بے دلی سے جواب دیا۔

''تم نے نوٹ کیا کہ شہروز کے سامنے وہ تمہاری شخصیت کو ایسے ہی کمتر سمجھ رہی تھیں جیسے تم اپنے مقابلے پر شرجیل بھائی کو سمجھتی ہو۔ اتنی سی دیر میں مجھے یہ اندازہ بھی ہو گیا ہے کہ تم اپنی زندگی میں جس اہمیت کی عادی ہو وہاں تمہیں مخمل میں ٹاٹ کا پیوند کہا جائے گا۔ علینا میرے خیال میں حور کے پہلو میں لنگور والے محاورے میں تمہاری ہی عزت، قدر اور اہمیت ہے۔'' اریبہ کی صاف گوئی جیسے اس کے ذہن کے ورق کھول رہی تھی۔

''تمہارا مطلب ہے میں شرجیل بھائی کے لیے ہاں کر دوں؟'' اس نے بظاہر برا مان کر کہا۔ حالانکہ دل میں وہ پوری طرح سے اریبہ کے خیالات سے متفق ہو رہی تھی۔ وہ بچپن سے ہی بے حد خود پسند رہی تھی اور اس وقت جو ہتک اس نے اپنے لیے محسوس کی تھی، اسے ساری زندگی برداشت کرنے کا اس میں ہرگز حوصلہ نہ تھا۔ اسے ہمیشہ احساسِ برتری کے ساتھ جینے کا شوق تھا۔

''ہاں بالکل، تمہاری تائی، عاصمہ آنٹی کی طرح اپنی خدمت کروانے نہیں بلکہ اپنے بیٹے کی خوشی، اس کی شدید محبت کی خاطر بہت ارمانوں سے تمہیں ایک شہزادی کی طرح اپنے گھر لے جانا چاہ رہی ہیں۔ اب تم سوچ لو کہ لوگ تمہیں حور کہیں یا ٹاٹ کا پیوند۔''

علینا نے کچھ دیر سوچا اور پھر ایک دم کھسیا کر ہنس دی۔

''اریبہ مجھے حور کے پہلو میں لنگور بیٹھا ہوا زیادہ اچھا لگے گا۔'' اس بار اس کی ہنسی میں اریبہ کا قہقہہ بھی شامل ہو گیا تھا۔

ان سے کچھ فاصلے پر بیٹھی ہوئی شہلا نے دونوں لڑکیوں کو یوں بے ساختہ ہنستے ہوئے دیکھا تو ایک طنزیہ سی مسکراہٹ کے ساتھ وہ رافیہ سے بولی تھیں۔

''متوسط طبقے کی اس لڑکی کو اتنا اونچا گھر اور شاندار دولہا مل رہا ہے نا، ذرا دیکھو تو سہی مارے خوشی کے دانت ہی بند نہیں ہو رہے۔''



اے عشق ترے ہیں کھیل عجب

نزہت ثمن بلال

وہ کمالِ ہنر یوں بھی کرتا گیا
زخم دیتا گیا زخم بھرتا گیا
دور اُس کی نگاہوں سے منزل ہوئی
جادۂ عشق میں جو بھی ڈرتا گیا
رات پھولوں پہ شبنم برستی رہی
رنگ پھولوں کے رخ کا نکھرتا گیا

عشق، محبت، چاہت، پیار، ایک جذبے کے کتنے اظہار ...یہ جذبہ ہر کسی کے دل میں پنپ سکتا ہے بشرطیکہ دل کا ظرف وسیع اور خلوص کے موتیوں سے مرصّع ہو، زیرِ نظر کہانی اسی جذبے کے اتار چڑھاؤ کو بے حد متاثر کن انداز میں قاری کو ایک نئی سوچ سے روشناس کراتے ہوئے بڑھتی ہے۔

عشق کے آفاقی جذبے کو ایک نئے انداز میں بیان کرتی دلکش تحریر

قسط 11





زندگی نے انہیں اتنے بھیانک موڑ پر لا کھڑا کیا تھا کہ آگے کنواں اور پیچھے کھائی والی مثال بن چکی تھی۔

''خدا کے لیے زدیا، اپنے دل کو سمجھا..... ذرا ٹھیک کہہ رہی ہے اگر تو نکاح کے لیے نہ مانی تو ہم برباد ہو جائیں گے۔ گلو تیرا اکلوتا بھائی ہے، نادانی اور روپے پیسے کے لالچ میں وہ کچھ غلطیاں کر بیٹھا ہے..... اگر ہم نے اسے جیل میں گلنے سڑنے دیا تو وہ اور بڑا مجرم بن جائے گا۔ میری بچی گلو کو اپنی غلطیوں کا احساس ہو چکا ہے وہ بہت شرمندہ ہے..... اور تیرا بہنوئی، اس پر بھی وہ تھانے دار کوئی جھوٹا کیس بنا کر پھنسا دے گا..... تیری بہن اپنے چار بچوں کے ساتھ کس کے آسرے پر زندگی گزارے گی؟ تجھے اپنے ابا کا واسطہ اپنے بھائی اور بہنوئی کی خاطر یہ رشتہ قبول کر لے میری بچی..... ورنہ تیری ماں جو پہلے ہی ایک زندہ لاش بن چکی ہے اس کی بچی کھچی سانسیں بھی ختم ہو جائیں گی۔'' اب سیما بیگم بھی جذباتی انداز میں بولتیں، زدیا کے آگے ہاتھ جوڑے رو رہی تھیں..... زدیا نے ان کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھام لیے تھے اور خود بھی رونے لگی تھی۔

اندر کمرے میں بیٹھی سارہ کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ اس کے ہاتھ میں اسجد کا دیا ہوا موبائل تھا۔ پچھلے ایک ہفتے سے اسجد کا موبائل نمبر بند جا رہا تھا..... سارہ اپنی جگہ انتہائی پریشان تھی..... روز بروز اس کی حالت خراب ہو رہی تھی۔ ابھی تو گھر والے اپنی ہی پریشانیوں میں الجھے ہوئے تھے۔ سو وہ ابھی اپنے گناہ کو سب سے چھپائے ہوئے تھی مگر زیادہ دن تک وہ اپنی یہ ''حالت'' نہیں چھپا سکتی تھی۔

اس نے فون پر حنا سے تمام معاملہ بیان کیا تھا اور اس کو اسجد سے رابطہ کرنے کی درخواست کی تھی مگر ابھی حنا نے اسے میسج کر کے اطلاع دی تھی کہ اس کا بھی اسجد سے کوئی رابطہ نہیں ہو رہا۔ سارہ کے دل میں فوراً گل افشاں کا خیال آیا تھا، وہ جس علاقے اور جس کلینک میں بطور نرس کام کرتی تھی۔ سارہ نے اس علاقے اور کلینک کا نام حنا کو میسج کی صورت میں سینڈ کر دیا تھا اور حنا سے درخواست کی تھی کہ وہ کسی بھی طرح گل افشاں سے اسجد کے بارے میں معلومات حاصل کر لے اور اسجد کو سارہ سے رابطہ کرنے کی درخواست کرے۔

☆☆☆

''ابا آپ کیوں چلے گئے ہمیں چھوڑ کر؟ آپ نے کیوں بے آسرا کر دیا ہمیں؟ دیکھیں زندگی کیا، کیا سزائیں دے رہی ہے ہمیں؟ کیا، کیا ظلم ڈھا رہی ہے ہم پر..... اماں جو ہر وقت آپ سے لڑتی جھگڑتی تھیں، آپ کی ہر بات کو جھٹلایا کرتی تھیں آج وہی اماں آپ کو یاد کر، کر کے روتی ہیں۔ آپ کی ایک، ایک بات کو سچ سمجھتی ہیں..... ابا ہم اس دنیا سے چلے جانے والوں سے اتنی محبت کیوں کرتے ہیں، وہ محبت ہم ان کو اس دنیا میں کیوں نہیں دیتے۔ جس کے وہ حق دار ہوتے ہیں۔'' زدیا ہاتھ میں شاکر حسین کی تصویر پکڑے بیٹھی تھی اور ان کی تصویر سے پاگلوں کی طرح باتیں کرتے ہوئے رو رہی تھی۔

''ابا آپ بہت یاد آتے ہیں..... میں کتنی بدنصیب ہوں، میں نے آپ کو اپنی نظروں کے سامنے موت سے لڑتے ہوئے دیکھا اور میں سمجھ نہ سکی، میں سوچا کرتی تھی جس دن آپ کو کچھ ہوا اس دن میں بھی زندہ نہیں رہ پاؤں گی..... مگر نہ جانے کیوں میں کیسے اور کس لیے زندہ ہوں؟ ابا یہ دنیا کہتی ہے مرنے والوں کے ساتھ مرا نہیں جاتا..... مگر کہنے والے یہ نہیں جانتے کہ جن کے پیارے رشتے انہیں چھوڑ جاتے ہیں وہ زندہ ضرور ہوتے ہیں مگر ان کے اندر ''زندگی'' ضرور مر جاتی ہے۔ ہماری خوشیاں اور ہماری زندگی بھی ابا آپ کے ساتھ ہی مر گئی ہے۔''

زدیا، باپ کی تصویر پکڑے بدستور رو رہی تھی جب کوئی اس کے کمرے میں آیا تھا اور آنے والے نے اس کے کندھے پر دھیرے سے ہاتھ رکھ دیا تھا..... زدیا نے فوراً پلٹ کر دیکھا تو وہ خضر تھا۔

''خضر.....'' زدیا نے اس کے ہاتھ پکڑ لیے..... جیسے کوئی بچہ اندھیرے میں ڈر کر ساتھ چلنے والے کا ہاتھ پکڑ

لیتا ہے۔

''خضر مجھے تمہاری ضرورت ہے، پلیز مجھے بچالو...... مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔'' خضر نے تاسف سے اسے دیکھا...... پے در پے پریشانیوں نے اسے کملا کے رکھ دیا تھا۔ وہ آج کئی دن کے بعد اپنی ماں سے چھپ کر دل کے ہاتھوں مجبور ہوکر یہاں آیا تھا۔

''حوصلہ رکھو انشاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' خضر نے اس کے ہاتھ دباتے ہوئے تسلی دی تو وہ روتے ہوئے نفی میں سر ہلانے لگی۔

''نہیں...... نہیں خضر اب کچھ بھی ٹھیک نہیں ہوگا، اب برا ہوگا اور بہت برا ہوگا۔'' وہ پلنگ سے اٹھ کر اس کے سامنے کھڑی رو رہی تھی۔

''ایس ایچ او نے اماں سے میرا رشتہ مانگا ہے اور اس نے دھمکی دی ہے کہ اگر میں نے اس سے نکاح نہ کیا تو وہ گلو اور خالد بھائی کو ایسے، ایسے کیسوں میں الجھائے گا کہ ساری عمر وہ دونوں رہائی نہ پاسکیں گے۔''

خضر اس نئے انکشاف پر حیران ہوا۔

''اماں اور زارا بجو مجھے اس نکاح کے لیے مجبور کر رہے ہیں، خدا کے لیے خضر کہیں سے تین لاکھ کا بندوبست کردو...... جونہی مجھے کوئی اچھی نوکری ملے گی، میں کمیٹیاں ڈال کر تمہارا قرض اتار دوں گی۔'' زویا نے اپنی دونوں ہتھیلیوں سے آنسو صاف کرتے ہوئے خضر سے التجا کی۔

''تین لاکھ کوئی معمولی رقم نہیں ہے، ہم جیسے غریب لوگوں کے لیے بہت بڑی رقم ہے یہ...... تم اچھی طرح جانتی ہو زویا...... ابھی تین مہینے پہلے ہی میں نے سمیعہ (بہن) کی شادی کی ہے، میں تو خود ابھی قرض کے بوجھ تلے دبا ہوا ہوں۔'' خضر پریشان ہو گیا تھا۔

''تم...... تم اپنے آفس سے لون لے لو...... کچھ کرو خضر...... پلیز۔'' وہ آج از حد مایوس اور دل گرفتہ تھی۔

''زویا میں اپنے آفس سے سمیعہ کی شادی پر لون لے چکا ہوں، یقین کرو میں خود بہت مجبور ہوں اور...... اور بہت شرمندہ بھی...... کہ رقم کے سلسلے میں، میں تمہاری کوئی مدد نہیں کرسکتا......'' خضر نے شرمندگی سے سر جھکا لیا۔

زویا اس کی مجبوری کی داستان سن کر یک دم خاموش ہوگئی تھی...... اسی اثنا میں کسی نے گھر کا دروازہ پیٹا...... زارا نے دروازہ کھولا تو نگہت بیگم تن فن کرتی اندر داخل ہوئیں...... خضر گھبرا کر باہر نکلا۔

''السلام علیکم پھپو!'' زارا نے انہیں سلام کیا...... مگر انہوں نے سلام کا جواب بھی دینا گوارا نہ کیا۔

''اچھا تو میرا شک صحیح ثابت ہوا۔'' نگہت بیگم نے غصے سے بیٹے کو دیکھا۔ خضر کے چہرے کا رنگ اُڑ گیا تھا۔

نگہت کی آواز سن کر ساتھ والے کمرے سے سیما بیگم اور سارہ بھی باہر نکل آئی تھیں۔

''خضر میں نے تجھے یہاں آنے سے جب منا کر رکھا ہے تو پھر کیوں آتا ہے تو یہاں؟'' وہ نہایت غصے میں تھیں۔

''امی...... وہ دراصل، میں......'' خضر گڑبڑایا۔

''کیا وہ...... میں دراصل؟ کتنی بار تجھے سمجھایا ہے کہ جان چھوڑ دے اب ان لوگوں کی...... ہمیں کوئی رشتے داری نہیں رکھنی ان جیسے بدنام لوگوں سے...... پھر تو کیوں آجاتا ہے ان کے پاس؟''

''پھپو یہ...... یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ؟'' زارا کو تو جیسے اپنے کانوں پر یقین ہی نہیں آرہا تھا...... زویا اندر کمرے میں جس جگہ پر کھڑی تھی وہیں اس کے قدم جکڑ کر رہ گئے تھے...... سیما بیگم اور سارہ بھی بے یقینی سے نگہت بیگم کو دیکھ رہی تھیں...... سیما بیگم کا تکبر اب ان کے اپنے ہی منہ پر طمانچے مار رہا تھا۔

''وہی کہہ رہی ہوں جو ساری دنیا کہہ رہی ہے تم لوگوں کے بارے میں...... میں جوان بیٹیوں کی ماں ہوں

آخر کس، کس کی سسرال میں اپنی بہو کے چور اور ڈکیت بھائی کے کرتوتوں پر پردے ڈالوں گی۔'' نگہت بیگم کی بلند آواز سے بولتے سچ نے تمام نفوس کو خاموش کروا دیا تھا۔

''نگہت یہ...... یہ کیا کہہ رہی ہو تم؟ گلو کے جرم کی سزا ہم سب کو مت دو۔'' سیما بیگم کے لبوں سے نہ جانے کیسے یہ التجا نکلی۔

''بس، بس سیما...... میری زبان مت کھلوانا، ساری زندگی تم نے میرے شریف النفس بھائی کی عزت اور قدر نہ کی...... میرے بھائی کو ہمیشہ طعنے تشنے اور کوسنے دے کر زندگی گزارتی رہیں...... اس کی زندگی میں ہی کبھی ہمارے خاندان سے ملا کر رکھی پھر گلو کو شہہ دے، دے کر اسے مجرم بنا دیا جب تمہارا بیٹا حرام کی کمائی تمہیں کھلا رہا تھا تو کیسے مجھے اور میرے خضر کو دیکھ کر تم ناک بھوں چڑھاتی تھیں، تم بھول گئیں...... مگر مجھے یاد ہے اچھی طرح...... میرے دل پر لکھے ہیں تمہارے تکبرانہ انداز اور جملے اب جب زمانے بھر کی کالک گلو نے تمہارے منہ پر مل دی تو تمہیں ہماری یاد آ گئی...... ہمیں نہیں جوڑنی تم جیسے بدنام لوگوں سے رشتے داری...... جس بھائی کے منہ سے میں نے یہ رشتہ جوڑا تھا وہ ہی اس دنیا سے جا چکا اور تم لوگ بھاڑ میں جاؤ میری بلا سے...... ابھی میں نے ایک بیٹی بیاہی ہے اس کی سسرال میں گلو کے کرتوت پہنچ چکے ہیں اور میری بیٹی اپنے سسرال والوں کے سوالوں کے جواب دے، دے کر ہلکان ہو گئی ہے...... ابھی دو اور بیٹیاں بیاہنی ہیں میں نے...... معاف رکھو مجھے ایسی گھٹیا اور بدنام رشتے داری سے۔'' نگہت بیگم نہایت غصے میں نان اسٹاپ سیما بیگم کو کھری، کھری سناتے ہوئے حقیقت کا آئینہ دکھا رہی تھیں۔

اب سیما بیگم بالکل خاموش کھڑی تھیں کیونکہ نند جو کہہ رہی تھی وہ غلط ہرگز نہیں تھا...... زمانے کے طمانچوں کے ساتھ شاکر حسین کی کہی ہوئی باتیں سیما بیگم کے چاروں اطراف گونج رہی تھیں۔ وہ اکثر شاکر حسین کے منہ سے یہ بات سنا کرتی تھیں۔ ''جوانی میں کی ہوئی غلطیاں انسان کو بڑھاپے میں بڑا رلاتی ہیں، ناشکری کی عادت چھوڑ کر حلال کی تھوڑی کمائی پہ خوش رہنا سیکھو...... تمہاری یہ ناشکری تمہارے بڑھاپے میں ذلیل کرے گی۔'' اور آج وہ دن آ گیا تھا۔

''امی پلیز...... بس بھی کریں، اس سارے معاملے میں زویا کا کیا قصور ہے؟'' خضر ہمت کر کے ماں سے مخاطب ہوا مگر آج نگہت بیگم بھی فیصلہ کر کے ہی یہاں آئی تھیں۔

''قصور ہے یا نہیں...... بس میں اور کچھ نہیں جانتی...... اگر آئندہ تم نے ان بدنام لوگوں کے گھر میں قدم رکھا تو ہمیشہ کے لیے مجھ سے اپنا رشتہ توڑ بیٹھو گے...... سمجھے تم!'' انہوں نے دوٹوک انداز میں اپنا فیصلہ سنایا۔

''مگر امی...'' خضر نے انہیں روکنا چاہا۔

''تم چپ کرو...... کوئی ضرورت نہیں ہے تمہیں ان کی حمایت میں بولنے کی...... اور ہاں سیما بیگم، میں آج سے زویا اور خضر کا رشتہ ختم کرتی ہوں، چلو خضر......'' نگہت بیگم جس طرح جلال اور غصے میں آندھی طوفان بن کر آئی تھیں خضر کا بازو پکڑ کر اسی طرح باہر بھی نکل گئی تھیں...... شاکر حسین کے گھر میں اس وقت جو جہاں کھڑا تھا حیرت سے کوئی اپنی جگہ سے ہل تک نہیں پایا تھا...... زندگی اپنا بھیانک رخ انہیں دکھا رہی تھی۔

گھر میں مکمل سناٹا چھا چکا تھا...... جیسے طوفان آ کر گزر جاتا ہے تو اس کے بعد خاموشی چھا جاتی ہے۔ ویسی ہی دل سوز خاموشی چھائی ہوئی تھی ان سب کے اندر بھی اور باہر بھی...... صرف سارہ کا زندہ بچ جانے والا اکلوتا طوطا تھا جس نے پنجرے میں شور مچا رکھا تھا۔ شاید بھوک سے وہ بھی چلا رہا تھا۔

اتنی مشکلات آنے اور اتنے غموں کو سہنے کے باوجود...... اس کا دل دھڑکنا نہیں بھولا تھا کیونکہ خضر کی محبت اور اس کا ساتھ زویا کے ساتھ، ساتھ تھا مگر اب شاید اس کا دل بھی دھڑکنا بند ہو گیا تھا۔ دل اب پتھر بن گیا تھا۔ بے حس ہو گئی تھی وہ خود بھی...... ایک خود غرضی سی تھی جو اس کے حساس دل میں عود آئی تھی...... خضر سے رشتہ ٹوٹنے کی صورت

میں مرتو وہ گئی ہی تھی مگر اب اسے اپنی زندگی کے کچھ نئے فیصلے کرنا تھے، وہ فیصلے جو اس نے اپنے پتھر دل میں ٹھان لیے تھے...... زندگی نے تو جانے اس سے اس کے کس گناہ کا بدلہ لیا تھا۔ اب اسے خود اس زندگی کی ایسی کی تیسی پھیرنی تھی...... اسے خود اس زندگی سے انتقام لینا تھا...... ان تمام افراد سے بدلہ لینا تھا جن کی وجہ سے اس کی زندگی اس موڑ پر آئی تھی کہ اس سے اس کی لڑکپن کی محبت تک چھین لی گئی تھی۔

اگلے دن اس نے اپنے بیگ سے اسی ایڈورٹائزنگ ایجنسی کا کارڈ نکالا تھا...... ہاتھ منہ دھونے کے بعد اس نے کپڑے چینج کیے اور چادر لے کر گھر سے نکلنے لگی۔

''زویا کہاں جارہی ہے؟'' سیما بیگم پریشانی میں اس کے پیچھے گھر کے دروازے تک آئیں کیونکہ آج سے پہلے وہ جہاں بھی جاتی تھی سیما بیگم کو بتا کر جاتی تھی مگر آج وہ انہیں کچھ بتائے بغیر گھر سے نکل رہی تھی۔

''آپ کے بیٹے اور داماد کو بچانے اور خود مرنے جارہی ہوں۔'' زویا نے دل میں سوچا...... مگر کہا نہیں۔

''ایس ایچ او کو پیغام بھجوادیں اگلے دو دن میں اسے تین لاکھ مل جائیں گے۔'' زویا نے گھر کا دروازہ کھولا۔

''مگر کیسے اور کہاں سے؟'' سیما بیگم حیران ہوئیں۔

''آ کر بتاؤں گی ابھی جلدی ہے مجھے۔'' وہ مختصر جواب دے کر گھر سے باہر نکل گئی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد سارہ بھی چادر لیے باہر جانے لگی تو سیما بیگم کو ازحد حیرت ہوئی۔

''اب تم کہاں منہ اٹھائے جارہی ہو؟''

''اماں میں حنا کی طرف جارہی ہوں...... اسے مجھ سے ایک ضروری کام ہے، میرا اس کے پاس جانا بہت ضروری ہے۔'' سارہ نے نظریں چراتے ہوئے کہا۔

''تو حنا وہ ضروری کام یہاں آکر بھی تو کرسکتی ہے...... تجھے اس کے گھر جانے کی کیا ضرورت ہے؟''

''اماں ابھی آجاؤں گی...... آپ فکر مت کریں، میں یوں گئی اور یوں آئی۔'' سارہ نے انہیں تسلی دی اور باہر نکل گئی۔

''دونوں ہی آگے پیچھے گھر سے نکل گئیں...... معلوم نہیں خیر زارا تو ایک کپ چائے ہی بنا کردے، میرے سر میں بہت درد ہے لگتا ہے بلڈ پریشر ہائی ہے میرا۔'' سیما بیگم سر تھامے کمرے میں آئیں۔ زارا اپنے ننھے سے بیٹے کے کپڑے بدل رہی تھی۔

''اماں دودھ ختم ہوگیا ہے، نمرہ کو پیسے دو وہ دکان سے دودھ کا ڈبا لے آئے۔'' زارا نے ان کی بات کے جواب میں اپنی ضرورت بتائی۔

''دیتی ہوں، ایک آخری سو کا نوٹ بچا ہے۔'' سیما بیگم دل گرفتہ سی الماری کی طرف بڑھیں۔

☆☆☆

زویا ایڈورٹائزنگ ایجنسی پہنچی تو ریسپشنسٹ نے اسے انتظار کرنے کو کہا۔ پندرہ منٹ انتظار کروانے کے بعد ایڈورٹائزنگ ایجنسی کے مالک فرقان صاحب سے ملنے کا عندیہ دے دیا گیا تھا۔

''السلام علیکم!'' فرقان صاحب کے خوب صورت آفس میں داخل ہوکر اس نے بڑے اعتماد انداز میں سلام کیا۔

''وعلیکم السلام...... آپ وہی ہیں ناں جو یہاں بطور ریسپشنسٹ انٹرویو دینے آئی تھیں اور میں نے آپ کا فوٹو جینک چہرہ دیکھ کر آپ کو ماڈلنگ کا مشورہ دیتے ہوئے اپنی ایجنسی کے ساتھ بطور ماڈل کام کرنے کی آفر کی تھی جس پر آپ نے بری طرح سے ری ایکٹ کرتے ہوئے میری اچھی خاصی بے عزتی بھی کرڈالی تھی۔'' ریوالونگ چیئر پر بیٹھے پشت سے ٹیک لگاتے ہوئے پینتیس، چونتیس سالہ فرقان صاحب نے اسے اپنے سامنے ٹیبل کے دوسری طرف چیئر پر بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کچھ یاد دلایا۔

شہ رگ سے قریب

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق
عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی

عشق کی ویسے تو کئی اقسام ہیں مگر میرے نزدیک پہلی قسم وہ ہے جس میں آپ صرف محبت کرتے ہیں اور اپنے محبوب کی رضا کی خاطر سب کچھ کرنے کے لیے تیار رہتے ہیں۔ عشقِ حقیقی کو سمجھنا بہت مشکل ہے مگر جب سمجھ آجاتا ہے تو اس سے آسان کچھ نہیں لگتا...... عشقِ حقیقی ہو یا مجازی ہر صورت ہم محبوب کی چاہت اور رضا کے طلبگار رہتے ہیں۔

اصل خوشی محبوب کی خوشی میں ہوتی ہے، اس کی چاہت میں دل کا سکون ہوتا ہے۔ اس کو پانے کے لیے اپنی ذات کی ہر قدم پر نفی کرنی ہوتی ہے۔ جب کہیں جا کر عشق کے امتحان میں کامیابی ملتی ہے۔ اور اگر محبوب ایسا ہو تو کیا بات ہے کہ جس کی طرف ایک قدم بڑھاؤ تو وہ خود دس قدم آگے بڑھ کر ہمارے راستے آسان کردے۔

جب اس ذاتِ والا صفات کو سب کچھ مان لیا، پہچان لیا کہ اس سے زیادہ ہمارا بھلا چاہنے والا کوئی نہیں تو پھر اس سے بھاگنا کیسا...... اس کے احکامات سے روگردانی کیسی؟ جب دل سے بندگی کا اقرار کرلیا تو پھر سرِ تسلیم خم ہے۔ راہِ وفا میں مشکلات آئیں گی مگر مشکل کشا کا ساتھ ہے پھر گھبرانا کیسا؟ بیچ راستے سے پلٹنا کیسا؟ جب وہی منزل ہے تو راستے کی طوالت سے بھاگنا کیسا؟ ایسا چاہنے والا کس کے نصیب میں ہے، ایسا دیالو جو بس نوازتا ہے اور ہم سے صرف وہی چاہتا ہے جس میں خود ہماری بھلائی ہو، فلاح ہو، خیر ہو...... یہ بڑے نصیب کے ہیں فیصلے...... یہ بڑے نصیب کی بات ہے۔

اور یقیناً بڑے نصیب والے ہیں وہ لوگ جو اپنے محبوب رب کے محبوب مہینے کو پاتے ہیں تو اس ماہ کے ایک، ایک لمحے سے مستفید ہوتے ہوئے اپنی دنیا و آخرت سنوار لیتے ہیں۔

ایمان کی حقیقت کا مزہ تو اسی کو حاصل ہوتا ہے جو سب رشتے ناتوں سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیبِ پاکؐ سے محبت کرے، اس کے احکام کی پیروی کرے۔ نبی محترم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شعبان کے آخری دن فرمایا۔ ''اے لوگو تم پر ایک عظیم مہینہ سایہ کررہا ہے اس میں قدر کی رات ہے جو ہزار مہینے سے بہتر ہے، اللہ تعالیٰ نے اس مہینے کے روزے فرض کردیے ہیں اور رات کا قیام نفلی ہے۔ جس نے اس ماہ میں ایک نیکی کی بات کی گویا اس نے

''جی میں وہی ہوں، ویسے حیرت ہے آپ نے مجھے پہچان لیا؟'' زویا چیئر پر بیٹھتے ہوئے قدرے شرمندہ ہوئی۔

''مجھے خوب صورت چہرے کبھی نہیں بھولتے...... بٹ سوری مس زویا آپ جس سیٹ کے لیے انٹرویو دینے آئی تھیں آپ نے یہاں آنے تک دیکھ ہی لیا ہوگا کہ وہ سیٹ فل ہوچکی ہے۔''

''میں بطور ماڈل آپ کی ایڈورٹائزنگ ایجنسی کے ساتھ کام کرنا چاہتی ہوں۔'' زویا نے ان کی بات کاٹتے ہوئے انکشاف کیا۔

''چند مہینے پہلے تو آپ نے میری اس آفر کو بری طرح سے رد کردیا تھا؟'' وہ حیرت سے بولے۔ ان کا انداز جتانے والا تھا۔ زویا کے لبوں پر تلخ سی مسکراہٹ بکھر گئی۔

''وقت سے بڑی ظالم شے کوئی نہیں اس دنیا میں...... یہ کب، کیسے اور کیوں انسان کی ترجیحات کو بدل دیتا ہے کوئی نہیں جانتا...... بہر حال میں نے اس وقت انکار کیا تھا...... اب میں خود آپ کی اس آفر کو قبول کرتی ہوں۔'' زویا نے اعتماد سے اپنے سامنے بیٹھے شخص کو اپنا فیصلہ سنایا۔

''Well that,s very good news یقیناً ماڈلنگ کی دنیا میں تم ایک خوب صورت

دوسرے مہینے میں فرض ادا کیا اور جس نے دوسرے مہینے میں ستر فرض ادا کیے، وہ رمضان کے ایک فرض کے برابر ہے۔ یہ صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا ثواب جنت ہے اور یہ غم خواری کا مہینہ ہے۔ اس مہینے میں ایماندار کی روزی فراخ کردی جاتی ہے۔ جس نے اس ماہ کسی روزے دار کا روزہ کھلوالیا، اس کے لیے ایک غلام آزاد کرنے کا اجر ہے اور اس کے گناہوں کی معافی ہوگی۔ اور اسی ماہ ایک رات (لیلتہ القدر) ایسی آتی ہے کہ جب ندائے غیبی آتی ہے۔

''اے بھلائی کے طلب گارو آگے بڑھو، برائی کے طلب گارو پیچھے ہٹو، ہے کوئی بخشش مانگنے والا تاکہ اسے بخش دیا جائے، ہے کوئی توبہ کرنے والا تاکہ اس کی توبہ قبول کی جائے۔'' اس ماہ ہر شب اللہ تعالیٰ دوزخ سے دس لاکھ گناہ گاروں کو آزاد فرماتا ہے جن پر عذاب لازم ہو چکا تھا۔

آپ کا فرمان ہے میری امت کو رمضان کے مہینے میں پانچ باتیں عطا ہوئیں جو پہلے کسی امت کو عطا نہیں ہوئیں۔

1۔ روزے دار کے منہ کی بو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے زیادہ پاکیزہ ہے۔

2۔ فرشتے ان کے لیے استغفار یعنی دعائے مغفرت و بخشش کرتے ہیں۔

3۔ اس ماہ شیاطین جکڑ دیے جاتے ہیں۔

4۔ اللہ پاک روز جنت کو آراستہ فرماتا ہے اور یہ فرماتا ہے قریب ہے کہ میرے بندوں سے تکلیف و کمزوری دور ہو جائے۔

5۔ آخری رات میں ان توبہ کرنے والوں کو بخش دیا جاتا ہے۔

جس شخص نے کسی روزے دار کو افطار کرایا اس کے گناہ بخش دیے جاتے ہیں، اس کی گردن آتشِ دوزخ سے آزاد کردی جاتی ہے اور روزے دار کے روزے کا ثواب کم کیے بغیر افطار کرانے والے کو بھی روزے دار کے برابر ثواب ملے گا۔

صحابہ کرام نے عرض کیا کہ ہم میں سے ہر ایک کی استطاعت اتنی نہیں ہے کہ افطار کرائے، آنحضورؐ نے فرمایا۔ ''اللہ تعالیٰ ہر اس شخص کو اجر مرحمت فرمائے گا جس نے ایک کھجور یا ایک گھونٹ پانی سے بھی روزہ کھلوایا۔'' یہ مہینہ ایسا ہے جس کا پہلا حصہ رحمت ہے اور جس نے اس مہینے میں اپنے غلام یعنی (نوکر ملازم پر بھی) آسانی کی اللہ پاک اسے بخش دے گا۔ اور جہنم سے آزادی عطا فرمائے گا۔''

پروردگارِ عالم اپنے حبیب کے صدقے میں اس ماہ مبارک کے صدقے میں ہمارے گناہان کبیرہ و صغیرہ کو معاف فرمائے۔ آمین

تحریر...... ہما بیگ

اضافہ ثابت ہوگی اور مجھے تمہارے ساتھ کام کر کے خوشی ہوگی۔'' فرقان مسکرایا۔ وہ واقعی بہت خوش ہوا تھا...... اور اس نے یہ جملہ صرف رسمی جملہ نہیں بولا تھا...... اس نے اپنے دس سالہ کیریئر میں بے شمار لڑکیوں کو ماڈل بنایا تھا مگر زویا جیسا فگر، ہائیٹ اور معصوم حسن آج سے پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔ بلاشبہ وہ اس کے لیے ترقیوں اور کامیابیوں کی سیڑھی ثابت ہو سکتی تھی۔

''ایک ایڈ کا کتنا پیسہ ملتا ہے ماڈل کو؟'' اس کی بات پر فرقان نے قدرے حیرت سے اپنے سامنے بیٹھی زویا کو دیکھا۔

''اس فیلڈ میں داخل ہونے والی نئی لڑکی یہ سوال نہیں کرتی ہم سے...... اس کا فیصلہ ہم کرتے ہیں کہ اسے کتنا دیا جائے۔''

''آپ اس فیلڈ میں آنے والی لڑکیوں کو کتنا دیتے ہیں مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں...... مگر مجھے بہت زیادہ چاہیے۔'' زویا نے باور کروایا۔

''مثلاً کتنا چاہیے؟'' فرقان نے ریوالونگ چیئر گھماتے ہوئے جواب طلب نظروں سے اسے دیکھ کر پوچھا۔

''بہت زیادہ کا مطلب ہوتا ہے بہت زیادہ...... فی الحال فوری طور پر مجھے تین لاکھ کی ضرورت ہے۔''

''ہوں...... تین لاکھ کی ضرورت ہے۔'' فرقان نے ٹیبل پر رکھی سگریٹ کی ڈبیا اٹھائی اور لائٹر اٹھا کر

سگریٹ سلگایا اس کے پاس ہر دوسری لڑکی اپنی ضرورتوں کا سودا کرنے ہی آتی تھی۔ ''ضرورتیں کبھی کبھی انسان کو آسمان سے پاتال تک لے آتی ہیں...... اور کبھی پاتال سے آسمان کی جانب اچھال بھی دیتی ہیں، ضرورتوں کے اس کھیل میں انسان کب اندر جیتا، جیتا مر جاتا ہے کوئی نہیں جانتا مگر تمہیں یہ بات جان لینی ہوگی کہ جس فیلڈ میں تم قدم رکھنے والی ہو وہاں ضرورت تو آسانی سے پوری ہو جاتی ہے مگر عزت کو نیلام کرنا پڑتا ہے۔ دولت اور شہرت کی جگ مگ کرتی اس دنیا میں جگہ جگہ عزتوں کے بازار لگتے ہیں۔ جگہ جگہ تمہیں اپنی شرم و حیا کو بیچنا پڑے گا خود کو اندر سے مارنا پڑے گا۔''

''مجھے بس پیسہ چاہیے، اس کے لیے چاہے مجھے کچھ بھی کرنا پڑے...... میں کرنے کو تیار ہوں۔'' زویا کے لہجے میں تلخی تھی۔

''ٹھیک ہے، مجھے دبئی کے ایک فیشن میگزین کے لیے بولڈ فوٹو شوٹ کروانا ہے، اس شوٹ کے لیے مجھے کسی نئے چہرے کی تلاش تھی...... بولڈ فوٹو شوٹ...... مطلب سمجھتی ہو ناں اس کا؟'' فرقان نے ٹیبل پر جھک کر سگریٹ کے کش لیتے ہوئے گہری نظروں سے زویا کو دیکھا۔

''ہاں سمجھتی ہوں، کب کرنا ہے؟'' وہاں ایک پتھر دل زویا بول رہی تھی...... جو اپنی ہر بات پر فرقان کو حیران کر رہی تھی...... یہ وہ زویا ہرگز نہیں تھی جو دو مہینے پہلے سر پر چادر اوڑھے، نظریں جھکائے اس کے آفس میں بطور ریسپشنسٹ انٹرویو دینے آئی تھی...... یہ زویا تو زمانے کی آگ میں جھلسی ہوئی زویا تھی۔ بے حیا اور بے شرم زویا......

اس نے بہت سال پہلے کہیں پڑھا تھا دکھ انسان کو یا تو ریت کی دیوار کی طرح ڈھا دیتا ہے یا چٹان کی طرح کھردرا اور سخت بنا دیتا ہے۔ اس کا وجود ریت کی دیوار کی طرح کئی بار گرا تھا مگر وہ ہر بار نئے حوصلے کے ساتھ اپنے بکھرے وجود کو جوڑ لیا کرتی تھی۔ دکھوں کے کئی موسم اس کے دل پہ بارہا گزرے تھے۔ وہ تب بھی اس طرح نہیں ٹوٹی تھی مگر اب وہ ٹوٹ گئی تھی۔ محبت نے اسے توڑ دیا تھا، اسے اندر سے ختم کر دیا تھا...... جس دن خضر چپ چاپ رشتہ توڑ کر اپنی ماں کے ساتھ ان کے گھر سے نکلا تھا اس وقت زویا کا دھڑکتا دل بھی اپنے ساتھ ہی لے گیا تھا جو صرف خضر کے لیے دھڑکا کرتا تھا جو صرف اسی کا نام لیا کرتا تھا۔ زویا اسی وقت مر گئی تھی...... اب اس کے وجود میں ایک نئی زویا نے جنم لیا تھا...... یہ زویا ایک چٹان کی طرح تھی...... سخت اور کھردری۔

''میں آج تمہارا پورٹ فولیو بنواتا ہوں...... پھر دیکھتے ہیں شوٹ کب کرنا ہے۔'' فرقان صاحب نے سگریٹ ایش ٹرے میں مسلا اور اپنا موبائل اٹھا کر کسی کو کال ملانے لگے۔

☆☆☆

''اسجد شادی کر رہا ہے۔ دو ہفتے کے بعد اس کا نکاح ہے اس کی خالہ کی بیٹی کے ساتھ اور یہ نکاح اسجد کی پسند سے ہو رہا ہے اسی لیے بہت مصروف ہے آج کل وہ...... یہ ساری معلومات مجھے کل افشاں نے دی ہے۔'' حنا نے چائے کا کپ سارہ کے آگے رکھا اور خود بھی اس کے پاس ہی بیٹھ گئی۔

''وہ ایسا کیسے کر سکتا ہے، میری زندگی برباد کر کے وہ خود کیسے آباد ہو سکتا ہے؟'' سارہ ورطۂ حیرت میں تھی۔

''دوسروں کو برباد کرنے والے اللہ کے قہر سے کب ڈرتے ہیں سارہ؟ مجھے تو تمہاری فکر کھائے جا رہی ہے، تم اب کیا کرو گی؟ اگر تم نے مجھے پہلے اپنی اس ''حالت'' کے بارے میں کچھ بتایا ہوتا تو......'' حنا تاسف سے بولتی خاموش ہو گئی۔

''ایک جھوٹی محبت کے فریب میں جو ذلت مجھے ملی ہے وہ خدا کسی لڑکی کے مقدر میں نہ لکھے۔'' سارہ رونے لگی حنا کو اس کی حالت پر بہت دکھ ہو رہا تھا۔

''سارہ میں تمہیں کیسے تسلی دوں؟ کون سے لفظ بولوں جس سے تمہاری پریشانی کم ہو جائے۔'' حنا نے تاسف سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

''کچھ مت کہو، میں اس قابل ہی نہیں ہوں کہ مجھے تسلی یا دلاسا دیا جائے۔'' اس نے اپنے آنسو صاف کیے اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

''تم بس ایک کام کرنا۔'' وہ ایک ٹھنڈی سانس بھر کر حنا سے بولی۔

''کیسا کام......؟''

''اگر مجھے کچھ ہو جائے تو زویا آپی کو امجد کے بارے میں سب کچھ بتا دینا...... مجھ میں اتنی ہمت نہیں ہے کہ میں اپنے منہ سے انہیں اپنی بربادی کے قصے سناؤں۔''

''اللہ نہ کرے تمہیں کچھ ہو، تم ایسی باتیں مت کرو۔'' حنا نے اسے ٹوکا۔

''میرے مرنے کے بعد میری مغفرت کی دعا ضرور کرنا...... میں بہت گناہ گار ہوں۔'' سارہ نے حنا کے ہاتھ تھامتے ہوئے التجا کی۔

''پلیز ایسی باتیں مت کرو سارہ، اللہ اس شخص کو غرق کرے جس نے تمہاری زندگی برباد کی، میں تو سمجھتی تھی کہ امجد تم سے سچی محبت کرتا ہے میرے تو وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اس کی محبت کے پیچھے اتنا مکروہ چہرہ بھی ہو سکتا ہے؟'' حنا کے لہجے میں اب بھی بے یقینی تھی۔

''اس میں بھی میرا ہی قصور ہے، نہ میں اس پر یقین کرتی نہ وہ میرے یقین کی دھجیاں اڑاتا۔''

''اور اب وہ خبیث، بے غیرت کئی لڑکیوں کی زندگی برباد کر کے اپنی بیوی سے کہے گا تم ہی میری پہلی اور آخری محبت ہو۔'' حنا کو امجد پر شدید غصہ آ رہا تھا۔

''میں نے اس کی بہت منتیں کیں، بہت التجائیں کیں...... اس سے کہا چاہے تھوڑے عرصے کے لیے ہی سہی تم مجھ سے نکاح کر لو مگر میری کوئی فریاد اس کا دل موم نہ کر سکی...... مجھے برباد کر کے اب وہ اپنی خوشیوں کی سیج سجا رہا ہے۔'' سارہ کی آنکھوں سے ایک بار پھر آنسو بہنے لگے تھے۔ اس بار حنا اسے کوئی تسلی، کوئی دلاسا بھی نہ دے سکی تھی۔

''میں اب چلتی ہوں، بہت دیر ہو گئی ہے۔'' سارہ نے سر پر چادر درست کی اپنے آنسو ایک بار پھر صاف کیے۔

''تھوڑی دیر اور بیٹھ جاتیں میرے پاس......؟'' حنا نے اس کے ہاتھ تھام لیے۔

''نہیں، اماں انتظار کر رہی ہوں گی...... میں اب چلتی ہوں۔'' وہ اس سے ملنے کے بعد باہر نکل آئی، واپسی پہ اس نے ایک سپر اسٹور سے چوہے مار گولیوں کا ڈبا خریدا تھا...... اور اپنے پرس میں چھپا لیا تھا۔ گھر پہنچ کر اس نے غسل کیا اور نماز پڑھنے کھڑی ہو گئی۔ دعا مانگتے ہوئے وہ بے اندازہ رو رہی تھی۔



فرقان، زویا کو مشہور و معروف اسٹائلسٹ کے پاس لے گیا تھا...... زویا کے بالوں کو ایک اسٹائلش سا ہیر اسٹائل دے دیا گیا تھا۔ اس کی بھوؤں کی شیپ بھی چینج کر دی گئی تھی۔ فیشل اور ویکس کے بعد اس کا حسن مزید نکھر گیا تھا...... فرقان خود اسے دیکھ کر حیران رہ گیا تھا۔

''کیا خیال ہے، شوٹ آج ہی کر لیا جائے؟'' فرقان نے زویا سے پوچھا۔

''میں نے کہا ناں I am ready'' زویا کا جواب سن کر اس نے موبائل پر کسی کو فون کیا تھا اور فوٹو شوٹ کروانے کے متعلق کچھ ہدایات دی تھیں۔

میک اپ اسٹائلسٹ اب اس کے چہرے پر میک اپ کرنے میں مصروف تھا۔ ایک غیر اور نا محرم مرد کے ہاتھ

اس کے چہرے، اس کی گردن کو بار، بار چھو رہے تھے۔ مگر وہ بے حس بنی بیٹھی تھی۔
زویا کو بولڈ فوٹو شوٹ کے لیے جو ڈریس دیا گیا تھا وہ اتنا بے ہودہ اور واہیات تھا کہ ایک لمحے کے لیے.. اس کے اندر بچی کچھی شرم وحیا نے اسے غیرت دلائی تھی مگر اگلے ہی لمحے اس نے اپنی شرم کا بھی گلا گھونٹ دیا تھا۔ اب اس کا ہوش ربا حسن عنقریب شوبز کی دنیا میں تہلکہ مچانے والا تھا۔ فوٹو گرافر اس کو طرح، طرح کے پوز بتا رہا تھا اور بنوا رہا تھا۔ زندگی میں اس نے کبھی کوئی گھٹیا فیشن نہیں کیا تھا اور اب وہ عریاں پنڈلیوں کے ساتھ لمبی ہیل پہنے کبھی کس انداز میں کھڑی ہو رہی تھی اور کبھی کس انداز میں...... جانے وہ کون سا احساس تھا جو اس سے اپنے سامنے کھڑے چار نامحرم مردوں کے سامنے اتنی ڈھٹائی سے سب کچھ کروا رہا تھا...... زندگی بہت بڑا امتحان لے رہی تھی اس سے۔
یہ زندگی ایک امتحان ہی تو ہے، اس کے کئی سوال ہم آسانی سے حل کر لیتے اور کچھ سوالوں کے جواب ہمیں نہیں آتے اور ہم انہیں چھوڑ دیتے ہیں اور پاسنگ مارکس حاصل کرنے کے لیے کچھ سوالوں کو حل کرتے، کرتے ہم خود الجھ جاتے ہیں۔ زندگی وہ امتحان ہے جہاں نقل نہیں چل سکتی...... اس امتحان کے پرچے کو خود ہی حل کرنا ہوتا ہے۔ زویا بھی زندگی کے امتحان کو حل کرتے، کرتے اس کے سوالوں میں الجھ گئی تھی۔ وہ پاسنگ مارکس حاصل کرنے کے لیے خود کو فیل ہونے سے بچانے کے لیے یہ سب کر رہی تھی۔ مجبوریوں نے بہت بڑی قربانی مانگ لی تھی اس سے...... سو وہ یہ قربانی دے رہی تھی اور خود کو ذلیل کر رہی تھی۔ خود کو بے حیا ثابت کر رہی تھی، چند گھنٹوں کے بعد زویا کی زندگی کا پہلا بولڈ فوٹو شوٹ مکمل ہو گیا تھا۔

"I cant believe that you did such a great photoshoot"

فرقان ازحد خوش تھا، وہ اس شوٹ سے بہت زیادہ پیسہ کمانے والا تھا۔
فرقان اس کے کندھے پر بازو ڈالے اسے اپنے آفس میں لے آیا تھا۔ زویا اپنی تصویریں دیکھ کر خود بھی حیران رہ گئی تھی فرقان کی بات پر اس نے صرف مسکرانے پر اکتفا کیا تھا۔ آفس میں آکر اپنی مخصوص چیئر پر بیٹھ کر فرقان نے ٹیبل کی دراز سے اپنی چیک بک نکالی تھی۔
''تین لاکھ کوئی معمولی رقم نہیں ہوتی میں نے اپنے کیریئر میں کبھی کسی new comer model کی یوں منہ مانگے ڈیمانڈ پوری نہیں کی جس طرح تمہاری کر رہا ہوں، تم نے جس انداز سے اور جتنا اچھا فوٹو شوٹ کروایا ہے۔ you did such a great job بہت خوشی ہوئی مجھے۔'' فرقان نے چیک لکھ کر اپنے سامنے بیٹھی زویا کی طرف بڑھایا۔
''تھینکس......'' زویا نے ہاتھ بڑھا کر چیک پکڑتے ہوئے کہا۔ ''ضرورتیں بھی، کبھی سوچوں کو بھی محدود کر دیتی ہیں، تین لاکھ سے میری صرف ضرورت پوری ہو گی، آئم شیور آپ کی اس شوٹ سے ضرورتوں کے ساتھ خواہشیں بھی پوری ہوں گی۔'' زویا نے جتانے والے انداز میں چیک لے کر اپنے پرس میں رکھ لیا تھا۔
فرقان کے لبوں سے ایک لمحے کے لیے مسکراہٹ غائب ہوئی تھی مگر اگلے ہی لمحے وہ کھل کر مسکرایا تھا۔
''میں جتنا سیدھا تمہیں سمجھ رہا تھا تم اتنی ہو نہیں...... تمہاری یہ بولڈنیس بہت جلد تمہیں شوبز میں ایک منفرد مقام دلائے گی۔'' فرقان نے ٹیبل کے قریب رکھی مشروب کی بوتل اٹھا کر ٹیبل پر رکھی...... اور دراز سے دو گلاس نکالے۔
''مجھے صرف شہرت نہیں چاہیے، بہت سارا پیسہ بھی چاہیے۔''
''اگر مجھ سے بنا کر رکھو گی تو ملے گا اور بہت زیادہ ملے گا...... بہر حال یہ بتاؤ شوبز میں اپنے اصلی نام سے آؤ گی یا......؟'' فرقان نے گلاس بھر کر زویا کی طرف بڑھایا۔
''گھر کی چار دیواری میں رہنے والی سیدھی سادی شرم وحیا کا پیکر زویا مر گئی ہے، اس بے حیا لڑکی کو زویا کا نام مت دیجیے گا...... زویا کی روح کو تکلیف ہو گی۔''

''دلنشیں''، تمہاری شخصیت کے حساب سے بیسٹ رہے گا یہ نام۔'' فرقان اپنا گلاس اٹھا کر چیئر سے اٹھ کھڑا ہوا تھا..... مگر زویا نے جواب نہیں دیا تھا۔ اس کی نظر اپنے سامنے رکھے گلاس پر گڑی تھی۔ جس میں ایک حرام مشروب اسے پینے کے لیے دیا گیا تھا۔

''میں اب چلتی ہوں، مجھے دیر ہو رہی ہے۔'' زویا اپنا پرس اٹھا کر چیئر سے اٹھی۔

''اتنی جلدی بھی کیا ہے دلنشیں......؟ آج میں بہت خوش ہوں اور یقیناً تمہیں بھی خوش ہونا چاہیے۔ شہرت اور بہت سارا پیسہ تمہارے دروازے پر دستک دینے والا ہے۔'' فرقان نے زویا کی کمر کے گرد اپنا بازو پھیلایا...

''کیوں ناں اس خوشی کو سیلیبریٹ کیا جائے؟'' فرقان کے انداز میں اسرار پوشیدہ تھا۔

''ضرورتوں کی قیمت شرم و حیا بیچ کر دی جائے تو خوشی کے بجائے ماتم کیا جاتا ہے۔'' اس کے مرے ہوئے جلے ہوئے دل سے دھواں اٹھ رہا تھا۔

''نہیں، اس کی ضرورت نہیں ہے...... ویسے بھی مجھے گھر جانے کی جلدی ہے اور یہ......'' زویا نے انکار کیا۔

''کیا ہر بار اچھا شوٹ کروانے پر مجھے آپ کے ساتھ اس طرح کی celebrations کرنا ہوں گی؟'' زویا کے تیکھے انداز پر فرقان نے قہقہہ لگایا۔

''تم عام لڑکیوں سے بہت مختلف ہو اور ہونا بھی چاہیے، ہیرا ہمیشہ سب سے مختلف ہوتا ہے۔'' فرقان نے اس کی تعریف کی اور اسے لے کر صوفے کی طرف آ گیا۔

''دلنشیں...... ایسی چیزیں شوبز کا حصہ ہیں، ان چیزوں کو جتنی جلدی اپنا لوگی، اتنی ہی جلدی شہرت اور روپے پیسے کی دیوی تم پر مہربان ہوتی جائے گی۔'' فرقان اسے لے کر صوفے پر بیٹھ چکا تھا۔

''دیکھو، میں اپنی ایڈورٹائزنگ کمپنی کے لیے تمہیں سائن کرنا چاہتا ہوں، تم دیکھنا راتوں رات تمہیں شہرت کی بلندیوں پہ نہ پہنچا دیا تو میرا نام بھی فرقان حیدر نہیں......'' فرقان اصل موضوع کی طرف آیا۔ زویا نے اپنے پہلے شوٹ سے ہی اسے اتنا حیران کر دیا تھا...... آگے جا کر تو وہ اس کے لیے سونے کے انڈے دینے والی مرغی ثابت ہو سکتی تھی۔

''اس ملک کے مشہور و معروف ٹیکسٹائل انڈسٹری کے اونر داؤد چوہدری اور زاروں چوہدری کی ٹیکسٹائل کی ونٹر اور سمر کلیکشن کے ایڈ میری ایجنسی ہی بناتی ہے، مجھے ان کی ونٹر کلیکشن کے ایڈ کے لیے ایک نئی اور خوب صورت ماڈل کی تلاش تھی۔ میں اس ایڈ کے لیے تمہیں سائن کرنا چاہتا ہوں اور اس ایڈ کے تمہیں دس لاکھ ملیں گے۔'' فرقان نے اسے تفصیل بتائی۔

''ٹھیک ہے، میں آپ کے ساتھ کانٹریکٹ سائن کرنے کے لیے تیار ہوں۔'' اس کے لبوں سے ادا ہونے والے جملے پر فرقان کا چڑھتا نشہ ختم ہو گیا تھا اور اس نے اٹھ کر ٹیبل سے فون کا ریسیور اٹھا کر اپنی سیکرٹری کو ہدایت کی تھی۔

''مس زویا کا کانٹریکٹ تیار کروائیں۔'' زویا کا ذہن دس لاکھ پر اٹکا ہوا تھا۔ دس لاکھ سے وہ اپنے گھر اور گھر والوں کی کون، کون سی ضرورت پوری کر سکتی تھی۔ وہ اس وقت یہ سوچ رہی تھی۔

پھر تھوڑی ہی دیر کے بعد فرقان نے اس سے کانٹریکٹ سائن کروا لیا تھا۔ فرقان کا ڈرائیور اسے اس کے گھر ڈراپ کر کے گیا تو رات کا اندھیرا پھیل چکا تھا۔ اس نے گھر میں قدم رکھا تو سیما بیگم کو صحن میں ٹہلتے ہوئے پایا۔ زویا کو دیکھ کر وہ عجلت میں اس کی جانب لپکیں اور پریشانی میں زویا پہ سوالوں کی بوچھاڑ کر دی۔

''کہاں تھیں تم؟ صبح سے رات ہو گئی ہے، تمہارا فون بھی بند جا رہا تھا، میں تو پریشان ہو رہی تھی اور دعائیں مانگ رہی تھی کہ......'' اچانک سیما بیگم کی بات منہ میں ہی رہ گئی تھی زویا نے سر سے چادر اتاری تو اس کے کٹے ہوئے بال...... چہرے پر لگا میک اپ...... اس کا بدلا ہوا روپ...... سیما بیگم کو حیران و پریشان کر گیا تھا۔

''یہ...... یہ...... کک...... کیا حلیہ بنا رکھا ہے تم نے؟'' زویا نے مطمئن انداز میں اپنے پرس سے تین لاکھ کا

چیک نکالا......اور ان کی طرف بڑھایا۔
''یہ تین لاکھ کا چیک ہے اسے صبح بینک سے کیش کروا کر اس خبیث ایس ایچ او کے منہ پر مار کر گلو اور خالد بھائی کو چھڑا لینا۔''
''مم...... مگر اتنی بڑی رقم کا بندوبست تم نے کیا کہاں سے؟'' سیما بیگم کی حیرت اب بھی کم نہیں ہو رہی تھی۔
''خود کو مار کر آپ کے بیٹے اور داماد کو بچالیا ہے میں نے...... کیا یہ جان لینا ہی کافی نہیں ہے آپ کے لیے......'' زویا چادر اتار کر کمرے میں آ گئی۔
''نہیں نہیں ہے کافی میرے لیے...... مجھے بتا کر کون سا غلط کام کر کے آئی ہے تو......؟'' سیما بیگم نے روتے ہوئے زویا کا بازو پکڑا اور اس کا رخ اپنی جانب موڑ لیا۔
''بتا مجھے کہاں منہ کالا کر کے آئی ہے؟ زویا مجھے بتا یہ رقم کہاں سے آئی تیرے پاس؟'' اب کے سیما بیگم روتے ہوئے چیخیں۔
''جس کمپنی نے مجھے ماڈلنگ کی آفر کی تھی اس کمپنی کے لیے ماڈلنگ کر کے آئی ہوں، اب اس سے زیادہ سوال جواب مت کرنا اماں...... تھک گئی ہوں میں...... زارا بجو، میرے لیے اچھی سی چائے بناؤ۔'' زویا انہیں جواب دے کر کمرے میں چلی گئی تھی۔
سیما بیگم جہاں کھڑی تھیں حیرت سے وہیں کھڑی رہ گئیں۔ دوسرے کمرے میں بیٹھی سارہ کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگی ہوئی تھی۔

☆☆☆

زندگی میں کچھ چیزیں بالکل غیر متوقع ہو جاتی ہیں، کچھ واقعات ایسے ہوتے ہیں جن کے نتیجے میں یا تو انسان کسی سے ہمیشہ کے لیے دور ہو جاتا ہے یا ہمیشہ کے لیے کسی کے قریب آ جاتا ہے۔ ڈاکٹر عمر اور ایشال کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی ہوا تھا۔ دونوں نے ایک دوسرے سے محبت کا اظہار تو نہیں کیا تھا مگر ان کے دل ایک دوسرے کے لیے دھڑکنے ضرور لگے تھے۔
آج ایشال کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں تھی سو وہ آج اسپتال نہیں آئی تھی اور ڈاکٹر عمر کا آج اس کے بغیر اسپتال میں دل نہیں لگ رہا تھا۔ جنرل وارڈ اور ایمرجنسی وارڈ کا راؤنڈ لگانے کے بعد وہ اپنے روم میں آئے تو کافی بناتے ہوئے بے اختیار انہیں ایشال کی یاد آئی...... کچھ عرصے سے ان کے اور اپنے لیے کافی ایشال ہی بنانے لگی تھی۔ شاید وہ اس کے ساتھ ساتھ اس کی کافی کے بھی عادی ہو گئے تھے۔
کافی بنا کر اپنی مخصوص چیئر پر بیٹھ کر انہوں نے اپنا موبائل اٹھا لیا اور ایشال کا نمبر نکال کر کال ملانے لگے مگر پھر اگلے ہی لمحے کچھ سوچ کر انہوں نے فون ٹیبل پر رکھ دیا اور دھیرے سے بڑبڑائے۔
"what's wrong with me now a days, why I am wishing for which is impossible to get" انہوں نے خود سے سوال کیا تھا جس کا ان کے دل نے جواب دیا۔
''یہ خواہش ایسی نہیں جو پوری نہ ہو سکے۔'' اس سے پہلے کہ وہ اپنے دل کو کوئی جواب دیتے، ان کے موبائل کی بیل بج اٹھی تھی۔ ان کے دوست ڈاکٹر اسد انہیں کال کر رہے تھے، ڈاکٹر عمر نے کافی پیتے ہوئے کال لی۔
''کیسے ہو، کیا ہو رہا ہے؟'' ڈاکٹر اسد نے پوچھا۔
''ٹھیک ہوں...... اسپتال میں ہوں، فی الحال کافی پی رہا ہوں۔'' انہوں نے سرسری سے انداز میں کہا۔
''لگتا ہے آج تم اکیلے بیٹھے بور ہو رہے ہو...... ایشال نے آج چھٹی کر لی ہو گی؟'' ڈاکٹر اسد کے انداز میں

شرارت تھی۔

''تمہیں کیسے پتا چلا؟'' وہ ازحد حیران ہوئے۔

''تمہاری مرجھائی ہوئی آواز سے۔'' دوسری طرف سے مطمئن انداز میں جواب دیا گیا تو ایک دھیمی سی مسکراہٹ اُن کے لبوں کا احاطہ کر گئی۔

''اسد پتا نہیں کیا ہو گیا ہے مجھے...... وہ روز بروز میری زندگی میں اہمیت اختیار کرتی جا رہی ہے...... وہ ہمیشہ سے میری تنقید کا نشانہ بنتی رہی ہے۔ مجھے زندگی میں اگر کسی پر اتنا غصہ آتا رہا ہے تو وہ بھی ایشال ہی تھی۔ اگر میں نے زندگی میں کسی کو ڈانٹا ہے تو وہ بھی ایشال ہی تھی، مجھے یہ بات سمجھ نہیں آ رہی کہ میرے غصے اور میری تنقید کی ہٹ لسٹ پر رہنے والی لڑکی میں ایسی کون سی مقناطیسی کشش ہے جو مجھ جیسے اسٹرانگ بندے کو ریزہ، ریزہ کر کے اپنی جانب کھینچ رہی ہے۔ ایسا کیا ہے اس میں...... جس نے مجھے اندر سے ہلا کر رکھ دیا ہے۔ میرے دل کے جو دروازے سبرینہ کے بعد بند ہو چکے تھے، وہ ایک مدت کے بعد ایشال کی آرزو نے کب اور کیسے کھول دیے...... مجھے پتا تک نہیں چلا...... یہ کیسے ممکن ہوا؟ مجھے سمجھ نہیں آ رہا کیا کروں، کیسے اس الجھن سے نکلوں۔'' ڈاکٹر عمر کے لہجے میں شکست تھی، ہار تھی، بے یقینی تھی، حیرت تھی، وہ جو باتیں اتنے دنوں سے اپنے دل میں چھپائے بیٹھے تھے، یک لخت وہ اپنے دوست ڈاکٹر اسد کے سامنے عیاں کر رہے تھے۔

''تم ایسا کرو یہ سب کچھ اسے صاف، صاف بتا دو، اپنی دلی کیفیات سے اسے آگاہ کر دو۔''

''یہ سب ایشال کو بتانا بہت مشکل ہے میرے لیے...... اور ویسے بھی ہمارے بیچ اچھا خاصا ایج ڈیفرنس ہے...... اور اسد اگر میری یہ فیلنگز یک طرفہ ہوئیں تو شاید میں کبھی اس کا سامنا نہیں کر سکوں گا۔'' وہ سخت الجھن کا شکار تھے۔

''عمر تمہیں یہ کب، کیوں، کیسے، اگر، مگر جیسے لفظ الجھاتے چلے جائیں گے، اس طرح تم اپنے ہی سوالوں میں الجھتے چلے جاؤ گے۔ میری مانو تو وہی کرو جو میں نے تمہیں کہا ہے...... شادی تو ویسے بھی اسی سال تمہیں کرنی ہی ہے تو کیوں نہ اپنی پسند کو ہمیشہ کے لیے اپنی زندگی میں شامل کر لو اور سبرینہ کی دی ہوئی تلخیاں بھلا کر اپنی خوشیوں کو سمیٹنے میں دیر مت لگاؤ۔'' ڈاکٹر اسد انہیں سمجھا رہے تھے...... اور وہ اثبات میں سر ہلا کر چیئر سے اٹھ کھڑے ہوئے...... باہر اُن کے مریض ان کا انتظار کر رہے تھے۔

''او کے، میں کوشش کروں گا وہی سب کرنے کی جو تم نے کہا ہے۔''

''ہاں بھئی، اب اس عمر میں عشق کرو گے تو آپشنز تو نہیں ملیں گے ناں تمہیں۔'' ڈاکٹر اسد کا انداز چھیڑنے والا تھا۔

''بکواس نہیں کرو، اب ایسا بڈھا بھی نہیں ہوا میں۔'' وہ جھینپ گئے۔

''چل ٹھیک ہے میں فون رکھتا ہوں۔'' ڈاکٹر اسد نے ہنستے ہوئے فون بند کر دیا تھا تو وہ مسکراتے ہوئے اپنے روم میں آ گئے۔

☆☆☆

اقصم کے گائے گانوں اور اس کی خوب صورت آواز نے میوزک چینلز کے چارٹس پر دیگر سنگرز کے چھکے چھڑا دیے تھے۔ اس کے پہلے ہی سونگ نے اسے راتوں رات شہرت کی بلندیوں پر پہنچا دیا تھا...... بہت سی ملٹی نیشنل کمپنیاں اس کے البم اسپانسر کرنے کے لیے بے تاب نظر آ رہی تھیں...... اقصم کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی، اس نے تو کبھی سوچا تک نہیں تھا کہ شوق ہی شوق میں گاتے، گاتے ایک دن اس کا گایا گانا اور اس کی وڈیو ریلیز ہوگی اور وہ ریلیز ہوتے ہی اتنا پاپولر ہو جائے گا...... اسلام آباد میں ہونے والی میوزیکل نائٹ میں اقصم دیگر مشہور سنگرز کی موجودگی میں ہزاروں کی تعداد میں جمع کراؤڈ کے سامنے اپنی کامیاب اور یادگار پرفارمنس دے کر واپس لاہور آیا تو

آتے ہی وہ خوشی سے کاشانہ عمر، مناب سے ملنے آیا۔

''مناب...... کہاں ہیں آپ؟'' وہ بچوں کی طرح پُرجوش انداز میں لاؤنج میں داخل ہوا تو ساجدہ پھپھو کو لاؤنج میں ٹی وی دیکھتے ہوئے پایا۔ ٹی وی پر کسی میوزک چینل پر اقصم کا گانا ہی لگا ہوا تھا جو ساجدہ بیگم خوشی سے سن بھی رہی تھیں اور دیکھ بھی رہی تھیں۔

''ارے میرا بچہ...... میرا اقصم......'' ساجدہ بیگم نے بے حد خوشی اور محبت سے اسے گلے سے لگایا۔ ''میرا بیٹا تو Celebrity بن گیا ہے ماشاء اللہ......'' ساجدہ بیگم نے اس کا ماتھا چوما۔

''بس پھپھو آپ سب کی دعائیں ہیں۔ یہ بتائیں مناب کہاں ہیں؟'' اقصم مسکرایا۔

''اپنے کمرے میں ہوگی۔''

''او کے، میں ان سے مل کر آتا ہوں۔'' اقصم اسی طرح پُرجوش انداز میں ان سے ملنے کے بعد مناب کے روم کی طرف بڑھ گیا۔

دروازہ ناک کر کے جب وہ روم میں داخل ہوا تو وہ تیار ہو رہی تھی اور آئینے کے سامنے کھڑی کانوں میں بندے ڈال رہی تھی۔ اقصم مسکراتا ہوا پُرجوش انداز میں آگے بڑھا اور اسے بازوؤں سے پکڑ کر اپنی طرف گھما دیا۔

''مناب...... مجھے یقین نہیں آرہا تھا۔ میں اس طرح سے فیمس (مشہور) ہو جاؤں گا...... مجھے ایسا لگ رہا ہے جیسے میں کوئی خواب دیکھ رہا ہوں۔''

''نہیں یہ خواب نہیں، ایک خوب صورت حقیقت ہے اسٹوپڈ......'' مناب نے مسکراتے ہوئے اس کے بال بکھیرے۔

''اور میرے اس خواب کو ایک خوب صورت حقیقت میں آپ نے بدلا ہے، میں آپ کو بتا نہیں سکتا کہ میں کتنا خوش ہوں۔'' اقصم نے مسکراتے ہوئے اس کا ہاتھ پکڑ کر کپل ڈانس کے انداز میں اسے گھما ڈالا تھا۔

''چھوٹو، تمہیں بتانے کی ضرورت نہیں مجھے نظر آرہی ہے تمہاری خوشی۔'' مناب ہنسی۔

''بس اب میری البم کے تمام سونگ آپ لکھیں گی۔'' وہ مناب کا ہاتھ پکڑے بیڈ پر بیٹھ گیا۔

''لو جی، یہ کام بھی اب مجھے کرنا پڑے گا۔'' مناب نے منہ پھلایا۔

''ہاں تو بھئی اس میں مشکل کیا ہے؟'' اقصم نے حیرت سے اسے دیکھا۔

''مشکل ہی تو ہے چھوٹو...... میں آج کل اپنے دوسرے سیریل کی آخری اقساط لکھنے میں بزی ہوں اور پھر شاید اگلے مہینے ولی پاکستان آجائے تو......؟''

''بس آپ کی تان ولی بھائی پہ آکر ٹوٹ جاتی ہے...... بس میں کچھ نہیں جانتا۔ پورے البم کے نہ سہی مگر کچھ سونگز آپ مجھے ضرور لکھ کر دیں گی ورنہ میں اپنا بوریا بستر اٹھا کر یہاں شفٹ ہو جاؤں گا۔'' اقصم نے دھمکی دی۔

''تو یہ چھوٹو...... کتنے ڈھونسو ہو تم...... یاد کرو گے مجھے میری شادی کے بعد کوئی تمہارے یہ ناز نخرے نہیں اٹھانے والا۔'' مناب نے اسے مصنوعی خفگی سے دیکھا مگر اب اس کے چہرے سے دومنٹ پہلے والی خوشی اور جوش غائب ہو چکا تھا۔

''میرے البم کی ریلیز تک آپ اپنی شادی delay نہیں کر سکتیں؟''

''ارے واہ، میں کیوں کروں اپنی شادی ڈی لے......؟ ولی کے بس میں ہو تو آج ہی دوڑا چلا آئے امریکا سے۔'' مناب کے لبوں پر ولی کا نام لیتے ہی مسکراہٹ کھل اٹھی تھی۔

''ویسے آپ لڑکیوں کو شادی کی کتنی جلدی ہوتی ہے ناں۔'' اقصم بیڈ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

''اچھا اب بکواس نہیں کرو۔'' مناب مسکراتی ہوئی بیڈ سے اٹھ کر ایک بار پھر شیشے کے سامنے آکھڑی ہوئی۔

"یہ بتاؤ تمہاری اس professional singing کے بارے میں ماموں کا کیا ری ایکشن ہے؟"
مناب نے لپ اسٹک کی فائنل ٹچنگ کرتے ہوئے کمرے سے باہر جاتے اقصم سے پوچھا۔
"ہاں کہہ تو رہے تھے کہ میں نے تمہیں آکسفورڈ ایم بی اے کے لیے بھیجا تھا تاکہ تم واپس آکر میرا بزنس سنبھالو گے..... مگر تم نے اتنی تعلیم حاصل کر کے اپنے شوق کو پروفیشن ہی بنانا تھا تو آکسفورڈ جانے اور وہاں سے... ایم بی اے کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی؟"
"تم ان کے اس رویے سے مایوس مت ہونا..... ان کا غصہ صرف وقتی غصہ ہے۔" مناب نے لپ اسٹک لگانے کے بعد ہیر برش اٹھایا اور بالوں میں پھیرنے لگی۔
"ہاں جانتا ہوں میں..... اینی وے آپ کہیں جا رہی ہیں؟" اقصم نے کمرے سے نکلتے ہوئے ایک لمحے کے لیے کھڑے ہو کر اسے سر تا پا دیکھا..... وہ ملٹی کلر کے لوز سے اسٹائلش کرتے اور ٹائٹس کے ساتھ کندھے پر دوپٹا ڈالے ہمیشہ کی طرح از حد جاذب نظر لگ رہی تھی۔
"ہاں، میں اور ایشو، علینہ کی بنائی ہوئی پینٹنگز کی ایگزیبیشن میں جا رہے ہیں۔"
"اس کا مطلب ہے کہ آج آپ کے ہاتھ کی بنی ہوئی کوئی چیز کھانے کو نہیں ملے گی؟"
"کم آن چھوٹو..... اب میری اور میری بنائی چیزوں کی عادت ختم کرنے کی کوشش کرو..... ورنہ میری شادی کے بعد تم کیا کرو گے؟" مناب نے اسے غصے سے ڈپٹا۔
"خودکشی کرلوں گا۔" اقصم غصے میں دہاڑ کر باہر نکل گیا تھا۔

☆☆☆

ایشال پہلے صبح سے دن کے تین بجے تک ڈاکٹر عمر کے ساتھ اسپتال میں رہا کرتی تھی، اب وہ شام سے لے کر

رات کی شفٹ میں بھی ان کے ساتھ آنے لگی تھی۔ وجہ یقیناً یہی تھی کہ اسے بھی ڈاکٹر عمر کی کمپنی میں رہنا اچھا لگنے لگا تھا۔ ان کے ساتھ صبح سے لے کر رات تک ڈیوٹی دیتے ہوئے ایشال کو اب بوریت کا احساس نہیں ہوتا تھا۔ ایک انوکھا اور خوب صورت سا احساس تھا جو ایشال کو ان کے آس پاس رہنے پر مجبور کر رہا تھا۔ آہستہ، آہستہ اس کے دل میں ڈاکٹر عمر کے خلاف جو بدگمانی تھی اس کی جگہ اب ایک خوشگوار سے احساس نے لے لی تھی' وہ احساس جو ہر وقت اسے ڈاکٹر عمر کی پسند و ناپسند کا خیال رکھنے پر اکساتا رہتا...... ڈاکٹر عمر کو اس کے بچکانہ انداز و اطوار پہ غصہ آیا کرتا تھا، اب وہ خود ہی سنجیدہ سی ہوگئی تھی...... ڈاکٹر عمر کو اس کے بے ہودہ لباس پر اعتراض ہوا کرتا تھا، اس نے معقول لباس کے ساتھ دوپٹا لینا شروع کر دیا تھا۔ وہ اپنے پروفیشن کو سیریس نہیں لیتی تھی، اب اس نے اپنے پروفیشن کو سیریس لیتے ہوئے اپنی ڈیوٹی تک بڑھالی تھی۔

ڈاکٹر عمر کو سادہ غذا اور گھر کا پکا ہوا کھانا پسند تھا سو اتوار کا دن زیادہ تر وہ کچن میں اسلم سے نت نئی ڈشز سیکھتے ہوئے گزارتی تھی۔ اس نے غیر ارادی اور لاشعوری طور پر خود کو ڈاکٹر عمر کی پسند کے مطابق ڈھال لیا تھا۔

آج اس نے بہت دنوں کے بعد بلیک چوڑی دار پاجامے پر بلیک ہی شرٹ پہن رکھی تھی۔ جس کے گلے اور بازوؤں پہ خوب صورت پنک اور ییلو کا مبی نیشن میں ایمبرائڈری تھی۔ کندھوں پر پنک اور ییلو ٹائی اینڈ ڈائی کا دوپٹا لیے، لبوں پر پنک لپ اسٹک لگائے بالوں کو اکٹھا کر کے ایک طرف کندھے پر ڈالے وہ ڈاکٹر عمر کے دل میں اترتی جارہی تھی۔

رات اسپتال سے واپسی پہ نہ جانے انہیں کیا ہوا تھا کہ ڈاکٹر عمر نے گاڑی ایک ریسٹورنٹ کے سامنے روک لی تھی۔

''مجھے بہت بھوک لگ رہی ہے...... کیوں نہ یہاں اچھا سا ڈنر کیا جائے؟'' ڈاکٹر عمر نے اپنے ساتھ بیٹھی ایشال سے کہا۔

''او کے، ایز یو وش......'' وہ دونوں گاڑی سے نکل کر ریسٹورنٹ میں آگئے تھے، ڈاکٹر عمر کو ایسی کوئی خاص بھوک نہیں لگی تھی' وہ صرف ایشال کے ساتھ چند لمحے اکیلے میں گزارنا چاہتے تھے۔

''کیا کھاؤ گی تم؟'' ٹیبل پر جا کر مینو کارڈ اٹھا کر انہوں نے ایشال سے پوچھا تھا۔

''آپ اپنی پسند سے کچھ بھی منگوالیں...... میں کھالوں گی۔'' ایشال نے اپنی ٹھوڑی تلے ہاتھ رکھتے ہوئے جواب دیا۔

''نہیں، تم اپنی پسند سے کچھ منگوالو......'' انہوں نے اصرار کیا تو ایشال نے اپنی پسند کی وو ڈشز کا آرڈر دیا۔ ویٹر آرڈر لے کر چلا گیا تھا۔

اب ڈاکٹر عمر کو سمجھ نہیں آرہی تھی کہ اس سے کیا بات کریں...... وہ کھسیا کر ادھر ادھر دیکھ رہے تھے۔

ایشال نے ایک نظر انہیں دیکھا اور مسکرا کر سر جھکا گئی۔

''زارون اور عنایہ کیسے ہیں؟ آج کل کس ملک میں پڑاؤ ڈال رکھا ہے ان دونوں نے؟''

''ٹھیک ہیں اور بہت خوش بھی...... آج کل اٹلی میں ہیں۔''

''اور نانو کیسی ہیں؟'' ایشال نے ان کے اس سوال پر انہیں مسکرا کر دیکھا۔

''ابھی کل ہی تو آپ سے ملے تھے؟''

''ہاں وہ...... میں......'' وہ گڑبڑا گئے تھے۔

''میں نے اسلم سے کچھ ڈشز سیکھی ہیں، آپ اس سنڈے کو گھر آئیں، میں آپ کو انوائٹ کر رہی ہوں۔''

''یس آف کورس'' ڈاکٹر عمر مسکرائے۔

''موسم کافی چینج ہوگیا ہے اور تم نے کوئی سوئیٹر تک نہیں پہن رکھا؟''

''وہ جلدی میں یاد ہی نہیں رہا۔'' ایشال نے انگلیاں مسلتے ہوئے مختصر جواب دیا۔

''خیال رکھو اپنا، آج کل کی سردی بیمار کر رہی ہے لوگوں کو۔'' ان کے نارمل اور مختصر سے جملے نے ایشال کو دھیرے سے باور کروایا تو وہ بھی اثبات میں سر ہلا گئی۔

''کتنے ان رومینٹک ہیں ڈاکٹر عمر......'' ایشال نے دل میں سوچا۔

''میں کافی بورنگ اور ان رومینٹک سا انسان ہوں...... یقیناً تم بور ہو رہی ہو......؟'' ڈاکٹر عمر دھیرے سے مسکرائے۔ اتنے میں ویٹر آ کر کھانا سرو کرنے لگا۔

''نن...... نہیں ایسی بات نہیں ہے۔'' ایشال نے اپنی مسکراہٹ چھپائی۔

ویٹر کھانا سرو کر کے جا چکا تھا۔ اب دونوں آمنے سامنے بیٹھے کھانا کھانے لگے۔

''تمہیں تو بہت بھوک لگا کرتی تھی اب اتنا کم کیوں کھانے لگی ہو؟'' انہوں نے اس کی پلیٹ کو دیکھ کر کہا۔ وہ کھانا کھا نہیں رہی تھی بلکہ چکھ رہی تھی۔

''وقت انسان کو اور اس کی عادات کو کیسے بدل دیتا ہے یہ جاننا کبھی، کبھی بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ تم بہت بدل گئی ہو ایشال!'' ڈاکٹر عمر نے لحظہ بھر اپنے سامنے بیٹھی اس خوب صورت سی لڑکی کو دیکھا جس نے دھیرے، دھیرے خود کو ان کی پسند کے مطابق ڈھال کر چپکے سے ان جیسے سخت مزاج شخص کے دل کو پھر سے دھڑکنا سکھا دیا تھا۔ ان کی خزاں جیسی زندگی میں وہ بہار بن کر آ گئی تھی، ان کی مختصر سی سوچوں کو پھر سے بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا تھا...... ان کے برف جیسے احساسات کو پھر سے شبنم کا روپ دے دیا تھا۔

''ساری زندگی انسان ایک جیسا تو کبھی نہیں رہتا۔'' ایشال نے نیپکن سے منہ صاف کیا۔

''مگر میں یہ چاہوں گا کہ تم ہمیشہ ایسی ہی رہو جیسی اب ہو...... حساس، ذمے دار اور اپنے پروفیشن سے بے حد مخلص......'' ان کی تعریف پہ ایشال کو از حد خوشی ہوئی...... ان کی نگاہوں میں اپنے لیے ایشال کو ایک عجیب سا جذبہ دکھائی دے رہا تھا...... ان کے لہجے میں اسے اپنے لیے محبت چھپی دکھائی دی تھی۔

''مگر یہ سب میں نے آپ کے ساتھ رہ کر سیکھا ہے، آپ کی ڈانٹ جو کبھی مجھے بہت بری لگا کرتی تھی، اس ڈانٹ نے مجھے سنوارا ہے، اگر میں آپ کے ساتھ کام نہیں کرتی تو شاید ساری زندگی مجھ میں یہ تبدیلی نہ آتی۔ میں کبھی چینج نہیں ہوتی۔''

ایشال کے سچ پر مسکراتے ہوئے انہوں نے غور سے اسے دیکھا۔ اور بے اختیار ان کا جی چاہا کہ وہ کبھی ان کی نظروں سے اوجھل نہ ہو، بلیک کلر میں اس کا حسن مزید نکھر سا گیا تھا۔

''بلیک کلر تم پہ بہت سوٹ کرتا ہے اسے اکثر پہنا کرو۔'' بے اختیار دل کی فرمائش لبوں تک آ گئی تھی اور اب ڈاکٹر عمر کو اپنی بے اختیاری پہ عجیب سی شرمندگی ہو رہی تھی جبکہ اُن کے اس تعریف میں لپٹے جملے نے ایشال کو اندر تک سرشار کر دیا تھا...... وہ بلش ہو گئی تھی۔ ڈاکٹر عمر کی نظروں سے ان کی تعریف پہ اس کے چہرے پر ایک دلفریب سا تبسم آ کر ٹھہر گیا تھا...... ڈاکٹر عمر نہ چاہتے ہوئے بھی اسے دیکھے گئے۔ ان کی نظریں ایشال کے بلش ہوتے چہرے پر ٹھہر گئی تھیں، اس سے پہلے کہ وہ کچھ اور بولتے وان کے موبائل کی بیل بج اٹھی تھی۔

''مما کال کر رہی ہیں۔'' ڈاکٹر عمر نے موبائل کان سے لگایا۔

''مما میں ٹھیک ہوں، ڈنر کر رہا ہوں، جی ایشال میرے ساتھ ہے، میں آ رہا ہوں آپ پریشان مت ہوں۔''

ڈاکٹر عمر نے فون بند کیا...... اور کرسی سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

''پھپھو پریشان ہو رہی ہوں گی۔''

''ہاں، رات کو واپسی پر میں آدھا گھنٹا بھی لیٹ ہو جاؤں تو مما پریشان ہو جاتی ہیں۔'' انہوں نے مسکراتے ہوئے ایشال کو بتایا۔

''پھپو بہت لونگ ہیں۔'' ایشال نے اٹھتے ہوئے کہا۔

''ہاں اور تم سے تو کچھ زیادہ ہی محبت کرتی ہیں، بائی دا وے تم کافی دنوں سے گھر کیوں نہیں آئیں؟ کسی دن ویک اینڈ پر آؤ اور ان کے ساتھ ٹائم اسپینڈ کرو۔'' ڈاکٹر عمر نے والٹ نکالتے ہوئے کہا۔ شاید وہ خود بھی اسے اپنے گھر میں اپنے آس پاس اپنی نظروں کے سامنے دیکھنا چاہتے تھے۔

''پھپو سے کہیے گا یہ ویک اینڈ میں ان کے ساتھ گزاروں گی۔'' ڈاکٹر عمر نے بل ادا کیا اور وہ دونوں باتیں کرتے، کرتے ریسٹورنٹ سے باہر نکل آئے۔

''پرسوں میں اسلام آباد ایک سیمینار اٹینڈ کرنے جا رہا ہوں، اگر تمہاری کوئی خاص مصروفیت نہ ہو تو تم بھی چلو میرے ساتھ......؟ تمہیں ایسے سیمینار اور کانفرنس اٹینڈ کرنی چاہئیں۔ تمہارے کیریئر کے لیے مفید ثابت ہوں گی۔'' ڈاکٹر عمر نے گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے ایشال سے کہا۔

''مصروفیت تو کوئی خاص نہیں میری...... ٹھیک ہے میں بھی چلی چلوں گی۔'' ایشال کا جواب سن کر انہیں...... بے حد خوشی محسوس ہو رہی تھی۔

☆☆☆

تین لاکھ ادا کرنے کے بعد گلو اور خالد گھر آ چکے تھے، اسی شام خالد، ندا اور اپنے چاروں بچوں کو لے کر اپنے ماں، باپ کے پاس چلا گیا تھا۔ سیما بیگم کی خوشی کا تو کوئی ٹھکانا ہی نہیں تھا۔

گلو بھی زدیا کا ممنون و مشکور ہو رہا تھا...... زدیا نے فرقان سے کہہ کر کسی بہتر جگہ پر فلیٹ کرائے پر لے لیا تھا۔ انہوں نے وہ محلہ چھوڑ دیا تھا۔ سارہ بہت خاموش ہو گئی تھی۔ اب باقاعدگی سے نماز پڑھتی اور اپنی عبادت میں مشغول رہتی...... زدیا نے فرقان سے کہہ کر گلو کو کسی دوسرے ملک بھجوانے کا فیصلہ کیا تھا کیونکہ جب سے وہ رہا ہو کر آیا تھا اسے ٹیپو کی طرف سے مسلسل قتل کی دھمکیاں مل رہی تھیں۔ گھر کے حالات ایک بار پھر بہتر ہو رہے تھے، زدیا نے فرقان سے کچھ رقم ادھار کے طور پر لی تھی جس کی بدولت انہوں نے فلیٹ کرائے پر لے لیا تھا۔

اس روز زدیا نے سارہ کے مکمل چیک اپ کے لیے شہر کے سب سے بہترین میڈیکل اسپیشلسٹ سے وقت لے لیا تھا۔ مگر سارہ، زدیا کے بے حد اصرار کے باوجود اس کے ساتھ نہیں گئی تھی۔ زدیا کو بھی شوٹ پر جانا تھا سو وہ سارہ کا مکمل چیک اپ کا پروگرام کینسل کر کے خود شوٹ پر چلی گئی تھی جہاں فرقان بے چینی سے اس کا انتظار کر رہا تھا۔

داؤد کلیکشن اور رزارون کلیکشن کے ونٹر پرنٹس کے لیے فرقان کو ایڈ تیار کرنا تھا، لاہور کی تاریخی عمارت پہ زدیا کو اس مشہور ٹیکسٹائل کے کپڑے پہن کر مختلف شارٹس دینے تھے، دو دن میں اس ایڈ کی آؤٹ ڈور شوٹنگ مکمل کر کے فرقان کو اسی ہفتے یہ ایڈ تیار کروا کر ٹی وی پر چلانا تھا...... سو اس کی پوری ٹیم کے ساتھ، ساتھ زدیا کی بھرپور دلچسپی سے نہایت خوب صورت شارٹس مکمل کر لیے گئے تھے۔ زدیا اس ایڈ میں اتنی خوب صورت لگ رہی تھی کہ فرقان بھی اسے دیکھ کر سحر زدہ ہو گیا۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے ایک مشہور اسٹائلسٹ سے زدیا عرف دلنشین کی گرومنگ کروانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ فرقان کو اس کی تصویریں اور ایڈ تیار کرنے کے دوران ہی بخوبی اندازہ ہو چکا تھا کہ دلنشیں کے منظرِ عام پر آتے ہی اس کی ایڈورٹائزنگ کمپنی کو کتنا فائدہ ہونے والا تھا۔

(جاری ہے)



تحفۂ عید

سحرش فاطمہ

''شمائل میں کیسی لگ رہی ہوں؟'' سنینا نے ہلکے سنہرے کام والی نارنجی رنگ کی گھیر دار فراک پہنی تھی اس کے نیچے چوڑی دار پاجامہ اور چنری کا دوپٹا، بالوں کی کھجوری چٹیا کے ساتھ پراندہ باندھا تھا...... وہ پورا سرتاپا بلاشبہ حسین لگ رہی تھی۔

''ہائے۔'' شمائل نے وہیں دل تھام لیا...... ''کیا خوب لگتی ہو، بڑی سندر دکھتی ہو۔'' شمائل نے اسے دیکھتے ہی گانے کے بول پھینکے۔

''کتنی لڑکیوں پہ یہ لائن ماری ہے؟'' سنینا نے اس کے پاس آ کر کندھے پہ دھموکا دیا۔

''یار میں معصوم پین یا پینسل کی لائن مارتا ہوں کوئی فون کی لائن تو ملتی ہی نہیں ہے۔'' شمائل بھی کم نہ

تھا جواب دینے میں۔

''تو یہ ہے نی!'' سینا نے بھی مسکرا کے کہا۔

''اچھا اب چلو بھی سب انتظار میں ہیں......''

شمائل، سینا کے کان میں چیخ کر بولا اور آگے بڑھ گیا۔

''سینا ارے میرا چاند آ گیا، میرا بچہ نین تارا۔''

چاچی نادرہ اس پہ واری جارہی تھیں۔

''ہاں بھئی یہی سب کچھ ہیں، میں تو کچھ بھی نہیں ہوں ناں؟'' شمائل نے اپنی امی نادرہ سے منہ پھلا کر کہا۔

''تم تو میرے دل کا ٹکڑا ہو۔'' نادرہ نے شمائل کی بلائیں لیں۔

''بس، بس امی اپنی بیٹی کے آگے بیٹے کو تو بھول ہی جاتی ہیں کل کو یہ کہیں اور جائے گی اور اس کے بدلے میری بیگم تشریف لائیں گی تب پوچھوں گا۔'' شمائل نے انگوٹھا دکھاتے کہا۔ سینا حسبِ عادت مسکرا دی۔ ماں بیٹے کی نوک جھوک کا اپنا ہی مزہ ہوتا ہے۔

سینا اپنے کسی رشتے دار کی شادی میں آئی ہوئی تھی ہر کوئی اس حسین پیکر کو دیکھ رہا تھا اچانک اس کی نظر ایک لڑکی پہ پڑی جو کونے میں اکیلی بیٹھی ہوئی تھی۔

''سنیں۔'' سینا نے اسے پکارا۔

''جی السلام علیکم۔'' لڑکی نے ہڑ بڑا کے کہا۔

''آں ہاں وعلیکم السلام، یہاں اکیلے کیوں بیٹھی ہوئی ہو؟'' سینا نے بے تکلفی سے پوچھا۔

''اصل میں یہاں مکس گیدرنگ ہے اور مجھے عجیب لگ رہا تھا تو میں الگ آ کے بیٹھ گئی۔'' اس لڑکی نے آنکھیں گھما کے جواب دیا۔

''ہاں تو کیا ہوا سب اپنے ہی تو لوگ ہیں، اس میں حرج ہی کیا ہے؟'' سینا کو اس لڑکی کی بات حیران کر گئی۔

''تمہیں دکھ نہیں رہا کیسے لڑکے لڑکیاں ساتھ بیٹھے کھی کھی کھا کھا میں لگے ہوئے ہیں، سب لڑکے دوسری لڑکیوں کو تاڑ رہے ہیں گندے لوگ۔'' اس لڑکی نے ناگواری سے کہا۔

''ارے ایسی تو کوئی بات نہیں اور کوئی ساتھ بیٹھا بھی ہے تو کزنز ہوں گے ناں اس میں کیا حرج ہے؟'' سینا نے دل میں سوچا میں اس لڑکی کے پاس آئی ہی کیوں؟''

''تو کیا یہ لڑکے نامحرم نہیں؟'' لڑکی نے سوال کیا۔

''کیا...... کیا کہا؟ نامحرم؟ اس کا کیا مطلب ہوتا ہے؟'' سینا جس طبقے سے تعلق رکھتی تھی وہاں لڑکوں سے دوستی میل جول تھی پر ایک حد تک...... ہاں کزنز سے ضرور بے تکلفی تھی۔

''دیکھو ایک تو ہوتے ہیں ہمارے سگے خون کے رشتے یعنی باپ اور بھائی، چاچا اور ماما اور دادا، نانا اس کے علاوہ سب نامحرم ہیں...... یعنی جن سے نکاح ہو سکتا ہے۔'' وہ لڑکی اب اسے سمجھا رہی تھی۔

''اچھا تو اس میں کیا ہے؟'' سینا کو اب بھی بات سمجھ نہیں آئی۔

''اچھا یہ میں بعد میں بتاؤں گی، مجھے یہ بتاؤ دن بھر تم کیا کرتی ہو...... ویسے میرا نام حرا ہے اور تمہارا؟'' اس لڑکی نے اپنا تعارف کرایا۔

''میرا نام سینا ہے۔ بس کچھ خاص نہیں اے لیولز کر چکی ہوں دن بھر تو بس کبھی اپنی امی کے ساتھ ہوتی ہوں کبھی دوستوں میں کبھی کزنز میں۔'' سینا نے بھی تعارف کرایا اور دونوں میں بے تکلفی شروع ہو گئی۔

''ارے سنو، تم نے ہیڈ اسکارف لیا ہوا ہے گھٹن نہیں ہو رہی؟''

''جب نماز کے لیے دوپٹا لیتے ہیں تب ہوتی ہے؟'' حرا نے سینا کے سوال پہ سوال کیا۔

''اس بات کا یہاں کیا تعلق اور نماز تو دادیاں، نانیاں پڑھتی ہیں ناں بس ویسے ان لوگوں کو بھی گھٹن ہوتی ہو گی ناں؟'' سینا نے بیچارگی میں سوال کیا، حرا سمجھ گئی تھی کہ سینا نماز نہیں پڑھتی ہو گی۔

''کیوں، یہ کس نے کہا صرف دادیاں، نانیاں نماز پڑھتی ہیں؟ نماز تو سب پہ فرض ہے، بوڑھا یا جوان!''

''ہاں پر میں جب چھوٹی تھی تو ایک دو دفعہ نماز پڑھنے کے وقت غلطی کی تو میری وہ قرآن پڑھانے والی خالہ نے مارا تھا، اس دن کے بعد سے امی نے

انہیں نکال دیا تھا اور بس پھر میں نے بھی نہیں پڑھی۔''
حرا کی بات پہ سنینا نے صاف گوئی سے کام لیا۔
''اچھا...... چلو تم کو میں پتا بتا دیتی ہوں تم وہاں آنا، گھر پہ رہ کر بور ہی ہوتی ہوگی ناں۔'' حرا نے اس کی بات سن کر دھیمے لہجے میں کہا پھر کھانا لگ گیا تو سنینا نے الوداع کہہ کر اس کی بتائی ہوئی جگہ پر آنے کا وعدہ کرلیا۔

☆☆☆

''اوئے کیا کر رہی ہو؟'' شمائل بنا کھٹکھٹائے اس کے کمرے میں آ گیا' وہ لیٹی ہوئی تھی آڑی ترچھی اچانک اس کے آنے پہ سمٹا گئی۔
''اوہ' آؤ شمائل۔'' وہ کوئی پہلی دفعہ نہیں آیا تھا لیکن اس دن وہ خود ایسے لیٹی ہوئی تھی تو خود کو عجیب لگا۔
''کیا کر رہی ہو؟'' شمائل اس کے بیڈ پہ دھم کر کے اس سے چپک کے بیٹھ گیا۔
''کچھ نہیں بس بور ہو رہی تھی، سوچ رہی تھی کیا کروں۔'' سنینا اس سے دور ہٹی۔
''مجھ سے ایسے دور ہو رہی ہو جیسے میں کرنٹ مار رہا ہوں اور کیا سوچ رہی ہو، مجھے بھی بتاؤ۔'' شمائل اس کے یوں ہٹ جانے پہ ہنسا۔
''ارے نہیں بس ایسے ہی...... ہاں وہ ایک پتا ہے میرے پاس...... جنرل نالج کی کلاسز ہوتی ہیں وہاں، فارغ ہوں سوچ رہی ہوں چلی جاؤں، تم کیا کہتے ہو؟'' اس نے اب شمائل سے پوچھا۔
''ٹھیک ہے، میں چھوڑ آؤں گا کب چلنا ہے؟'' شمائل نے کہا۔
''کل چل لیں گے۔'' شمائل نے ڈن کر دیا دونوں کھانا کھانے باہر لاؤنج میں آ گئے۔
''تو تمہیں لگتا ہے تمہاری جنرل نالج ویک ہے؟'' شمائل اسے چھیڑ رہا تھا۔
''ارے نہیں، ایک لڑکی ملی تھی شادی میں وہ ذکر کر رہی تھی بس اور کچھ نہیں۔'' سنینا نے حرا کا بتایا۔
''چلو ٹھیک ہے، میں تو مذاق کر رہا تھا۔''

☆☆☆

''رکیں آپ اندر نہیں جا سکتے۔'' ریسپشن پر موجود لڑکی نے شمائل کو اندر جانے سے روکا۔ سنینا اسے لے کر آج حرا کے بتائے ہوئے پتے پر آئی تھی۔
''کیوں نہیں جا سکتا! میں اپنی کزن کو لے کے آیا ہوں اکیلا کیسے چھوڑ دوں۔'' شمائل نے غصہ کیا۔
''دیکھیں سر یہ کلاسز صرف لڑکیوں کے لیے ہیں اس لیے ہم معذرت خواہ ہیں آپ چاہیں تو باہر انتظار کرلیں پر اندر مرد کو جانے کی اجازت نہیں۔''
اس لڑکی کی بات شمائل کو سمجھ نہیں آئی آخر سنینا کون سی نالج کی کلاسز لینے آ گئی ہے۔
''اور انسان کیا چیز ہے؟ وہ ان گنت نعمتوں کو سوچتا نہیں، اسے اللہ نے کیا کچھ نہیں دیا، اسے عقل دی، شعور دیا اور آج انسان پڑھ لکھنے کے باوجود اپنا اصل اپنا دین بھلائے بیٹھا ہے؟ ایسی عقل کا فائدہ؟'' حرا اندر لیکچر دے رہی تھی کہ اس کی نظر دروازے پہ کھڑی سنینا پہ پڑی۔
''آئیں، اندر آ جائیں۔''
سنینا حرا کی آواز سن کر اندر آ گئی اس کی آواز کی شیرینی میں کھو گئی، اس کی میٹھی آواز اور دھیما لہجہ تو شادی میں مل کر جان چکی تھی آج لیکچر دیتے ہوئے وہ بہت معصوم لگ رہی تھی۔
''عقل و شعور جب انسان کو دیا گیا تھا تو اس کا مطلب صرف دنیاوی باتوں یا نالج کے لیے نہیں بلکہ دینی باتوں کو سمجھنے کے لیے بھی عقل دی گئی ہے...... کیا اچھا ہے کیا برا ہے سب کچھ ہمیں بتا دیا گیا ہے، اب یہ ہم پہ ہے کہ ہم کس راہ پہ چلتے ہیں۔ چلیں آج کے لیے اتنا کافی ہے اب آپ لوگوں نے گھر جا کر ایک لسٹ بنانی ہے اور اس میں اچھے اور برے کام لکھنے ہیں جو آپ کو پتا ہیں یا جو آپ نے کیے اور اسے پڑھ کر سمجھیے گا اپنا موازنہ کیجیے گا اور اپنے اس غلط کام کو روکنے کے سلسلے میں کوشش کیا کرنی ہے وہ بھی لکھیے گا...... آپ جب، جب وہ لسٹ دیکھیں گی آپ کو یاد آئے گا کیا کرنا ہے کیا نہیں۔ اب سب اپنی دعا کا کارڈ نکالیں اور میرے

ساتھ پڑھیں..... کرن، آپ حرا کو اپنا کارڈ شیئر کرائیں۔'' اب سب دعا پڑھنے لگے اور حرا نے کارڈ پہ نظریں جمائے رکھیں۔

سب لڑکیوں نے نفاست سے ہیڈ اسکارف پہنا ہوا تھا اور ایک دوسرے کو اللہ حافظ کہہ کر اب وہ جا رہی تھیں..... سنینا کو وہ ساری لڑکیاں پیاری لگیں، ان کے جانے کے بعد وہ حرا کے پاس آئی۔

''کیسی ہو حرا؟''

''السلام علیکم سنینا! میں ٹھیک آپ بتاؤ۔'' حرا نے عادتاً سلام کیا پھر جواب دیا۔

''اوہ، وعلیکم السلام..... میں بھی ٹھیک ہوں، تم نے پہلے کیوں نہیں بتایا تم اسلامک کلاسز لیتی ہو؟'' سنینا نے منہ پھیر کے کہا۔

''بتا دیتی تو کیا تم آ جاتیں؟'' حرا مسکرائی۔

''وہ تو پتا نہیں پر میں دیکھو کیا پہن کے آ گئی اور اسکارف بھی نہیں پہنا۔'' سنینا نے اپنی طرف اشارہ کیا۔

''حجاب کسی کو دیکھ کر نہیں لیا جاتا، خود کیا جاتا ہے اور جب پتا چلے کہ حکم ہے تو کرنا تو چاہیے ناں۔''

حرا نے اسے ساتھ بٹھایا اور آرام سے مسکرا کے جواب دیا۔

''تو میں بنا اسکارف کے یہاں آ جاؤں؟''

حرا اب بھی مسکرا رہی تھی۔ ''یعنی تم یہاں آنا چاہتی ہو باقاعدہ؟'' حرا نے اس کا چہرہ دیکھا۔

''ہاں کیوں نہیں ابھی تو ایک ہی دن ہوا ہے، میں بھی دیکھوں تم اور کیا، کیا بتاتی ہو۔'' سنینا اٹھ کھڑی ہوئی۔

''ٹھیک ہے باہر جا کے ٹائم ٹیبل لے لو اور ہاں حجاب میرے کہنے پہ مت لینا، نہ ان لڑکیوں کو دیکھ کر۔'' حرا نے سنینا کا گال تھپتھپایا اور کلاس سے باہر نکل گئی، سنینا بھی باہر آ گئی..... شائل کو فون کیا تو وہ غصے میں گھر جا چکا تھا..... گھر فون کر کے ڈرائیور کو پتا سمجھایا..... ریسپشن والی لڑکی سے اس نے ٹائم ٹیبل لیا اور داخلہ فارم بھی..... تب اسے پتا چلا یہ ایک اسلامک ادارہ ہے۔

☆☆☆

''نینی اٹھ جاؤ کتنا سوؤ گی کھانا لگا دیا ہے۔'' امی نے آ کر اسے جگایا۔

''سونے دیں ناں امی۔ نہیں لگ رہی ناں بھوک پلیز جائیں آپ۔'' اس نے چادر سر پہ تان لی۔

''سوتی رہو، رات میں مت چلانا کہ کھانا دیں میں کچن لاک کر دوں گی۔''

وہ جانتی تھیں بھوک کے معاملے میں سنینا بہت کچی ہے۔

''کیا ہے بھئی اٹھ گئی ناں بس۔'' سنینا جمائی روکتے ہوئے بولی۔

''جانتی ہوں تمہیں، اچھا بتاؤ آج کا دن کیسا رہا ہماری ملاقات ہی نہ ہو سکی تم گئی تھیں اس جگہ؟'' حرا نے فزا کی گود میں سر رکھ دیا تھا۔

''جی ہاں.....! شائل گیا تھا ساتھ میرے، میں کلاس میں تھی وہ گھر چلا گیا..... مجھے تو اچھا لگا۔'' سنینا نے یہ نہیں بتایا کہ وہ کوئی دینی تربیت کا ادارہ ہے ورنہ شاید فزا کو پسند نہ آتا۔

''چلو جو بھی ہے، تم بور ہونے سے تو بچ جاؤ گی ناں..... چلو اٹھو فریش ہو جاؤ اور آ کر کھانا کھاؤ۔''

وہ اسے ماتھے پہ بوسہ دے کر باہر آ گئیں۔ وہ اپنے فلاحی کاموں میں مصروف رہتی تھیں..... سنینا زیادہ تر نادرہ چاچی کے ساتھ ہی رہی لیکن وہ بھی مذہب کی طرف اتنا رجحان نہیں رکھتی تھیں، بوتیک چلاتی تھیں اپنا..... سو انہی چکروں میں رہتیں۔

اگلے دن اس کی کلاس نہیں تھی تو وہ گھر پہ ہی رہی، وہی فون پہ لگی رہی گانے سنے کبھی گیم کھیل لی، نیٹ استعمال کر لیا اور رات گزار لی۔ صبح سو کر اٹھی تو یاد آیا کہ اس کی آج کلاس ہے۔ جلدی سے اٹھی تیار ہوئی اپنے اسی عام حلیے میں تھی لمبی سی قمیص پہ جینز پہنی ہوئی تھی..... ناشتا کیا اور ماں کو بتا کر ڈرائیور کے ساتھ چل دی۔ جب وہ وہاں پہنچی سب آتی جاتی لڑکیاں ایک دوسرے کو سلام کر رہی تھیں چاہے جان پہچان ہو یا نہیں جبکہ اعلیٰ طبقوں

میں سلام کا رواج بہت کم ہوتا جا رہا ہے۔ اپنے ہی جاننے والوں سے ملا جاتا ہے، اسے یہ اچھا بھی لگا لیکن کوفت بھی ہوئی کہ سب کو سلام کرو، وہ چپ چاپ کلاس روم میں آ گئی۔ حرا ابھی تک نہیں آئی تھی۔ وہ دوسری لڑکیوں کو دیکھتی رہی سب کا دھیما لہجہ اور نرم سی مسکراہٹ......

اسے حیرت ہوئی وہ بھی تو اسکول میں تھی وہاں سب قہقہے لگاتے بے فکر ہو کر بیٹھتے آتے جاتے ہائے ہیلو بھی نہ کرتے اپنی ہی مستی میں رہتے۔

حرا آ گئی تھی سب اپنی کرسیوں پہ صحیح طرح بیٹھ گئے...... سب سے پہلے سب نے ایک آواز میں سلام کیا پھر دعا سے کلاس شروع ہوئی۔

''جی کیسا گزرا کل کا دن آپ سب کا؟'' حرا نے سب کو مخاطب کیا۔ سب نے اپنے، اپنے جواب دیے کسی نے کہا اچھا کسی نے کہا بہت مصروف وغیرہ، وغیرہ......

''اور سنینا آپ کا؟'' اب اس نے صرف سنینا کو مخاطب کر کے پوچھا۔

''ہاں بس سوتے جاگتے ٹی وی گیمز وغیرہ میں گزر گیا۔'' اس نے بے پروائی سے جواب دیا۔

''چلیں یہ تو عمر ہی ایسی ہوتی ہے بے فکری والی خیر آج کا لیکچر شروع کرنے سے پہلے یہ کچھ پیپرز ہیں سنینا آ کر اور سب کو بانٹیں۔''

سنینا کو عجیب لگا کہ اس سے یہ کام کروا رہی ہے پر اسے اٹھنا ہی پڑا اور پیپرز سب کو دے کر اپنی سیٹ پر آ بیٹھی۔

''آپ سب کو پتا ہے ناں رمضان آنے والا ہے اور اس مقدس مہینے کی کیا اہمیت ہے؟ چلیں مجھے باری، باری بتائیں۔'' حرا نے سب کو دیکھا، سب نے ہی ہاتھ اوپر کیے جواب دینے کے لیے سوائے سنینا کے۔

''سنینا ہمیں بتاؤ گی کچھ رمضان کے بارے میں؟''

''میں نے تو ہاتھ ہی نہیں اٹھایا تو کیوں پوچھ رہی ہیں یہ۔'' اس نے اپنے دل میں سوچا۔

''ہاں پتا ہے وہ قرآن پاک آیا تھا اللہ کی طرف سے

ناممکن

ادب اور حسنِ اخلاق کی دنیا بہت وسیع اور شاندار ہے لیکن اس کا دروازہ اتنا چھوٹا اور تنگ ہوتا ہے کہ اس میں اپنا سر جھکائے بغیر داخل ہونا ناممکن ہے۔

مرسلہ: نسیم سکینہ صدف، ڈسکہ

اچھی بات

وقتِ افطار سات بار درودِ ابراہیمی، پندرہ مرتبہ تیسرا کلمہ، دس مرتبہ یا وہابُ پھر سات بار درودِ ابراہیمی پڑھ کر دعا مانگیں اور دعا مانگ کر پھر تین درود پاک پڑھیں اور پھر روزہ افطار کریں...... کہتے ہیں کہ ابھی آپ کی کھجور آدھی بھی نہ ہوگی کہ آپ کی دعا اللہ پاک کی بارگاہ میں قبول ہو جائے گی...... سبحان اللہ!

مجھ سمیت سب کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں۔

مرسلہ: فرح طاہر قریشی، لاہور

اور ہم روزے بھی رکھتے ہیں یعنی ہم مسلم۔'' سنینا نے اپنی انگلیوں کے ناخنوں کو دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

''بالکل رمضان میں قرآن نازل ہوا اور روزے فرض ہوئے، شاباش تو اب یہ بتاؤ قرآن میں اس کا ذکر ہے؟'' حرا نے مسکرا کر ہی سوال کیا۔

''میرے خیال سے تو ہے۔'' پھر وہی بے پروائی والا انداز......

''اچھا آپ لوگوں کو میں نے جو پیپر دیے ہیں وہ گھر جا کر پڑھیے گا میں اگلی کلاس میں ضرور پوچھوں گی۔''

سب نے پیپر اپنے بیگ میں رکھ لیے۔ ''چلیں اب یہ بتائیں آج کیا ڈسکس ہونا چاہیے۔''

حرا اکثر اسٹوڈنٹس سے پوچھتی تھی کبھی پرانا موضوع بھی نکل آتا تھا تو سوال جواب بھی ہوتے۔

''حرا کیوں ناں آج ہم حجاب پہ بات کریں کافی وقت ہو گیا ہے آپ نے پھر کچھ نہیں بتایا۔'' ایک

لڑکی نے کہا۔
''نہیں، آج محرم اور نامحرم پہ بات ہو جائے۔ آپس میں میل جول اور ہمارا ان کا ملنا جلنا۔'' دوسری لڑکی نے تجویز کیا۔
''حرا رمضان آ رہا ہے تو اس حساب سے ہم کیسے خود کو بدلیں، کیا کریں، کیسے کریں، اس پہ بات کر لیں۔'' یہ کسی اور لڑکی نے کہا۔
''میرے خیال سے ایک ہی ٹاپک میں سب کور کر دیں یا ہر کلاس میں ان ہی پرانے ٹاپکس میں سے ایک لے کے بات کی جائے؟'' آخر میں بیٹھی ایک لڑکی نے کہا تو سب کو یہ بات پسند آئی۔
''سنینا آپ یہاں نئی ہیں، آپ ان میں سے کوئی موضوع چنیں۔'' حرا اصل میں جاننا چاہتی تھی کہ سنینا کا رجحان کس طرف ہے۔
''جی بالکل، میں حجاب کے بارے میں جاننا چاہتی ہوں۔ آپ لوگ پہنتے ہو دم نہیں گھٹتا؟ وہ بھی سارا وقت......'' سنینا نے کوفت سے کہا حرا جانتی تھی وہ اسی پہ سوال کرے گی۔ شادی کی تقریب میں جب ملی تھی تب بھی یہی سوال کیا تھا۔
''حجاب......سب سے پہلے تو آپ سب کو یہ پتا ہونا چاہیے بلکہ سب کو پتا ہوگا کہ ہمیں اپنا آپ چھپانے کا حکم ہے، اس میں ہمارا سر ڈھانپنا بھی آتا ہے۔''
سنینا سمیت سب نے اثبات میں سر ہلایا۔
''اس زمانے میں جب اسلام نہیں آیا تھا عورت کی نہ عزت تھی نہ کوئی قدر...... اسلام نے آ کر ہم عورتوں کو عزت دی ہمیں وقار دیا، ہمارے حقوق مقرر کیے اور کچھ حدود بھی۔''
پھر اس نے سورۂ نور کا ذکر کیا اور کئی آیتوں کا ترجمہ بتایا۔ حرا ساری باتیں بغور سنتی رہی۔
''ہم آج کھلے عام ایسے اسکول، کالجوں، یونیورسٹیوں میں پڑھتے ہیں جہاں مرد قدم، قدم پہ ہوتے ہیں بلکہ آپ گھروں میں دیکھ لیں شادی بیاہ کے موقع پر کس کیدر نگ ہوتی ہے اور ہم خواتین کس طرح جاتی ہیں۔'' مس سنینا نے سوال کیا تھا کہ کیا حجاب میں گھٹن نہیں ہوتی؟ حجاب تو خود آپ ہی سکون ہے، اس میں کیسے دم گھٹے گا؟ جب آپ کو اطمینان ہو کہ آپ نے اپنے آپ کو ڈھکا چھپا رکھا ہے تو کیسے دم گھٹے گا؟''
حرا مزید قرآن و حدیث کی روشنی میں بتاتی جا رہی تھی۔
''آپ لوگ جو حجاب کرتی ہیں کسی کے دباؤ میں آئے بغیر کرتی ہیں، اللہ نے ہمیں سورۂ احزاب میں بھی بتایا ہے جسم پر اضافی چادر لازمی ہے۔ اپنے اوپر اپنی چادریں ڈال دیا کریں اس سے وہ پہچانی جائیں گی اور وہ ستائی نہیں جائیں گی۔'' اسی طرح وہ عورتوں کے گفتگو کے انداز اور میل جول کے طریقے سب کے متعلق بتاتی چلی گئی اور سنینا حیرت زدہ سنتی رہی۔
''چلیں اب ہماری کلاس کا وقت ختم ہو رہا ہے کسی کا کوئی سوال ہے؟'' حرا نے حسبِ عادت کچھ دیر چپ رہ کر سوال کیا سب نے نفی میں سر ہلایا سنینا گم صم بیٹھی رہی۔
''ٹھیک ہے دعا کا کارڈ نکالیں۔'' سب نے دعا پڑھی پھر ایک دوسرے سے باتیں کرتے باہر نکل گئیں۔
''حرا۔'' سنینا اس کے پاس آئی۔
''ہاں کہو۔'' حرا نے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔
''اگر میں بھی حجاب کر لوں تو؟'' اس نے سوال کیا تھا یا کہنا چاہ رہی تھی اسے خود بھی پتا نہ تھا۔
''تو کیا؟'' حرا نے پوچھا۔
''کیسے کروں؟ مجھ سے نہیں ہوگا!''
''کل تم اس اسٹول کے بجائے بڑا دوپٹا لے آنا میں بتا دوں گی۔'' سنینا کا پریشان چہرہ دیکھ کے مسکرا کر حرا نے کہا۔
''ٹھیک ہے، میں چلتی ہوں اللہ حافظ!''
''اللہ حافظ!'' حرا نے سنینا کو جواباً کہا اور خود بھی اس کے پیچھے نکل گئی گھر آ کر اس نے کھانا بھی نہ کھایا اور کمرے میں آ کر لیٹ گئی۔ سارا وقت وہ ایسے ہی اندر رہی...... رات میں فزا آئیں تو دروازہ کھٹکھٹایا جواب ندارد، ہینڈل گھمایا تو لاک پایا چابی سے

دروازہ کھولا تو سنینا سوئی ہوئی تھی، اس کے پاس آئیں گہری نیند میں سوئی ہوئی سنینا معصوم سی چھوٹی بچی لگ رہی تھی...... رات میں بھی وہ کھانے کا کہنے آئیں تو وہ سو چکی تھی انہوں نے اسے ماتھے پہ پیار کیا اور لائٹ آف کر کے چلی گئیں۔

اگلے دن وہ جلدی اٹھ گئی تھی اس نے وہ دعا کا کارڈ نکالا اور پڑھنا شروع کیا۔

عربی اس کی کمزور تھی لیکن اس میں انگریزی ہجوں میں بھی لکھا تھا تو آسانی رہی پڑھنے میں...... باہر آ کر کچن میں گئی خود اپنے لیے کافی بنائی اور انڈا فرائی کیا...... جلدی اٹھنے کی وجہ سے وہ خود کو تازہ دم محسوس کر رہی تھی، وہ اپنا ناشتا لے کے لان میں ہی آ گئی...... صبح کی ٹھنڈی ہوائیں اسے اچھی لگ رہی تھیں...... امی بھی جلدی اٹھنے کی عادی تھیں۔ انہیں تو کام سے جانا ہوتا تھا جبکہ سنینا کا اے لیولز ہو جانے کے بعد چھٹیاں تھیں سو وہ دیر سے ہی سوتی جاگتی تھی...... وہ اس کے کمرے میں گئیں اسے وہاں نہ پا کر ہر جگہ دیکھ لیا کچن میں آئیں تو اندازہ ہو گیا کہ سنینا نے ناشتا بنایا ہے...... وہ اسے ڈھونڈتے ہوئے لان میں آ گئیں۔

''ارے نینا تم یہاں کیا کر رہی ہو؟ میں نے پورا گھر چھان مارا۔'' انہوں نے سنینا کو لان میں دیکھا تو اس کے پاس آ گئیں۔

''السلام علیکم، جی ماں بس ایسے ہی دل کر رہا تھا تو یہاں آ گئی اچھا لگ رہا ہے یہاں آ کر۔'' سنینا نے مسکرا کر جواب دیا۔

''چلو اچھی بات ہے، میں ناشتے کا جا کے کہتی ہوں تمہیں اور تو کچھ نہیں چاہیے؟'' وہ اٹھ گئی تھیں۔

''نہیں ماں۔'' اس کا موبائل بجا تو وہ فون سننے لگی۔

''السلام علیکم چاچی، کیسی ہیں آپ؟'' فون نادرہ چاچی کا تھا۔

''وعلیکم السلام بیٹا ٹھیک تو ہوں پر تم سے ناراض ہوں۔''

''ارے وہ کیوں چاچی؟'' سنینا نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

''تم نے آنا ہی چھوڑ دیا ہے کون سی کلاسز لے رہی ہو شائل بتا رہا تھا۔''

''جی چاچی...... وہ جنرل نالج کی ہیں، آج آتی ہوں تو بتاؤں گی آپ کو......'' سنینا نے آج آنے کا کہہ کر اِدھر اُدھر کی باتیں کیں۔ اور اپنے کمرے میں چلی گئی۔

اس نے حجاب کے حوالے سے کافی سوا دیکھا تھا کیسے لینا ہے اور آج چاچی کے پاس جا رہی تھی تو حجاب کرنے کا سوچا۔

چاچی کے ہاں پہنچی تو وہ اس کا حلیہ دیکھ کر حیران ہو گئیں پر کچھ تبصرہ نہیں کیا۔ بس اس کی کلاسز کے متعلق پوچھنے لگیں۔

''اچھا، اچھا چلو یہ بھی اچھا کیا۔ کچھ تو دین کا بھی معلوم ہو گا پر یہ حجاب ویسے تم پر اچھا تو لگ رہا ہے لیکن ہر وقت لینا عجیب ہی لگے گا ہے ناں؟'' نادرہ چاچی نے کہا۔

''امی اس کا دل ہوا ہے' وہ بھی آج دیکھیے گا کورس ختم تو اس کا بھوت بھی اتر جائے گا۔'' شائل ہنسنے لگا سنینا کو عجیب لگا اس نے حجاب ہی لیا تھا ایسا کون سا پورا اسلامی ہو گئی کہ یہ دونوں ایسا کہہ رہے تھے۔

''شائل چلو لوڈو لے آؤ، میں بھی کھیلتی ہوں آج تم دونوں کے ساتھ......'' نادرہ نے موضوع بدل لیا شام تک وہ ایسے ہی رہی۔ جب کافی شام ہو گئی تو اسے واپسی کی فکر ہوئی...... اور وہ شائل کے ساتھ گھر واپس آ گئی۔

اگلے دن وہ خوش، خوش حجاب لیے کلاس لینے گئی...... سب سے سلام دعا کرنے کے بعد وہ اپنی چیئر پر آ بیٹھی، وہ مسکرا رہی تھی...... حرا آئی اور سب سے سلام کرنے کے بعد اس کی نظر سنینا پہ گئی اور اس کا مسکراتا چہرہ دیکھ کر وہ بھی مسکرانے لگی۔

کلاس حسب معمول چل رہی تھی کہ حرا نے ان کے ٹیسٹ ہونے کا اعلان کیا اور کلاس جلدی ختم کر دی جنہیں جانا تھا وہ چلی گئیں کچھ اسی ادارے میں ایک

کمرا جسے لائبریری کا نام دے دیا گیا تھا وہاں چلی گئیں جبکہ سنینا حرا کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔
''السلام علیکم حرا، کیسی ہیں آپ!''
''وعلیکم السلام، میں تو ٹھیک ہوں یقیناً تم بھی ہوگی۔ کوئی اتنا پیارا اور معصوم بھی لگ سکتا ہے مجھے پتا ہی نہیں تھا ماشاءاللہ۔'' حرا نے مسکراتے ہوئے کہا۔
''آپ کو لگتا ہے سب کی تعریف کرنے کا بہت شوق ہے؟'' سنینا کی بات پہ وہ مزید مسکرائی۔
''نہیں سنینا، سچ مچ تم آج بہت پیاری لگ رہی ہو۔'' سنینا نے حرا کی آنکھیں دیکھیں جہاں شاید آنسو اُمڈ آئے تھے چھلکنے کی دیر تھی۔
''کیا بات ہے حرا؟'' سنینا نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا۔
''کچھ نہیں..... بس کچھ پرانی یادیں آنکھوں کے سامنے آ گئیں۔'' حرا نے بیگ اٹھایا اور جانے کے لیے اٹھی۔
''مجھے آج کام ہے، میں جا رہی ہوں دل تو ہے کہ تم سے اور باتیں کروں پر جانا ہوگا۔''
''کوئی بات نہیں حرا پھر کسی اور دن.....'' سنینا نے کندھے اچکائے اور اٹھ کر الوداعی کلمات کہے اور باہر جا کر بیٹھ گئی۔

☆☆☆

اگلے دن وہ تیار ہو کر سلیقے سے حجاب لے کر اسکول گئی تھی، جہاں اور دوستوں نے بھی اکٹھا ہونا تھا۔ اسکول میں بہت رش تھا دوستوں کو فون میسجز پہ لوکیٹ کرتی ہوئی وہ ان تک پہنچ ہی گئی تھی۔
''اُف ایک تو یہ گرمی اوپر سے آج ہی پرانے اسٹوڈنس کو آنا تھا۔'' سنینا کی ایک دوست نے کہا۔
''اور کیا ہم نے بھی یہی ایک دن چننا تھا۔'' دوسری دوست نے کوفت کھاتے ہوئے کہا۔
''سنینا یہ تم کب سے یہ ہیڈ اسکارف پہننے لگ گئی ہو؟'' ایک اور دوست نے کہا تو سب نے اسے بغور دیکھنا شروع کیا۔
''اسے حجاب کہتے ہیں۔'' سنینا نے اور کچھ کہنے کے بجائے صرف اتنا کہنا ہی مناسب سمجھا۔
''اچھا، اچھا جو بھی ہے پر کیوں؟''
''بھئی اس کی مرضی جو چاہے کرے؟'' یہ نوشین ہی تھی سنینا کی دوست جس کے ساتھ سب سے ملنے کا پلان بنایا گیا تھا۔
''اچھا چھوڑو، ایسا کرتے ہیں کینٹین چلتے ہیں۔''
یہ سب مل کر کینٹین کی طرف جانے لگیں وہیں سنینا کی نظر اس پر گئی وہ سب سے ایکسکیوز کر کے اس جانے والی کے پیچھے چلی گئی۔
وہ لڑکی سائنس لیب کے پیچھے بنے ایک چھوٹے سے کمرے میں چلی گئی تھی۔
''یہاں کیوں بلوایا ہے؟'' سنینا تھوڑا دور کھڑی ہوئی تھی لیکن آواز صاف سننے میں آ رہی تھی۔ آواز کچھ جانی پہچانی لگی۔
''مجھ سے ملنے میں کیا حرج ہے؟ کیا شرم ہے؟'' ایک لڑکے کی آواز پر وہ لڑکی شاید رو دینے والی تھی۔
''میرے سامنے یہ سب ڈرامے کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔'' سنینا کو یہ آواز کچھ جانی پہچانی سی لگی۔
''شمائل.....'' ایک دم اس نے زیرِ لب کہا۔
''میں صرف ایک دفعہ اس سے ملنا چاہتی ہوں، اس نے جو بھی کیا میرے ساتھ بدلے میں اس کا تو کچھ نہیں ہوا لیکن میرا تو نقصان ہوا تھا ناں؟'' وہ لڑکی ہچکیاں باندھے کہہ رہی تھی۔
''تم جانتے تھے ناں کہ وہ ایک بے ہودہ سی شرط تھی جس کے نتیجے میں مجھے بھرے اسکول میں بدنام کر دیا گیا تھا؟ پھر بھی میں نے بہت ہمت جتائی ہے، اپنے آپ کو بدلا، تم سب سے دور ہوئی اس اسکول کو چھوڑا لیکن میرا کیا قصور تھا؟ کیوں مجھے سزا دی گئی؟'' وہ لڑکی اب چیخ رہی تھی۔
''مجھے یہ سب بتانے سے کیا ہوگا؟ جس کی تم بات کر رہی ہو اسے تمہاری پروا کبھی نہیں تھی۔ میں نے تمہیں دوست سمجھا تھا۔ تمہیں وارن بھی کیا تھا اور اب

اگر تم یہ اسلامی بن کر میرے سامنے آئی ہو تو کیا لگتا ہے میں معاف کر دوں گا؟ کبھی نہیں۔'' شائل کی بھی گرج دار آواز سنائی دی۔ سنینا کو یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ شائل اور حرا ایک دوسرے کو جانتے ہیں۔

شائل باہر نکل آیا تھا جبکہ سنینا دوسری جانب کھسک گئی تھی۔

''حرا......'' سنینا نے اندر آ کر اسے پکارا۔

''س...... سنین...... نا تم!'' حرا اسے دیکھ کے گھبرا گئی تھی۔

سنینا نے اسے گلے سے لگایا حرا بہ آواز بلند... رونا شروع ہوگئی۔

''میں بھی تمہارے جیسی تھی سنینا ہر بات سے بے نیاز...... اسلام سے بھی وابستگی ایسی ہی تھی جیسی تمہاری، نماز پڑھی تو پڑھی ورنہ چھوڑ دی، نہ رمضان، روزے کی فکر کچھ بھی نہیں تھا میری زندگی میں۔''

''نہیں حرا، مجھے ایسا نہیں لگتا......!'' سنینا کی بات پر حرا بہ مشکل مسکرائی اور اس کے گال تھپتھپائے۔

''پر وہ اللہ ہے ناں سب سے عظیم ذات جب وہ نافرمانوں کو ہدایت دیتا ہے ہے تو انہیں ایک جھٹکا ضرور دیتا ہے جس سے وہ پوری طرح ہل جاتے ہیں اور ان کی پوری دنیا ہی بدل جاتی ہے۔'' حرا بولتے، بولتے چپ ہوئی اور سنینا اسے دیکھنے لگی۔

''میں زیادہ کچھ نہیں بتا سکتی بس اتنا کہوں گی۔ میں اس عید کا انتظار کر رہی ہوں۔ جب اس نے مجھ سے وعدہ لیا تھا میرے.... دل میں اس کے لیے پیار تھا شاید آج بھی ہے، مجھے اس نے تو ڈرا سب کے آگے بکھیر کے رکھ دیا بس وہ واپس مل جائے۔'' حرا نے رونا شروع کر دیا۔

''جس انسان سے نفرت کرنی چاہیے تھی پھر اس سے پیار کیوں؟ کیوں اسے پانا چاہتی ہو؟'' سنینا کے سوال پر اس نے آنسو صاف کیے۔

''میں نے جو بھی کیا، پیار میں کیا تھا لیکن میں اس کو بھلا ہی نہیں پا رہی، میں یہ بھی نہیں جانتی وہ کہاں

زندگی

☆ کتے اور انسان میں سب سے بڑا فرق یہ ہے کہ اگر آپ ایک بھوکے کتے کو کھانا دیں تو وہ زندگی بھر آپ کو کاٹے گا نہیں۔

☆ اچھی زندگی جینے کے دو طریقے ہیں ایک جو پسند ہے اسے حاصل کرلو اور دوسرا جو حاصل ہے اسے پسند کرلو۔

☆ کبھی زندگی میں کسی کے لیے مت رونا کیونکہ وہ تمہارے آنسوؤں کے قابل نہیں ہوگا اور جو اس قابل ہوگا وہ تمہیں رونے نہیں دے گا۔

☆ جو لوگ زندگی کو آنسو سمجھتے ہیں وہ ہمیشہ مسکراہٹ سے محروم رہتے ہیں۔

☆ یاد رکھو زندگی پھول ہے تو اس کے ساتھ غموں کے چند کانٹے ضرور ہوتے ہیں۔

از: پروین افضل شاہین، بہاول نگر

خرچ کا حساب

ایک بادشاہ شکار پر نکلا تو ایک کسان کو ہل چلاتے دیکھا۔

پوچھا: دن میں کتنا کماتے ہو؟

کسان نے جواب دیا۔ چار روپے

بادشاہ بولا: کیسے خرچ کرتے ہو؟

کسان: ایک روپیہ خود پر خرچ کرتا ہوں، ایک روپیہ قرض واپس کرتا ہوں۔ ایک روپیہ قرض دیتا ہوں اور ایک روپیہ دریا میں پھینک دیتا ہوں۔''

بادشاہ حیران ہوا اور بولا۔

''تمہاری باتوں کا مطلب نہیں سمجھا۔''

کسان:

''جناب ایک روپیہ خود پر اور اپنی بیوی پر خرچ کرتا ہوں، ایک روپیہ والدین پر جو قرض واپس کرتا ہوں جو کچھ میرے بچپن میں انہوں نے مجھ پر خرچ کیا۔ ایک روپیہ اپنی اولاد پہ جو کہ قرض دیتا ہوں تاکہ بڑھاپے میں مجھے وہ واپس کرے۔ اور ایک روپیہ کسی غریب کو دے دیتا ہوں جس کا اجر مجھے اس دنیا میں نہیں چاہیے۔''

از: لاریب، ماہ زیب، چونیاں

ہے؟ کس حال میں ہے، بس اللہ سے اپنے کیے کی معافی مانگتی ہوں اور اس کی خیر خیریت کی بھی اور کچھ نہیں۔'' حرا اب شاید وہاں سے جانا چاہتی تھی اور سنینا بھی اسے روکنا نہیں چاہتی تھی...... وہ وہاں سے چلی گئی تھی...... سنینا کا اسکول میں دل نہیں لگ رہا تھا اس نے شائل کو فون کیا۔

''میں آفس میں ہوں، میٹنگ ہونے والی ہے ڈرائیور کو بھیج دوں؟''

''نہیں...... تم ابھی اسی وقت مجھے لینے آؤ، مجھے کوئی بہانہ نہیں چاہیے بس فوراً لینے آؤ۔'' سنینا جانتی تھی وہ جھوٹ بول رہا ہے۔

حرا اور شائل کو باتیں کرتا وہ سن چکی تھی، حرا نہیں جانتی تھی کہ سنینا اور شائل آپس میں کزنز ہیں پر سنینا کو حرا کی باتیں سن کر بس یہی لگا کہ وہ شائل سے بات کرے اسے کسی طرح اس لڑکے سے ملوا دے۔ شائل، حرا کی وجہ سے واپس اسکول نہیں جانا چاہ رہا تھا جبکہ سنینا نے بتا دیا تھا کہ وہ اسکول میں ہی ہے۔

''گھر جانے کے بجائے کسی فاسٹ فوڈ پوائنٹ لے چلو۔''

''میں کہیں بھی لے جاؤں اور تمہیں اچھا نہ لگے تو؟'' شائل کو کوفت ہونے لگی۔

وہ اپنی پسندیدہ جگہ پر آگئے تھے۔

''مجھے تم سے بات کرنی ہے۔'' سنینا پُراعتماد انداز میں بولنے لگی۔

''کیا بات ہے؟ کوئی خاص بات کرنی ہے کیا؟'' شائل کو حیرت نے آگھیرا۔

''حرا کے بارے میں۔'' اپنے دونوں ہاتھوں پر ٹھوڑی ٹکا کر اس نے شائل کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔

''کون..کون حرا؟'' شائل ہچکچایا۔

''وہی جو تمہارے ساتھ میرے اسکول میں ہی پڑھتی تھی، تمہاری دوست تھی غالباً اب ہے یا نہیں پتا نہیں پر تھی تو ناں؟''

سنینا کی بات پر شائل کے ماتھے پر ٹھنڈے پسینے آنے لگے۔

''مجھ سے جھوٹ بولنے کی ضرورت نہیں میں ساری باتیں سن چکی ہوں۔'' سنینا نے آنکھیں سکیڑ کر اسے دیکھا۔

''ہوں...تو جب تم سب سن چکی ہو تو مجھ سے کیا جاننا چاہتی ہو؟''

''تم اسے اس بات کا طعنہ دے رہے تھے ناں کہ وہ بدل گئی ہے، حجاب وغیرہ کررہی ہے اور وہ سب ڈراما ہے؟'' سنینا جذباتیت سے کہتی رہی۔

''تم...... اسے نہیں جانتیں نین...... اس معاملے سے دور رہو تو بہتر ہے۔''

''میں اسے اچھے سے جانتی ہوں...... پر تم بھول رہے ہو شائل کہ اگر انسان غلطی کرے پھر سچے دل سے توبہ کرلے تو اللہ ہی ہے جو اسے معاف کرنے والا ہے پھر تم کیا چیز ہو؟'' شائل اسے گھور کر دیکھنے لگا۔

''انسان بدلنے پر آئے تو دنیا کی کوئی طاقت اسے روک نہیں سکتی اور یہ تم لوگ ہی ہو جو ایک بدلتے انسان کو طعنے دے دے کر بار بار ہی ڈالتے ہو۔''

''میرے سامنے اتنی بڑی، بڑی باتیں کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔'' شائل اس کی باتوں کی قطعی پروا کیے بغیر جواب دینے لگا۔

''جو بھی حرا نے کیا وہ اس کا ماضی تھا۔ اس نے اللہ سے معافی مانگ لی اس نے بدل لیا خود کو اور تم...... تم اسے ڈراما کہتے ہو؟'' سنینا ایک ہی بات کررہی تھی۔

''نین...... وہ جیسی بھی تھی یا ہے مجھے اس سے کوئی لینا دینا نہیں پر وہ......''

''پر وہ کیا...... یہی کہ وہ اب بھی چاہتی ہے ناں وہ لڑکا واپس آجائے اس کی زندگی میں جس نے اس کی زندگی خراب کردی؟'' سنینا نے شائل کی بات کاٹی اور شائل نے ایک گہری سانس خارج کی۔

''وہ واپس نہیں آسکتا اب۔''

''بھلا کیوں نہیں آسکتا؟'' سنینا نے سوال کیا کہ

اتنے میں ان کا آرڈر آچکا تھا۔
"پہلے کھالو یار پھر بتاؤں گا....." شائل کی بھوک جاگ اٹھی تھی۔
"نہیں پہلے بتاؤ۔" سنینا بھی بضد تھی۔
"نینا..... حرا سے اس نے وعدہ کیا ضرور تھا لیکن وہ اس کا دل بہلانے کے لیے تھا اور میں نے حرا کو منع کیا تھا کہ اس انسان سے دور رہے، وہ اس سے پیار نہیں کرتا، میں حرا سے نفرت نہیں کرتا..... لیکن مجھے اس پر غصہ ہے۔ اس واقعے کے بعد اس کی جو ہوہا اسکول میں ہوئی تھی اس کی وجہ سے وہ تو اسکول چھوڑ گئی لیکن میں نے بھی ولید کو کم بے عزت نہیں کیا.....!"
"اور یہ عید کے وعدے کی کیا بات تھی شائل؟" نینا سامنے رکھے برگر کو قطعی بھول چکی تھی۔
"یار..... بھئی جو کچھ ہوا اسی دوران ولید نے اس سے وعدہ کیا تھا، رمضان آنے والے تھے اور اس کے بعد ولید نے کہا تھا وہ اس کے گھر آئے گا باقاعدہ شادی کی بات کرنے لیکن ایسا کچھ نہیں تھا، وہ صرف اسے جھانسا دینے کے لیے کہا گیا تھا۔"
شائل نے سوفٹ ڈرنک کا سپ لیا۔
"یہ کیسا غصہ ہے تمہارا شائل؟ اور تم حرا کو اصل بات کیوں نہیں بتا رہے؟ وہ تم سے آج ملی تھی اسے بتا دیتے، کیوں نہیں بتایا؟ کیوں اس پر سارا غصہ اتار رہے ہو؟" سنینا اسے بے نیازی سے سوفٹ ڈرنک پیتا دیکھ طیش میں آگئی تھی۔
"پلیز ختم کرو اس بات کو اور اب چپ چاپ کھاؤ یہ سب ورنہ میں یہیں چھوڑ کر تمہیں چلا جاؤں گا۔" سنینا نے اس کی بات سنی ادھر اُدھر نظر دوڑائی اور گردن جھکا کر کھانے لگی پر اس کے دماغ میں حرا ہی سمائی ہوئی تھی اور سامنے بیٹھا شائل اس کی دوستی...... بہت کچھ تھا جو اس کے دماغ میں چل رہا تھا۔
بل پے کرنے سے لے کر گاڑی تک اور پھر راستے بھر وہ یہی سوچتی رہی۔
شائل کا بھی اب دل کام میں نہیں لگ رہا تھا، کیسے لگتا..... اتنے عرصے بعد جو اس نے حرا کو دیکھا تھا، وہ تو ملنا بھی نہیں چاہتا تھا لیکن گیا۔ اس سے ملا، اسے دیکھا اور غصہ بھی نکالا پر سکون نہیں ملا..... اور مزید اس پر سنینا کا سب جان لینا اسے اور عجیب مشکل میں ڈال گیا تھا۔
رمضان کا مہینہ شروع ہو گیا تھا۔ امی سنینا میں آئی تبدیلی کو دیکھ کر حیران تھیں لیکن انہوں نے اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیا۔
رمضان میں کلاسز ہنوز جاری تھیں اس سے سنینا کا ہی فائدہ ہو رہا تھا لیکن حرا کے بجائے کوئی اور خاتون کلاسز لے رہی تھیں اور وجہ سنینا جانتی تھی۔
رمضان سے پہلے ہی سنینا میں آئی تبدیلی اور پھر روزے رکھنے کے ساتھ اس کا عبادت کرنا، اللہ سے

معافی مانگنا...... بے شک یہ وہ مہینہ ہے جس میں انسان کوشش کر کے تمام نفسانی خواہشوں کو دبا کر اللہ کی رضا حاصل کرنا چاہتا ہے اور ایمان کو تازہ کرنے کی سعی کرتا ہے، رمضان کا مہینہ جو پائے اور اپنی بخشش نہ کروا سکے اپنے کیے گناہوں کی کوتاہیوں کی غلطیوں کی وہ معافی نہ مانگ سکے تو اس بابرکت مہینے میں اس نے روزہ رکھ کے بھی گنوایا ہی ہے۔

حرا بھی روزوں اور عبادتوں میں خود کو مصروف کر چکی تھی۔ اسے اللہ نے اس واقعے کے بعد اتنے مواقع دیے اور حرا نے اللہ کے حکم سے خود کو ڈھال لیا، بے شک اللہ غفور ورحیم ہے۔

دوسری جانب شائل تھا جس کے دل و دماغ میں حرا ہی چھائی ہوئی تھی...... وہ بھی ہر دم اللہ سے اسے مانگتا تھا لیکن اس کے کیے کو..... معاف کرنے کی ہمت اس میں نہیں تھی۔ وہ حرا کو دل سے چاہتا تھا۔ سنینا اپنی دعاؤں میں حرا کو خصوصاً یاد رکھتی۔

☆☆☆

وہ رات جس کا ہر روزے دار بے چینی سے انتظار کرتا ہے جب اس کی ایک مہینے کی عبادت کا یعنی پوری ایمانداری سے رکھے گئے روزوں پر عید کا تحفہ ملتا ہے، وہ رات بھی آن پہنچی تھی۔ ہر کوئی آسمان کی جانب چاند کو دیکھنے کی آرزو لیے تک رہا تھا جیسے ہی اعلان ہوا کہ کل عید ہے سنینا نے سب سے پہلے حرا کو میسج کیا۔

''چاند مبارک ہو، امید ہے تمہاری یہ عید وہی ہوگی شاید جس کا تم اتنے عرصے سے انتظار کر رہی ہو۔'' مسکراتے ہوئے اس نے میسج بھیجا اور ماں کے ساتھ نادرہ چاچی کے ہاں پہنچ گئی۔

نادرہ پہلے سے ہی تیاریاں کیے بیٹھی تھیں انتظار تھا تو ان دونوں کا اور شائل کا...... شائل گھر آیا اور سب کو چاند کی مبارکباد دی۔

''چلو، چلو تیاری پکڑو۔'' سنینا نے بڑے سنجیدہ انداز میں کہا۔

''کہاں کی تیاری؟'' شائل نے ناسمجھی میں پوچھا۔

''سب پتا ہے ہمیں، چاچی نے لڑکی ڈھونڈ لی ہے اور اب تو رشتہ پکا کرنے چلے ہم تو۔'' سنینا نے پھر سے شائل کو دیکھا، کھوجنا چاہا اور اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑتی دیکھ کر اس کا شک یقین میں تبدیل ہوتا جا رہا تھا۔ دراصل ہوا یہ تھا کہ سنینا کو جب اصل حقیقت پتا چلی تو اس نے ماں کو اعتماد میں لے کر چاچی سے پوری بات کی پھر نادرہ چاچی نے شائل کو آڑے ہاتھوں لیا اور یوں حالات اسی کے حق میں ہوتے چلے گئے۔

آج وہ حرا کے گھر آئے تھے۔

شائل کو نادرہ نے گاڑی اسٹارٹ کرنے کا حکم دیا اور وہ سب باہر آ گئے، گاڑی میں بیٹھنے کے بعد جو ایڈریس شائل کو سمجھایا تھا ان گلیوں سے گزرتے ہوئے اسے صرف اور صرف حرا کا خیال آ رہا تھا...... اس گھر کے باہر گاڑی روک کر جب سب باہر نکلے تو شائل کے قدم وہیں جم گئے، اس میں حرا کا سامنا کرنے کی دوبارہ ہمت نہیں ہو رہی تھی۔

''چلو ناں اندر تم، یہاں کیوں کھڑے ہو؟'' سنینا نے اسے کہا۔

''میں نہیں جاؤں گا......! کیوں کیا تم نے ایسا؟'' وہ اب سمجھ گیا تھا۔

''میں نے کچھ نہیں کیا شائل یہ وقت نے اور دونوں کے نصیب نے کیا ہے۔'' سنینا نے کہا۔ ''تمہیں موقع مل رہا ہے اسے پانے کا جسے تم چاہتے ہو، جھوٹ تو بولنا ہی مت مجھ سے...... میں تو فوراً پکڑ لوں گی، بس اب اندر چلو اسے بھی مبارکباد دو چاند کی اور ہاں کل عید ہے ناں اس سے اچھا موقع نہیں ملے گا جو بھی دل میں ہے کہہ دینا۔'' سنینا کی معصوم مسکراہٹ سے کہی گئی بات شائل کو اندر لے ہی گئی جہاں سب ایک دوسرے کو چاند مبارک کے ساتھ، ساتھ رشتہ پکا ہونے کی بھی مبارکباد دے رہے تھے لیکن حرا کہیں بھی موجود نہیں تھی۔

''کوئی بات نہیں ایک کام کرو، کل عید کی نماز پڑھ کر یہاں آ جانا اور حرا کو عیدی بھی دے دینا اسی بہانے مل بھی لو گے۔'' سنینا نے چھیڑا۔

"یہ سب تمہارا ہی کیا دھرا ہے۔" شمائل کو اچھا بھی لگ رہا تھا لیکن حرا کا ڈر بھی تھا۔

"بے فکر رہو اگر میری وجہ سے بھی ہوا ہے تب بھی ہوا تو تمہارا ہی فائدہ ہے ناں۔" سنینا نے بھی چسکے لے کر جواب دیا۔

حرا کو جب معلوم ہوا کہ اس کا رشتہ شمائل سے ہوا ہے تو اسے یقین نہیں آیا وہ کسی اور کے انتظار میں تھی پر جب اس کو آنا ہی نہیں تھا وہ آیا ہی نہیں البتہ عید آ گئی تھی لیکن آیا کوئی اور...... سنینا کے میسج سے ایک پل کو اسے لگا کہ شاید ولید آئے گا لیکن شمائل کا آنا اسے حیران کر گیا تھا۔

"پلیز مجھے معاف کر دو۔" آج عید کے دن ان کی بات باقاعدہ طے ہوئی تھی تو سنینا نے ہی کسی طرح حرا کے ہی گھر میں دونوں کو تنہائی میں ملنے کا موقع فراہم کیا تھا۔ وہ کمرے میں بیٹھی گزشتہ کئی دنوں کی جاری پُراسرار سرگرمیوں کے بارے میں سوچ رہی تھی جب سنینا نے اپنی امی اور چاچی کے ساتھ ان کے ہاں کے دو چکر لگائے تھے۔ وہ ان کے دور پار کے رشتے دار بھی ہوتے تھے اسی وجہ سے حرا نے زیادہ دھیان نہیں دیا تھا۔

"معافی تو مجھے مانگنی چاہیے، میں نے اس دن تم سے جس لہجے میں بات کی۔ تمہارے بدلے روپ کو حقارت سے دیکھا، تمہیں نہ جانے کیا، کیا نہ کہا۔" حرا اسے دیکھنے لگی۔

"ہاں میں تمہیں پسند کرتا تھا، تم میری اچھی دوست تھیں لیکن تمہیں منع کرنے کے باوجود تم نے وہ سب کیا اسی لیے میں تم پر غصہ کرتا تھا اور کوئی وجہ نہ تھی پر ہاں" شمائل رکا "ہم انسان کیا معاف کریں گے ایک دوسرے کو کیا ایک دوسرے پر جج (انصاف) کریں گے جب اللہ اس کام کے لیے ہے۔ وہی بہتر جانتا ہے کون معافی کے لائق ہے کون سچی توبہ کر رہا ہے اور کس کی توبہ قبول ہوئی......! ہم انسان خود کو دوسروں سے برتر سمجھتے ہیں جبکہ ہم بھی ان ہی جیسے ہوتے ہیں اور غلطی

رشتے اور راستے

رشتے اور راستے زندگی کے دو پہلو ہیں۔ کبھی، کبھی رشتے نبھاتے، نبھاتے راستے کھو جاتے ہیں اور کبھی راستوں میں چلتے، چلتے رشتے بن جاتے ہیں۔ کسی کو رشتے راس آ جاتے ہیں اور کسی کو راستے...... فرق بس اتنا ہے راستوں کے دکھ برداشت ہو جاتے ہیں رشتوں کے نہیں...... اپنے رشتوں کا بہت خیال رکھیں، وہ رشتے خون کے ہوں، احساس کے ہوں، مان کے ہوں، اعتبار کے ہوں یا عزت کے......

از: نگینہ ضیا بنگش، کراچی

بھی انسان سے ہی ہوتی ہے تم بھی ایک غلط فہمی کا شکار ہوئیں۔ ولید چلا گیا تھا حرا...... میں بھی نہیں جانتا کہ کہاں ہے وہ؟ میں بس تمہیں جانتا تھا، تم نے بھی رابطہ ختم کر دیا تھا لیکن اس دن تم نے ملنے کے لیے بلایا بھی تو اس انسان کے لیے جس نے تمہیں بدنام کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی تو بتاؤ ایسے میں میرا غصہ ہونا غلط تھا کیا؟" شمائل نے حرا کی لال ہوتی ناک کو چھوا جو رونے سے سرخ ہو گئی تھی۔

"مجھے اب پرانی باتوں سے کچھ لینا نہیں۔" وہ شرمندہ تھی شمائل مسکرایا۔

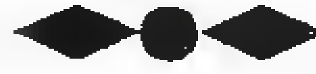
"سچ کہا تھا سنینا نے میں جس عید کا انتظار کر رہی تھی وہ آئے گی اور وہ آ گئی ہے، بے شک کسی اور کو لائی ہے بلکہ اس کو جس کو میرے نصیب نے میرے لیے چنا ہے اور جو میرے لیے بہترین ہے۔ میرے لیے یہ عید بہت خاص ہے شمائل۔"

اللہ جس پر مہربان ہوتا ہے پھر اس کا ہر دن آزمائش بھی ہوتا ہے اور رحمت بھی، یہ اس کا تحفہ تھا، انعام تھا اللہ کی جانب سے، انسان خود کو بدلے لیکن دنیا اور لوگوں کے کہنے پر نہیں بلکہ اس ذات کے لیے جس نے ہمیں پیدا کیا ہے کیونکہ وہی ہمارا رب ہے۔



سچا مکمل ناول





یہ زندگی

خالدہ نسیم





آج بھی موسم گرما کی ویسی ہی ستاروں بھری رات ہے۔ ستمبر کی حبس زدہ رات، اندھیری رات...... اور میں آج سے بیس سال پہلے گزری رات کی طرح آسمان پر اپنی تقدیر کا ستارہ تلاش کر رہی ہوں۔ میرے مقدر کا ستارہ ہر بار ہاتھ میں آکر کیوں کھو جاتا ہے۔ مانا وہ عورت تو خوب صورت تھی جس کی خاطر میرے خاوند نے مجھے، اپنے چھ بچوں کی ماں کو چھوڑ دیا۔ اور آج..... کیا آج پھر میں نے اپنی کم رنگت کی وجہ سے



مات کھائی ہے؟ نہیں، اس بار ایسا نہیں ہو سکتا۔ اس نے مجھے یہ یقین دلایا تھا کہ صورت سب کچھ نہیں ہوتی تو پھر کیا میری قسمت ہر بار مجھے دھوکا دیتی ہے۔ نہیں، مجھے اپنی قسمت سے کوئی شکایت نہیں...... مجھے زندگی میں سب کچھ ملا...... جس کی کوئی بھی عورت تمنا کر سکتی ہے۔ تو پھر یہ جدائی...... ایک دوسری عورت کا تصور مجھے کیوں چین نہیں لینے دے رہا۔ اس بار میں نے اپنی خوشی سے اجازت دی ہے۔ آخر ساری قربانیاں وہی کیوں دیتا۔ مجھ پر بھی تو کچھ قرض بنتا تھا ناں...... احسان چکانے کا موقع...... سب تسلیوں کے باوجود دل کے مقام پر جو ایک کسک رہ، رہ کر اٹھتی ہے میں اس کا علاج کیا کروں...... اتنے عرصے کی رفاقت، ایک بھرپور رفاقت کے بعد جدائی برداشت نہیں ہو پائے گی۔ اس نے وعدہ تو کیا ہے کہ مجھے تنہا نہیں چھوڑے گا۔ مگر کون جانے آنے والا کل کیا لے کر آئے گا یا کیا لے کر جائے گا۔

بڑا کنبہ جہاں بہت سا پیار اور محبت دیتا ہے وہاں بہت سی محرومیاں بھی زندگی میں بھر دیتا ہے۔ ماں گھر کا انتظام بہوؤں کے ہاتھ میں دے دیتی ہے اور باپ ریٹائرڈ ہو جاتا ہے۔ بڑے بیٹوں کو پڑھا لکھا کر چھوٹوں کی ذمے داری ان کے کاندھوں پر رکھ دیتا ہے۔ میرے ساتھ بھی ایسا ہی تھا۔ میری اماں کی شادی چودہ برس میں ہوئی اور میری بڑی بہن کی بھی اسی عمر میں۔ آپا کا پانچواں بچہ اور میں اپنے خاندان کا آٹھواں نمبر، ہم عمر تھے۔ والد ہیڈ ماسٹر تھے بڑی بیٹیوں کی شادی کر کے اور تین بیٹوں کو پڑھا لکھا کر افسر بنا کر ریٹائرڈ ہو گئے۔ چونکہ زمین تھی جا کر گاؤں میں رہنے لگے اور ہم دو چھوٹے بچوں کی ذمے داری بڑے بیٹوں پر آ گئی۔ جب میں نے ہوش سنبھالا تو کبھی گاؤں اور کبھی لاہور بھائیوں کے گھر...... بڑے تین بھائیوں کی شادی ہو چکی تھی۔ دونوں بہنیں بھی گھر بار والی تھیں۔ ایک بھائی بی اے کا امتحان دینے والا تھا۔ پھر کافی فرق سے ہم دو چھوٹے بہن اور بھائی تھے۔ کیسی صورت بھی سب سے میل نہ کھاتے تھے...... نہ صورت شکل میں اور نہ ہی ذہانت میں...... اگر کوئی یہ کہہ دیتا کہ یہ لے پالک ہیں تو شک نہ ہوتا۔ مگر باہم پیار اس بات کی نفی کرتا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم سب ایک دوسرے سے بہت پیار کرتے تھے اور.. فرق چاہے صرف سال بھر کا ہو بڑے کے سامنے نگاہ اٹھا کر بات نہیں کرتے تھے۔ بڑے بھائی سیکریٹریٹ میں کام کرتے تھے جو لارڈ صاحب کا دفتر کہلاتا تھا اور پنجابی میں لاٹ صاحب بن گیا تھا۔ انگریزوں کا وقت تھا، گرمیوں کے دو ماہ آفس اور عملہ پہاڑوں پر چلا جاتا...... بھائی شملہ گئے تو باقی لوگوں کا بھی پروگرام بن گیا...... ہم اپنے تیسرے نمبر کے بھائی کے ساتھ چوبرجی کوارٹر میں رہتے تھے۔ دونوں بھائیوں کی بیویاں سگی بہنیں تھیں سب سے بڑے بھائی علیحدہ رہتے تھے۔

بھائی جان کا خط آیا تو چھوٹے بھائی نے ہمیں تیار ہونے کو کہا خاص طور پر گرم کپڑے اور بستر لے جانے کا کہا...... میری اماں سارا دن پردیسی بیٹے کے لیے سوجی کے سموسے، گاجر کا حلوا، تلّی کی میٹھی روٹیاں اور نہ جانے کیا، کیا بناتی رہیں۔ گاجر کا موسم بھی نہیں تھا پتا نہیں کہاں سے لے کر آئیں۔ جب اپنی تیاری کا وقت آیا تو ایک جوڑا پہن لیا اور دوسرا گٹھڑی میں باندھ لیا۔ کھانے کی دوسری چیزیں ایک کنستر میں بھر لیں اور چھوٹا سا تالا لگا دیا۔ صبح، صبح لاہور سے ٹرین جاتی تھی اور اب ہم لوگ یعنی بڑی آپا ان کے پانچ بچے، بھابیاں مع دو بچوں کے میں، میرا چھوٹا بھائی جو مجھ سے پانچ سال بڑے تھے مگر چھوٹے ہی کہلاتے تھے۔ اور میری اماں...... اسٹیشن پر جلدی مچاتے ہوئے میرے منجھلے بھائی جو ہمیں سوار کرانے آئے تھے۔ اماں نے چپل پہنی ہوئی تھی جس کے اوپر چلتے میں کسی کا پاؤں آ گیا اور وہ کھل گئی۔ اب چلنا دشوار تھا۔ بھائی نے جلدی مچائی ہوئی تھی اماں نے چپل اتاری اور گٹھڑی میں اڑس لی۔ بھائی کی نظر نہیں پڑی اسی طرح گاڑی میں سوار ہو گئیں...... سفر اتنے سارے لوگوں کے ساتھ کیسا گزرا یہ تو یاد نہیں مگر جب کالکا کے اسٹیشن

پر اترے تو بھائی جان کی نظر اماں کے ننگے پاؤں پر پڑی۔ وہ ایک بڑے آفیسر ہونے کے ساتھ، ساتھ بڑے بھائی بھی تھے۔ اسٹیشن پر سے ایک آنے کا کارڈ خریدا۔ بسم اللہ لکھ کر بھائی کو جھڑکیوں بھرا خط لکھا۔ ماں کو ننگے پاؤں گاڑی میں بٹھاتے تمہیں شرم نہیں آئی دو روپے کی چپل نہیں خرید سکتے تھے۔ اسی طرح کی اور باتیں لکھ کر خط اُن کے دفتر کے پتے پر ڈال دیا۔ پھر کچھ نہ پوچھیں کتنے کارڈ آئے اور گئے۔ اماں نے دوسرے دن ملازم لڑکے سے جوتی مرمت کروا کر دوبارہ پہن لی اور اسی پرانی جوتی میں واپس لاہور بھی آ گئیں..... مگر یہ قصہ ایک خاندانی کہانی بن کر چلتا رہا۔ ڈیڑھ ماہ کی چھٹیاں شملہ میں گزاریں، اتنے سارے لوگ دو کمروں میں کیسے رہے تھے ہمیں تو بس یہ یاد ہے کہ محبت سے ہی رہتے تھے۔ پھر نہ جانے کیا ہوا۔ اگلے دو سالوں میں میرے تین بھائی آگے پیچھے وفات پا گئے۔ سب سے پہلے وہ عجلت پسند بھائی دو ماہ کی بیماری میں ایک دو سال کا بچہ اور جوان بیوی چھوڑ کر فوت ہو گئے پھر سب سے بڑے بھائی جن کے تین بچے تھے۔ ہارٹ فیل ہو گیا اُن کا جو سب سے زیادہ ہنسنے ہنسانے والے تھے۔ کچھ عرصے بعد چھوٹے سے بڑے بھائی جو بی اے کا امتحان دے کر فارغ ہوئے تھے لو لگنے سے بیمار ہوئے اور راہِ عدم کو سدھارے۔ یہ تین جوان بیٹوں کا غم تھا جس نے ہماری ماں اور بڑی بہن کی ہنسی چھین لی۔ میں نے انہیں اپنی پوری زندگی میں کبھی ہنستے تو کجا مسکراتے بھی نہیں دیکھا۔ ایک گہرا جامد غم انہیں اپنی لپیٹ میں لیے رہتا تھا۔ ہم سب کو صبر کی تلقین کرتی وہ خود غم کی تصویر بن کر رہ گئی تھیں۔ میری پڑھائی بھی اس دور میں نہ ہونے کے برابر رہ گئی تھی، کچھ میں خود بھی بے پروا تھی اپنے بھتیجوں سے کھیلتی رہتی یا انہیں کھلاتی رہتی۔ جو بری کوارٹرز چھوڑ کر ہم پونچھ روڈ پر دوسرے بھائی کے سرکاری گھر میں آ گئے۔ بہ مشکل میں نے سولہ سال کی عمر میں آٹھویں پاس کی۔ 1947ء کے فسادات شروع ہو گئے۔ لاہور میں بھی

روز کوئی نہ کوئی جھگڑا اور فساد ہوتا۔ بڑی بہن اپنے بچوں سمیت انبالہ میں تھیں اور سب کو اُن کی بہت فکر تھی۔ خیر وہ ستمبر کے آخر میں بخیر و عافیت لاہور پہنچ گئیں۔ آرمی میں ہونے کی وجہ سے انہیں لاہور چھاؤنی میں گھر ملا۔ مگر وہ اسکول سے دور تھا۔ میرے بڑے بھائی نے بہنوئی جنہیں ہم بھائی جی کہتے تھے انہیں مشورہ دیا کہ ہندوؤں کے چھوڑے ہوئے محلوں کے محلے غیر آباد پڑے ہیں، میں آپ کے لیے کوئی اچھا سا گھر دیکھتا ہوں۔ آپ کے نام الاٹ ہو جائے گا اور دو سال میں آپ نے بھی ریٹائر ہو جانا ہے پھر آپ اپنے نام کا کلیم داخل کروا سکیں گے۔ پہلے تو وہ راضی نہ ہوئے مگر پھر اس خیال سے کہ آٹھ بچے ابھی زیر تعلیم ہیں انہوں نے ہامی بھر لی۔ اس دوران ان کی پوسٹنگ کوئٹہ ہو گئی تو انہیں جانا پڑا۔ ماموں نے بھانجے، بھانجیوں کی محبت میں کہ وہ اکیلے کیسے رہیں گے اپنا سرکاری گھر چھوڑ دیا اور ساتھ والے گھر میں آ گئے ہم بھی ساتھ تھے۔ یہ تین منزلہ گھر تھا سنسان اور غیر آباد..... درمیان والی منزل اندھیری بھی تھی ہم سب اوپر جانے سے ڈرتے تھے۔ ہمارے ساتھ چھوٹی بھابی جو بڑی بھابی کی بہن تھیں ان کے والد، والدہ سب اکٹھے رہتے تھے۔ ابھی میری بڑی بہن کوئٹہ نہیں گئی تھیں تو میرے لیے ایک رشتہ آ گیا۔ ہمارے پرانے بنگلے دار تھے۔ کافی پرانی واقفیت تھی اُن کے دیکھنے سے اندازہ ہوتا تھا کہ انہوں نے مجھے پسندیدگی کی نظر سے دیکھا ہے۔ مگر کافی عرصے تک بات آگے نہ بڑھی۔ اس اثنا میں بڑی آپا کوئٹہ ہو کر واپس آ گئیں تو اماں سے رشتے کے بارے میں پوچھا۔ اماں نے لاعلمی ظاہر کی۔ وہ خود ان لوگوں سے ملنے چلی گئیں۔ واپس آئیں تو خاموش تھیں، میں اور اماں، آپا کے گھر میں تھے اماں کے پوچھنے پر انہوں نے بچوں کی پرانی کاپی سے پھاڑا ہوا ایک کاغذ کا ٹکڑا آگے کر دیا۔ اس میں شکستہ لکھائی میں لکھا تھا کہ ”....آپ جس لڑکی کا رشتہ لینے آئی ہیں اس کی شکل تو آپ نے دیکھ ہی لی۔ اسے گھر کا کام بالکل نہیں

آتا سارا دن پلنگ توڑتی ہے اور محلے کے ایک لڑکے کو اپنے پیچھے لگار کھا ہے۔'' یہ خط جب مہمان عورتیں باہر دروازے سے نکلنے لگیں تو ایک چھوٹے بچے نے ان کے ہاتھ میں دیا تھا۔ اللہ جانتا ہے کس نے لکھا تھا۔ شکل صورت میری جیسی بھی تھی اللہ نے بنائی تھی۔ عصمت چغتائی کی ٹیڑھی لکیر پڑھ کر دل کو تسلی تھی کہ واجبی صورت والی لڑکیاں بھی ہیروئن ہوسکتی ہیں۔ کام بھی مجھے نہیں آتا تھا سوتی بھی زیادہ تھی یہاں تک تو سب ٹھیک تھا مگر لڑکے والی بات بالکل جھوٹ تھی۔ زندگی تب تک ایک ہلکا پھلکا خواب تھی۔ ان باتوں کی کہاں عقل تھی یا خیال تھا۔ میں رونے لگ گئی۔ آپا نے تسلی دی اور کہا کہ دوبارہ سے پڑھائی شروع کرو۔ اور اس طرح میں اپنے سے تین سال چھوٹی بھانجی کے ساتھ نویں جماعت میں داخل ہوگئی۔

اسکول کی زندگی کیا خوب صورت تھی۔ ہر وقت مصروف، میری بھانجی کھیل کی شوقین تھی اور میں تالیاں بجانے کی جو اس کی کامیابی پر بجاتی تھی دو سال بعد وہ بیسٹ ایتھلیٹ بن گئی خوب کپ اور ٹرافیاں جیتیں اور انتہائی شاندار طریقے سے وہ اور میں امتحان میں فیل ہوگئیں۔ آپا نے غصہ کھا کر مجھے S.V کرنے شرقپور ہاسٹل بھجوادیا اور بھانجی کو دوبارہ دسویں کا امتحان دلوایا۔ میں واپس آئی تو کچھ لوگ مجھے دیکھنے آئے۔ اس دوران بہت سے لوگ ہندوستان سے ہجرت کر کے آچکے تھے دو سال کے عرصے میں سارے گھر اور محلّہ آباد ہو چکا تھا حتیٰ کہ جو خالی پلاٹ تھے اُن میں بھی لوگوں نے جھونپڑیاں ڈال لی تھیں...... یہ خاندان بھی امرتسر سے لٹ لٹا کر نیا، نیا محلے میں آیا تھا۔ لڑکے کی ماں اور بھابی رشتہ لے کر آئی تھیں۔ اس بار آپا نے بھابیوں سے ذکر نہ کرنا بہتر سمجھا اور اپنے گھر اُن لوگوں کو بلایا۔ بھائی جان اور آپا میری عمر کے حوالے سے پریشان تھے۔ حالانکہ میں انیس کی ہو کر بیسویں میں لگی تھی مگر اُن کے حساب سے زیادہ کی لگتی تھی۔ رشتہ طے ہوگیا۔ لڑکے کی پہلی بیوی سے سات سال کی ایک بچی تھی اور دورانِ ہجرت بیمار ہو کر بیوی فوت ہوگئی تھی اور اب وہ دوسری شادی کرنا چاہتا تھے۔ لڑکا پڑھا لکھا اور سرکاری نوکر تھا۔ بظاہر سب ٹھیک تھا۔ جہیز، بری کی کوئی ضرورت نہیں یہ بھی انہوں نے کہا۔ کیونکہ ہم تو اپنا سب کچھ امرتسر چھوڑ آئے...... صرف عزت اور شرافت بچی ہے۔ غرض انہوں نے اماں، ابا، بھائی اور آپا کو باتوں سے خوش کر دیا اور سچی بات کہوں مجھے بھی وہ لوگ اچھے لگے تھے۔ ہمارا خمیر محبت سے گندھا ہوا تھا اور اس میں نفرت کی کوئی گنجائش نہیں تھی اور نہ ہی جھوٹ کی آمیزش تھی۔ سادگی سے شادی ہوگئی اور میں رخصت ہو کر دوسری گلی میں آگئی۔ دولھا (اقبال قریشی) کو دیکھ کر میں دل و جان سے اس پر عاشق ہوگئی، میری سانولی رنگت اور چھوٹے قد کے سامنے وہ لمبا اونچا خوبرو سفید رنگ کا مرد تھا۔ سارا خاندان ہی گورا چٹا تھا۔ ولیمے والے دن میرا تعارف دو اور لوگوں سے ہوا۔ ایک سولہ سال کا لڑکا اور چودہ سال کی بیٹی معلوم ہوا کہ اقبال قریشی صاحب کے ایک نہیں تین بچے ہیں اور عمر اٹھائیس سال نہیں چالیس سال ہے۔ اب کیا ہوسکتا تھا۔ وقت لوٹا نہیں کرتا، گھر میں بے بے جی، چھوٹی بے بے جی..... تین بچے اور دو بھتیجے جو پڑھائی کے لیے چچا اور دادی کے ساتھ رہتے تھے یہ گھر ہندوؤں کا گھر تھا۔ آدھے حصے میں جیٹھ جی اور ان کے چار بچے جو کافی بڑے تھے اور آدھے حصے میں ہم تھے۔ اوپر کے ایک کمرے میں دونوں بے بے جی اور دوسری طرف کے کمرے میں دو بھتیجے اور اقبال صاحب کا بیٹا اور جیٹھ صاحب کا بیٹا رہتے تھے۔ بھرا پرا گھر تھا، اچھی رونق رہتی تھی سوائے اس کہ کبھی کبھار میری ساس میری رنگت دیکھ کر ہوکا بھرا کرتیں اور میرے قریشی نہ ہونے پر ابھی اعتراض تھا کہ اگلی نسل دوغلی کہلائے گی۔ اب ان سے کوئی پوچھے کہ اگر آپ اہلِ قریش میں سے ہیں تو اس میں آپ کا کیا کمال ہے اور اگر میں راجپوت ہوں تو اس میں میرا کیا قصور...... ہمیں اپنی ذات پر فخر تھا اور نہ ہی شرمندگی خدا تعالیٰ نے جیسے جہاں پیدا

کردیا اس کا احسان ہے کہ اس نے ہمیں مسلمان گھرانے میں پیدا کیا۔

شروع کے کچھ دن بے بے جی اور بڑی بیٹی نے مل کر کھانا بنایا پھر مجھ سے کہا...... مجھے تو کھانا پکانا نہیں آتا تھا۔ بھابیاں بس سارا دن اوپر کے کام کرواتی تھیں...... لہسن چھیل دو، سبزی بنادو، آٹا نکال لاؤ...... کپڑے پھیلا آؤ، بچے کو گود میں لے لو، چولھے کے نزدیک آنے نہیں دیتی تھیں کچھ میں بھی ازلی سست تھی خیر اب میں پریگننٹ ہوگئی تھی۔ ایک دن میں نے اپنی جیٹھانی سے دال پکانے کی ترکیب پوچھی پہلے تو انہوں ٹھٹھا لگایا اور پھر کہا۔

''بی بی سلیقہ سسرال والے نہیں سکھاتے بلکہ میکے سے سیکھ کر آتے ہیں۔ سسرال تو کسوٹی ہوتی ہے سونے، پیتل کو پرکھنے کی۔ اللہ بخشے میری دیورانی دسوں انگلیاں دسوں چراغ تھی ہر کام میں ماہر اور خوب صورت بھی۔ بس اللہ نے زندگی نہیں دی۔'' تقریر کے بعد جیٹھانی نے طریقہ سکھایا میں نے اس کے مطابق پیاز ہنڈیا... میں ڈالی براؤن کی اور نمک مرچ ڈال دی تو سارے گھر میں مرچوں کے جلنے سے بو پھیل گئی اور جو آنکھوں سے لگیں وہ علیحدہ...... جیٹھانی جھپٹ کر آئیں جلتی لکڑیاں باہر کھینچیں اور ہنڈیا میں پانی ڈالا۔ کیا تھا جو پہلے بتادیتیں کہ پانی پہلے ڈالتے ہیں۔ میرے سامنے ہر وقت پہلی بہو کی تعریفیں ہوتیں، میری ساس جہاں مجھے دیکھتیں حق ہا کا نعرہ لگاتیں کوئی ان سے پوچھے حق کیا ہے؟ مری ہوئی کے گن گانا یا زندہ کو گن سکھانا، میں ہر کام سیکھنے کو تیار تھی مگر سکھانے والے ہنسی اڑاتے تھے، وہ تو اچھا ہوا میری اماں نے جب میری طبیعت کا سنا تو وہ میرے پاس آگئیں اور انہوں نے کچن سنبھال لیا۔ اس دوران بے بے جی اور ان کی بہن نے کھانا اوپر بنانا شروع کردیا اور بچوں کو بھی وہیں کھلانا شروع کردیا۔ اگلے تین سالوں میں میرے تین بچے ہوگئے، میں مزید سوٹی اور کاہل ہوگی۔ خاوند کی بڑی بیٹی کا رشتہ پھپھو کے گھر تھا اس کی شادی ہوگئی۔

خاوند کے مزاج کا کچھ پتا نہیں چلتا کبھی ساون میں بارش کی طرح کبھی سردیوں میں گرم نرم دھوپ کے مانند، کبھی بہار کا جھونکا یا بادِ سموم کا تھپیڑا...... موسموں کی طرح اس کا مزاج بدلنا، کبھی گریزاں کبھی مہرباں اس کا بار، بار جتانا کہ اسے بچوں کی نہیں اچھی بیوی کی ضرورت ہے۔ میری سمجھ سے باہر تھا۔ بیوی اچھی ہوگی تو بچے بھی ہوں گے۔ اور اگر بچے ہوں گے تو مصروفیت اور دوسرے جھمیلے بھی ہوں گے۔ بہر حال زندگی گزر رہی تھی پھر انہیں گورنمنٹ کی طرف سے آسان قسطوں پر ثمن آباد میں گھر الاٹ ہوگیا۔ این بلاک میں سرکاری گھر تھے ہم وہاں شفٹ ہوگئے۔ میری اماں میرے ساتھ ہی تھیں۔ ایک دن صبح، صبح اطلاع ملی کہ بڑی والی بیٹی جس کی شادی کو ابھی صرف چار سال ہوئے تھے اور دو بچے تھے وہ فوت ہوگئی۔'' رات میں درد قولنج اٹھا...... اور بس...... بچوں کی دیکھ بھال کے لیے انہیں بہن کی ضرورت ہے اس کے ساتھ ہم سب بھی چلے گئے۔ جوان موت تھی سب ہی دکھی تھے۔ یہ بڑی والی بیٹی بالکل اپنی ماں کی طرح سگھڑ تھی اور میری بھی بہت ہمدرد تھی جب تک گھر میں تھی حتی المقدور میری مدد کرتی تھی۔ شادی کے بعد بھی عید تہوار پر بچوں کے کپڑے سی کر بھجواتی تھی۔ اب بچوں کے مسئلے کی وجہ سے اس کی سسرال والوں نے چھوٹی بہن کو روک لیا اور ایک ماہ کے بعد اتنی بڑی عمر کے بہنوئی کے ساتھ خاموشی سے شادی کردی کوئی کچھ نہ کہہ سکا۔ مگر عمر کے اتنے فرق کے بعد بھی ان کی زندگی ماشاء اللہ بہت اچھی گزری...... میری سسرال میں لڑکیوں کو پڑھانے کا رواج نہیں تھا۔ مقصد اسکول بھیجنے کا...... گھر میں استانی آتی تھی جو انہیں اردو حساب، قرآن مجید، ناظرہ پڑھا دیتی تھی جہیز میں قرآن مجید اور بہشتی زیور دے دیا اور تھوڑا سا اور سامان بہت بعد میں لڑکیوں نے اسکول جانا شروع کیا۔

ثمن آباد میں رہتے ہمیں کچھ وقت گزرا تھا تو قریشی صاحب کی تبدیلی فیصل آباد میں ہوگئی۔ ادھر میری

اماں بیمار ہوگئیں اور بھائی جان انہیں اپنے پاس لے گئے جہاں وہ کچھ عرصے کے بعد وفات پا گئیں۔ اس دوران میری ساس اور اُن کی بہن بھی فوت ہوگئی تھیں۔ میرے ابا بھی بوڑھے ہوگئے تھے۔ وہ بھی بھائی کے ساتھ رہتے تھے۔ مجھے کچھ اڑتی، اڑتی خبریں ملیں کہ قریشی صاحب فیصل آباد کے جس گھر میں کرائے دار تھے وہاں ان کے کسی عورت سے راہ ورسم ہے۔ جب مہینے کے شروع میں وہ آئے تو میں نے مذاق میں پوچھا۔ وہ تو ہتھے سے اکھڑ گئے کہ میں ان کے کردار پر شک کررہی ہوں۔ میں خاموش ہوگئی۔ کچھ عرصے بعد ہمیں یہ ثمن آباد کا گھر چھوڑنا پڑا کیونکہ اس کی قسطوں کی ادائیگی نہیں ہورہی تھی۔ سوڈی وال میں گورنمنٹ کوارٹر تھے وہ سستے تھے۔ صرف دو کمرے اور چھوٹا سا کچن۔ صحن کے کونے میں نلکا اور لیٹرین ہمیں قریشی صاحب نے وہاں شفٹ کردیا اور خود فیصل آباد چلے گئے۔ مہینے کے شروع میں آتے کچھ خرچ دیتے ایک آدھ دن ٹھہرتے اور واپس چلے جاتے کچھ روتے کچھ خوش اسی چکر میں دو بچے اور ہوگئے۔ اب میرے اوپر تلے کے سات بچے تھے۔ بڑے تین کارپوریشن کے اسکول جاتے تھے۔ راشن میرے ابا زمین سے آئے اناج میں سے بھجوادیتے تھے روزمرہ کا خرچ چل ہی جاتا۔ بچے اچھے تھے جو دیا کھالیا۔ پھر یوں ہوا کہ دو تین ماہ کوئی خرچ نہیں آیا بڑا بیٹا ملنے آیا تو میں نے اس سے تمام حال کہا۔ اس نے وعدہ کیا کہ وہ فیصل آباد خود جائے گا اور ابا کو سمجھائے گا۔ واپس آکر اس نے جو بتایا وہ میرے ہوش اڑانے کو کافی تھا کہ ابا نے گھر والوں کی بیٹی سے شادی کی ہوئی ہے، وہ اپنی آنکھوں سے انہیں دیکھ کر آیا ہے اور یہ بھی کہ وہ ابھی تک غیر شادی شدہ تھی۔ کسی بیماری کی وجہ سے ماں نہیں بن سکتی تھی اور وہ گھر اس کے بھائیوں نے بہن کے نام کردیا تھا تاکہ وہ کسی کی محتاج نہیں ہو۔ اس کی اماں بھی اس کے ساتھ ہی رہتی ہے اور ابا بہت خوش ہیں مگر انہوں نے وعدہ کیا ہے کہ وہ خرچ بھیجا کریں گے۔ میں پریشان تو ہوئی مگر دوسری شادی نے مجھے زیادہ دکھی

نہیں کیا۔ میرے بھائی کی بھی دو بیویاں تھیں۔ پہلے وہ اکٹھی رہتی تھیں مگر لڑتی تھیں تو بھائی نے انہیں علیحدہ گھر لے دیے تھے دونوں کے پاس جاتے تھے ایک دن ایک کے گھر اور دوسرے دن دوسری کے۔ خود وہ شاہدرہ میں کام کرتے تھے۔ ایک بار کام سے نکلے تانگے پر شاہدرہ کا پل پار کرتے تھے راستے میں یاد نہیں آیا کہ کس کے گھر کی باری ہے تانگے والے سے کہا کہ انہیں یہیں راستے میں اتار دیے۔ اب اتر تو گئے مگر آگے کیا کریں جس بیوی کے گھر کی باری نہ ہوا دھر گئے تو وہ دروازہ ہی نہیں کھولے گی۔ رات پل پر گزار کر صبح بڑی آپا کے گھر پہنچے انہوں نے پوچھا اتنی صبح کیسے آگئے تو روداد سنائی کہ رات پل پر گزاری ہے۔ بیویوں کی لڑائی سے بچ کر...... آپا نے دونوں بھابیوں کو بلایا اور سمجھایا کہ عقل کیا کرو، انہوں نے عقل کی یا نہ کی مگر میں بے وقوفی میں اپنا گھر برباد نہیں کرنا چاہتی تھی۔ میں نے اپنے آپ کو تسلی دی کہ کوئی بات نہیں میرے بچے ہیں، وہ ہمیں بے سہارا نہیں چھوڑیں گے مگر بعد کے حالات میری سوچ سے مختلف نکلے۔ مجھے سمجھ آگئی کہ انہیں ایسی بیوی کی ضرورت نہ تھی جو بچے پیدا کر کے ماں بن جائے۔ اسے ایک عورت کی ضرورت تھی جو اس کے تقاضے پورے کر سکے...... اور میں......! شاید صرف ماں ہو کر رہ گئی تھی مگر مجھے تسلی تھی کہ میرے پاؤں زمین پر جمے ہوئے ہیں، وہ اولاد کی وجہ سے ہمارا خیال ضرور رکھیں گے۔ اگلے دو تین ماہ بالکل بھی خرچ نہ آیا۔ ادھار مانگ، مانگ کر کب تک گزارہ ہوسکتا تھا۔ میں نے سوچا کہ میں خود فیصل آباد جاتی ہوں منی آرڈر جب آتا تھا تو اس پر گھر کا ایڈریس ہوتا تھا۔ سو میں نے چھوٹے بیٹے کو گود میں لیا اور فیصل آباد پہنچ گئی۔ پرانے سے محلے میں چھوٹا سا گھر تھا، تانگے والے نے پتا پڑھ کر وہاں پہنچا دیا۔ گھر میں دو عورتیں تھیں ایک جوان اور دوسری ادھیڑ عمر کی، دونوں کی نظروں میں غیریت تھی بھلا وہ مجھے پہچانتی بھی کیسے کبھی ملے ہی نہیں تھے۔ میں نے کہا کہ میں قریشی صاحب کی بیوی ہوں اور اُن سے ملنے آئی ہوں۔ اس پر

اس جوان عورت نے شور مچانا شروع کر دیا، ان کی بیوی میں ہوں تم کون ہوتی ہو میرے اور میرے شوہر کے درمیان آنے والی۔ میں تمہارا خون پی جاؤں گی اور اونچا، اونچا رونا شروع کر دیا...... اس کی ماں نے اسے زبردستی پکڑ کر کمرے میں بند کر دیا۔ باہر سے کنڈی لگا دی۔ اندر سے اس کے چیخنے چلّانے کی آوازیں آ رہی تھیں اور ساتھ ہی چیزوں کے پٹخنے کی۔ میں تو ڈر گئی کہ کہیں مجھے اور میرے بچے کو نقصان نہیں پہنچا دے۔ ماں شرمندہ ہونے کی کوشش کر رہی تھی۔

”دیکھا آپ نے بس یہ ایسی ہی ہے۔ بچپن میں باپ مر گیا تھا بھائیوں نے لاڈ پیار میں بگاڑ دیا۔ اوپر سے پیٹ میں رسولیاں ہو گئیں آپریشن کروانے پڑے جب سے لوگوں نے رشتے سے انکار کرنے شروع کیے کہ یہ ماں نہیں بن سکتی تو اسے ہسٹریا کے دورے پڑنے لگے۔ بھابیوں اور ان کے بچوں کی دشمن بن گئی۔ بھائیوں نے مجھے اور اسے علیحدہ اس گھر میں ڈال دیا۔ ہم آدھا گھر کرائے پر دیتے ہیں کچھ بیٹے مدد کرتے ہیں، اللہ نے قریشی صاحب کو فرشتہ بنا کر بھیجا انہوں نے اس سے شادی کر لی۔ قریشی صاحب کا کہنا تھا کہ وہ اپنی بیوی سے پریشان رہتے ہیں وہ انتہا کی گندی عورت ہے۔ جاہل ہے، بچے بھی گندے رکھتی ہے۔ گھر بھی گندا رکھتی ہے۔ اور اسی لیے وہ گھر بھی نہیں جاتے، مجھے تو پتا تھا کہ قریشی صاحب کی پہلی بیوی اور بچے ہیں مگر زینب سے ہم نے چھپایا تھا۔ آپ اس کی حالت دیکھ رہی ہیں یہ اپنے ساتھ کسی کی شراکت برداشت نہیں کرتی۔ میں قریشی صاحب کو سمجھاؤں گی وہ آپ کو اخراجات کی رقم بھیجا کریں گے مگر آپ آئندہ یہاں نہیں آئیں۔“ اب میرے پاس وہاں ٹھہرنے کا کیا جواز تھا۔ میں اپنا خاوند واپس مانگنے گئی تھی مگر رہا سہا بھی گنوا آئی۔ میں نے کبھی کسی سے بحث نہیں کی تھی۔ میری جیٹھانی کو ہمیشہ گلہ رہتا تھا کہ میں ہنس کر بات گنوا دیتی ہوں اور میری ساس کہتی تھیں کہ بے کرتوت لوگ ہنستے ہیں۔ کوئی کرتوت پلے ہو تو لوگ فخر اور غرور کی وجہ سے سنجیدہ رہتے ہیں۔ میرے پاس فخر کرنے کو کچھ نہیں تھا۔ ہنسوں کی برادری میں، میں کالی بطخ تھی۔ میں نے کبھی کسی بات کا پلٹ کر جواب نہیں دیا تھا اور مجھے پتا تھا کہ یہی ایک میری خوبی ہے جس سے یہ سب لوگ خوش ہیں۔ میں خالی ہاتھ، خالی دل وہاں سے واپس آ گئی صرف ایک موہوم سی امید لیے کہ آخر وہ باپ ہیں کچھ تو اولاد کا سوچیں گے...... مگر نہیں......

جولائی، اگست میں بہت بارشیں ہوئیں، بچے اسکول سے آ کر بارش میں کھیلتے رہے۔ شام میں بڑے لڑکے کو جو میری دو بیٹیوں سے چھوٹا تھا تیز بخار ہو گیا، رات ہونے تک اسے دورے سے پڑنے لگے ڈاکٹر کو بلایا اس نے کہا کہ اسے فوراً اسپتال لے جائیں لگتا ہے گردن توڑ بخار ہے۔ اس زمانے میں فون تھے نہ ایمبولینس تانگا کرایا اور میو اسپتال پہنچ گئی۔ بچوں کو ہمسائی کے پاس چھوڑا۔ ڈاکٹروں نے دیکھ بھال شروع کی مگر ان کی مایوسی دیکھ کر میرا دل بیٹھ رہا تھا۔ ایک ڈاکٹر غور سے مجھے دیکھ رہا تھا پھر وہ کہنے لگا کہ آپ خالہ زیب النسا ہیں، میں آپ کے محلے میں رہتا تھا۔ آپ کسی کو اطلاع دے کر بلانا چاہتی ہیں تو بتائیں میں بلا لاتا ہوں۔ میں نے آپا جی کے گھر کا پتا بتایا ان دنوں وہ خود تو پشاور میں تھیں مگر مجھے امید تھی کہ میری بھانجیوں میں سے کوئی آ جائے گا کیونکہ یہ ڈاکٹر صاحب بھی انہیں جانتے تھے۔ ڈاکٹر صاحب کو ایک گھنٹا لگا آنے اور جانے میں...... میری دو بھانجیاں اور قریشی صاحب کا ایک بھتیجا آ گئے۔ بیٹے کی حالت بہت خراب تھی۔ ڈاکٹروں کی کوئی بھی کوشش اسے نہ بچا سکی۔ خاوند کی بے وفائی کا دکھ اور بیٹے کی موت کا منظر میری روح میں اتر گیا۔ موت کی سفیدی اس کی کھلی آنکھوں سے نکل کر میرے وجود میں گھل گئی تھی۔ میں نے ڈاکٹروں کی منت کی کہ میرے بیٹے کو مردہ خانے میں نہ لے جائیں وہاں کی سردی وہ کیسے برداشت کرے گا۔ میں اول فول بک رہی تھی ڈاکٹرز نے وارڈ بوائے سے کہہ کر اس کا پلنگ باہر برآمدے

میں رکھوا دیا۔ صبح ہونے والی تھی اس وقت سواری نہیں مل سکتی تھی میں اور میری بھانجیاں پیدل اسپتال سے گھر آئے، بڑی بیٹی کو بتایا تو اس نے بھائی کی لاش کو اپنے گھر لانے کا کہا۔ درمیان کا وقت کیسے گزرا مجھے اپنی ماں کا دکھ اس وقت یاد آیا جب ان کے بیٹے کو اسپتال سے یکے میں گھر لائے تھے میری ماں ننگے سر، ننگے پیر یکے کے پیچھے دوڑتی آئی تھی اور بار، بار کہتی تھی اس کے منہ سے کپڑا ہٹاؤ اس سے کہو ایک بار مجھے دیکھے، میں اس کی ماں ہوں، یہ ایسے کیوں لیٹا ہے؟ وہ بھائی چھبیس برس کا تھا میری ماں نے کیسے صبر کیا ہوگا۔ میرا بیٹا سات سال کا تھا اور میرا دل پھٹا جاتا تھا۔ جنازے سے اگلے روز قریشی صاحب تشریف لائے کوئی شرمندگی، کوئی ملال ان کے چہرے سے ظاہر نہ ہوتا تھا۔ دنیا دکھاوے کو چند آنسو بہائے، سوئم کا کھانا کھایا اور کہنے لگے کہ میں بچوں کو گھر چھوڑنے جاتا ہوں، میں نے خاموشی سے بچوں کو اکٹھا کیا اور ان کے ساتھ تانگے میں بیٹھ کر گھر آگئی۔ شام تک ہمسائیاں افسوس کے لیے آتی رہیں، رات کو جب بچے سو گئے تو قریشی صاحب نے فرمایا۔

''تم جو ہنگامہ اس دن مچا کر آئی تھیں اس کا خمیازہ بھگتو...... اب میں تمہیں ہرگز بھی ساتھ نہیں رکھوں گا۔ تم اور تمہارے بچے بھاڑ میں جاؤ۔'' اس سے پہلے کہ میں کچھ کہتی انہوں نے میرے بال جن پر مجھے کبھی فخر ہوتا تھا ہاتھ میں پکڑ کر جھٹکا دیا۔''تم نے اپنی شکل دیکھی ہے ڈائنوں جیسے دانت دیکھے ہیں، میں تم سے ہمیشہ سے نفرت کرتا تھا۔ اوپر سے بچوں کی فوج......''

میں نے انہیں بات مکمل نہیں کرنے دی۔ میں نے بچے کو کرب کی حالت میں مرتے دیکھا تھا۔ اس کی آنکھوں کو سفید ہوتے دیکھا تھا۔ بچوں کے بارے میں، میں ایک بھی بات سننے کو تیار نہیں تھی، میں زخمی شیرنی تھی، مرنے مارنے پر تلی ہوئی میں نے ان کے ہاتھ میں دانت گاڑ دیے۔ وہ تڑپ کر پیچھے ہٹے میں نے گریبان پکڑ لیا اور کہا تو صرف یہ......

''تم خدا کا عذاب چکھو گے۔ اولاد جیسی نعمت کو ٹھکرا کر تم خود بے کسی کی موت مرو گے جاؤ یہاں سے یہ میرا گھر ہے۔ میں ماں ہوں، بچے پال لوں گی۔'' وہ طنزیہ ہنسی ہنسے۔

''یہ گھر شہباز کے نام ہے، میرے بڑے بیٹے کے اور تمہیں تو میں اسی وقت طلاق دیتا ہوں، چند دنوں میں پیپرز بھی تمہیں مل جائیں گے۔''

اتنا کہا اور گھر سے نکل گئے۔ گویا کہ میری زندگی سے نکل گئے۔ انیس سال کی عمر میں جو زندگی شروع ہوئی تھی وہ انتیس سال کی عمر میں ختم ہوگئی۔ اس رات تو غصے اور طیش کے عالم میں کچھ اور نہیں سوجھ رہا تھا...... مگر بعد کی راتیں مجھے ایک پل کی نیند نصیب نہ ہوئی۔ میں بچے کی قبر پر جاتی تو مجھے اپنے بچے کے بجائے اپنی ماں یاد آتی تھی۔ وہ اپنے تینوں بیٹوں کی قبر پر ہاتھ پھیرتی رہتی کبھی کسی راہ گیر نے رک کر پوچھا۔

''مائی کیا کھو گیا ہے۔'' تو بولیں میرے لعل کھو گئے ہیں انہیں تلاش کر رہی ہوں، اس نے کہا۔''مائی صبر کر، جانے والے واپس نہیں آتے۔'' صبر کرنا کتنا مشکل ہے، یہ کوئی ماں کے دل سے پوچھے۔ اور میرے پاس تو کچھ بھی تھا۔ نہ کھا آگے نہ کچھ پیچھے ایک ہفتے بعد طلاق کا لفافہ مل گیا، میں نے بغیر پڑھے لوہے کے صندوق میں ڈال دیا۔ پڑھ کر بھی کیا حاصل تھا۔ شرعی حق مہر پر پڑھا نکاح تھا۔ کیا ملتا، بچوں سے وہ لاتعلقی کا اظہار کر چکے تھے۔ بڑا بیٹا شرمندہ سا مجھے تھوڑے سے پیسے دے جاتا تھا جس سے گزارہ ہو رہا تھا۔

ستمبر شروع ہو چکا تھا۔ بچوں کو سلا کر میں برآمدے کی سیڑھیوں پر آکر بیٹھ گئی۔ تنہائی اور عجیب سی خاموشی تھی۔ آسمان پر لاتعداد ستارے تھے۔ میں اپنی تقدیر کا ستارہ ڈھونڈ رہی تھی۔ اب بھی خوابوں کی دنیا میں میری دنیا تھی۔ میرے دل میں میرے ذہن میں چند شروع کے دنوں کے سرگوشیاں تھیں، اتنی تلخ حقیقت میرا دل قبول کرنے کو تیار نہیں تھا۔ میں اس زندگی کو خواب سمجھ کر بھلا نہیں سکتی تھی۔ میرے سامنے

پھر زندہ حقیقتیں موجود تھیں جن کے جینے سے میں ڈرتی تھی اور مرنے کا سوچ کر دہل جاتی تھی۔ چار لڑکیاں اور دو لڑکے...... لوگ ان کو ماں کی طلاق کی کسوٹی پر پرکھیں گے کون ان کو اپنائے گا۔ بیٹے کیسے پڑھ لکھ کر معاشرے میں کوئی مقام حاصل کر پائیں گے۔ سوچوں کا لامتناہی سلسلہ شروع ہونے کو تھا۔ لوگوں کے شور سے میرا ارتکاز ٹوٹا...... ایک پل کو 1947ء کا وقت یاد آیا یونہی شور ہوتا تھا جہاں کئی بلوہ ہوتا تھا۔ اتنے میں کسی نے دروازہ بجایا۔ اور کہا ”سیلاب آرہا ہے راوی کا پانی کنارے توڑ کر بہہ نکلا ہے، بچاؤ اپنا سامان اور بچے اوپر چھت پر لے جاؤ۔“ میں نے جلدی سے بڑوں کو جگایا جلدی، جلدی دو چارپائیاں اوپر چڑھائیں سامان کچھ اوپر لے گئے انگیٹھی اور کچھ کھانے کا سامان بھی پہنچایا فجر کی اذانوں کے ساتھ پانی کا زوردار ریلا آیا۔ صحن کی ایک اینٹ کی دیواریں دھماکے سے گر گئیں، شکر ہے گھر پکا تھا کھڑا رہا۔ بچے اوپر محفوظ رہے۔ اگلے دو دن ہم پانی میں گھرے رہے۔ ہیلی کاپٹر سے ڈبل روٹی اور کھانے پینے کی اشیا آرمی والے گراتے تھے۔ تیسرے دن ایک کشتی میں میری بھانجی کا بیٹا جو آرمی میں تھا وہ ڈھونڈتا آیا اور ہمیں نکالا۔ اس کے بعد وہاں گھر کا نشاں بھی نہ رہا جس کی ملکیت سے قریشی صاحب نے مجھے دھتکارا تھا۔ میں دوبارہ سے اپنے بھائی کے گھر واپس آگئی۔ سب کو قریشی صاحب کے بارے میں علم ہو چکا تھا مگر میں نے طلاق والی بات کسی کو نہیں بتائی تھی۔ بھابی نے مہربانی کی، مجھے اور میرے چھ بچوں کو گھر کا اندھیرا سا کمرا دے دیا جو ہندوؤں کے وقت میں باورچی خانہ ہوتا تھا۔ یہ وہی محلہ تھا جہاں میں شادی کے بعد بھی رہی تھی، دو گلیاں چھوڑ کر وہی گھر تھا۔ میرے والے حصے میں بڑے جیٹھ آچکے تھے۔ میرے والد فوت ہو گئے تھے اور زمینوں کا سارا انتظام بڑے بھائی کے ہاتھ میں تھا، وہ مصروفیت سے وقت نہ نکال سکتے تھے۔ نتیجتاً یہ کہ وہاں سے اناج آنا بند ہو گیا۔ میرے سامنے کچھ نہ تھا۔ بچے کیا کھاتے، کیا پہنتے ہیں، وہ سارا دن کیا کرتے پھرتے مجھے کچھ ہوش نہیں تھا۔ میں ہر وقت سوچوں میں ڈوبی چارپائی پر پڑی رہتی۔ بڑے بہنوئی اپنا راشن لاتے تو آٹا، چینی، دالیں مسالے میرے گھر بھی ڈلوا دیتے۔ سالن میری بھابی دے دیتیں یا بڑی آپا کے گھر سے آجاتا۔ تایا کے گھر بچے جاتے تو وہ کچھ نہ کچھ دے دیتے۔ اسکول کا کوئی جھمیلا ہی نہیں تھا۔ میرا یہ حال تھا کہ کبوتر کی طرح بلی کو دیکھ کر آنکھیں بند کر کے جی رہی تھی۔ سورج کب ڈھلا، دن کب نکلا، کچھ پتا نہیں لگتا تھا۔ پھر نہ جانے سب کو کیا ہوا ہر وقت مجھے مشورہ دینے لگے کہ جاؤ اور بچے باپ کے متھے مار کر آؤ۔ وہ عیش کی زندگی گزار رہا ہے اور اولاد گلیوں میں رُل رہی ہے۔ میری سسرال والے بھی یہی کہنے لگے۔ میرا دل چاہتا تھا کہ میں سب کو بتاؤں کہ میرے ساتھ اس نے کیا سلوک کیا تھا مگر انا آڑے آجاتی ہتک کا احساس ہوتا کہ کیا بتاؤں گی، میں طلاقن ہوں؟ بچے وہ بھاڑ میں جھونک گیا ہے، ایک بے حس آدمی کو کوئی کیا سمجھائے گا؟ اور پھر آخر یہ سب بڑے بھائی اسے بلا کر کیوں نہیں سمجھاتے مجھے موردِ الزام ٹھہراتے ہیں۔

آخر میں، میں نے فیصلہ کیا چلوان کے مشورے پر عمل کرلوں، بچوں کو لے کر میں اسی پتے پر فیصل آباد پہنچی۔ سوچا تھا کہ گلی کے شروع میں چھوڑ آؤں گی۔ دونوں چھوٹے بچے بڑی دو بہنوں نے اٹھا رکھے تھے۔ درمیان والے حیران نظروں سے مجھے دیکھ رہے تھے کہ ماں ہمیں چھوڑ کر کیوں جا رہی ہے۔ بچے دروازے تک پہنچے، دروازہ کھٹکھٹایا، اندر سے کسی نے کھولا میں نے انہیں اندر جاتے دیکھا۔ بڑی بیٹی نے مجھے دیکھا ہاتھ ہلایا اور اندر چلی گئی۔ مانو میرا دل میری روح ساتھ چلی گئی۔ میں خالی جسم کے ساتھ کھڑی رہ گئی...... میں مڑ نہ سکی کہ شاید بچے ابھی باہر آجائیں الٹے چند قدم لیے۔

”پھپھو چلیں۔“ میرا بھتیجا میرے ساتھ گیا تھا۔ اس نے دھیمی آواز میں کہا میرے قدم نہیں اٹھے، بیٹ

سے گولا اٹھ کر حلق میں اٹک رہا تھا۔ چاروں طرف آنسوؤں کی دھند تھی، بچے کہیں نہیں تھے۔ میرا بھتیجا بھی سے چار قدم آگے چل رہا تھا۔ مجھے پتا تھا کہ وہ رو رہا ہے مگر وہ مڑ کر نہیں دیکھ رہا تھا۔ اسے پتا تھا کہ اگر اس نے میری طرف دیکھ لیا تو میں ریت کی دیوار کے مانند ڈھے جاؤں گی اور وہ مجھے سمیٹ نہیں پائے گا۔ زمین میرے پاؤں پکڑ رہی تھی مگر میں انہیں گھسیٹ کر آگے کر رہی تھی، اس گھر میں میرے لیے کوئی جگہ نہیں تھی بچوں کو شاید وہ کھو کھ جلی اللہ کا انعام سمجھ کر قبول کر لے۔ واپسی میں بس میں بیٹھ کر یہ سوچتی رہی کہ میری زندگی کا کیا مقصد ہے؟ کیا کوئی حادثہ مجھے ختم نہیں کر سکتا، روزانہ اتنی بسیں الٹتی ہیں شاید یہ بھی الٹ جائے، روح میری زخمی ہے وجود بھی موت کی وادیوں میں اتر جائے۔ میرا دماغ چوٹ کھا لے، میں زندوں کو بھول سکوں اور مردوں کو یاد نہ کر پاؤں پھر مجھے اپنے بھتیجے کا خیال آیا، میرے بھائی کے گھر کا چراغ ہے۔ الٰہی اسے کچھ نہ ہو۔ میرے درد کی سزا اسے کیوں ملے۔ بالآخر میں کراچی، کراچی وجود کے ساتھ گھر پہنچ گئی۔ سب پر یہی ظاہر کیا کہ میں بالکل ٹھیک ہوں بچوں کو صحیح ٹھکانے پر پہنچا آئی ہوں۔ دل خون کے آنسو رو رہا تھا۔ کمرے میں ہر طرف سے بچوں کی آوازیں آرہی تھیں، میری بے پروائی کو دیکھ کر وہ سب آپس میں اکٹھے ہو گئے تھے اور ایک دوسرے کا دھیان کرنے لگے تھے، کچھ کھانے کو نہ ہوتا تو بڑی والی آٹے میں نمک، مرچ ملا کر روٹی پکا دیتی، بہن بھائیوں کو کھلاتی بلکہ میرے منہ میں بھی نوالے ڈالتی، آج میں اصلی معنوں میں اکیلی تن من سے تنہا تھی۔ میری بھانجی مجھے بلانے آئی کہ آپا ڈھاکے سے واپس آگئی ہیں اور مجھے بلا رہی ہیں، میں گئی تو انہوں نے پہلے تو مجھے ڈانٹا کہ میں نے بچوں کو کیوں چھوڑا...... پھر گلے سے لگا کر خود بھی روئیں اور میرا بھی آنسوؤں کا بند ٹوٹ گیا۔ میں نے جی بھر کر اپنی زندگی پر ماتم کیا۔ اپنے آپ کو لعن طعن کی کہ میں کیسی ماں ہوں اپنے ہاتھوں بچوں کو بن ماں کا کر آئی ہوں۔

جمعے کے روز میں بچوں کو چھوڑ کر آئی تھی اور اتوار کی صبح آٹھ بجے وہ میری چارپائی کے گرد کھڑے تھے۔ دھلے دھلائے چہروں اور صاف ستھرے کپڑوں میں، میں سمجھی میں خواب دیکھ رہی ہوں یا میری روح عالم بالا میں ہے اور نعوذ باللہ میرے بچے روحوں کی صورت میں میرے پاس ہیں مگر نہیں یہ حقیقت تھی، وہ سفاک آدمی آخر رحم دل ثابت ہوا۔ بڑی بیٹی نے میری سوتیلی بیٹی کا نام لیا کہ ابا، باجی کے گھر آپ کو بلا رہے ہیں، میں وہاں کس رشتے سے جاتی، میں نے آپا کو بتایا کہ قریشی صاحب بلا رہے ہیں انہوں نے بیٹی کو کہا کہ جا کر ابا سے کہو وہ مجھ سے آکر ملے اور یہاں میرے سامنے کہے جو کہنا ہے۔ وہ میری آپا کا لحاظ بھی کرتے تھے اور ادب بھی۔ اس لیے تھوڑی دیر بعد آگئے، اصل میں ہمارے سب کے گھر نزدیک، نزدیک تھے اور ہم بہ آسانی ایک دوسرے کے گھر آتے جاتے تھے۔ اس سے پہلے کہ آپا کچھ کہتیں وہ شروع ہو گئے۔

''میں زیب النسا کو طلاق دے چکا ہوں، میری دوسری بیوی بچوں کو رکھ نہیں سکتی اگر آئندہ سے بچوں کو اُدھر کسی نے بھیجا تو میں انہیں یتیم خانے چھوڑ آؤں گا۔ نام، پتا تو درکنار ہوا بھی نہیں لگنے دوں گا یہ ساری عمر ان کی شکل کو ترسے گی۔'' آپا ہکا بکا ان کی بات سن رہی تھیں پھر صرف اتنا کہا۔

''اقبال میں اتنا جانتی ہوں یتیموں کے دن پھر جاتے ہیں، اللہ ان کی کفالت کرتا ہے مگر اللہ ظالموں سے ظلم کا حساب بھی ضرور لیتا ہے، جن بچوں کو آج تم بے سہارا چھوڑ رہے ہو یہی تمہارا جنازہ اٹھائیں گے......'' اور ایسا ہی ہوا آنے والے وقت نے سارے حساب بے باق کر دیے...... باپ کیا لاتعلق ہوا تمام سسرالی رشتے داروں کی نظریں بدل گئیں۔ آپا نے بھائی کو بلایا اور مشورہ کیا کہ اب زیب النسا ہماری ذمے داری ہے، ہم مل جل کر اس کا کچھ سوچتے ہیں، انسان کے سوچنے یا فیصلہ کرنے سے کیا ہوتا ہے، کاتبِ تقدیر نے جو مقدر لکھا اسے کون ٹال سکتا ہے۔ بھائی نے کہا میرا گھر حاضر ہے، بہن نے اوران

کی بیٹیوں نے مل کر خرچ اخراجات کا ذمہ لیا۔ بڑی دو بیٹیوں کو میری بھانجی گھر میں پڑھاتی تھی، اگلے دو بچے کارپوریشن کے اسکول میں ڈال دیے...... دو بچے چھوٹے تھے وہ گھر پر تھے، ان دنوں کلیم کا چکر شروع ہوا ...... میرے بھائی تو لاہور کے شہری تھے، جائداد ہندوؤں کی چھوڑی ہوئی تھی اور ان پر مہاجرین کا حق تھا۔ اس لیے بھائی والا گھر اوپر تیسری منزل میں رہنے والے لوگوں کے نام ہوگیا۔ درمیان کی منزل میں بھی سیالکوٹ سے آئی ایک فیملی رہتی تھی انہوں نے کرایہ دینے کا وعدہ کرلیا۔ اس طرح سے وہ اسی گھر میں رہے۔ بھائی جان کا بہت عرصے سے ایک چکر چل رہا تھا پہلے تو سب افواہ سمجھتے رہے مگر پھر انہوں نے مان لیا کہ انہوں نے ایک پڑھی لکھی پروفیسر سے شادی کرلی ہے اور وہ عنقریب دوسرے گھر میں چلے جائیں گے۔ ان کے بیٹے بڑے تھے دو ملک سے باہر تھے اور تیسرا بھی جانے کا سوچ رہا تھا۔ انہوں نے اپنا گھر وحدت کالونی میں شروع کیا ہوا تھا۔ ارادہ یہ تھا کہ جیسے ہی گھر ختم ہوگا وہ شادی کریں گے اور ماں کو ساتھ اُدھر لے جائیں گے۔ میں معاملات کو اپنی ازلی سستی سے دیکھتی تھی۔ ویسے بھی میرے ہاتھ میں کیا تھا جو میں فیصلہ کرنے کے قابل ہوتی۔ سوچتی تھی کہ آپا جی سے کہہ کر اُن کے اوپر والے کمرے میں شفٹ ہو جاؤں گی اور بس...... چھ بچوں کا ایسے گھر میں رکھنا جہاں کوئی شور برداشت نہ کرتا ہو مگر اس کی نوبت ہی نہیں آئی۔ میری آپا جو میری ماں کی طرح تھی رات کو اچھی بھلی سوئیں آدھی رات کو دل کا دورہ پڑا۔ اپنے ڈاکٹر داماد کے ہوتے ہوئے بھی کوئی کچھ نہ کر پایا اور وہ ہم سب کو بے سہارا چھوڑ کر اگلے جہاں رخصت ہوئیں۔ سارے رشتے دار اللہ کر ان کے گھر آئے ہوئے تھے، رات کو تدفین کے بعد سب موجود تھے۔ آپا کی تمام بیٹیوں کی شادیاں ہوچکی تھیں، بیٹے اپنے گھروں میں تھے چھوٹے دو بیٹے پہلے ہی بڑے بھائی کے پاس تھے۔ اب میرے.... بہنوئی گھر میں اکیلے تھے سب نے سوچا کہ درمیان والا بیٹا انہیں اپنے پاس لے جائے گا اور گھر کو کرائے پر اٹھادیں گے۔ میرا کس نے سوچنا تھا۔ اس رات صحیح معنوں میں مجھے پتا چلا کہ پیروں تلے سے زمین کیسے نکلتی ہے اور سر سے آسمان کا ہٹنا کیا ہوتا ہے، ستارے کیسے ڈوبتے ہیں اور سورج اندھیرا کیونکر ہوتا ہے، امیدیں دم کیونکر توڑتی ہیں، سہارے زمیں بوس کیسے ہوتے ہیں، میں لڑکھڑاتی ہوئی ان کے گھر سے اپنے گھر تک آئی۔ گرتے پڑتے وضو کیا، جائے نماز بچھائی اور پتا نہیں کتنے عرصے کے بعد اللہ کے سامنے سر جھکایا۔ میں سجدے میں گری سوائے رونے کے اور اللہ کو پکارنے کے کچھ بھی نہیں کہہ پا رہی تھی۔ میرے چھ بچے میرے گرد بیٹھ گئے۔ یہ ستمبر کی ایک ہولناک رات تھی سیاہ اندھیری...... دور، دور تک کوئی روشنی کی کرن نہیں تھی، کہاں جاؤں، کیا کروں...... میں اپنے اللہ سے رو، رو کر پوچھ رہی تھی۔ اور دل اور دماغ سے سمجھ گئی تھی کہ صرف اللہ ہے جو میری مدد کرسکتا ہے۔ میں اب تک بندوں پر تکیہ کرتی آئی تھی۔ اور میرے سب سہارے مجھے چھوڑتے جارہے تھے..... ماں، باپ، بھائی، بہن، شوہر، اب صرف اللہ کی ذات ہے جس پر مجھے بھروسا ہے۔ میں ساری رات سجدے میں گری رہی۔ گڑگڑا کر دعائیں کرتی رہی اور نہ جانے کس وقت سوئی۔ اگلی صبح آپا جی کی طرف گئی۔ اکثر مہمان جاچکے تھے۔ میری منجھلی بہن ملتان سے آئی ہوئی تھیں اور آپا کی بیٹیاں موجود تھیں، چھوٹی آپا نے مجھ سے پوچھا کہ اب میں نے کیا سوچا ہے؟ پھر خود ہی کہنے لگیں کہ اُن کی ایک بیٹی جو اسکول میں پڑھاتی ہے اس کے انسپکٹر لیس آف اسکولز سے اچھے تعلقات ہیں ان سے کہہ کر تمہیں کسی گاؤں کے اسکول میں نوکری دلواتی ہوں بس مجھے اپنا ٹریننگ والا سرٹیفکیٹ ڈھونڈنا تھا۔ میں نے گھر آکر وہ اپنا واحد صندوق جو سیلاب سے بچا کر لائی تھی کھولا تو اس میں سے آٹھویں کی سند اور وہ سرٹیفکیٹ مل گیا اور ساتھ ہی اس ظالم خا کی لفافے پر بھی نظر پڑی

جس نے مجھے زمانے کی ٹھوکروں کے سپرد کردیا تھا۔ آپا خود تو اگلے دن واپس چلی گئیں اور مجھے کہہ گئیں کہ تم بچوں سمیت آجاؤ۔ اپنے بڑے بیٹے کو چھوڑ گئیں کہ مجھے ساتھ لے جائے گا۔ میں نے اپنے بچوں کے کپڑے دھوئے بستر میں جو کچھ تھا باندھ لیا۔ بھانجیوں نے کرایہ دیا اور میں لاہور اسٹیشن پر آگئی۔ بھانجے نے ٹکٹ لاکر دیے میں نے دوپٹے سے باندھ لیے۔ اس نے ہمیں ملتان جانے والی ریل کار میں بیٹھا دیا خود ساتھ نہیں آیا۔ میں نے پوچھا تو کہنے لگا کہ اسے سیالکوٹ اپنے چچا سے مل کر نوکری کا پوچھنا ہے بعد میں آجائے گا۔ چھ گھنٹوں میں ٹرین ملتان پہنچی...... جب پلیٹ فارم سے نکلنے لگے تو ٹی ٹی نے ٹکٹ چیک کیے۔ وہ پلیٹ فارم ٹکٹ تھے۔ بھانجے صاحب نے چار پلیٹ فارم ٹکٹ میرے ہاتھ میں تھمائے تھے۔ باقی سارے پیسے لے کر دودھیال سیر کرنے چلے گئے تھے۔ میرے پاس پھوٹی کوڑی بھی نہیں تھی۔ اب کیا کروں؟ ناچار ایک طرف ہو کر بیٹھ گئی۔ یہ مجھے معلوم تھا کہ میری بہن یا بہنوئی میں سے کوئی مجھے لینے ضرور آئے گا۔ ان کا گھر اسٹیشن سے زیادہ دور نہیں تھا۔ پیدل ہی چلے جاتے تھے۔ میرے بہنوئی نے گھر کچھ دیر انتظار کیا پھر یہ سوچ کر کہ شاید گاڑی لیٹ ہو وہ اسٹیشن آگئے میں نے اسٹیشن ماسٹر سے التجا کی کہ اللہ کا واسطہ ہے میرے بہنوئی کو یہ نہ بتائیں کہ ان کے بیٹے نے پلیٹ فارم ٹکٹ دے کر ہمیں گاڑی میں بٹھادیا تھا بلکہ یہ کہیں کہ کسی نے میری جیب کاٹ لی ہے اور میرے ٹکٹ اور پیسے نکال لیے ہیں۔ ویسے بھی میرے بہنوئی کافی عرصے سے ملتان میں تھے اور ان کی جان پہچان بھی تھی یوں انہوں نے ہمارا کرایہ بھرا اور ہمیں گھر لے آئے۔ یہاں سے میری زندگی کا ایک اور باب شروع ہوا۔ ہفتہ یا دس دن لگے میری بھانجی کی کوشش سے اور انسپکٹر کی مہربانی سے مجھے ملتان اور وہاڑی کے درمیان چک نمبر 434 کے ایک چھوٹے سے سرکاری اسکول میں نوکری مل گئی۔ انتہائی بددلی سے اور آپا کی زبردستی سے لی ہوئی ٹریننگ آخر میرے کام آئی۔ امید و بیم میں گزرا یہ ہفتہ میرے لیے بہت اہم رہا...... محبت میں ہم دوسروں کی خاطر مر جاتے ہیں اور نفرت ہمیں زندہ درگور کردیتی ہے۔ ایک خاردار جھاڑی کے مانند یہ میرے اندر پنپ رہی تھی میں ایک بے وفا شخص کی خاطر ساری دنیا سے منہ موڑ رہی تھی۔ نہیں یہ اس آدمی...... جو بدقسمتی سے میرا شوہر تھا۔ اس سے نفرت نہیں تھی یہ اپنی ذات کے رد کیے جانے کا غصہ تھا، اللہ اور اس کے رسول کو گواہ ٹھہرا کر اس نے مجھے اپنی زندگی میں شامل کیا تھا اور پھر دھتکار دیا۔ میرے اندر کانٹے اگتے تھے اور مجھے اندر ہی اندر لہولہان کرتے تھے...... آہستہ، آہستہ مجھے اپنے گرد کے مہربان چہرے یاد آنے لگے۔ بھائی، بہن، ماں، باپ، سہیلیاں، رشتے دار، میں نے ان آٹھ دنوں میں اپنے اندر سے تمام کانٹے نکال پھینکے...... اپنے باپ کی بات یاد کی۔ محبت کرنے والے دل میں خدا تعالیٰ بستا ہے۔ ایک نئے جذبے کے ساتھ زندگی شروع کرنے کی دعا کی۔ دعا تو کی ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ جینے کی کوئی امنگ باقی نہیں تھی۔ بے حسی اور بیزاری میرے اندر رچ بس گئی تھی۔ اب بھی میرا دل مرنے کی دعائیں مانگتا تھا۔ جینا مشکل لگتا تھا۔ بچوں کا کیا ہے کوئی بھی پال لے گا۔ میرے پاس رہتے ہوئے بھی انہوں نے زندگی کی آسائشوں کو ترسا ہے، کچھ نہیں تو یتیم خانے تو ہیں، میں بھی ایک بار سینے پر پتھر رکھ کر یتیم خانے میں چھوڑ آئی تھی۔ مگر ہوا کیا تھا۔ صبح دس، گیارہ بجے کے درمیان میں ان کو داخل کرا کر آئی۔ چار بجے بڑی آپا نے بلوایا۔ دیکھا تو سارے بچے بدحالی کی تصویر بنے ان کے گھر میں بیٹھے تھے۔ یتیم خانے کے مالک نے دوپہر میں سارے بچوں کو بھیک مانگنے کے لیے بھیج دیا۔ بڑی بیٹی نے چھوٹے بہن، بھائیوں کا ہاتھ پکڑا اور خالہ کے گھر پہنچ گئی، یتیم خانہ ہمارے ہی محلے میں تھا۔ اس لیے اسے راستہ آتا تھا۔ بڑی آپا نے مجھے میری بے وقوفی پر خوب ڈانٹا۔

چک نمبر 434 میں یہ اسکول کہنے کو سرکاری

اسکول تھا۔ بلڈنگ کے نام پر ایک بڑا سا کمرا تھا۔ صحن تھا اور بیری کا گھنا درخت تھا۔ جس کے نیچے بلیک بورڈ رکھ کر دری بچھا کر بچے بیٹھ جاتے تھے۔ اسکول صرف لڑکیوں کا تھا اور بیس کے قریب طالبات تھیں۔ اس علاقے میں زیادہ بارش نہیں ہوتی...... ہاں آندھی ضرور آتی تھی اس صورت میں ہم کمرے کے اندر چلے جاتے تھے۔ اسی کمرے میں ہمارا سامان تھا۔ رات کو دو.... چارپائیاں ڈالتے اور سو جاتے۔ صحن کے ایک طرف غسل خانہ اور ہاتھ سے چلانے والا پانی کا پمپ تھا۔ وہیں پر چھوٹا سا باورچی خانہ گاؤں کے چوہدری صاحب نے بنوا دیا تھا کہ اتنے بچوں کے ساتھ کوئی استانی پہلی مرتبہ یہاں پر آئی ہے۔ بچیوں کی تعلیم کے حامی تھے اس لیے اسکول کی ضرورتوں کا وہی دھیان رکھتے تھے۔ سلائی کی مشین بھی لے کر دی ہوئی تھیں۔ شکر ہے تمام بچیاں جن میں چھ سے چودہ سال تک کی بچیاں تھیں شوق سے پڑھتی تھیں۔ صبح کے وقت ایک مدبری عورت قرآن مجید پڑھانے آجاتی تھیں۔ بڑی لڑکیاں چھوٹی بچیوں کو پڑھانے میں مدد کرتیں؟ اس طرح سے یہ سرکاری اسکول پہلی جماعت سے چھٹی جماعت تک چل رہا تھا اس کے بعد پڑھنے والی لڑکیاں ملتان یا وہاڑی مڈل اور ہائی اسکول جاتی تھیں۔ میرے ذمے رجسٹروں میں فیس اور حاضری کا اندراج کرنا تھا۔ دوبارہ سے کتابیں کھولیں انگریزی، اردو اور حساب خود پڑھا اور اپنی شاگردوں کو پڑھانا شروع کیا...... اردو میری بھائیوں کی بدولت بہت بہتر تھی۔ حساب ابا جی کا پڑھایا ہوا تھا۔ لکھائی کرتے ہوئے ہاتھوں پر مار کھائی ہوئی تھی۔ اس لیے وہ بھی اچھی تھی۔ انگریزی سدا سے کمزور تھی مگر بچوں کو خود پڑھ کر پڑھا لیتی تھی۔ میرے اپنے تین بچے اسکول آتے تھے۔ بڑی گھر دیکھتی تھی... اور چھوٹے دو بہن اور بھائی کو سنبھالتی تھی۔ لوگ سادہ اور ملنسار تھے وقت اچھا گزر رہا تھا۔ ایک سال ختم ہوا۔ امتحان ہوئے جن بچیوں نے اچھی کارکردگی دکھائی تھی ان کے لیے چوہدری صاحب سے چھوٹا سا فنکشن

کروا دیا۔ جس میں اسکول انسپکٹرس اور ساتھ میں محلے کے لوگ بھی آئے۔ رجسٹر وغیرہ چیک کیے۔ رجسٹر چیک کرتے ہوئے میڈم نے سر اٹھا کر سامنے کی طرف دیکھا اور ساتھ والے لڑکے سے کچھ کہا میں نے جو سامنے دیکھا تو شرمندگی سے زمین میں گڑ گئی۔ میری دونوں بڑی بیٹیاں گود میں بہن کو لیے میلے کچیلے حلیے میں دیوار سے لگ کر کھڑی تھیں۔ شکل سے ہی یتیم اور گئی گزری لگ رہی تھیں۔ اسکول کی مصروفیت میں ان کی طرف میرا دھیان ہی نہیں گیا تھا۔ تین بچے جو اسکول آتے تھے وہ یونیفارم میں ٹھیک تھے۔ مجھے یاد نہیں رہا تھا کہ انہیں بھی تیار ہونے کا کہتی ان کے پاس صاف کپڑے ہی نہیں تھے۔ سرکاری تنخواہ آٹھویں پاس استانی کی بھلا کتنی ہوتی ہے، بہ مشکل آٹا چھتا تھا۔ دیسی صابن جس سے کپڑے دھل سکتے تھے اسی سے ہم منہ دھوتے تھے دانت ہمیشہ نمک اور کوئلے سے صاف کرتے 'ونداسے' تک کے پیسے نہیں ہوتے تھے۔ پاؤں کے جوتے خریدنے مشکل تھے۔ عید تہوار پر جو عیدی میری بھانجیوں اور بہن نے بھیجی تھی وہ چار پائیاں خرید لی تھیں۔ میرے گھر میں کچھ بھی نہیں تھا۔ سوائے مٹی کی ہانڈیوں کے...... لسی پی کر ساتھ میں روکھی روٹی کھا کر جی رہے تھے، کبھی کبھار کھیتوں سے ساگ سبزی آجاتی تھی سبز مرچیں کوٹ کر ہنڈیا بناتی تھی۔ اور مستقبل ہنوز اندھیرے میں تھا۔ مگر میں نے بچوں کی خاطر جینے کی ٹھان لی تھی اور بہت دور...... کیا ہوگا، کچھ نہیں سوچتی تھی۔ آج خیریت سے گزر گیا کافی ہے۔ میڈم کے دل میں نہ جانے کیا آیا انہوں نے اشارے سے بچوں کو بلایا۔ اس سے پہلے کہ وہ آتیں' میں نے جلدی سے کہا میرے بچے ہیں، بڑی ہیں اس لیے اسکول نہیں آتیں۔ کام چھوڑ کر انہوں نے میری طرف دیکھا اور کہا ذرا اپنے سارے بچوں کو بلائیں...... میں نے چھ بچوں کو لائن حاضر کر دیا۔ وہ جھجکے، جھجکے سے سامنے آکر کھڑے ہو گئے..... میرا شرمندگی سے برا حال تھا۔ میڈم نے ہر بچے کا نام اور عمر پوچھی...... ساتھ میں جو

لڑکا تھا وہ بچوں کی حالت دیکھ کر دم بخود تھا۔ مجھے لگا وہ ابھی رو دے گا۔ مگر وہ جلدی سے دوسری طرف چلا گیا۔ میڈم نے بچوں کو پیار کیا اور اپنے کام میں لگ گئیں میں نے بچوں کو اشارے سے جانے کا کہا۔ وہ اندر کمرے کی طرف چلے گئے۔ جاتے، جاتے میڈم نے کہا کہ آپ اکیلی کام کرتی ہیں اس لیے ہم نے آپ کی تنخواہ ڈبل کر دی ہے، بس آپ سے درخواست ہے کہ اسکول کو چلاتی رہیں۔ بچیوں میں سے ایک کو اسکول کے کاموں کے لیے رکھ لیں۔ کسی بھی حیثیت سے، ہم اس کی تنخواہ بھی بھجوائیں گے۔ کاغذوں میں ہیلپر لکھ دیا ہے۔ اور ایک سلائی سکھانے والی جز وقتی استانی رکھ لیں۔ میں نے کہا کہ اس کی ضرورت نہیں ایک عورت جسے سلائی آتی ہے وہ بچیوں کے لیے پہلے سے آتی ہے اور کوئی معاوضہ نہیں لیتی۔ ہم مطمئن ہیں، مجھے امید تھی کہ ہمارے اگلے دن مزید بہتر ہو جائیں گے۔

اگلے ہفتے چھٹی کے دن محلے کا وہی لڑکا دوبارہ آیا۔ دونوں لڑکوں سے بات چیت کرتا رہا۔ میں نے باتیں نہیں سنیں، چائے، پانی کا پوچھنے کا ہمیں نہ یارا تھا نہ مطلب...... وہ واپس چلا گیا۔ میں نے بچوں سے پوچھا کہ یہ کیوں آیا تھا اور کیا باتیں کر رہا تھا۔ انہوں نے بتایا کہ وہ ہمارے بارے میں پوچھ رہے تھے۔ پڑھائی کا پوچھتے، پوچھتے کہنے لگے کہ ہم اکیلے کیوں رہتے ہیں اور ہمارا باپ کہاں ہے۔ اور باقی رشتے دار کہاں ہیں۔ پھر تم نے کیا جواب دیا۔ میں نے ذرا غصے سے پوچھا تمہیں پتا ہے کہ تمہارا باپ تمہارے لیے مر چکا ہے۔ سیلاب والی رات جب وہ ملنے آیا تھا تو اس نے یہی کہا تھا ناں کہ اپنے بچوں سے کہہ دو میں ان کے لیے مر گیا ہوں، چھوٹے کو تو نہیں مگر بڑے چاروں بچوں کو سب یاد تھا۔ وہ جلدی سے بولا۔ میں نے یہی کہا کہ وہ مر گئے ہیں، باقی رشتے دار لاہور اور ملتان میں ہیں، اس سے زیادہ کچھ نہیں کہا۔ میں نے اپنے آپ پر قابو پایا کہ مجھے بچوں پر غصہ نہیں کرنا چاہیے مگر باقی دنوں میں مجھے یہ احساس ہوا کہ میں اب غصہ زیادہ کرنے لگی ہوں، مجھے رات کو نیند نہیں آتی تھی۔ نہ جانے کیوں مجھے شادی کے شروع کے دن یاد آتے تھے۔ وہ پیار بھری سرگوشیاں جنہیں میں بالکل بھلا چکی تھی مجھے بیزار کرتی تھیں۔ دن تو مصروفیت میں گزر جاتا تھا مگر رات تنہا لگتی تھی۔ چاندنی راتیں مجھے بری لگتی تھیں اور اندھیری راتوں سے میں ڈرتی تھی۔ بچیوں کی طرف سے فکر مند ہوتی تھی مگر بے بس تھی۔

ایک مہینے کے بعد بجائے اس کے تنخواہ منی آرڈر سے آتی وہ خود دینے چلا آیا۔ ساتھ میں چھوٹا سا فروٹ کا تھیلا بھی تھا۔ رجسٹر پر سائن لیتے ہوئے کہنے لگا اگر کسی کا خاوند مر جائے تو کیا اس کا نام بھی مٹ جاتا ہے۔ آپ صرف اپنا نام لکھتی ہیں، میں نے جواب نہیں دیا۔ کہنے لگا کہ میرا نام شہزاد ہے تعلیم بی اے، بی ایڈ ہے۔ مگر اسکول میں نہیں پڑھاتا، دفتر میں کام کرتا ہوں اور ساتھ میں ٹیوشنز، میں نے زور سے رجسٹر بند کیا۔ اور کہا بس......! مجھے آپ کے بارے میں کچھ نہیں جاننا...... یہ فروٹ واپس لے جائیں اور میری تنخواہ منی آرڈر کے ذریعے ہی آنے دیں۔ آپ کے آنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ مگر وہ ایک ڈھیٹ نکلا۔ بار بار آتا باہر سے ہی بچوں کو ملتا اور واپس چلا جاتا۔ ہر بات میں چھوٹے بچے اس کا ذکر کرتے۔ مجھے برا لگتا پھر میں نے سوچا کہ دوبارہ سے منع کرتی ہوں، اگلی بار آیا تو میں نے اسے اسکول کے اندر بلا لیا۔ اس سے پہلے کہ میں بات شروع کرتی وہ بولنے لگا۔

''آپ میری آمد کا غلط مطلب نہ لیں، میں آپ سے شادی کرنا چاہتا ہوں، ان بچوں کے سر پر باپ کی طرح شفقت کا ہاتھ رکھنا چاہتا ہوں، ان کے چہروں سے یتیمی کی چھاپ مٹانا چاہتا ہوں۔'' وہ جلدی میں اور کیا کہنا چاہتا تھا میں سننے کو تیار نہ تھی۔ میں نے اسے ہاتھ سے باہر جانے کا اشارہ کیا۔ میرے سارے بچے سب کچھ سن رہے تھے۔ میرا شرمندگی سے پیلا پڑتا چہرہ سب کے سامنے تھا۔ اور وہ سب حیران تھے کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ مگر...... اصل میں یہ میری سوچ تھی وہ ہرگز

بھی حیران نہیں تھے کہ ان کی سکراہٹ کچھ اور کہہ رہی تھی کیونکہ جاتے، جاتے اس نے انہیں انگلیوں سے وکٹری کا نشان بنا کر دکھایا تھا۔ اور میں سمجھ گئی کہ وہ انہیں شیشے میں اتارنے کی کوشش کر چکا ہے۔ یہ کوئی یقین کرنے والی بات تھی۔ ایک نے جیتے جی بچوں کو یتیم کر دیا اور اب دوسرا بچوں کی وجہ سے مجھے اپنانا چاہتا ہے۔ باپ بن کر اُن کے سروں پر ہاتھ رکھنے کی بات کرتا ہے، بچے اٹھتے بیٹھتے اس کی کوئی نہ کوئی بات کرتے، میں سنی ان سنی کر دیتی۔ اس کی روز، روز کی آمد مجھے پریشان کر رہی تھی اور برداشت سے باہر ہو رہی تھی۔ میں نے پھر بات کرنے کا سوچا۔ وہ مسکین سی صورت بنا کر میرے سامنے بیٹھا تھا۔ مجھ سے دس سال چھوٹا...... چھوکرا سا دکھتا مجھ سے یعنی چھ بچوں کی ماں سے شادی کا خواہش مند تھا۔

”کیا تم مجھے بے وقوف سمجھتے ہو۔ میں تمہاری باتوں میں آجاؤں گی۔ تم بچوں کو ورغلا کر مجھے بلیک میل کرو گے۔ ایک بار کا تجربہ میرے لیے کافی ہے۔“ میری اس بات پر اس نے چونک کر میری طرف دیکھا اور مجھے بھی ایک دم خیال آیا کہ آج اس کی غلط فہمی دور کر دوں...... ”تمہیں پتا ہے مجھے میرے خاوند نے طلاق دی تھی۔ وہ مرا نہیں زندہ ہے مگر اس نے مجھے مارنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ ایک طلاق یافتہ عورت سے شادی کرو گے؟ بتاؤ کرو گے؟“ میں چلائی تھی۔ وہ اٹھا، مجھے پینے کو پانی لا کر دیا۔

”آپ پریشان نہ ہوں، سکون سے بیٹھیں پھر بات کرتے ہیں، مجھے اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا جو ابھی آپ نے کہی ہے۔ آپ سے شادی کا فیصلہ میں نے جذباتی ہو کر جلدی میں نہیں کیا۔ سوچ سمجھ کر کیا ہے اور اس کے لیے میرے پاس ٹھوس وجوہات ہیں جو میں آپ کو بتاؤں گا۔ میں دیکھنے میں چھوٹا لگتا ہوں مگر ایک سمجھدار ہوش مند آدمی ہوں۔“

”اچھے سمجھدار ہو، تمہیں پتا ہے میں ایک جاہل عورت ہوں جس کے پاس کوئی ہنر نہیں، میرے بچے گندے، سندے رہتے ہیں۔“ میں شاید ہسٹیرک ہو رہی تھی، پرانی باتیں جو اتنی دیر سے مجھے اندر سے کاٹتی تھیں میری زبان پر آنے کو بے تاب تھیں۔

”دیکھیں میں موٹی، کالی، کاہل اور سست الوجود عورت ہوں مجھے کوئی پسند نہیں کر سکتا اور نہ ہی مجھے کوئی خوش فہمی ہے۔“ اس پر وہ کرسی پیچھے دھکیل کر کھڑا ہو گیا۔ اور کہنے لگا۔

”مجھے لگتا ہے آپ نے بہت عرصے سے آئینہ نہیں دیکھا۔ آپ یوں کریں مجھے اپنی بڑی بہن کا پتا دیں، میں اُن سے ملنا چاہتا ہوں آپ سے پھر بات ہوگی۔“ اس نے ملتان کا ایڈریس لیا اور چلا گیا۔

اتوار کو صبح ابھی دس بجے تھے میری بہن اور بہنوئی آگئے میں اُن کے تیور دیکھ کر جان گئی کہ اب میری خیر نہیں...... انہوں نے ڈھنگ سے برقع بھی نہیں اتارا اور شروع ہو گئیں۔

”تم کیا سوچ کر اس عمر میں شادی کرنے چلی ہو۔ کچھ تو تم نے کہا ہوگا جو اس لڑکے کی اتنی ہمت ہوئی کہ وہ تمہارا رشتہ لے کر پہنچ گیا۔ میں تو سمجھی کہ وہ شاہدہ کے لیے آیا ہے اور اس سے کہا کہ وہ تو ابھی تیرہ کی بھی نہیں اس پر بولا کہ میں تو آپ کی بہن زیب النسا کے لیے آیا ہوں...... میرا جی چاہا، میں شرم سے ڈوب جاؤں کہیں منہ چھپالوں، میں نے اس کو اتنی سنائیں کہ اب دوبارہ کبھی ہمت نہیں کرے گا آنے کی۔ لو جی چھ کیا سات بچوں کی ماں شادی رچانے چلی ہے۔“ میں کیا کہتی وہ حق پر تھیں۔ اور میں نہ ہوتے ہوئے بھی غلطی پر تھی۔ ایک نے بچوں کی وجہ سے ٹھکرایا۔ اور دوسرا بچوں کی وجہ سے اپنانے کی بات کرتا ہے۔ میں تو کچھ بھی سوچنے کے قابل نہیں تھی۔ فیصلہ کیا کرنا تھا، آپا ٹھیک کہہ رہی تھیں سب غلط ہو رہا تھا۔ بھائی جان انہیں خاموش کروانے کی کوشش کر رہے تھے۔ اتنے میں چوہدری صاحب کے گھر سے ان کا ملازم آیا اور کہنے لگا۔

”بی بی نے کہا ہے کہ آپ کے بھائی اور بہن آئے ہیں ان سے کہیے وہ دوپہر کا کھانا ہمارے ساتھ کھائیں۔ ظہر کی

نماز کے بعد آجائیں۔'' ملازم کے سامنے تو وہ چپ رہیں اس کے جاتے ہی شروع ہو گئیں۔

''لو اس کی کسر باقی تھی۔ انہیں بھی سن گن مل گئی ہو گی اور اب مجھے جوتے ماریں گی کہ استانی کو دیکھو عشق اور شادی کرنے چلی ہے اللہ میں کیا کروں؟ کدھر جاؤں۔'' میں اپنی جگہ شرمندہ تھی اور شہزاد پر غصہ آرہا تھا کہ بیٹھے بٹھائے کس مصیبت میں ڈال گیا۔ لوگ کتنی ہنسی اڑائیں گے کیا اب مجھے یہاں سے بدنامی لے کر جانا پڑے گا۔ نئے سرے سے سب کچھ شروع کرنا پڑے گا میرے اللہ تو نے مجھے ہمیشہ مشکلوں کے لیے چن لیا ہے؟

وہ کھانا کھا کر واپس آئے تو دونوں کچھ خاموش سے تھے۔ میں نے کہا۔ آپا جی اللہ کا واسطہ مجھے سچ، سچ بتائیں انہوں نے کیا کہا ہے۔''

''شہزاد چوہدری صاحب کے پاس پچھلے دو تین ماہ سے آرہا ہے۔ اور انہیں اس رشتے کے لیے کہہ رہا ہے۔ مگر وہ بھی تم سے بات کرتے جھجک رہے تھے کہ نہ جانے تم کیا سمجھو...... ہمارے آنے کا بھی شہزاد نے ہی انہیں بتایا تھا۔ اور ان کا کہنا ہے کہ وہ اس رشتے میں کوئی قباحت نہیں سمجھتے۔ بچپن سے وہ شہزاد کو جانتے ہیں، ذمے دار لڑکا ہے، رشتے داروں میں صرف اس کی ماں ہے، باپ بچپن میں فوت ہو گیا تھا اور شاید اسی لیے وہ یتیمی کا درد سمجھتا ہے۔ انہوں نے ہمیں کہا ہے کہ ہم دوبارہ اس سے مل لیں۔ وہ اپنے بارے میں انہیں خود بتانا چاہتا ہے۔ میں نے چوہدری صاحب سے کہہ دیا ہے کہ اگر وہ ذمے داری لیتے ہیں تو دوبارہ ملنے میں کوئی حرج نہیں، اس سے کہہ دیں وہ ملتان آجائے میرا خیال ہے تم بھی بچوں کے ساتھ آجانا۔'' ان کی پوری بات سن کر میں نے صاف منع کر دیا کہ میں نہیں آؤں گی آپ جائیں اور آپ کا کام بھائی جان نے مجھے تفصیل سے بتایا۔ میری طرف سے صاف نہ ہے اور اس میں کوئی گنجائش نہیں، میں اپنی دنیا میں مطمئن ہوں مگر چوہدری صاحب اور ان کی بیگم نے

شاید کچھ زیادہ مذہبی ڈراوا اور مثالیں گوش گزار کر دی تھیں کہ جاتے، جاتے آپا کہنے لگیں۔

''میں سوچتی ہوں کفرانِ نعمت نہیں کرنا چاہیے۔ تمہاری تنہائی کا سوچ کر میرا دل کڑھتا تھا اور اب اگر بچوں کو سائبان مل رہا ہے تو تم بھی غور کر لو۔ اکیلی تم ان کے اخراجات اور ضرورتیں پوری نہیں کر سکو گی۔ ساری عمر بھی جمع کرتی رہو گی تو صرف پیٹ بھر پاؤ گی ان کی پڑھائیاں، شادی...... میں تو سوچ کر گھبرانے لگتی ہوں۔'' وہ یہ سب کہہ کر خود تو چلی گئیں اور میرے لیے سوچنے کو بہت کچھ چھوڑ گئیں۔ میں نے سارا معاملہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیا کہ جو اس کے نزدیک میرے لیے بہتر ہو وہ ہو جائے...... چوہدری صاحب کی بیگم ملنے آئیں تو کہنے لگیں۔'' ہمارا خیال ہے اسکول قدرے چھوٹا ہے' ہم سوچ رہے ہیں کہ ایک کمرا اور بنوالیں کچھ مدد سرکاری محکمہ کر دے گا کچھ ہم سب مل کر لیں گے۔ بچیاں سلائی اور خانہ داری بھی کرتی ہیں۔ باورچی خانے کو بھی کام کرنے والا بنا دیتے ہیں۔ جس میں دو چار لڑکیاں ایک ساتھ کھانا بنا سکیں۔ میں ان کا مطلب سمجھ رہی تھی اچھا تھا۔ کسی بہانے اسکول میں ذرا گنجائش نکل آئے گی۔ ایک ماہ میں یہ کام ہو گئے اس دوران، ہم اسکول کی جماعتیں مسجد کے صحن میں لگاتے رہے۔ صبح سات بجے سے لے کر ظہر کی نماز تک کافی وقت مل جاتا تھا۔ نئی کلاسز شروع ہو رہی تھیں۔ کام آرام سے کر رہے تھے۔

آپا جی کا خط آیا تھا کہ شہزاد سے ملاقات کافی اچھی رہی، ہم مطمئن ہیں اگلے ہفتے کے دوران ہم کوئی مناسب دن سوچ رہے ہیں، تمہارا نکاح ہو جائے گا۔ اس سے پہلے شہزاد تم سے ملنے آئے گا ذرا سوچ سمجھ کر بات کرنا، مجھے کیا سوچنا تھا۔ انسان کا دل خدا تعالیٰ نے ایسا بنایا ہے کہ کوئی صرف یہ کہہ دے کہ وہ ہماری پروا کرتا ہے تو اس کا خیال بار، بار آتا ہے۔ دماغ اس کے بارے میں سوچتا ہے، شہزاد کا یہ کہنا کہ میں نے عرصے سے آئینہ نہیں دیکھا بالکل ٹھیک تھا۔ ہمارے گھر میں آئینہ تھا ہی نہیں۔ پانی سے منہ دھو کر پونچھ لینا اور

بغیر دیکھے کنگھی کر لینا، معمول تھا۔ بچیاں بھی چھوٹی تھیں۔ میں ہی اُن کے بال دھو کر سلجھا دیتی تھی۔ اس کے اس ایک جملے کی بازگشت میرے کانوں میں گونجتی تھی۔ کہتے ہیں محبت ایک بار ہوتی ہے، وہ میں کر چکی تھی انجام بھی بھگت لیا تھا۔ جینے کا ڈھنگ بدل جائے تو محبت کسی نہ کسی رنگ میں ہمارے اندر اتر آتی ہے۔
میں اپنے اور بچوں کے بارے میں خود غرض بن کر سوچ رہی تھی۔ بچوں کو سائبان مل رہا تھا، تو میں کیوں نہ لوں۔ وہ دوسری شادی کر کے گھر بسا سکتا ہے تو میں کیوں نہ کر لوں...... لوگ باتیں بناتے ہیں تو بنائیں میں سن لوں گی۔ لوگوں نے اس کے علیحدہ ہوتے وقت بھی بہت کچھ کہا تھا۔ کچھ نے ہمدردی کی آڑ میں اور باقیوں نے طعنوں کی صورت میں...... میرے اندر ابھی منفی سوچیں تھیں خوشی کی کوئی رمق نہیں تھی۔ جو ہوگا دیکھا جائے گا...... ویسے بھی میں تنہائی اور بے رخی کی ڈسی ہوئی زخمی عورت تھی۔ ہمدردی مل رہی تھی نہ کیسے کرتی۔
میں نے شہزاد سے صرف ایک سوال پوچھا تھا کہ وہ چھ بچوں کی ماں سے شادی کیوں کرنا چاہتا ہے۔ جبکہ اسے ایک اچھی، ہم عمر بیوی آسانی سے مل سکتی ہے۔
اس کی ایک اپنی ہی کہانی تھی۔ اس نے کہا جو زندگی ہم شروع کرنے جا رہے ہیں اس میں جھوٹ کی گنجائش نہیں۔ میں آپ سے سچ کہوں گا اس دن اسکول میں آپ کے بچوں کو دیکھ کر میرے دل کو کچھ ہوا تھا۔ میری آنکھوں کے سامنے میرا سارا بچپن پھر سے آ کھڑا ہوا تھا۔ میں چھ سال کا تھا جب میرے والد کا انتقال ہوا۔ ہمارا گھر ملتان کی حدود میں ہی ہے۔ مگر ذرا ہٹ کر بیراں غائب میں ہے۔ میرے دادا، دادی، تایا سب ایک ہی گھر میں رہتے تھے۔ میرے باپ کی موت کے بعد میری دادی غم سے نڈھال رہتی تھی۔ میرے ابا گھر میں سب سے چھوٹے تھے اور ماں، باپ کو بہت عزیز تھے ایک ماہ کے اندر، اندر وہ فوت ہو گئیں۔ پھر میرے ماموں آئے اور زبردستی مجھے اور اماں کو ساتھ لے گئے۔ بہت بعد میں مجھے پتا لگا کہ تائی

آس

تجھ بن زندگی گزر رہی ہے ایسی
اماوس کی راتوں جیسی
بھیگی پلکیں، لرزاں سانسیں، بکھری زلفیں
جانے کب سنوریں گی
بہت سونا، سونا ہے دل کا آنگن
جانے کب خوشبوئیں ادھر کا رستہ دیکھیں گی
جانے کب دل کی کلی مسکرائے گی
جانے کب چاندنی میرے آنگن میں پھر سے آئے گی
جانے کب تک اداسی آنکھ کے بستر میں چھپ کر روئے گی
اور کتنے سپنوں کو یہ بے گھر کرے گی
جانے کب ٹلیں گی شب فراق کی ظلمتیں
جانے کب نئی سحر نوید بہار لائے گی
یہ سال بھی گزر گیا ہے اس کے ملن کی آس میں، ہر سال کے جیسے
عین الحیا ترمذی، دادی کا غان

گزارش

مجھ سے غلطی ہائے مضامین مت پوچھ لکھاری بہنوں، بیٹیوں سے گزارش ہے کہ جب بھی اپنا لکھا ہوا سوپ، ڈراما، ٹی وی پر اجیکٹ ڈائریکٹر کو دیں تو...... ازراہ کرم کرداروں کا لب و لہجہ...... تلفظ، مکالموں کی صحیح ادائیگی پر ضرور توجہ دیں۔ بڑی کوفت ہوتی ہے جب خودکش کو خودکش اور ہندوکش کو ہندوکش بولا جاتا ہے۔ یہ شکوہ اینکر پرسن اور خبر پڑھنے والوں سے ہے۔ انداز بیاں ایسا دھواں دھار کہ جوش ملیح آبادی کے بھی ہوش اڑ جاتے۔ اگر وہ زندہ ہوتے۔
اسی طرح نعت خواں حضرات، خواتین الفاظ کی غلط ادائیگی کرتی ہیں، یہاں تک کہ ام حبیبہ نعت خواں نے بھی جامی کا فارسی کلام غلط ادائیگی سے پڑھا ہے۔ اردو زبان، عربی، فارسی، ترکی کا حسین مرقع ہے اگر ہم قرآن پاک عربی میں ٹھیک طرح سے زیر زبر کو دھیان سے پڑھتے ہیں تو اردو میں یہ غلطیاں کیوں؟ مرحومہ اقبال بانو مغنیہ اساتذہ کا کلام پڑھنے سے پہلے اپنے الفاظ کی ادائیگی درست کرتی تھیں حالانکہ خود اہل زبان تھیں۔ باقی عابد کو عائد اور زاہد کو زاہد پڑھنے کہنے والے بہت...... کس، کس کا گلہ کرے کوئی۔
تحریر: فریدہ افتخار، اسلام آباد

انہیں ساتھ رکھنے کو تیار نہیں تھی۔ وہ میری امی کی خوب صورتی سے خوف کھاتی تھیں..... ماموں بہت اچھے تھے مگر ممانی ہر طریقے سے میری ماں کو تنگ کرتی تھیں۔ ہمارا خرچ اور مہینہ بھر کا راشن میرے دادا بھجواتے تھے مگر پھر بھی ہر آنے والے کے آگے ممانی پورا قصہ دُہرا دیتیں...... بیوہ اور یتیم کو پالنا آسان نہیں، ہمارا ہی حوصلہ ہے ہم نے یہ ذمّے داری اٹھائی ہوئی ہے۔ مجھے ان کے بچوں کے ساتھ کھیلنے کی اجازت نہیں تھی۔ میرا اسکول بھی دوسرا تھا۔ میرے کپڑے بھی معمولی سے ہوتے تھے۔ یوں سمجھیں میں پورے کا پورا یتیم تھا۔ عجیب بے بسی میرے رویّے اور میرے وجود سے ظاہر ہوتی تھی۔ مجھے دوسروں کی ہمدردی زہر لگتی مگر میری شکل شاید انہیں مجھ سے ہمدردی کرنے پر مجبور کر دیتی۔ میری ماں کو سفید دوپٹے کے علاوہ کچھ اور اوڑھنے کی اجازت نہیں تھی۔ وہ سارا دن مصروف رہتیں بقول ممانی کے بیوہ عورتوں کو اور یتیم کی ماں کو سارا دن مصروف رہنا چاہیے وگرنہ بیکار کی سوچیں گھیریں گی۔ میں ان حالات میں سوائے کڑھنے کے اور کچھ نہیں کرسکتا تھا۔ ذرا سمجھدار ہوا تو چھٹی کے روز دادا کے گھر جانے لگا۔ وہ گھر کے نچلے پورشن میں اکیلے رہتے تھے۔ گاؤں سے ایک آدمی اور اس کی بیوی ان کا کام کرتے تھے۔ میں اس عمر میں یہ نہیں سمجھ سکتا تھا کہ میں اور میری اماں یہاں دادا کے گھر کیوں نہیں رہ سکتے۔

دادا کی مدد سے میں پڑھائی میں بہت اچھا تھا۔ تایا کے گھر کوئی ایسی پابندی نہ تھی میرے سب تایا زاد مجھ سے کافی بڑے تھے اور میرا خیال رکھتے تھے۔ میں اپنی ماں کی وجہ سے ماموں کے گھر رہنے پر مجبور تھا اور یتیم کہلوانے پر بھی...... میں نے میٹرک کرلیا۔ تایا اور تائی سعودیہ اپنے بچوں کے پاس چلے گئے اور چھ ماہ اُدھر اور کچھ عرصہ یہاں آکر زمینوں کی دیکھ بھال کرتے۔ نیا گھر بنا کر اُدھر شفٹ ہوگئے اور اوپر کا حصہ کرایہ پر دے دیا۔ دادا نے تایا سے مشورہ کر کے اپنا یہ پرانا والا گھر میرے نام کردیا تھا۔ تایا کے اپنے بچے بہت لائق تھے اور اچھی نوکریوں پر تھے۔ انہوں نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ زمینوں میں سے بھی اتنا حصہ میرے نام کردیا جس سے اتنی آمدنی ہوجائے کہ میں پڑھائی کرسکوں اور خرچ کی تنگی نہ ہو، یہ ان کی نیکی تھی۔ ورنہ باپ کے مرنے کے بعد دادا کی وراثت میں سے مجھے کچھ بھی نہ ملتا۔ انہیں میری اماں کا بھی بھائی کے گھر نوکروں کی طرح رہنا اچھا نہیں لگتا تھا مگر کیا کرتے۔ جس دن میرے دادا کا انتقال ہوا میں اماں کو ان کے گھر میں واپس لے آیا۔ اوپر کا گھر ہم نے اپنی مرضی سے کرایے پر دے دیا۔ اماں نے زمینوں کا بھی انتظام ایسے سنبھالا جیسے وہ ہمیشہ سے یہ کام کرتی آئی ہوں۔ مزارے خوش تھے اور ہم بھی...... اس دن آپ کے بچوں کی صورتیں دیکھ کر میں نے یہ فیصلہ کیا کہ ان کی یتیمی کی چھاپ میں مٹا کر رہوں گا۔ مجھ پر اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہے، میں ان کی دیکھ بھال کرسکوں گا...... پھر میں نے آپ کی طرف دیکھا۔ آپ کے چہرے پر مجھے اپنی ماں کی بے بسی دکھائی دی جب ان کے ہاتھوں سے میری ممانی زبردستی چوڑیاں اتار رہی تھی اور کہہ رہی تھی چوڑیوں کی کھنک غیر مردوں کو متوجہ کرتی ہے تو بیوہ ہے تیرا ان پر کوئی حق نہیں۔ میں نے آپ کے ہاتھوں کی طرف دیکھا خالی کلائیوں کو دیکھا۔ آپ کی شرمندہ جھینپی مسکراہٹ کو دیکھا اور سوچا کاش آپ کی یہ مسکراہٹ ہنسی میں بدل جائے، ہر ایک کا اپنی زندگی پر اتنا حق تو ہونا چاہیے کہ وہ کھل کر ہنس سکے یا رو سکے۔ آپ کی آنکھوں میں آنسو تھے مگر آپ نے انہیں بہنے نہیں دیا تھا۔ میری ماں کی طرح انہیں اندر اتار لیا تھا۔ ماں کے ان آنسوؤں کی جلن میں نے ہمیشہ اپنے اندر محسوس کی تھی۔ اس وقت بھی مجھے اسی تپش نے یہ قدم اٹھانے کی ہمت دی۔ میں کس رشتے سے ان بچوں کی مدد کرتا؟ انسانیت کے رشتے سے؟ رشتوں کو دنیاوی نام دینا بہت ضروری ہوتا ہے۔ صرف انسانیت کے ناتے جڑے رشتے بے نام رہتے ہیں۔ یا یوں کہنا چاہیے کہ بدنام ہوجاتے ہیں سو میں نے آپ سے

شادی کر کے ان بچوں کا باپ کہلوانا پسند کیا۔ صورت شکل سب ایک جیسی ہوتی ہیں، انسان اپنے فرائض کو سمجھ لے تو زندگی نبھانا مشکل نہیں ہوتی۔ زندگی صرف اپنے لیے جینے کا نام نہیں ابھی میری اماں اس رشتے پر راضی نہیں۔ آپ کو اس بات پر سمجھوتا کرنا پڑے گا مگر ایک دن ایسا ضرور آئے گا کہ وہ میری نیکی کو نیکی سمجھ کر قبول کرلیں گی اور خود آپ سے ملنے آئیں گی اور ایسا ہی ہوا وہ مجھے خود ملنے آئیں مگر کچھ عرصے کے بعد۔

آئندہ اتوار کو چک نمبر 434 کے چوہدری صاحب اور چند سرکردہ لوگوں کی موجودگی میں میرا نکاح شہزاد ولد میاں محمد دین ساکن پیراں غائب ملتان شہر کے ساتھ شرعی حق مہر جو شہزاد نے اپنی نو ماہ کی تنخواہ کے مطابق رکھا تھا، ہوگیا۔ شہزاد کی طرف سے اس کے تایا زاد بھائی اور دوستوں نے شرکت کی اور میری طرف سے میری بہن، بہنوئی اور خالہ زاد بہن، بھائی تھے میرے بچے اور اسکول کی ساتھی عورتیں تھیں۔ شہزاد کی نوکری ملتان میں تھی وہ بہ آسانی صبح جا کر شام میں آسکتا تھا مگر میں نے کہا کہ وہ صرف چھٹی والے دن آیا کرے۔ باقی ہفتہ پہلے کے معمول کے مطابق اپنی اماں کے ساتھ رہے۔ میرے لیے اس کا نام ہی معتبر ہے۔ میں اس کی ماں کی بددعا میں اپنی زندگی میں شامل نہیں کرسکتی جس کا دنیا میں اس کے بیٹے کے سوا اور کوئی نہ ہو۔ شروع میں یہی معمول رہا مگر بعد میں جب کوئی چھٹی آتی تو اس کی ماں بہانہ بنا کر اپنے بھائی کے گھر یا زمینوں پر کام کا کہہ کر چلی جاتیں۔ میں بھی سمجھ جاتی تھی اور شہزاد بھی وجہ جانتا تھا اور میں دل ہی دل میں اس کی ماں کی شکر گزار رہتی تھی۔ گھر کا راشن شہزاد کی زمینوں سے آنے لگا۔ گھر کا خرچ میں اپنی تنخواہ اور شہزاد کے دیے ہوئے پیسوں سے کرلیتی۔ ہماری ضروریات محدود تھیں اور میں نے انہیں بڑھنے بھی نہیں دیا تھا۔ ہمارا کہیں آنا جانا نہ ہونے کے برابر تھا۔ سو، سو طرح کے اخراجات سے بچے ہوئے تھے۔ نئے کپڑے اور جوتے عید پر لیتے اور انہی میں گزارہ کرتے، اس سے زیادہ کی نہ خواہش تھی اور نہ تمنا کی تھی۔ گھر میں کھانے پینے کو کھلا ملتا تھا۔ کوئی لالچ نہ تھی میں جتنا بھی شکر ادا کرتی مجھے کم لگتا۔ رضیہ فصیح احمد نے لکھا تھا وقت کی کتنی مہربانی ہے کہ وہ گزر جاتا ہے ٹھہر نہیں جاتا۔ اچھا بھی اور برا بھی۔ بچوں کو اچھا وقت ملا تو دنوں میں ان کی شخصیت بدل گئی۔ تینوں بیٹیاں اسکول کی جماعتیں تو نہ پڑھ پائیں مگر جاہل بھی نہیں تھیں حساب، اردو میں کافی اچھی تھیں۔ میری نسبت زیادہ سمجھدار اور سلجھی ہوئی تھیں، میری طبیعت بھی وقت نے صاف کردی تھی مگر پھر بھی فطری لاابالی پن تھا۔ شہزاد کے ایک کزن کے بیٹے نے جو زمینوں پر کام کرتا تھا اور دسویں پاس تھا بڑی بیٹی کا رشتہ مانگا وہ پندرہ سال کی ہوگئی تھی آپاجی نے لڑکا دیکھا اور مجھے کہا کہ ہاں کردو۔ سادگی سے شادی کردی۔ ویسے پر ہم سب ملتان گئے۔ لڑکے کے ماں باپ اور باقی رشتے داروں سے وہیں ملاقات ہوئی مگر شہزاد کی اماں خود نہیں آئیں حالانکہ مجھے پتا تھا کہ یہ رشتہ انہی کی بدولت ہوا ہے۔ شہزاد نے باتوں ہی باتوں میں ایک بار مجھے بتایا تھا کہ جب اس نے اماں سے مجھ سے شادی کرنے کی بات کرنے کا سوچا تھا تو پہلے اس کا خیال تھا کہ وہ ان سے کہے گا کہ میں ان چھ بچوں کی بڑی بہن ہوں مگر پھر جھوٹ بولنا پسند نہ کیا اور سچ بات بتائی جو کافی لعن طعن کا باعث بنی مگر ماں، ماں ہوتی ہے، بچوں کی خواہش دل سے قبول کرے نہ کرے مانتے ہی بنتی ہے۔ مگر گاہے گاہے وہ بچوں کے بارے میں پوچھتی رہتی تھیں۔ پھر شہزاد سے وہ اس کے اپنے بچے کے بارے میں پوچھنے لگیں کہ کیا ارادہ ہے۔ شہزاد نے پہلے تو انہیں ٹالا کہ اماں پہلے ہی چھ ہیں۔ پھر اس نے مجھ سے اپنی ماں کی خواہش کا ذکر کیا مگر میں تو اس ذکر سے ہی نالاں تھی۔ میرے تاثرات دیکھ کر وہ خاموش ہوگیا۔ مگر کچھ عرصے بعد پھر ذکر کیا اور کہنے لگا کہ ملتان ڈاکٹر کے پاس چلتے ہیں، بچوں کی ضرورت تو نہیں پھر بھی ان کی پیدائش خوش حال ازدواجی زندگی کا ثبوت ہوتی ہے۔ شاید میری ماں وہ

جاننا چاہتی ہے کہ ہم خوش و خرم ہیں کہ نہیں۔ یہ تمام باتیں میری بیٹی کی شادی سے پہلے کی ہیں۔ میں اس کے کہنے پر اسپتال چلی گئی سب ٹیسٹ ٹھیک نکلے...... پھر ڈاکٹر نے مجھ سے چند سوالات کیے سرسری سے۔ کتنے بچے ہیں؟ نارمل ہیں؟ ابھی استاد وقفہ کیسے ہو گیا۔ میں نے ہر بات سچ کہی کہ یہ بچے میرے پہلے خاوند سے ہیں چھپانے کا کیا فائدہ تھا۔ اس نے میرے سامنے شہزاد سے بات کی۔ وجہ کچھ بھی نہیں آپ کی بیوی دوبارہ ماں بننے سے ڈرتی ہے کہ آپ بھی اسے چھوڑ دیں گے۔ ماں بننا ہر عورت کی خواہش ہوتی ہے مگر کبھی، کبھی کوئی خرابی نہ ہونے کے باوجود وہ بانجھ ہو جاتی ہے کوئی ڈر کوئی صدمہ اس کی صلاحیت کو ختم کر دیتا ہے۔ بیوی کو اپنی محبت کا اعتماد دیں۔ حوصلہ دیں، قدرت مہربان ہو سکتی ہے مگر یہ بھی سچ ہے کہ میں اپنے اندر ماں بننے کی نہ خواہش رکھتی تھی اور نہ ہی بننا چاہتی تھی۔ قدرت ایک خاوند ملنے کی صورت میں مجھ پر مہربان ہوئی تھی اور میرے لیے یہی کافی تھا میں اس پر کسی قسم کا رسک لینے کے لیے تیار نہیں تھی۔ اس کے بعد شہزاد نے اپنی اماں کو کیسے سمجھایا مگر دوبارہ بچے کا ذکر نہیں چھیڑا۔

ملتان سے واپسی پر ہم ٹرین میں تھے بیٹی کو رخصت کر کے آنے کا دکھ اپنی جگہ مگر میں مطمئن تھی، میری دوسری والی بیٹی چھوٹی بہن کی کسی بات پر زور سے قہقہہ مار کر ہنسی میں اسے ہمیشہ اس طرح منہ پھاڑ کر ہنسنے سے منع کرتی تھی وہ اپنا خاندانی قہقہہ لگاتی تھی۔ میرے پانچ بچے سنجیدہ مزاج کے تھے۔ سب سے چھوٹی بیٹی روتی صورت تھی اور خاموش رہتی تھی۔ مگر یہ والی سب میں چلبلی تھی۔ اونچی آواز سے بات کرنا، کھل کر ہنسنا اور باقی بہن، بھائیوں کو بھی چھیڑتے رہنا اس کا مشغلہ تھا۔ آدھے گھنٹے میں وہ باقی مسافر عورتوں سے بہناپا جوڑ چکی تھی۔ جب یہ زور سے ہنسی تو ایک عورت میرے قریب آ کر بیٹھ گئی۔ اور کہنے لگی بہن جی میں آپ کو نہیں جانتی اور آپ بھی مجھے نہیں جانتیں مگر اپنی یہ بیٹی مجھے دے دیں۔ اس کا ٹھیٹھ دہلی والوں کا سا لہجہ اور لباس مجھے یہ سمجھانے کے لیے کافی تھا کہ یہ اردو بولنے والوں میں سے ہے۔ میں نے اپنے لہجے کو خاص پنجابی بناتے ہوئے کہا اللہ کا نام لیں محترمہ بیٹیاں بانٹنے کے لیے نہیں ہوتیں۔ منہ میں ان کے پان تھا۔ ہاتھ میں خوب صورت گوٹا لگا پنکھا۔ زور، زور سے پنکھا جھلنے لگیں حالانکہ کھڑکی سے ٹھنڈی ہوا آ رہی تھی۔

''اے نوج میں کوئی تم سے ریوڑیاں مانگوں ہوں جو تم بانٹنے کی بات کرے ہو۔ میں اپنے بیٹے کے لیے اس کا رشتہ مانگ رہی ہوں، مجھے ایسی ہنسوڑ بہو چاہیے، ہم دہلی کے مہاجر ہیں حیدر آباد میں رہتے ہیں۔ لاہور جا رہے تھے اب تمہارے ساتھ اتریں گے اور بیٹی کا رشتہ لے کر جائیں گے۔ ہمارے گھر میں ہماری دو بیٹیاں ہیں، بیاہتا ہیں سسرال میں ہیں، ایک ہی بیٹا ہے ہمارے ساتھ ہیں۔ سب کچھ لٹا کر آئے ہیں گھر میں اتنی خاموشی رہتی ہے کہ دل گھبراتا رہتا ہے۔ ہم ذات کے سید ہیں مگر کام سنار کا کرتے ہیں، ہنر مند لوگ ہیں ہاتھ سے کماتے ہیں حرام کا کمانا حرام سمجھتے ہیں۔'' میں تو اس کی فصیح و بلیغ اردو سے حواس باختہ ہو رہی تھی۔ اس کا تعارف اس کے لہجے کے ساتھ میری عقل سے باہر تھا۔ کوئی چھوٹا سا اسٹیشن آیا تو لپک کر کھڑکی کی طرف گئیں۔ اور اشارے سے مجھے بھی بلایا اور اپنے بیٹے کا تعارف کروانے لگیں بیٹا بیچارہ پریشان اور میں حیران...... میں سمجھی یہ مذاق کر رہی ہیں مگر اس نے بیٹے سے کچھ کہا اور جب ہم دہاڑی کے اسٹیشن پر اترنے لگے تو دیکھا وہ اپنا صندوق اور لوٹا بندھا بستر ساتھ لے کر اتر رہی ہے۔ شہزاد بھی یہ سب دیکھ کر پریشان تھا کہ بن بلائے مہمان کہاں سے میں پکڑ لائی ہوں، ہم وہیں اسٹیشن پر ہی ایک طرف بینچ پر بیٹھ گئے۔ میں نے انہیں صورتِ حال سمجھانے کی کوشش کی مگر مجھے خود کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا انہیں کیا سمجھاتی، وہ خود ہی اس خاتون سے اور لڑکے سے باتیں کرنے لگے۔ پھر کچھ سوچ کر انہیں تانگے میں بٹھایا اور ساتھ گھر لے آئے اس طرح اسٹیشن پر تو چھوڑ

کر نہیں آسکتے تھے۔ کھانا وغیرہ کھلایا اور انہیں سمجھانے کی کوشش کی کہ دیکھیں ہمارا اور آپ کا ماحول کا بہت فرق ہے۔ اس کا ایک ہی جواب تھا کہ نہ ہم دہلی میں ہیں اور نہ تم لاہور میں اب ہم پاکستان میں ہیں، ہمارا جینا اور مرنا ایک ہے۔ زبان کا کیا ہے، ساجدہ بیگم کا دل چاہے تو پنجابی بولیں سر آنکھوں پر۔ جو لفظ سمجھ نہیں پائیں گے دوبارہ مطلب پوچھ لیں گے۔ مگر ہماری بہو بن کر یہی ہمارے آنگن میں اترے گی۔ ہاتھ سے انگوٹھی اتاری اور زبردستی ساجدہ کا ہاتھ پکڑا اور پہنادی۔ ناچار شہزاد کو بازار جانا پڑا کچھ مٹھائی لائے، لڑکے کا نام رشید تھا اس کے لیے تحفہ لائے اور اگلے دن کی ٹرین سے انہیں لاہور کے لیے رخصت کیا۔ پندرہ دن کے بعد واپسی پر وہ پھر ہمارے گھر آئیں ساتھ رشید کے والد اور اس کی دونوں بہنوں کو بھی لائیں باقاعدہ منگنی کی اور ایک سال کے بعد رخصتی کا کہا اور کراچی واپس چلی گئیں۔

اور جناب یہ میری بیٹی سب سے زیادہ خوش وخرم رہی ایسا دبا کے ان کے لہجے میں بولنے لگی کہ مجھے اپنے پنجابی ہونے پر شک ہونے لگا۔ تیسری بیٹی چوہدری صاحب کی بیگم کے بلاوے پر ان کے گھر میلاد پڑھنے گئی تو ان کی ایک رشتے دار آئی ہوئی تھیں۔ یہ انہیں پسند آگئی۔ قباحت یہ تھی کہ وہ اسے اپنی سوکن بنا کر لے جانا چاہتی تھیں۔ دنیا میں ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو اپنے ہاتھوں اپنی راجدھانی سونپنے کو تیار ہوتے ہیں، میری یہ بیٹی بھی شادی کے وقت بہ مشکل پندرہ سال کی تھی اپنی دادی کی طرح نیلی آنکھوں والی گوری چٹی اور اپنی عمر سے بڑی دکھنے والی۔ کچھ اچھا اوڑھ پہن لیتی تو نظر ہٹانی مشکل ہوجاتی۔ زہرہ بیگم کی شادی کو دس سال ہوگئے تھے اولاد نہیں تھی۔ اس نے قسمیں کھا کر ہمیں یقین دلایا کہ وہ اسے ہمیشہ اپنی چھوٹی بہن کی طرح رکھیں گی اور کبھی شکایت کا موقع نہیں دیں گی۔ بیگم صاحبہ نے بھی یقین دلایا کہ یہ زمیندار لوگ ہیں گھر کا اناج، دودھ، دہی...... تمہاری بیٹی نے بنا کر بھی تو راج کرے گی، سب لوگ بہت اچھے اور خیال کرنے والے ہیں، جائداد کا وارث چاہیے، مجھے یہ ڈر کہ وارث مل گیا تو اسے لات مار کر گھر سے نہ نکال دیں۔ یہ بیچاری بے زبان گائے...... پڑھی نہ لکھی کیا کرے گی۔ شہزاد ہی میرا سہارا بنا اس کا ایک جملہ کہ قسمت اوپر والا لکھتا ہے بندے کا کام راضی رہنا ہے اور اپنے کو حالت کے مطابق رکھنے کا ہنر تدبیر کہلاتا ہے۔ یقیناً ہماری بیٹی سمجھداری کا ثبوت دے گی اور سب کا دل اپنی طرف مائل کرلے گی پھر کوئی اسے گھر سے نہیں نکال سکے گا۔ اس شہزادی نے چھ بیٹیاں پیدا کرکے زہرہ بیگم کی گود کیا سارا آنگن بھر دیا۔ انہوں نے بھی اللہ کی رحمتوں کا صحیح حق ادا کیا بہترین تعلیم اور تربیت دی، چھ بیٹیوں کے بعد بیٹا پیدا ہوا تو اسی رات خاوند چل بسا۔ میں روتی پیٹتی ان کے گھر پہنچی کہ اب کیا ہوگا۔ مگر آفرین ہے سب گھر والوں پر اور خاص زہرہ بیگم اور ان کی ساس پر اتنے صبر اور ہمت سے حالات کا سامنا کیا۔ بیٹا تو مہمانوں اور رشتے داروں کی آمد اور رولے میں بچ نہ پایا۔ نیلم کی بھی حالت خراب تھی۔ بچیوں کو زہرہ بیگم سنبھال رہی تھیں۔ اس کی ساس نے کہہ دیا کہ نیلم کہیں نہیں جائے گی یہ اور بچیاں ہماری ہیں، ہم جو فیصلہ کریں گے اس کے لیے بہتر ہوگا۔ میری کیا حیثیت تھی کہ کچھ کہہ سکتی۔ ساتھ لے آتی تو اس کا کیا مستقبل ہوتا۔ بچیاں بھی بالکل چھوٹی تھیں۔ زہرہ بیگم نے یہ کیا کہ اس کی اور اپنی عدت ختم ہوتے ہی نیلم کا نکاح اپنے اور اس کے دیور سے کردیا۔ یہ لڑکا بھی نیلم سے پانچ سال بڑا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے سال کے بعد ہی اسے دو جڑواں بیٹے عطا کیے جو اس نے زہرہ بیگم کی گود میں ڈال دیے اور خود اپنے آپ کو گھر، زمین، ڈھور ڈنگر سنبھالنے میں مصروف کرلیا۔ بیٹیاں بڑی ہوگئیں سب نے اچھی تعلیم حاصل کی اور بہنوں اور بھیا نے اپنے، اپنے گھروں میں بیاہ لیں۔

چوتھے نمبر کا بیٹا دسویں کے امتحان کی تیاری کررہا تھا۔ شہزاد اسے اپنے ساتھ اپنے گھر لے گیا اس کی ماں

نے بہت دھیان رکھا اور اس نے اچھے نمبروں سے میٹرک پاس کرلیا یہ مجھ پر ان کا ایک اور احسان تھا۔

ہمارا اسکول کافی ترقی کرچکا تھا۔ اتنے سالوں میں بچوں کی تعداد بڑھ چکی تھی۔ عمارت میں خاطر خواہ اضافہ ہوچکا تھا۔ مزید تین استانیاں اور آگئی تھیں۔ جنہوں نے بی ایڈ کیا ہوا تھا۔ نئی ہیڈ مسٹریس کی ضرورت محسوس ہونے لگی تھی۔ چھوٹے دو بچے لڑکی اور لڑکا بھی بڑی کلاسوں میں آچکے تھے۔ ان کے لیے مڈل اسکول کی ضرورت تھی۔ ساجدہ کے سسرال والے کاروبار کی وجہ سے لاہور آکر سیٹل ہوگئے تھے۔ شہزاد نے مشورہ دیا کہ اب بڑے بیٹے کو کالج جانا ہے اور چھوٹوں نے بھی ہائی اسکول تو بہتر ہے کہ ہم لاہور چلے جائیں گھر کرایے پر لے لیں گے۔ آپ کے ساتھ کے لیے ساجدہ وہاں ہے اس کا اپنا وہی معمول تھا۔ چھٹیاں ہمارے ساتھ گزارتا تھا باقی کا وقت ملتان اماں کے گھر کیونکہ اس نے ٹیوشن سینٹر بھی کھولا ہوا تھا۔ پڑھانا ضرورت سے زیادہ اپنا شوق تھا۔ سو...... ایک مدت کے بعد میں اپنے شہر لاہور آگئی۔ حالات بدل چکے تھے۔ اور ساتھ میں لوگوں کے رویّے بھی پرانی سسرال سے میرا کوئی رابطہ نہیں تھا۔ البتہ بڑی دونوں بیٹیاں اپنے بڑے سوتیلے بھائی اور بہن سے ملتی تھیں، میں نے کبھی نہیں روکا تھا مگر ان میں سے ان کے گھر کبھی کوئی نہیں آتا تھا۔ نہ کسی شادی میں نہ عید تہوار پر انہوں نے کبھی بلایا۔ میری بھانجیاں جو لاہور میں تھیں اتنے عرصے بعد ملنے پر بہت خوش تھیں، بھتیجوں نے اپنے گھر بنالیے تھے، بڑی بھابی فوت ہوگئی تھیں۔ لہٰذا ان سے دوبارہ ملنا نصیب نہ ہوا۔ منجھلی والی بہت دور رہتی تھیں۔ ان سے بھی ملاقات نہ ہوسکی۔ بڑا بیٹا کالج جانا شروع ہوا۔ ایک دن دیر سے واپس آیا۔ اتفاق سے شہزاد بھی آیا ہوا تھا۔ مجھے پریشان دیکھا تو پوچھنے لگا کہ کیا روز دیر سے آتا ہے میں نے بتایا کہ نہیں آج خلافِ معمول ابھی تک نہیں آیا اس لیے مجھے پریشانی ہورہی ہے۔ اتنے میں وہ آگیا.... شہزاد نے اس سے پوچھا کیوں میاں دیر سے کیوں آئے ہو اس نے میری طرف دیکھا اور آنکھیں جھکالیں۔

''بیٹا جی چاہے نظریں نہ ملاؤ مگر بتانا تو پڑے گا۔'' شہزاد بولا، کچھ کہتے، کہتے وہ پھر رک گیا اور میری طرف دیکھنے لگا پھر جھجک کر بولا۔

''وہ بڑی آپا نے بلالیا تھا، وہ کالج میں مجھے لینے آئی تھیں۔''

''تو اس میں گھبرانے والی کیا بات ہے' وہ ٹھیک تو تھیں؟'' بڑی بیٹی بھی ان دنوں ملتان سے آکر لاہور رہنے لگی تھی اور اس کا گھر بھی زیادہ دور نہیں تھا۔

''وہ ان کے گھر ابا آئے تھے۔''

''ابا......'' میں نے حیران ہوکر پوچھا۔ میرے اس بیٹے کو اور اس سے چھوٹے بچوں کو باپ کی شکل بھی یاد نہ تھی یہ چار سال کا تھا جب اس نے ہم سے رابطہ ختم کیا تھا۔

''وہ بہت بیمار تھے، ہم انہیں اسپتال چھوڑنے گئے تھے۔'' وہ جلدی، جلدی بتانے لگا۔ شہزاد اسے لے کر باہر چلا گیا۔ واپس آیا تو اکیلا تھا۔ کہنے لگا۔

''پریشان ہونے کی ضرورت نہیں وہ ان بچوں کا باپ ہے، فطرت کو جھٹلانا نہیں چاہیے قبول کرنا چاہیے وہ بہن کو وہاں اسپتال میں چھوڑ کر آیا تھا، میں نے اسے کچھ پیسے دیے ہیں کہ اگر ضرورت پڑے تو خرچ کرلے اور جلدی واپس آجائے۔'' دو گھنٹے بعد دونوں بہن، بھائی واپس آگئے اور ساجدہ کو بھی ساتھ لے آئے، بڑی نے بتایا۔

''امی میرا دروازہ کھٹکا، گھر میں کوئی نہیں تھا سب بچے اسکول گئے تھے میں نے کھولا تو ابا کھڑے تھے بہت بیمار اور کمزور... وہ پہلے بھائی کے گھر گئے تھے، ہمیں اور آپ کو پتا ہی نہیں ایک سال پہلے بھائی دل کے دورے سے انتقال کرگئے ہیں، ابا کو پتا تھا پھر بھی وہ وہاں گئے، بھابی نے دیکھ کر بھی دروازہ نہیں کھولا، نوکر لڑکے سے کہلوا دیا کہ وہ گھر میں نہیں تو وہ میرے گھر آگئے۔''

''انہیں تمہارے گھر کا کیسے پتا چلا؟'' وہ رونے لگی۔

''امی وہ میرے ابا تھے، میں انہیں بھول نہیں سکتی تھی میں نے انہیں خط لکھا تھا کہ میں لاہور میں ہوں اپنا پتا بھی لکھا تھا کہ کبھی آئیں تو مجھے ملیں، یہ تین سال پہلے کی بات ہے، جب میں نئی، نئی لاہور آئی تھی۔ مگر خط کا کوئی جواب نہیں آیا تھا۔ میں بھی وہ ہمیشہ کی طرح ہمیں یاد ہی نہیں کرنا چاہتے۔ آج وہ اتنے بیمار تھے کہ دروازے میں ہی بیٹھ گئے۔ میں ساتھ والوں کو چابی دے کر کہ بچے آئیں تو دروازہ کھول دیں۔ رکشا میں مشکل سے ابا کو بٹھایا، پہلے کالج گئی چپڑاسی کو بھائی کا نام پتا لکھ کر دیا اس نے بلایا تو پھر ہم اسپتال پہنچے وہاں انہیں داخل کرواتے دیر لگ گئی۔''

''ان کی چہیتی بیوی کہاں تھی ساتھ نہیں آئی اکیلا کیسے بھیج دیا۔'' میں اپنا غصہ اور رنج دبا نہیں سکی۔ میرے زخم میرے اپنے ادھیڑ رہے تھے۔

''امی جانے دیں ناں !'' ساجدہ نے کہا۔

''نہیں ٹھہرو، مجھے ساری بات امی کو بتانی ہے۔''

وہ بڑی بہت دلگرفتہ ہو رہی تھی۔ ''ابا نے بتایا کہ کچھ سال پہلے اس کا بہت برا حال ہو گیا تھا۔ ہسٹیریا مرگی میں تبدیل ہو گیا تھا اسے دورے پر دورے پڑنے شروع ہو گئے تھے۔ پہلے تو اس کی ماں سنبھالتی تھی اس کے مرنے کے بعد ابا جو اب ریٹائرڈ ہو گئے تھے اس کو سنبھالتے تھے۔ وہ کسی کام کرنے والی کو نہیں رہنے دیتی تھی۔ دورے کی حالت میں الٹیاں کرتی بستر پر گند رہتا۔ بدبو کے بھبکے آتے، ایک بار ابا گھبرا کر کراچی بھاگ گئے۔ بیوی کے بھائی انہیں ڈھونڈ کر زبردستی واپس لائے کہ جب تک وہ ٹھیک تھی تم عیش کرتے رہے اب یہ تمہاری ذمے داری ہے سنبھالو، اب گئے تو تمہیں کاٹ کر پھینک دیں گے۔ تین سال ابا نے عذاب بھگتا۔ جس دن وہ فوت ہوئی بھائیوں نے گھر سے نکال دیا۔ انہوں نے گھر کے لیے مقدمہ کرنے کا کہا تو دستاویزات نکال کر دکھا دیں کہ گھر تو نقلی کاغذوں پر بہن کے نام کیا تھا کہ اس کی شادی ہو سکے۔ کچھ عرصہ ابا کرائے کے گھر میں رہے۔ اب بیمار ہو کر یہاں آئے ہیں، اماں میں انہیں رکھ لیتی مگر ہاشم کبھی نہیں مانیں گے اس لیے سوچا اسپتال داخل کروا آؤں وہ بہت معافیاں مانگتے ہیں جو انہوں نے کیا اس کا عذاب بھگت رہے ہیں۔'' شہزاد میری طرف دیکھنے لگے۔

''یہ وہ آدمی ہے جس نے میری زندگی کی ہر خوشی چھینی، عورت ہونے کا مان، ماں بننے کی صلاحیت اور غرور..... میری ہنسی، حتیٰ کہ میرے آنسو بھی اس نے مجھے اتنا رلایا کہ اب آنکھ میں آنسو نہیں آتے۔ آنچ آتی ہے، جلن ہوتی ہے، کنکر چبھتے ہیں، میری اپنی ذات کا اعتماد، بھروسا سب اس نے چھینا۔ میرے پاس معاف کرنے والا دل ہی نہیں رہا۔ کانچ کے ٹکڑے ہیں جو میرے سینے میں دھڑک کر مجھے زخمی کرتے ہیں۔'' میں بولتے، بولتے تھک گئی شادی کے بعد میں آج پہلی بار شہزاد کے سامنے اتنا بولی تھی۔ ورنہ وہی باتیں کرتا تھا، میں تو ہنستی تھی نہ زیادہ بولتی تھی۔ نہ ہی کبھی اپنی کسی تکلیف کا ذکر کیا تھا۔ اس نے بچوں کو اشارے سے خاموش رکھا۔

''چلیں آج آپ کی امی نے دل کی بھڑاس نکال لی۔ آئندہ سے یہ ہنسیں گی اور بولیں گی ان سے وعدہ لے لیں وقت کی ضرورت ہے۔'' شہزاد کو غم ہلکا کرنے کا ہنر آتا تھا۔ اس نے تینوں سے کہا کہ وہ دوسرے دن پھر باپ کو دیکھنے جائیں اور اس کی ہر ممکن مدد کریں۔ ہو سکے تو باقی رشتے داروں کو بھی اطلاع دیں۔ یہ وہ وقت تھا ابھی موبائل فون نہیں آئے تھے نہ ہی گھروں میں عام فون کی سہولت تھی۔ PCO سے جا کر فون کرنے ہوتے تھے۔ ان کی سوتیلی بہن اور کزن کے گھروں میں فون تھے اور میری بیٹیوں نے بڑے پیار سے یہ فون نمبر سنبھال کر رکھے ہوئے تھے۔ جب اگلے دن ملاقات کے وقت یہ سب پہنچے تو اسپتال والوں نے اس کی لاش کو لاوارث کہہ کر مردہ خانہ میں رکھوا دیا تھا۔ رات کے کسی پہر درد سے کراہتے اس کی جان نکل گئی تھی۔ اس کے رشتے دار بعد میں پہنچے تھے..... میں نے اس کے لیے برا کبھی نہیں سوچا تھا مگر

اچھا بھی نہیں سوچ سکتی تھی۔

بڑے بیٹے نے انٹرمیڈیٹ کا امتحان پاس کر کے آگے بڑھنے سے انکار کر دیا۔ وہ نوکری کر کے گھر کے خرچ میں ہاتھ بٹانا چاہتا تھا۔ اسٹور کیپر کا کام مل گیا۔ اسی دوران میری بھانجی کے بڑے بیٹے نے شارجہ میں کاروبار شروع کیا بڑا سا دیئر ہاؤس تھا اس کی دیکھ بھال کے لیے اس نے اسے باہر بلا لیا۔ اپنے گھر میں رکھا اور وہ تھوڑے سے پیسے رکھ کر باقی سب ہمیں بھجوا دیتا تھا۔ ہم نے اچھا گھر کرائے پر لے لیا۔ دونوں چھوٹے میٹرک کر چکے تھے، بیٹا، بنی سے چھوٹا تھا مگر ایک ساتھ ایک ہی جماعت میں تھے۔ بیٹا کالج چلا گیا۔ میری بھانجی کی معرفت ایک بڑے اچھے لڑکے کا رشتہ آیا۔ بی اے پاس تھا اور میری بھانجی کے شوہر کے دفتر میں ملازم تھا۔ چھوٹی کی شادی، میری خواہش کے مطابق ہوئی۔ سو سے زیادہ لوگوں نے شرکت کی۔ جہیز میں برتن، بستر، فرنیچر سب کچھ دیا۔ کھانا میری بھانجی کی طرف سے تھا اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے یہ اپنے گھر میں سب سے زیادہ سکھی رہی۔ پہلی تینوں بیٹیوں کے وقت تو گھر سے میں ایک تنکا بھی جہیز کے نام کا نہ دے سکی تھی۔

رشتے دار بھی شریک نہ ہوئے تھے۔ انہیں شربت کے ایک گلاس اور دعاؤں کے ساتھ رخصت کیا تھا۔ کپڑے بھی دولھا والوں کی طرف سے جو جوڑا آیا وہی پہنا دیا تھا۔ میری خواہش تھی بڑے بیٹے کی شادی بھی ساتھ ہی ہو جاتی مگر اس نے تھوڑی سی مہلت مانگی تھی، بنی کو رخصت کر کے گھر واپس آئے تو شہزاد نے بستر پر لیٹتے ہی لمبی سانس لی۔

”الحمد للہ آج میں نے احسن طریقے سے اپنی ذمے داری نباہ دی ہے۔“

”میرا رواں، رواں آپ کا اور اللہ کا شکر ادا کرتا ہے آپ کا ساتھ نہ ہوتا تو میں اکیلی کچھ بھی نہیں کر سکتی تھی۔“ میں نے کہا اس نے عجیب سی نظروں سے میری طرف دیکھا اور مسکرا کر بولا۔

”اب مجھے یہ دیکھنا ہے کہ آپ میرا کتنا ساتھ دیتی ہیں۔“ میں کچھ جھجکی ہوئی تھی کچھ اس کی نظروں نے عجیب سا احساس کرایا تھا میں نے صرف یہ کہا میں ہر قدم پر آپ کا ساتھ دوں گی بھی اور ساتھ چاہوں گی بھی ہمیشہ میرے ساتھ رہیے گا۔ اس کی طرف دیکھا تو وہ آدھی بات سنتے، سنتے سو چکا تھا۔ اس بار وہ ملتان سے واپس آیا تو پریشان تھا اس کی اماں کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ میں نے کہا کچھ دن اور رک جاتے اس پر کہنے لگا کہ اب ریاض آئے تو اسے شادی کا کہنا ہے میں چاہتا ہوں کہ آپ کے ساتھ گھر میں ایک دوسری عورت ہو تاکہ مجھے آپ کی تنہائی کا احساس تنگ نہ کرے اور میں اماں کے پاس آرام سے رہ سکوں۔ اس نے مجھے ایک بار بتایا تھا کہ اماں کے دو بھائی اور بھابی جنہوں نے بچپن میں شہزاد اور اس کی ماں کو رکھا تھا۔ اچانک آگے پیچھے فوت ہو گئے۔ اماں افسوس کے لیے گئیں تو دیکھا کہ ان کی درمیان والی بیٹی، بھابیوں کے ہاتھوں بہت پریشان ہے بھائی باہر کے ملکوں میں کما رہے تھے۔ مگر بہن کو بیویوں کے رحم و کرم پر چھوڑا ہوا تھا۔ اس کا نکاح ہوا تھا مگر رخصتی نہ ہو سکی تھی۔ اماں اسے اپنے ساتھ لے آئی ہیں اور اب اس کی فکر کم ہو گئی ہے۔ میں نے کشور کا پوچھا کہ وہ کہاں ہے یہ اس لڑکی کا نام تھا۔ کہنے لگا وہ تو ہے مگر میں خود دیکھ بھال کرنا چاہتا ہوں، بات آئی گئی ہو گئی۔ وہ واپس گیا مگر جلدی لوٹ آیا..... پریشان تھا میں نے پوچھا تو کہنے لگا۔

”بات اچھی نہیں ہے اور اگر میں ماں کی محبت کے ہاتھوں مجبور نہ ہوتا تو کبھی آپ سے کہنے کی جرأت نہ کرتا..... اماں مجھ پر شادی کا دباؤ ڈال رہی ہیں، ان کا کہنا ہے کہ تم ذمے داریوں کے نام پر زیب النسا سے شادی کی تھی۔ اب وہ تم پوری کر چکے ہو..... اب ماں کی خواہش پوری کر دو میں اپنے پوتے، پوتیاں دیکھنا چاہتی ہوں اگر تمہاری بیوی یہ خواہش پوری کر دیتی تو میں خاموش رہتی مگر اب وقت ہے تم میری خوشی پوری کر دو۔ میں تمہیں زیب النسا کو چھوڑنے کا کبھی نہیں کہوں گی تم اس کے پاس ویسے ہی رہو جیسا اب تک کر رہے ہو۔

آپ مجھے بتائیں میں کیا کروں؟'' میں بھی ماں تھی اور شہزاد کی اماں کی احسان مند بھی..... میں کیا کہتی اتنا لمبا عرصہ وہ میری اولاد کو پالتا رہا، غمی خوشی میں برابر کا شریک رہا۔ میرے رشتے داروں سے نبھاتا رہا اور اگر اس کی اماں چاہتی اور زور دیتی تو شاید وہ مجبور ہو کر میرے ساتھ نکاح نہ کرتا۔ میں آج بھی اسی چھوٹے سے اسکول میں اسی کسمپرسی کی حالت میں رہ رہی ہوتی۔ شہزاد نے باپ بن کر بیٹیاں رخصت کیں، بیٹیوں کو پڑھایا آج وہ اپنے پیروں پر کھڑے ہیں تو اسی کے دیے ہوئے حوصلے کی وجہ سے..... میں نے اسے روتے دل مگر ہنستے ہوئے چہرے کے ساتھ اماں کی خواہش پوری کرنے کی اجازت دے دی۔ اس نے خود ہی بتادیا کہ وہ کشور کے ساتھ اس کی شادی کرنا چاہتی ہیں تاکہ وہ بہو کی حیثیت سے اس گھر میں رہ سکے۔ اگلے دن وہ چلا گیا۔ اور یہ ویسی ہی ستمبر کی حبس بھری رات تھی جب ایک بار پھر میری قسمت مجھ سے روٹھ رہی تھی۔ لیکن ایسا کچھ نہیں ہوا جس سے میں ڈر رہی تھی۔ ریاض کی شادی ہوئی وہ خوشی خوشی انتظامات میں شامل ہوا۔ اس بار ریاض ٹی وی کے ساتھ دو موبائل بھی لے کر آیا۔ ایک میرے لیے اور ایک شہزاد کے لیے کہ ہم دور ہوتے ہوئے بھی باتیں کرسکیں۔ مجھ سے تو عام فون پر بات نہیں ہوتی تھی تو موبائل فون کیسے سیکھتی۔ وہ چھوٹے فیاض کے پاس ہی رہا وہی ملا کر دے دیتا۔ ہم نے شہزاد کی شادی کی بات بالکل بھی نہیں چھپائی۔ میری سب بیٹیوں اور رشتے داروں کو پتا تھا۔ کسی نے بھی کچھ نہیں کہا۔ سب کو شہزاد کی اماں کی خوشی عزیز تھی۔ شہزاد کا ہمیشہ سے یہ طریقہ تھا کہ وہ ایک عید ہمارے ساتھ کرتا اور ایک ملتان اپنے گھر..... اس بار وہ بڑی عید پر گھر گیا تو تقریباً رمضان تک واپس نہ آیا۔ میرا دل ایک عورت کا دل دوسری بیوی سے بدظن دل..... میں یہی سوچتی رہی کہ جوان بیوی کے ہوتے ہوئے بھلا اب وہ میرے پاس کیوں آئے گا۔ بہت دنوں سے فون پر بھی بات نہیں ہو پائی تھی۔ رمضان شروع ہوگیا تھا۔ فیاض کے بی اے کے امتحان ہونے والے تھے اس نے اپنے دوستوں کی

نمکین غزل

عشق میں پیدا ہونے والے تفکرات ہیں ہم
واپڈا والوں کو جو لاحق ہیں وہ خطرات ہیں ہم
ہم تیری سانس کی ڈوری سے جڑے ہیں ایسے
گویا آکسیجن اور CO2 کے ذرات ہیں ہم
تیری جدائی اب برداشت نہیں ہوتی ہے
حاکم وقت سے بھولے مذاکرات ہیں ہم
ہم تمہیں بھول کر بھی بھولنا نہیں چاہتے
سرد موسم میں اڑتے آبی بخارات ہیں ہم
اب یہ دل ہم سے سنبھلتا نہیں آ کر سنبھالو
پتنگ اور ڈور کے الجھے ہوئے اثرات ہیں ہم
پڑھا سکے جو محبت کی گرامر اس کو
تاریخ ڈھونڈتی ہے جس کو وہ سقراط ہیں ہم

از: نازیہ نزی، نوشہرہ کینٹ

☆......☆......☆

غزل

تمہاری دید سے سیری نہیں ہے
یونہی تو نیند بھی بیری نہیں ہے
تمہاری یاد سے محروم جاناں
کوئی بھی شب میری ٹھہری نہیں ہے
وسیع خاموشیوں میں تیری آہٹ
میری ہی سلطنت میری نہیں ہے
ہے پس منظر میں بند آنکھوں کے تو ہی
میری تو نیند بھی گہری نہیں ہے
تمہارا ساتھ چھوڑوں سوچا کیسے
وفا کرنی کوئی چھوڑی نہیں ہے
مجھے سب توڑتے ہیں لمحہ لمحہ
مگر امید بس توڑی نہیں ہے

شاعرہ: خولہ عرفان، کراچی

دیکھا دیکھی امریکا کی لاٹری والی اسکیم میں فارم بھر کر بھیج دیے تھے اس کا نام نکل آیا تھا۔ اب کرائے کی رقم کے لیے پریشان ہو رہا تھا۔ گو ریاض نے وعدہ کیا تھا مگر وہ شہزاد کے ساتھ مشورہ کرنا چاہتا تھا۔ میرا دل اندر ہی اندر ناراض رہتا۔ کسی کام میں نہ لگتا...... روزے فرض سمجھ کر رکھ رہی تھی۔ لاہور والی دونوں بیٹیاں بچوں سمیت آئی ہوئی تھیں کیونکہ عید پر ریاض کے آنے کا بھی ارادہ تھا۔ ان کا خیال تھا عید اکٹھے کریں گے مگر شہزاد کا نام لینے سے گریز کر رہی تھیں کہ پتا نہیں وہ آئے گا یا نہیں...... عید سے دو دن پہلے دروازے پر دستک ہوئی۔ اتفاق سے میں گھر میں اکیلی تھی۔ بہو اور بیٹیاں عید کی خریداری کے لیے بازار گئی ہوئی تھیں۔ دروازہ کھولا تو ایک مدبر سی عورت سفید چادر اوڑھے اندر آ گئی اور سیدھی میرے گلے لگ کر مجھے پیار کرنے لگی۔ میں نے دروازے کی طرف دیکھا تو تربوزی رنگ کے سوٹ میں ایک جوان لڑکی تو نہیں کہوں گی مگر جوان عورت بھی اندر آ رہی تھی تیسرا چہرہ جو مجھے نظر آیا اس نے میرے دل کی دھڑکن تیز کر دی۔ شہزاد سوٹ کیس لیے اندر آ رہا تھا۔

''میرا قصور نہیں، یہ اماں کی آخری خواہش تھی جو بقول ان کے آخری ہے، وہ آپ سے ملنا چاہتی تھیں اور میں ٹھہرا ہمیشہ کا تابعدار بیٹا کیسے نہ مانتا۔'' میں نے دیکھا کہ کشور چلتے ہوئے تھوڑا سا لنگڑا کر چل رہی ہے وہ میرے پاس آ کر بیٹھ گئی۔ شہزاد خود ہی بازار سے جا کر ٹھنڈی بوتلیں لے آیا۔ اس کی اماں کو میں نے آپا جی کہہ کر ہی مخاطب کیا مگر مجھے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اتنا عرصے بعد انہیں مجھ سے ملنے کا خیال کیوں آیا۔ وہ خود ہی بتانا شروع ہوئیں۔

''جب شہزاد نے تم سے شادی کا فیصلہ کیا تو میں روایتی ماؤں کی طرح اس بات سے ناراض تھی کہ ایک ایسی عورت جو تم سے عمر میں بڑی چھ بچوں کا ساتھ تمہارے ساتھ کیسے رہ پائے گی۔ یہ بالکل خاموش رہتا۔ جب میں تمہاری برائیاں شروع کرتی کہ ضرور وہ انتہائی چالاک اور شاطر عورت ہے جس نے کنوارا کماؤ لڑکا قابو کر لیا ہے اور یہ جواب میں کہتا کہ اماں وہ ایسی نہیں ہے۔ مجھے یقین نہیں آتا تھا۔ میں تمہیں کبھی معاف نہیں کر پاتی تھی۔ جب میں زیادہ ناراض ہونے لگتی تو یہ آنکھوں میں آنسو بھر کر کہتا اماں جی آپ میری نیکی کو گناہ نہ بنائیں۔ اسے نیکی ہی رہنے دیں میں آپ کا گناہ گار ہوں اللہ کے سامنے سرخ رو رہنے دیں۔ وہ میری نیت جانتا ہے، پھر آہستہ آہستہ جب اس کا معمول وہی رہا کہ زیادہ میرے پاس رہتا اور تھوڑے دن تمہارے پاس تو میں سمجھ گئی کہ تم کسی اچھے خاندان کی سمجھدار خاتون ہو۔ پھر تمہاری کوئی ایسی فرمائشیں بھی نہیں ہوتی تھیں جو شہزاد کو پریشان کرتیں۔ پھر میرے پاس کشور آ گئی۔ اس کا رشتہ بچپن سے اپنی خالہ کے گھر ہونے والا تھا۔ نکاح ہو چکا تھا کچھ عرصہ شادی سے پہلے اسے بخار چڑھا اور اس کی ایک ٹانگ مفلوج ہو گئی۔ غالباً پولیو ہو گیا تھا۔ لڑکے نے رشتہ توڑ دیا۔ ماں باپ غم سہہ نہ سکے اور یہ بیچاری بھائیوں کے ہتھے چڑھ گئی۔ ٹانگ اس کی مالش وغیرہ سے بہتر ہو گئی مگر لنگڑاہٹ باقی رہ گئی۔ پھر میں نے شہزاد پر زور ڈالنا شروع کیا کہ وہ اس سے شادی کر لے اگر میں مر گئی تو اس کا کیا ہوگا۔ یہ تمہیں تکلیف نہیں دینا چاہتا تھا ٹالتا گیا۔ جب تم نے خوشی سے اجازت دی تو یہ راضی ہوا۔ میں تمہارا شکریہ ادا کرنے آئی ہوں، تم بھی مجھے معاف کر دو۔ میں نے تمہاری خوشیاں نہیں چاہی تھیں مگر تم نے میری خوشی پوری کر دی۔'' ان کی بات کے جواب میں میں نے صرف اتنا ہی کہا۔

''شہزاد گواہ ہے آپا جی! میں ہمیشہ آپ کی احسان مند رہی ہوں اور کبھی آپ سے آپ کے بیٹے کو الگ کرنے کا نہیں سوچا۔'' میرے پاس کوئی بھی زیور نہیں تھا پھر مجھے ان بندوں کا کیا خیال آیا جو مجھے شادی والے دن شہزاد نے منہ دکھائی میں دیے تھے اور میں نے شرم کے مارے کبھی نہیں پہنے تھے۔ میں اندر جا کر وہ لائی اور کشور کو سلامی کے طور پر دے دیے۔ اس نے میرے ہاتھ سے پکڑ لیے ایک منٹ کے لیے میرے

دل کی دھڑکن تھم گئی کہ میں نے شہزاد کے ساتھ اپنی واحد پونجی بھی اسے تھمادی ہے۔اس نے مسکرا کر ایک بندہ پکڑا اور میرا چہرہ پکڑ کر میرے کان میں ڈال دیا اور اسی طرح دوسرا دوسرے کان میں۔

''مجھے پتا ہے ان بندوں کے بارے میں کہ یہ آپ کی رونمائی کے ہیں، میں شہزاد کی کزن بھی ہوں اور اس کے بہت سے رازوں کی شریک بھی...... مجھے اپنی سوتن کبھی نہ سمجھیے گا۔ میں آپ کی بہن ہوں۔'' وہ عید میری زندگی کی سب سے خوب صورت عید تھی۔ میرا کنبہ مکمل تھا۔کون کہتا ہے نیکی کے فرشتے دنیا میں نہیں ہوتے۔ بس قسمت والوں کو ملتے ہیں۔اور اللہ کا شکر اور احسان ہے میں ان خوش قسمتوں میں سے ایک ہوں۔

☆☆☆

کافی عرصے کے بعد میں اس دفعہ انگلینڈ سے واپس آئی تو چھوٹی خالہ (زیب النسا) سے ملنے کو بہت دل کیا۔ میں نے اپنی بڑی بہن سے کہا تو انہوں نے کہا کہ چند روز میں چلیں گے۔ دراصل ابھی عید کو گزرے دو دن ہوئے تھے اور وہ عید سے پہلے خالہ کو ان کی بہو، بیٹیوں، پوتوں، نواسوں کو عیدی دے کر آئی تھیں اور خیال تھا کہ عید کے بعد وہ گھر بدل رہی ہیں اس لیے جانا التوا میں پڑتا رہا، ایک صبح تقریباً تین بجے خالہ کی بیٹی کا فون آیا کہ ان کی وفات ہوگئی ہے۔ نہ ملنے کا بہت افسوس ہوا خیر ہم کوئی دس بجے کے قریب ان کے گھر پہنچ گئے جہاں ان کی میت کو کچھ دیر پہلے اسپتال سے گھر لے کر آئے تھے۔ سارا محلہ جمع تھا۔ ان کا اپنا پورا خاندان سرگودھا، سیالکوٹ، ملتان، دہاڑی سے ان کی نواسیاں، نواسے سب پہنچ چکے تھے۔ درمیان والی بیٹی کیونکہ ذرا دور گاؤں میں تھی اس کے فون پر فون آرہے تھے کہ جلدی نہ کرنا میرا انتظار کرنا ہے۔ امریکا والا بیٹا عید کر کے گیا تھا وہ نہ آسکا۔ بڑا بیٹا ان دنوں یمن چلا گیا تھا، شام تک متوقع تھا۔ ہر ملنے والا وہاں پر موجود شخص خالہ کی تعریفیں کررہا تھا۔ خالہ تقریباً پچاسی سال کی تھیں مگر دیکھنے میں ساٹھ سے اوپر کی نہ لگتی تھیں ان کے چہرے پر اتنی معصومیت تھی کہ بیان نہیں کرسکتی۔ عصر کا وقت ہونے والا تھا بڑا بیٹا بھی پہنچ گیا تھا۔ میں نے خالہ کی بڑی بیٹی سے پوچھا کہ اب کیا دیر ہے، اس نے جواب دیا کہ چچا شہزاد کا انتظار کررہے ہیں، خالہ کے بڑے چار بچے انہیں چچا بلاتے تھے اور چھوٹے دو ابا کہتے تھے۔ میں حیران ہوئی کیونکہ مجھے پتا تھا کہ وہ دوسری شادی کرچکے ہیں وہ کیوں آئیں گے، میں نے پوچھا کچھ مجھے یہ جاننے کی بھی خواہش تھی کہ سوتیلی ماؤں کے بارے میں تو بہت کچھ سن رکھا تھا مگر سوتیلے باپ کے بارے میں بچے کیا محسوس کرتے ہیں یہ نہیں پتا تھا......اور نہ ہی کوئی مثال سامنے تھی۔ اس نے کہا۔

''ہاں بے شک انہوں نے دوسری شادی کرلی تھی مگر ہماری ماں کو اور ہمیں کبھی نہیں چھوڑا تھا۔ وہ ہر غم، خوشی کے موقع پر ہمارے ساتھ ہوتے تھے۔ ہر نواسے، نواسی، پوتے، پوتی کی تاریخ پیدائش لکھ کر رکھتے تھے۔ تحفہ بھجوانا نہیں بھولتے تھے۔ اور سب سے بڑی بات ہماری اماں ان کے نکاح میں ہیں وہ خود اپنے ہاتھ سے انہیں قبر میں اتاریں گے۔ اور پہلے جنازہ اٹھنے کی اجازت وہ دیں گے۔'' اس کے لہجے میں باپ کے لیے جو عزت اور پیار موجود تھا وہ ظاہر کررہا تھا کہ یہ سب ان کی کتنی عزت کرتے ہیں تھوڑی دیر میں خالو مع اپنے بچوں اور بیوی کے پہنچ گئے دیر اس لیے ہوئی کہ رکشا والا انہیں غلط سمت میں لے گیا تھا۔ ان کے ساتھ چودہ پندرہ سال کے دو لڑکے تھے باپ کے ساتھ بھاگ، بھاگ کر کام کررہے تھے اور دوسری والی بیوی سب بیٹیوں اور ان کے بچوں سے یوں گلے مل رہی تھی جیسے ان کی سگی ماں ہو۔ ہم سے بھی ملی خالہ کی بہت تعریف کی اور افسوس کیا۔

رشتے دراصل تو رشتے ہی ہوتے ہیں، ہمارے رویے انہیں سگا، یا سوتیلا کردیتے ہیں، کبھی گرم، کبھی سرد، تلخ و شیریں، محبت، پیار اور اعتماد سب سے بڑے ہتھیار ہیں جو اپنوں اور غیروں کو ملائے رکھتے ہیں۔



ممتاز افسانہ نگار اور معروف شاعرہ

ناہید فاطمہ حسنین سے ایک مسحور کن ملاقات

وہ آئے بزم میں......

نزہت اصغر

پاکیزہ قارئین کی خدمت میں سلام اور پُرخلوص دعائیں لیے ایک مرتبہ پھر حاضر ہیں۔ جناب آج ایک اور سحر انگیز اور خوب صورت تحریروں کی خالق ہر دلعزیز مصنفہ اور پُراثر کلام کی حامل شاعرہ سے آپ کی ملاقات کروائی جارہی ہے جو ماہنامہ پاکیزہ کی خاص پہچان ہیں۔ ہماری نشست شعری اور نثری دونوں انداز لیے ہوئے ہے۔

ناہید فاطمہ حسنین جہاں افسانہ نگاری اور ناولٹ

نگاری میں ایک نمایاں مقام رکھتی ہیں وہاں یہ شاعرہ بھی بڑے اعلیٰ پائے کی ہیں۔ قارئین کی فرمائشوں اور ان کے احساسات کا خیال رکھتے ہوئے آج ہم ناہید عزمی سے بھی کچھ سنیں گے۔ امید ہے ہماری آج کی یہ نشست بھی آپ کو بھرپور لطف و سُرور دے گی تو جناب آیئے سوالات کا باقاعدہ آغاز کرتے ہیں۔

پاکیزہ ✧......جی ناہید! سوالات کا باقاعدہ آغاز کرنے سے پہلے آپ کا بے حد شکریہ کہ اپنی مصروفیات سے ہمارے قارئین کے لیے خصوصی وقت نکالا۔ آپ کیا کہیں گی اس بزم میں آمد کے بارے میں؟

ناہید فاطمہ حسنین ❖......نزہت میں آپ کی بے حد ممنون ہوں کہ آپ نے مجھے اس قابل سمجھا۔ میں عذرا رسول کا بھی شکریہ ادا کروں گی کیونکہ کچھ ماہ قبل انہوں نے مجھ سے فون پر کہا تھا۔ ''ناہید انٹرویو کے لیے تیار ہو جاؤ۔ بس بہت آزادی سے گھوم لیں۔'' (یہ ان کا خاص انداز ہے)

پاکیزہ ✧......آپ ڈائجسٹ کی دنیا میں ایک نمایاں مقام رکھتی ہیں۔ یہاں آپ کی شاعری پر بھی بات ہوگی یعنی شاعرہ ناہید عزمی سے...... آپ کے نزدیک آپ کی اولین ترجیح کیا ہوتی ہے؟

ناہید فاطمہ حسنین ❖...... میں ابتدا سے نثر میں اپنے اصل خاندانی نام ناہید فاطمہ حسنین جبکہ شاعری میں اپنے تخلص ناہید عزمی سے جانی جاتی ہوں، لکھنے کا سارا معاملہ آمد ہی کے زیر اثر ہے۔ لہٰذا جس صنف کی آمد ہوتی ہے میرا قلم چل پڑتا ہے لیکن میری ترجیح افسانہ ہے۔

پاکیزہ ✧......چلیں پہلے آپ ہمارے قارئین کو یہ بتائیں کہ پہلے کہانی لکھی یا غزل؟ یہ ہنر کب پہلی دفعہ منظرِ عام پر آیا؟

ناہید فاطمہ حسنین ❖......میں کلاس 7th میں تھی جب میرے والد کی ایکسیڈنٹ میں ڈیتھ ہوگئی' ان کی باڈی سامنے رکھی تھی تب زندگی کا پہلا مصرعہ ہوا۔ مکمل شعر نہیں، وہ مصرعہ موزونیت کے اعتبار سے پوری شعریت رکھتا تھا اور شاید میں نے اپنے والد کی حیات میں ہی بچوں کے رسالے میں ایک کہانی لکھی تھی بہر حال میں نے بچوں کے رسالوں اور اخبارات میں لکھنے کی ابتدا کردی تھی کلاس 7th سے۔

پاکیزہ ✧......آپ ذاتی طور پر دلی طمانیت کیا لکھنے میں محسوس کرتی ہیں شاعری یا نثر؟

ناہید فاطمہ حسنین ❖......جہاں تک بات طمانیت کی ہے تو ابتدا میں بڑی طمانیت ملتی تھی شعر کہا، داد ملی، افسانہ لکھا، تبصرے میں تعریف یا تنقید ہوئی بہت اچھا لگتا تھا مگر اب یہ سب معمول کی بات لگنے لگی ہے۔ بہر حال خوشی اب بھی ہوتی ہے، مگر نئے، نئے معاملات کی بات اور ہوتی ہے یہ آپ بھی جانتی ہیں۔

پاکیزہ ✧......اپنے آغاز میں آپ کن مصنفات سے متاثر تھیں یعنی چاہتی تھیں کہ میں بھی ایسا لکھوں؟

ناہید فاطمہ حسنین ❖......لکھنا تو بچپن سے شروع کردیا تھا۔ اس وقت خودرو پودے کی حیثیت حاصل تھی لیکن بعد میں سنجیدگی و باقاعدگی سے جب ادبی جرائد و ڈائجسٹ میں لکھا تب ابتدا میں تو جو ملا پڑھ ڈالا۔ پھر اس کے ساتھ، ساتھ غلام عباس، کرشن چندر، بیدی، منٹو کو بھی بہت پڑھا۔ ڈائجسٹ میں تو جس جس نے لکھا ان کو پڑھا۔ بشریٰ رحمٰن بہت پسند آئیں پھر وہ ادب کی طرف چلی گئیں۔ میں نے زندگی میں کبھی یہ نہیں چاہا کہ میں فلاں جیسا لکھوں' جو اس طرح سوچتے ہیں وہ وقت سے پہلے فنا ہو جاتے ہیں اور مجھے زندہ رہنا تھا، زندہ رہنا ہے۔ وقت سے خود کو منوانا ہے سو میں نے نہ بشریٰ رحمٰن بننے کا سوچا نہ پروین شاکر۔

پاکیزہ ✧......آج کی لکھاری بہنوں کے بارے میں کیا کہیں گی، وہ کس حد تک ادب کی آبیاری کررہی ہیں؟

ناہید فاطمہ حسنین ❖......آج کے دور میں نئے لکھنے والے ہمارے ہی دور کی طرح ہیں کچھ اچھا لکھ رہے ہیں کچھ اوسط درجے کا اور کچھ ایسا کہ نہ لکھیں تو بہتر ہے۔ نئے لکھنے والوں کے لیے کہوں گی کہ مطالعہ وسیع کرنے کے ساتھ، ساتھ کچھ وقت نکال کر اپنے سینئرز کو

سنیں، پڑھیں اور ان سے گفتگو کریں اور یہی میں اپنے دور کے لکھاریوں کے لیے بھی کہوں گی۔

پاکیزہ ❖......اچھا آپ خالص ادبی پرچوں میں بھی لکھتی ہیں تو ماہناموں، ڈائجسٹوں اور خالص ادبی رسالوں کی تحریر میں کیا فرق رکھتی ہیں؟

ناہید فاطمہ حسنین ❖......خالص ادبی تحریر زیادہ طویل نہیں ہوتی۔ کلائمکس اکثر چونکا دینے والا ہوتا ہے جبکہ ڈائجسٹ میں ہر موضوع پر لکھا جا رہا ہے بے انتہا طوالت ہے (جو بعض اوقات گراں بھی گزرتی ہے) میں دیکھتی ہوں ڈائجسٹ میں چھپنے والی کچھ کہانیاں ادب کے زمرے میں آتی ہیں۔ میں اکثر ادبی محافل میں یہ موضوع ضرور چھیڑتی ہوں کہ ڈائجسٹ میں چھپنے والا مواد ادب کیوں نہیں مانا جاتا؟ ایک اور بات 'ادب' کا مزاج ایک ہی ہے ادبی جبکہ ہر ڈائجسٹ کا مزاج بالکل الگ ہے۔ (یہ بات تو ہے)

پاکیزہ ❖......بیس پچیس برس پہلے کی کہانیوں اور آج کی تحریروں میں موضوعات کے اعتبار سے کیا نمایاں فرق دیکھتی ہیں؟

ناہید فاطمہ حسنین ❖......پہلے ایک ہی موضوع ہوتا تھا ''محبت''۔ محبت کا پھیلاؤ اتنا وسیع ہے کہ اس وقت ہر ''رنگِ محبت'' پر لکھا جاتا تھا لیکن ہم محبت کو جن معنوں پر برتتے ہیں وہ ہے لڑکا، لڑکی کا عشق۔ تو اس وقت یہی پسندیدہ موضوع ہوا کرتا تھا۔ آج کی تحریر میں زندگی کا ہر موضوع شامل ہے، ماں کی محبت، سسرال کے قصے، ملکی حالات، دہشت گردی...... گویا سبھی کچھ سمٹ آیا ہے جو ہر اعتبار سے اچھا ہے۔ آج کی لکھاری بہت زیادہ باخبر ہے، وہ ہر موضوع کو قلم زد کر دیتی ہے۔ مجھے بعض لکھاریوں سے کچھ تحفظات ہیں جو سبزی، گوشت مہنگائی کو موضوع بنا کر ڈیڑھ دو صفحات پر مشتمل تحریر کو افسانہ یا کہانی تصور کرتی ہیں۔

پاکیزہ ❖......آپ نے جب لکھنا شروع کیا تو گھر والوں کی طرف سے کیا ردِعمل ملا؟

ناہید فاطمہ حسنین ❖......چونکہ میرے خاندان میں اکثریت لکھنے والوں سے تعلق رکھتی ہے لہٰذا مجھے سراہا ہی گیا۔ میرے والد فشریز میں administrative officer تھے لیکن ڈان میں باقاعدہ کالم لکھتے تھے۔ میری دادی اپنے دور میں افسانہ نگار تھیں۔ میری خالہ نے کم سنی میں ناول لکھا۔ ادا جعفری، محشر بدایونی، دلاور فگار، ڈاکٹر ابواللیث صدیقی یہ تمام ہمارے دور و قریب کے عزیز ہیں تو آپ اندازہ لگا سکتی ہیں۔ (بہت خوب)

پاکیزہ ❖......حوصلہ افزائی کسی ہنر کی افزودگی میں کیا کردار ادا کرتی ہے؟

ناہید فاطمہ حسنین ❖......حوصلہ افزائی ٹانک کا کام کرتی ہے۔ لکھنے والا تو اپنی اڑان بھر ہی لیتا ہے جیسے پانی اپنا راستہ خود بناتا ہے۔ حوصلہ افزائی کسی بھی لکھنے والے کو مہمیز دیتی ہے۔ میں سمجھتی ہوں نئے لکھنے والوں کی حوصلہ افزائی کرنی چاہیے سینئرز کو...... لیکن اوسط درجے کی تحریر پر واہ، واہ اور شاباشی حوصلہ افزائی نہیں ہے بلکہ یہ ان کا قتل ہے۔

پاکیزہ ❖......آج بھی افسانے لکھنے والی نئی نسل کو ذرا حقیقت سے دور ہی سمجھا جاتا ہے یعنی گھر میں کسی نے افسانہ لکھ دیا ہو تو اسے یہی کہا جاتا ہے زندگی کے تلخ حقائق پتا چلیں تو یہ سب کہانیاں لکھنا بھول جاؤ گی، کیا ایسا ہی ہے؟

ناہید فاطمہ حسنین ❖......میرے خیال میں ہر دور میں ردّ و قبول کرنے والے ہمیشہ سے موجود رہے ہیں اگر کچھ گھرانوں میں افسانہ لکھنے والوں کو خیالی تصور کیا جا رہا ہے تو کچھ دوسرے گھرانوں میں فخر بھی کیا جاتا ہے کہ ہماری بیٹی لکھ رہی ہے...... اب افسانہ خیالی دنیا سے نکل کر حقیقت کی دنیا میں داخل ہو گیا ہے۔ کم از کم شہروں میں اچھی صورتِ حال ہے دیہی علاقوں کا مجھے علم نہیں۔ ایک بات کا بہت دکھ ہے وہ یہ کہ سمجھا جاتا ہے کہ افسانہ پڑھ کر لڑکیاں بگڑ جائیں گی لہٰذا پڑھنے پر پابندی لگا دو اور پھر ساتھ بیٹھ کر بے ہودہ ڈرامے یا فلمیں دیکھی جاتی ہیں انہیں تفریح کا درجہ حاصل ہے۔ (یہی تو تضاد



ہے معاشرے کا)

پاکیزہ ✧......تحریر پڑھ کر کوئی کیسے اندازہ لگا سکتا ہے کہ اس کا خالق مرد رائٹر ہے یا عورت رائٹر ہے۔ آپ دونوں کی تحریر میں کوئی نمایاں فرق دیکھتی ہیں؟

ناہید فاطمہ حسنین ✧......جہاں تک تحریر کا معاملہ ہے۔ عورت گھریلو معاملات کو رشتے ناتوں کے حوالے سے تحریر کو بہت عمدگی سے بیان کرلیتی ہے اگر ایک سوت (سوکن) کے رشتے پر تحریر لکھی ہو اس میں مرد وہ جذبات نہیں ڈال سکتا جو ایک عورت جس عمدگی سے لکھے گی۔ وہ موضوع جن سے مرد گزرا ہی نہیں اگر وہ اس پر عمدگی سے لکھے گا تو وہ مشاہدہ ہوگا، تجربہ نہیں۔ مشاہدے سے تجربے کا مرتبہ زیادہ بڑا ہے۔ دوسری طرف میں یہ بھی کہوں گی کہ ایک مرد، عورت کی نسبت زیادہ افراد سے ملتا جلتا ہے۔ بہت زیادہ گھومتا پھرتا ہے اس کا Vision عورت کی نسبت زیادہ وسیع ہے۔ جب ہم ادب پاروں پر نگاہ کریں تو یہاں مرد چھایا ہوا ہے عورتیں انگلیوں پر گنی جاسکتی ہیں۔

پاکیزہ ✧......علامتی کہانیاں عموماً کس مزاج کے تحت لکھی جاتی ہیں یہ شعوری کوشش ہوتی ہے یا خداداد صلاحیت......؟ یہاں صلاحیتیں تو خیر سب ہی خداداد ہوتی ہیں مطلب جان بوجھ کر مشکل نویسی اختیار کرنا؟

ناہید فاطمہ حسنین ✧......اردو ادب میں مختلف تحریکیں پیدا ہوئیں۔ رومانوی تحریک، ترقی پسند تحریک، علامتی تحریکیں وغیرہ۔ بات آپ نے کی علامتی تحریک کی۔ ہم دیکھتے ہیں 1857ء کے بعد علامتی کہانیاں ابھر کر آئی ہیں۔ یہ وہ دور تھا جسے ہم جنگِ آزادی سے منسوب کرتے ہیں۔ اس وقت علامتی کہانی کا جنم ہوا، شعراء نے علامتی نظمیں لکھیں، لکھاریوں نے علامتی کہانیاں اس وقت ہر دو تحاریر کا ایک مقصد تھا مذہب بچانا، آزادی حاصل کرنا۔ اب پھر وہی دور پلٹا ہے اور نظم میں علامتی نظم دوبارہ کہی جارہی ہے لیکن آج کی نظم میں لاجواب مصرعے، چونکا دینے والے مصرعے تو موجود ہیں لیکن کلائمکس کہیں موجود نہیں۔ جب شاعر علامتی نظم پڑھ رہا ہے تو سامعین جھوم، جھوم کر واہ، واہ کررہے ہیں لیکن جب اس نشست کا تاثر ختم ہوتا ہے تو معلوم ہوتا ہے نظم میں کچھ ہے ہی نہیں صرف مصرعے

ہیں۔ تو آج کی علامتی نظم وہ تاثر نہیں چھوڑ رہی جو 1857ء کی علامتی نظم یا کہانی نے چھوڑا تھا جس کا ایک واضح مقصد تھا۔ آپ نے درست کہا ہر تحریر خداداد صلاحیت کی حامل ہوتی ہے۔ میں اسے ایک مثال سے واضح کروں۔ کہانی یا شعر کی آمد ہوتی ہے۔ وہ شعر یا کہانی جوں کی توں بیان کردی جائے تو آمد کہلائے گی مگر جب ہم اسے شعوری کوشش سے نکھارتے اور سنوارتے ہیں تو لوگ اسے آورد کا درجہ دیتے ہیں لیکن یہی چیز شعر یا کسی بھی تخلیق کو اور زیادہ خوب صورت بنا دیتی ہے۔

پاکیزہ ✧...... اچھا یہ بتائیں کہ ایک رائٹر کس طرح معاشرے کا نبض شناس ہوتا ہے کیونکہ وہ بھی تو اسی ماحول میں رہتا ہے پھر عام آدمی سے کس طرح مختلف ہوتا ہے؟

ناہید فاطمہ حسنین ✧...... اس کے لیے میں یہ کہوں گی کہ لکھاری کا مشاہدہ عام آدمی سے بالکل جدا ہوتا ہے۔ ایک عام آدمی کی سوچ سے لکھاری کی سوچ بالکل الگ ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر ایک عام آدمی جنگل کو جس نگاہ سے دیکھے گا وہ ایک عام اور سطحی نگاہ ہو گی جب کہ لکھاری یا تخلیق کار جنگل کا مشاہدہ جس نظر سے کرے گا وہ کوئی عام نگاہ نہیں ہو گی۔ تخلیق کار معاشرے کا بہت بڑا نباض ہوتا ہے۔ وہ جس آئیڈیل معاشرے کا خواب دیکھتا ہے اسے لفظوں میں بیان کردیتا ہے۔ وہ معاشرے کے سدھار کا حل بھی بتاتا ہے لیکن نہ اس کے پاس حکومتی اعلیٰ عہدہ ہوتا ہے نہ ہی جادو کی چھڑی کہ بیک جنبش نگاہ سب کچھ بدل دے۔

پاکیزہ ✧...... آج ہر ہنر، ہر صلاحیت بلکہ ہر قدر ہی کمرشل ازم کا شکار ہے تو رائٹرز کیسے بچے رہیں مگر جس مقصد کے تحت وہ لکھتے ہیں وہ پورا ہو رہا ہے یا نہیں؟

ناہید فاطمہ حسنین ✧...... آپ نے درست کہا یہ کمرشل ازم کا دور ہے۔ رائٹرز بھی اس کا حصہ بن گئے ہیں۔ رائٹرز کے ساتھ بھی پیٹ لگا ہوا ہے۔ اس کے باوجود بہت سے رائٹرز نے اپنے مقصد کو فوقیت دی ہے، وہ اصولوں پر سودے بازی کو پسند نہیں کرتے۔

پاکیزہ ✧...... میرے سوال کا مطلب آپ سمجھ گئی ہوں گی، ہر کام میں کوالٹی ختم ہوتی جارہی ہے۔ آپ کے خیال میں ایسا کس بنا پر ہے؟

ناہید فاطمہ حسنین ✧...... جب اجتماعی مفاد پر ذاتی مفاد غالب آجائے گا تو کوالٹی تو ختم ہو ہی جائے گی۔

پاکیزہ ✧...... اچھا ناہید آپ نے کچھ اپنی ادبی کاوشوں کا حساب کتاب بھی کیا؟ کوئی مجموعہ بھی منظر عام پر آیا یا نہیں؟

ناہید فاطمہ حسنین ✧...... آپ کو بڑی دلچسپ بات بتاؤں، میں صحافت کو اپنا پروفیشن بنانا چاہتی تھی۔ بہت کم سنی میں ڈرگس پر ایک سروے رپورٹ مرتب کی جس پر مجھے ایوارڈ بھی ملا۔ پھر مختلف رسائل و جرائد سے وابستہ رہی میرا خاص اور پسندیدہ شعبہ ”انٹرویوز“ تھا۔ میں نے سیاستدانوں اور شوبز کے افراد کے انٹرویو کیے۔ میں اسے کتابی شکل دینے کی خواہاں تھیں کہ میری والدہ نے گھر کو نئی شکل دینے کی غرض سے رینوویٹ کروایا تو کچھ عرصے ہم بطور کرایہ دار ایک فلیٹ میں رہے۔ بس اسی شفٹنگ میں میرا صحافت کا پورا ریکارڈ برباد ہو گیا بہت دلبرداشتہ ہوئی۔ بہرحال لمبی کہانی ہے۔ اب عنقریب انشاء اللہ میرا شاعری کا مجموعہ ”پوروں پہ آسمان“ آنے والا ہے۔ زندگی بخیر تو کہانیوں کا مجموعہ بھی لاؤں گی۔ دعا کیجیے۔ (انشاء اللہ)

پاکیزہ ✧...... کیا آپ کے بچوں میں بھی آپ کا یہ ہنر آیا؟

ناہید فاطمہ حسنین ✧...... مجھے بچپن سے reading habit ہے اس کے علاوہ اسکیچنگ بھی کرتی تھی۔ میرے یہ دو ہنر میرے بچوں میں آئے ہیں (سب میں نہیں) باقی شاعری اور فکشن رائٹنگ کسی بھی بچے میں نہیں آیا۔ اگر آتا تو میں ان کی بہت حوصلہ افزائی کرتی۔ مشاہدہ بتاتا ہے کہ کسی بھی تخلیق کار کے بچوں میں والدین کے یہ ہنر کم ہی آتے ہیں۔

پاکیزہ ✧...... اپنی فیملی کا بھی مختصر حال احوال

بتائیں؟ کچھ اپنی تعلیم اور شادی شدہ زندگی کا مختصر احوال؟

ناہید فاطمہ حسنین ❖......شادی شدہ ہوں، بچے ہیں، بے حد مہربان بھائی بہن، بہنوئی کا ابھی انتقال ہوا ہے جس کا بے حد صدمہ ہے کیونکہ وہ کسی طور بھائی سے کم نہ تھے۔ بے حد اچھی سسرال ہے۔ جس طرح میری والدہ میری دوست تھیں کم وبیش میری ساس بھی اسی طرح بہت اچھی تھیں اور اکثر اشارے سے پوچھتیں کچھ لکھا؟ میرے لکھنے کو بہت سراہتی تھیں۔ جبکہ میری ماں نے ہمیشہ مجھ پر، لکھنے پر، شاعری پر فخر کیا۔ میرے بہن بھائیوں کے ساتھ، ساتھ سسرالی رشتے داروں نے بھی مجھ پر میری تخلیق پر فخر کیا۔

پاکیزہ ✧......کوئی خاص باتیں اپنے بارے میں آپ قارئین سے شیئر کرنا چاہیں؟

ناہید فاطمہ حسنین ❖...... میں ابتدا میں اوسط درجے کی اسٹوڈنٹ تھی، ڈری سہمی رہتی، ٹیچرز کے سوالوں کا جواب آنے کے باوجود جواب نہیں دیتی تھی۔ اگرچہ نالج بہت تھی پھر میری ایک ٹیچر مسز ذکیہ نے میری حوصلہ افزائی کی اور میں پڑھنے میں بہتر سے بہترین ہوتی چلی گئی۔ آہستہ آہستہ جھجک بھی ختم ہوتی چلی گئی۔ کالج میں President کا انتخاب لڑا پر ایک ووٹ سے ہار گئی۔ بی اے آنرز صحافت واردو ادب کے ساتھ فرسٹ پوزیشن سے کیا۔ ماسٹرز بھی فرسٹ کلاس سے کیا مزے کی بات یہ کہ شادی بھی ہو چکی تھی۔ پھر بھی میں نے (ریگولر) کراچی یونیورسٹی سے کیا اور کبھی اسٹوڈنٹ لائف میں ناغہ نہیں کیا۔ کالج میگزین کی ایڈیٹر رہی۔ یونیورسٹی میں بھی ادب کے حوالے سے سرگرم رہی۔ یونیورسٹی کے زمانے میں صحافت سے وابستہ رہی۔ افسانہ، صحافت اور شاعری تینوں حوالوں سے مجھے ایوارڈ



ناہید فاطمہ حسنین، انجم انصار اور ساتھی رائٹرز کے ہمراہ

مل چکے ہیں۔ 17 جون 2014ء کو شاعری پر (لاہور الحمرا میں "بشریٰ رحمٰن" سے ایوارڈ وصول کیا۔ 30 اپریل 2016ء کو بیسٹ رائٹر ایوارڈ حاصل کیا۔ صحافت میں بھی کافی ایوارڈ مل چکے ہیں۔ (ماشاء اللہ زورِ قلم اور زیادہ)

پاکیزہ ✧......شروع کی تحریریں دیکھ کر اب کیسا لگتا ہے؟

ناہید فاطمہ حسنین ❖......کچھ نہ پوچھیں۔ ابتدائی تحریر پڑھ کر ہنسی ہی آجاتی ہے۔ اتنی پختہ تحریر نہیں تھی لیکن وہ اس زمانے کے اعتبار سے پسند کی گئی بھی تو ٹھیک ہی ہوگی۔

پاکیزہ ✧......آپ کو کن موضوعات کو زیرِ قلم لانا اچھا لگتا ہے یا آپ سمجھتی ہیں کہ اسے ضرور لکھنا چاہیے؟

ناہید فاطمہ حسنین ❖......عام طور پر کہانی خود کو خود لکھواتی ہے۔ شعر دماغ میں خود پکتا ہے تو دل کے ہاتھوں لکھا جاتا ہے۔ لیکن جب ہم بہت سینئر ہو جائیں تو ہم شعوری کوشش سے بھی بہت اچھی کہانی لکھ لیتے ہیں۔ ابھی گزشتہ دنوں پاکیزہ میں جو کہانی چھپی وہ مجھ سے کسی این جی او کی خاتون نے لکھوائی تھی۔ کہا تھا آپ اس موضوع پر لکھیں تاکہ میں اس پر کام کرسکوں۔ میں ایسی

تحریریں جمع کر رہی ہوں تو میں نے لکھ دی اور قارئین نے بڑا اچھا رسپانس دیا۔ دل بے حد خوش ہوا کیونکہ وہ شعوری کوشش سے لکھی گئی تھی۔

پاکیزہ ✧.....اچھا کچھ الگ سے سوال کے لیے تیار ہو جائیں.....ایک گیت کے بول ہیں آپ تھوڑی وضاحت کریں۔

زندگی میں تو سبھی پیار کیا کرتے ہیں
میں تو مر کر بھی میری جان تجھے چاہوں گا

اس میں کس کے مرنے کا تقاضا کیا گیا ہے؟ مطلب کون مرے گا اور کون چاہے گا؟

ناہید فاطمہ حسنین ✧.....نزہت میں نے آپ کے پورے انٹرویو کو بہت انجوائے کیا۔ آپ نے ایک سے بڑھ کر ایک ادبی و معیاری سوال پوچھا۔ میں آپ کے کیے گئے انٹرویوز سب سے پہلے پڑھتی ہوں کیونکہ آپ کے سوالات میں بالغ نظری کا عنصر بہ درجہ اتم موجود ہوتا ہے۔ (بہت بہت شکریہ ناہید) میں نے آپ کے اس سوال کو بھی خوب انجوائے کیا۔ ایسا چونکا دینے والا سوال جس کا جواب دیتے ہوئے بندہ خود چونکنے اور سوچنے پر مجبور ہو جائے۔ آپ ہی کر سکتی ہیں، میں اس کا جواب تھوڑی وضاحت سے دوں گی۔ دیکھیں شاعری جو ہے وہ مبالغہ آرائی ہے۔ اس میں وہ بات کہی جاتی ہے جو ممکن نہ ہو اور یہی چیز شعریت ہے۔ جیسے میرے مجموعے کا نام ''پوروں پر آسمان'' ہے۔ بھلا کوئی شخص انگلی کی پوروں پر آسمان ٹھہرا سکتا ہے؟ نہیں ناں بس تو یہی شاعری ہے۔ اس گیت میں شاعر اپنے مرنے کا تقاضا کر رہا ہے کہ میں مر بھی گیا تو تمہیں چاہتا رہوں گا کیونکہ زندگی میں تو سب ہی پیار کرتے ہیں میں پیار کر رہا ہوں تو کوئی احسان نہیں کر رہا۔ ممکن ہے آپ کہیں ''نہیں ناہید'' وہ لڑکی کے مرنے کو کہہ رہا ہے کہ تمہارے مرنے کے بعد بھی میں تم کو چاہوں گا۔'' بات یوں بھی درست ہو سکتی ہے مگر ہے نہیں۔ وہ اس طرح کہ محبوب اپنی محبوبہ کے مرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ اب آپ کہیں گی کہ مرنے کے بعد اختیار کب رہتا ہے؟ چاہنے یا نہ چاہنے کا تو سوال ہی کیا.....تو میں کہوں گی یہی تو شاعری ہے۔

جیسے غالب نے کہا۔

کی مرے قتل کے بعد اس نے جفا سے توبہ
ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

جب کوئی قتل ہو گیا تب اسے کیا پتا کس نے توبہ کی؟ کس نے خوشی منائی؟ کیوں ٹھیک ہے ناں! (واہ بھئی! آپ کو سو میں سے سو نمبر ملے)

پاکیزہ ✧.....ارے پریشان نہ ہوں۔ آپ بھی شاعرہ ہیں ناں تو مقصود شاعر جان گئی ہوں گی؟

ناہید فاطمہ حسنین ✧.....جی بالکل۔

پاکیزہ ✧.....جو بات ایک غزل میں بیان ہو سکتی ہو وہ پورے افسانے میں کیسے بیان کر دیتی ہیں؟

ناہید فاطمہ حسنین ✧.....نہیں! سوال کو الٹا کر دیں۔ جو بات پورے افسانے میں کہہ دی وہ غزل یا شعر میں کس طرح بیان کر دی۔ کیونکہ افسانے کا کینوس بہ نسبت غزل کے وسیع ہے۔ بات یہ ہے کہ غزل کے سات یا نو اشعار میں ہر شعر کا موضوع الگ ہوتا ہے۔ غزل تسلسل سے نہیں ہوتی۔ نظم تسلسل سے ہوتی ہے۔ غزل کے ہر ایک شعر میں ایک پوری کہانی ہوتی ہے۔ الحمدللہ میں نے کئی بار ایسا کیا کہ غزل کے شعر پر پوری کہانی لکھ ڈالی۔ اس سب میں مجھ پر اللہ کی بیلنسنگ رہی۔ میرا ذاتی کچھ کمال نہیں۔

پاکیزہ ✧.....بعض اوقات تو ایک مصرعہ ہی عنوان ناول بن جاتا ہوگا.....کیوں ٹھیک کہہ رہی ہوں ناں؟

ناہید فاطمہ حسنین ✧.....جی بالکل آپ نے ٹھیک کہا۔ جو رائٹرز بہنیں شعر و شاعری سے شغف رکھتی ہیں ان کے ہاں ایسا دیکھا گیا ہے۔

پاکیزہ ✧.....اشعار کی تو آمد ہوتی ہے اور نثر کی.....؟

ناہید فاطمہ حسنین ✧.....نثر میں بھی آمد کا سلسلہ ہوتا ہے۔ لکھنے والا کہانی آمد ہی کے زیر اثر لکھتا ہے۔ البتہ کہانی میں کچھ چیزوں، واقعات یا منظر کو بڑھا لینا یا گھٹا دینا اپنی صوابدید پر ہوتا ہے لیکن ہر تخلیق آمد ہی کے زیر اثر وجود پاتی ہے۔



ناہید فاطمہ حسنین اپنے شوہر جمال عبدالناصر کے ہمراہ

پاکیزہ ✧......ایسا بھی کبھی ہوا کہ غزل لکھنے بیٹھی ہوں اور عین وقت پر افسانہ تحریر کر دیا ہو؟

ناہید فاطمہ حسنین ✧......کبھی کبھی ایسا ہوا کہ میں غزل کہہ رہی تھی ابھی غزل چند اشعار تک پہنچی کہ افسانے کا پلاٹ ذہن میں آ گیا لیکن غزل روک کر افسانہ نہیں لکھا کیونکہ اگر غزل روک کر افسانہ لکھنے بیٹھ جاتی تو غزل تو پھر مکمل ہی نہ ہوتی وہ وہیں تک محدود رہ جاتی۔

پاکیزہ ✧......آپ کے نزدیک مرد اچھے تحریر نگار ہوتے ہیں یا خواتین؟

ناہید فاطمہ حسنین ✧......اگر ہم ڈائجسٹ کی بات کریں تو ڈائجسٹ میں خواتین چھائی ہوئی ہیں۔ ایک وجہ یہ بھی ہے کہ بہت سے ڈائجسٹ میں مرد حضرات کے لکھنے پر پابندی ہے۔ کچھ ایسے ڈائجسٹ جہاں مرد بھی لکھ رہے ہیں وہاں جب میں مردوں کی تحریر پڑھتی ہوں تو وہ ذرا اپیل نہیں کرتی شاید اس لیے کہ خواتین ڈائجسٹوں کا ایک الگ موڈ ہے جو خواتین کے مزاج کے زیادہ قریب ہے۔

پاکیزہ ✧......اچھا مشاعروں میں جانا اور واہ، واہ سننا کیسا لگتا ہے؟ کہیں مغرور تو نہیں ہو جاتیں؟

ناہید فاطمہ حسنین ✧......مشاعروں میں بہت کم جانا ہوتا ہے کیونکہ (خدا معلوم کیوں؟) میرے Husband کو زیادہ پسند نہیں۔ حالانکہ وہ میری شاعری اور فکشن دونوں کے مدّاح ہیں۔ مشاعروں میں جب اچھے شعر پر داد ملتی ہے تو اچھا لگتا ہے لیکن مشاعروں کا ایک موڈ ہے۔ مشاعروں میں مرد شعراء خواتین کو کم ہی داد دیتے ہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ ہم عالمی تناظر میں شعر کہہ رہے ہیں جبکہ خواتین محدود دائرے میں پھر دوسری بات وہ سمجھتے ہیں کہ خواتین اعلیٰ پایہ کی شاعرہ نہیں ہو سکتیں انہیں بحر، وزن، عروض کا زیادہ علم نہیں ہوتا۔ اکثر تو یہاں تک سمجھتے ہیں کہ خواتین کسی نہ کسی شاعر سے لکھوا رہی ہیں اور تیسری چیز یہ کہ شاعر حضرات کی انا مجروح ہوتی ہے کہ وہ خواتین کو کھل کر داد دیں۔ نہیں جی، مغرور کیا ہونا، ہر چیز فنا ہونے والی ہے۔ کل کو ہم سے اچھا لکھنے والے آ جائیں گے۔ ہمیں کون پوچھے گا۔ تو مغرور کیا ہونا۔

پاکیزہ ✧......کیا مشاعروں میں بیرونِ ملک جانے کا بھی اتفاق ہوا؟

ناہید فاطمہ حسنین ✧......نہیں، اتنی اجازت ہی نہیں کہ بیرونِ ملک جاؤں، حالانکہ میں چاہتی ہوں کہ جب مجھ میں ایک ہنر ہے تو مجھے اجازت بھی ملنی چاہیے ورنہ ہر کوئی شعر تو نہیں کہہ لیتا۔ (چلیں ہم دعا کریں گے)

پاکیزہ ✧......آپ کے حلقۂ احباب میں سے کن چیزوں کی فرمائش مکرر ہوتی ہے۔ مطلب افسانہ یا شاعری۔ آپ کے نزدیکی لوگ کیا پڑھنا، سننا پسند کرتے ہیں؟

ناہید فاطمہ حسنین ✧......شاعری کے حوالے سے میرا الگ حلقہ ہے اور افسانے کی دنیا کے آپ سب لوگ میرے احباب ہیں۔ میں نے اس بات کو نوٹس ہی نہیں کیا۔

پاکیزہ ✧......ظاہر ہے اپنے اردگرد سے پذیرائی ملے تبھی حوصلہ بڑھتا ہے۔ کیونکہ عام تاثر ہے کہ شاعر

سے لوگ دور بھاگتے ہیں کہ کچھ سننا پڑے گا ایسی صورتِ حال تو نہیں ہوتی؟

ناہید فاطمہ حسنین ✤...... دیکھیں جو شاعر ایک کی فرمائش پر چار غزلیں سنانے بیٹھ جائے تو ان سے تو لوگ دور ہی بھاگیں گے اور شاعروں میں یہ عیب موجود ہے، ایک کہو تو دس سنانے بیٹھ جاتے ہیں۔ جب یہ بات میرے لیے تکلیف دہ ہے کہ پے در پے کئی غزلیں سننے کو مل جائیں نہ چاہتے ہوئے تو بھلا میں خود ایسا کر کے دوسروں کو کیوں اذیت دوں گی؟ (بھئی کافی سمجھدار ہیں آپ!)

پاکیزہ ✧...... اپنی ان ادبی مصروفیات میں گھر والوں اور گھر داری کو کتنا وقت دیتی ہیں۔ مطلب روٹین متاثر تو نہیں ہوتی؟

ناہید فاطمہ حسنین ✤...... کوشش کرتی ہوں روٹین متاثر نہ ہو۔ جب کہ ہو بھی جاتی ہے لیکن کوشش کر کے ایڈجسٹ کر لیتی ہوں۔ میرے بچے میرے ساتھ بہت زیادہ کوآپریٹ کرتے ہیں۔ وہ فخر کرتے ہیں کہ ان کی ماں Poet اور Writer ہے۔

پاکیزہ ✧...... ہاں گھر والے معاون ہوں تو پھر سفر کٹتا نہیں بلکہ نکھار آتا جاتا ہے آپ کا کیا خیال ہے؟

ناہید فاطمہ حسنین ✤...... بے شک جب گھر والوں کا تعاون حاصل ہو تو تحریر میں نکھار آتا چلا جاتا ہے۔ مجھے اپنے حلقۂ احباب سے بھی پذیرائی ملتی ہے۔ میں اللہ کی بے حد شکر گزار ہوں۔ یہ سب عزتیں اسی کی دی ہوئی ہیں۔ (بے شک)

پاکیزہ ✧...... ان سب مصروفیات سے وقت بچتا ہے تو پھر آپ کے کیا مشاغل ہوتے ہیں؟

ناہید فاطمہ حسنین ✤...... لکھنا پڑھنا میرا اوڑھنا بچھونا ہے۔ یہ مجھے سانس لینے جیسا ناگزیر ہے۔ یہی مصروفیت ہے یہی مشغلہ ہے۔

پاکیزہ ✧...... اپنے لباس کا انتخاب خود کرتی ہیں یا مشورہ لیتی ہیں؟ مطلب کسی بھی موقع کی مناسبت سے۔

ناہید فاطمہ حسنین ✤...... جب شادی نہیں ہوئی تھی تب لباس والدہ کی مرضی کا پہنتی تھی۔ وہ بہت کہتیں خود پسند کرلو مگر ان کا انتخاب اتنا لاجواب ہوتا کہ ہماری ذاتی پسند کوئی حیثیت ہی نہیں رکھتی تھی۔ پھر جب شادی ہوگئی تو خالص اپنی پسند سے لباس خریدا۔ نہ صرف لباس بلکہ اپنے ہر معاملے میں، میں اپنی رائے کو مقدم رکھتی ہوں ہاں البتہ کھانے میں گھر والوں کی مرضی شامل ہوتی ہے۔ آج میری بیٹیاں میری مرضی کا لباس زیب تن کرتی ہیں۔ میں اپنی ماں کی طرح ان سے کہتی ہوں کہ وہ اپنی پسند سے خریداری کریں لیکن وہ میری لائی چیزیں بہت شوق سے پہنتی ہیں۔

پاکیزہ ✧...... آپ بولنے میں بہت دھیمے انداز کی ہیں گویا بات کرنے میں بھی شاعرانہ لہجہ ہے۔ یہ صرف ہمارا مشاہدہ ہے یا ایسے تبصرے سننے کو ملتے ہیں؟

ناہید فاطمہ حسنین ✤...... آپ کا حسنِ ظن ہے۔ بہت شکریہ۔ بہت نوازش۔ جی مجھے اکثر ایسے کمنٹس سننے کو ملتے ہیں۔

پاکیزہ ✧...... اپنے چھوٹوں سے عموماً کیسا رویہ رکھتی ہیں؟

ناہید فاطمہ حسنین ✤...... چھوٹوں سے تو ہر کوئی شفقت سے پیش آتا ہے۔ میں بھی یہاں یہ واضح کردوں کہ میں جانتی ہوں یہ دور چھوٹوں کو نصیحتیں کرنے کا دور نہیں ہے۔ وہ ہماری نصیحت نہیں سنیں گے۔ الٹا ہمیں اپنی Good Book سے نکال دیں گے۔ میں ان میں گھل مل کر ایک بات کہہ دیتی ہوں سمجھ جائیں تو بہتر ہے۔ ورنہ خاموشی۔ آج کل Net کے، موبائل کے آجانے سے ہر بچہ خود کو عالم فاضل سمجھنے لگا ہے۔ کوئی کسی کی نصیحت پر دھیان نہیں دیتا۔

پاکیزہ ✧...... کیا ہر سن و سال کے لوگوں میں گھل مل جاتی ہیں؟

ناہید فاطمہ حسنین ✤...... نہیں۔ بس صرف ان سے جن سے دل اور دماغ مل جائیں۔ ایک دو لمحے کی گفتگو سے مجھے سامنے والے کا اندازہ ہو جاتا ہے اگر



ناہید فاطمہ حسنین اپنے بہن بھائیوں کے ساتھ

مجھے محسوس ہو کہ ان سے ذہنی مطابقت ہو سکتی ہے پھر ان سے میری دوستی پکی ہو جاتی ہے۔ ورنہ گھنٹوں کوئی انتہائی قریب بیٹھا رہے نہ میں بات کروں گی نہ ان کی طرف رخ کروں گی۔ اس سے مجھے مغرور نہ سمجھا جائے بلکہ میں اپنی ذہنی مطابقت والوں سے گھلنا ملنا زیادہ پسند کرتی ہوں۔ پر کام سب کے آنا پسند کرتی ہوں۔

پاکیزہ ✧......اپنے قارئین کرام کی آرا کو کس حد تک اہمیت دیتی ہیں؟

ناہید فاطمہ حسنین ✧......کسی بھی لکھاری کے لیے صحت مند تنقید ٹانک کا کام کرتی ہے۔ اگر پڑھنے والے موجود نہ ہوں تو ہم کس کے لیے لکھیں؟ اور اگر وہ ہمارے لکھے پر اپنی رائے دیں تو ہمیں حوصلہ ملتا ہے۔ کوئی پوچھے کہ کہانی میں ایسا کیوں کر دیا ہمیں سمجھ میں نہیں آیا تو میں اپنا نقطۂ نظر سمجھانے میں خوشی محسوس کروں گی اور اپنی تبصرہ نگار کو قدر کی نگاہ سے دیکھوں گی کہ اس نے کس توجہ سے میری کہانی پڑھی۔

پاکیزہ ✧......پاکیزہ سے ناتا جوڑنے کی داستان؟ ذرا کچھ یادیں شیئر کریں؟

ناہید فاطمہ حسنین ✧......شاید سن 2000ء تھا۔ مجھے صحیح طرح سے یاد نہیں آ رہا۔ میری کہانی تھی۔ ''اجنبی بن جائیں ہم دونوں'' کہانی پوسٹ کر دی۔ طبیعت میں میری بے چینی و جلد بازی بہت ہے (ہاہاہا) اگلے ماہ انجم آنٹی کو فون کیا اپنا تعارف کرایا۔ پوچھنے والی تھی کہ کہانی کا کیا ہوا چھپے گی بھی یا نہیں؟ تعارف کے ساتھ ہی آنٹی انجم کا کھنکھناتا لہجہ سنائی دیا۔ ''ارے بھئی تمہاری کہانی چھپ گئی اس ماہ۔ رسالہ نہیں ملا تمہیں؟'' خوشی میں میری تو آواز نہ نکلے کہ ابھی دی ابھی چھپ گئی۔ انجم آنٹی زیادہ pause دینا پسند نہیں کرتیں جب میرے جواب میں تاخیر ہوئی تو بولیں۔ ''فٹافٹ رمضان صاحب سے پتا کرو، نہیں تم اپنا پتا دوبارہ بھیجو۔'' مجھے اس لمحے خوشی کے ساتھ ساتھ حیرت یہ تھی کہ انجم آنٹی نے میرا نام یاد رکھا بلکہ میرے افسانے پر چند ایک lines بھی کہیں (ماشاء اللہ ان کی یادداشت کافی اچھی ہے)۔ وہ کہانی london return لڑکی کی کہانی تھی۔ وہ اپنی ماں کو ''موم'' کہتی تھی۔ ایک تبصرہ نگار بہن کا تبصرہ آیا۔ ''موم'' پڑھ کر مجھے ''موم بتی'' یاد آتی رہی۔ حالانکہ

mom تو اب یہاں کے بچے کہتے ہی ہیں۔ پھر شاید میرا دوسرا افسانہ دو ماہ کے بعد شائع ہوا تب عذرا رسول سے تعارف ہوا۔ عذرا میں ایسی مقناطیسی کشش ہے کہ جو نہ صرف رائٹرز بلکہ تبصرہ نگار بہنوں کو بھی اپنے قریب کھینچ لیتی ہیں۔ ''دلکش'' آیا تو نزہت آپ سے تعارف ہوا انتہائی نستعلیق خاتون۔ خود آپ بہت دھیمے لہجے کی ہیں۔ مجھے تو لگتا ہے کہ آپ مسکراتی بھی بہت سوچ سمجھ کے ہیں۔ ہاہاہاہا۔ (ارے بہت شکریہ!)

پاکیزہ ✧..... اب تک کے لکھنے سے کتنی مطمئن ہیں۔ مزید کیا لکھنا یا کرنا چاہتی ہیں؟

ناہید فاطمہ حسنین ✧..... کم از کم اتنی مطمئن تو ضرور ہوں کہ اب تک کے لکھے پر شرمندہ نہیں ہوں۔ ہاں بہتری کی خواہاں ہوں۔ اب تک جتنا لکھا اس سے کہیں زیادہ اچھا لکھنا چاہتی ہوں۔ کچھ ایسا کہ میں ''امر'' ہو جاؤں۔ اس بات کا دکھ ہے کہ اب تک کوئی لازوال کہانی۔ کوئی لازوال کردار۔ کیوں نہیں تخلیق کر پائی۔ (وہ بھی ہو جائے گا انشاء اللہ)

پاکیزہ ✧..... اپنی ہم عصر رائٹرز کی تحریریں پڑھتی ہیں تو کبھی انہیں اپنی ماہرانہ رائے سے بھی نوازا؟

ناہید فاطمہ حسنین ✧..... جی پڑھتی ہوں۔ خود ان سے سبق سیکھنے کے لیے۔ اپنی تحریر میں مزید نکھار لانے کے لیے۔ یہاں پھر وہی بات آجاتی ہے کہ جب میں یہ پسند نہیں کرتی کہ کوئی میری تحریر پر اپنی ایسی رائے دے جو مجھے ناگوار ہو تو مجھے کیا معلوم میری رائے میری ہم عصر پر کیا کیفیت مرتب کرے؟ ہاں جونیئرز کی تحریر پر کھل کر رائے دیتی ہوں مقصد ان کی بہتری ہوتا ہے۔

پاکیزہ ✧..... تنقید پر کیا ردِ عمل ظاہر کرتی ہیں؟

ناہید فاطمہ حسنین ✧..... کی گئی تنقید کو ایک پلڑے میں رکھ کر دوسرے میں اپنی تحریر کی وہ خامی تلاش کرتی ہوں جو تنقید نگار نے کی۔ اگر اس کی تنقید میں وزن ہوتا ہے تو میں اپنی تحریر کی غلطی کی طرف ضرور رجوع کرتی ہوں اگر اس نے محض تنقید برائے تنقید کی ہے تو پھر اسے اسی حساب سے جواب دیتی ہوں۔

پاکیزہ ✧..... پاکیزہ کے لیے مزید کیا بہتری کی خواہش ہے کوئی رائے..... مشورہ..... تنقید؟

ناہید فاطمہ حسنین ✧..... یہ ایک بہت صحت مند سوال ہے۔ الحمدللہ پاکیزہ اپنے ارتقا سے اپنی جوانی تک نکھرا سنورا نظر آتا ہے۔ ٹائٹل سے لے کر پروف ریڈنگ، تحریر، معیاری کہانیاں وغیرہ میں ہمیں کم ہی جھول نظر آتا ہے۔ کبھی کبھی دو صفحات کی کہانی شائع کردی جاتی ہے سمجھ میں نہیں آتا یہ کہانی ہے افسانہ ہے؟ تحریر ہے؟ کیا ہے؟ اس طرف ضرور توجہ دیں دوسری بات یہ کہ ماشاء اللہ پاکیزہ ایک قد آور ڈائجسٹ ہے۔ اس میں آپ لوگ تحریر اور موضوع کے اعتبار سے بالکل کمپرومائز نہ کریں اس کے تمام سلسلے مجھے پسند ہیں اور ان سلسلوں میں چینج آتا رہتا ہے جو صحت مندی کی علامت ہے۔ انجم آنٹی کا ''جلترنگ'' شائستہ کے ''سروے'' آمنہ حماد نے بھی ایک سلسلہ شروع کیا تھا نام ذہن سے نکل گیا اس قدر معیاری تھا۔ (جی میرا انتخاب انشاء اللہ جلد ہی شامل ہوگا) ادب کے معیار پر پورا اترتا تھا اور ایک آپ کا انٹرویو کا منفرد انداز جس میں رٹے پٹے سوال نہیں ہوتے۔ آپ شخصیت کو مدِنظر رکھ کر سوال مرتب کرتی ہیں۔ یہ تمام وہ سلسلے ہیں جن سے میں پاکیزہ کے پڑھنے کی ابتدا کرتی ہوں۔ ایک مشورہ یہ ہے کہ آپ جب کسی لکھاری کا انٹرویو کریں تو پڑھنے والی بہنوں سے اس لکھاری کی تحریر کے حوالے سے سوال ضرور پوچھیں تاکہ ہمیں پتا چلے کہ پڑھنے والا ہماری شخصیت سے کتنا واقف ہوا ہے۔

پاکیزہ ✧..... نئی نسل خصوصاً نوجوان بچیوں سے کیا کہنا چاہیں گی؟

ناہید فاطمہ حسنین ✧..... ہر چیز کو حد میں رہ کر کریں چاہے net کا استعمال ہو، چاہے دوستی ہو، دو چیزیں بے حد کریں عبادت اور حصولِ علم۔

پاکیزہ ✧..... ملکی حالات کے پیشِ نظر تحریر میں کتنا اثر آتا ہے؟

ناہید فاطمہ حسنین ✧..... بے حد، جب عام آدمی

کا دل دکھتا ہے تو ردِعمل میں آنکھ روتی ہے لیکن جب قلمکار کا دل دکھتا ہے تو اس کا قلم نوحہ لکھتا ہے۔ پشاور کا سانحہ ہوا تو میں نے لکھا۔

میں نے عزمی پشاور کا نوحہ لکھا
میرے لفظوں میں کچھ ہچکیاں رہ گئیں

اسی طرح کراچی کے حالات پر میں نے طویل نظم کہی تھی مگر اب تو یہاں اللہ کا شکر ہے۔ اسی طرح کراچی کے حالات پر پاکیزہ میں میری تحریر چھپی تھی۔ ''گجرا، بستہ اور گولی'' فون کر کے عذرا نے اس افسانے کی تعریف کی۔ انجم آنٹی نے کہا کہ ان کی اور عظمٰی کی آنکھیں آنسوؤں سے تر ہو گئیں۔ یہ افسانہ پڑھ کر تو مجھے اس سے بڑھ کر کیا اعزاز حاصل ہوگا' کہ آپ لوگ سراہیں اور اس طرح سراہیں۔

پاکیزہ✧......اچھا چلتے، چلتے اپنی پسند و ناپسند سے بھی آگاہ کر دیں دیکھیں تو شاعرانہ مزاج کی حامل شخصیت کی کیا چوائس ہے؟ پسندیدہ رنگ، موسم، خوشبو، ذائقہ، تفریحی مقام، شخصیت، کتاب، کوئی یاد رہ جانے والا جملہ......کوئی شعر؟

ناہید فاطمہ حسنین✧......مجھے ہر شارپ کلر پسند ہے۔ نیلے کا ہر شیڈ اور سفید اور کالا بہت زیادہ پسند ہے۔ سردی کی بارش، بروٹ (جو خالص مردوں کے لیے ہے) مجھے بے حد پسند ہے اور میں استعمال بھی کرتی ہوں۔ ladies perfume بہت تیز اور شوخ ہوتے ہیں مجھے نہیں پسند۔ (تعجب ہے بھئی)۔ کھانے میں میرا کوئی نخرہ نہیں۔ ہوا بھی شوق سے کھا لیتی ہوں۔ مجھے دو مقام پسند ہیں۔ (1) ہر وہ جگہ جہاں قدرت کی صناعی نظر آئے۔ (2) اور اپنا کمرا جب رات ہو، سناٹا گنگنا رہا ہوں میں اپنے قلم کاغذ کے ساتھ محوِ گفتگو ہوں۔ پسندیدہ شخصیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، قائد اعظمؒ، لیاقت علی خاں اور اپنے والدین۔ کتاب کوئی بھی۔ چاہے وہ فلسفے ہی کی کیوں نہ ہو۔ یوں تو بہت سارے جملے پسند ہیں فی الحال ذہن میں ایک جملہ اس تناظر میں آیا ہے کہ ''ہمیں لوگوں سے اپنے دکھ اور غم چھپانے چاہئیں۔ جیسے انسان کو سمندر کے سینے پر صلیب کی طرح گڑھی چٹان ہونا چاہیے۔ سمندر کی سرکش لہریں سر پٹخ، پٹخ کر اسے کتنا بھی زخمی کر دیں۔ چٹان دور سے نمایاں نظر آتی رہتی ہے یہ اور بات کہ وہ دھیرے، دھیرے کرچ، کرچ ٹوٹتی رہتی ہے اور اردگرد کسی کو پتا بھی نہیں چلتا اور پھر ایک روز اچانک غائب ہو کر سمندر کا رزق بن جاتی ہے۔'' اب میرے ذہن میں نہیں کہ یہ میرے کس افسانے کی لائنز ہیں۔

پاکیزہ✧......یہاں اپنے کلام سے بھی ضرور نوازیے۔

ناہید فاطمہ حسنین✧......

جس سے بھی کہیں ملنا مسکرا کے مل لینا
دوست اور دشمن کی گنتیاں نہیں رکھنا
جس کے سرد لہجے میں سلوٹیں نمایاں ہوں
دیکھو ایسے قدموں میں پگڑیاں نہیں رکھنا

☆

بڑا کٹھن رہا سفر ہزیمتوں کے درمیاں
جدائی پھر بھی آ گئی رفاقتوں کے درمیاں
بچھڑ کے میرے لفظ بھی لپٹ کے خود سے رو پڑے
مجھے تھا حکم چپ رہوں صداقتوں کے درمیاں
ذرا ٹھہر کہ سانس کی لڑی کو جوڑتی ہوں میں
کہ ان کہی سناؤں گی، وضاحتوں کے درمیاں
میں تھک گئی تو جاگ اٹھا تھکن سے چور دن مرا
نڈھال ہو رہی تھی رات، وحشتوں کے درمیاں
جسے انا عزیز تھی بچھڑ کے ہر خوشی سے وہ
اکیلی دار جا چڑھی روایتوں کے درمیاں
میں تیرگی کی سمت آ گئی تو پھر کہیں پتا چلا
کرن میں تاب و تب بہت ہے ظلمتوں کے درمیاں

پاکیزہ✧......مایوس ہونا اگرچہ کفر ہے مگر کب ایسی صورتِ حال آئی کہ انتہائی مایوسی نے آن گھیرا......پھر ایسی صورتِ حال سے نبرد آزما، کس طرح ہوئیں؟

ناہید فاطمہ حسنین✧......زندگی خوشیوں سے زیادہ حادثات و سانحات سے عبارت ہے۔ میں بھی انسان

ہوں۔ مجھ پر بھی آزمائش، آلام، مصائب آئے ہیں لیکن مایوس ان معنوں میں کہ خودکشی کی طرف سوچوں یا دنیا سے بیزار ہو گئی ہوں تو ایسا کبھی نہیں ہوا۔ دیکھیں...... یہ جو مصائب و آلام کا دور ہے ناں یہ قدرت کی طرف سے آتا ہے اور قدرت ہی ہمیں اس سے نکال لیتی ہے۔ وہی نکلنے کا راستہ دکھا دیتی ہے۔ اس میں شعوری طور پر ہم کم ہی انوالو ہوتے ہیں۔ ہاں ایک بات ضرور ہے کہ اس عمر میں آکر جب مجھ پر مصائب آئے تو مجھے محمود غزنوی کی انگوٹھی والا واقعہ یاد آجاتا ہے اور میں بھی جب بہت مشکل میں ہوتی ہوں نکلنے کا راستہ سمجھ میں نہیں آرہا ہوتا۔ عقل سلب ہو رہی ہوتی ہے تب میں بھی دو الفاظ بار بار دہراتی ہوں۔ (1) یہ وقت بھی گزر جائے گا۔ (2) اے رب آسانی دے اور مشکل میں نہ ڈال۔

پاکیزہ ✧...... ہمارے قارئین کے لیے کوئی محبت بھرے جملے کوئی پیار بھری گزارش؟

ناہید فاطمہ حسنین ✣...... میں اپنے چھوٹوں سے کہتی ہوں ہر لمحہ، ہر کسی کی مدد کریں۔ کم از کم دن میں دو بار تو ضرور کریں خواہ پرندوں جانوروں ہی کی کیوں نہ ہو۔ ویسے تو ہمارے اردگرد انسان بکھرے پڑے ہیں۔ دوسری بات یہ کہ بچے اپنی ہر اچھی بری بات اپنی والدہ کو ضرور بتائیں۔ ان سے کچھ بھی نہ چھپائیں۔ اور جناب اپنے قارئین کے لیے تو میرے پاس بہت دعائیں ہیں اللہ سب کی تکلیفیں دور کرنے ان کے مقاصد میں انہیں کامیاب کرے۔ میرے قاری میرا سرمایہ ہیں وہ ہمیں پڑھتے ہیں آج کے مصروف دور میں ہمارے لکھے پر اپنی رائے دیتے ہیں۔ وہ لائق صد احترام ہیں میرے لیے۔ پچھلے دنوں ایک رائٹرز ایوارڈ میں اسلام آباد گئی تھی وہاں فریدہ جاوید فری سے ملاقات ہوئی وہ میرے افسانوں کی مداح ہیں میں شکل صورت سے ناآشنا تھی۔ وہ آکر لپٹ گئیں بہت محبت و عقیدت سے تصاویر بنوائیں۔ بولیں میں آپ کا افسانہ سب سے پہلے پڑھتی ہوں میں آپ کی بہت بڑی فین ہوں مجھے ان سے ملنا بہت اچھا لگا۔

پاکیزہ ✧...... نو آموز لکھاریوں کے لیے کوئی گُر کی بات؟

ناہید فاطمہ حسنین ✣...... میں بتا چکی ہوں کہ مطالعہ وسیع کریں۔ سینئرز کو زیادہ سے زیادہ پڑھیں، سنیں۔ ایک بات سب کے لیے کہ کتابیں خرید کے پڑھیں۔ نہ خرید سکیں تو عاریتاً لے کر پڑھیں۔

پاکیزہ ✧...... ہماری اس نشست پر بھی اپنی قیمتی رائے کا اظہار ضرور کریں۔

ناہید فاطمہ حسنین ✣...... میں نے اس نشست کو بے پناہ انجوائے کیا اور اس کا کریڈٹ میں نزہت آپ کو دیتی ہوں۔ آپ کے سوالات کی نوعیت بہت اعلیٰ پائے کی ہے۔ آپ نے شخصیت کو مدِنظر رکھ کر سوالات مرتب کیے، یہ زیادہ جانفشانی کا کام ہے ورنہ عام سے سوالات تو آج کل نوعمر بھی پوچھ لیتے ہیں۔ میرے حساب سے وہی سوالات پوچھنے چاہئیں جن سے ایک قاری مستفید ہو سکے۔ آخر میں ایک وضاحت کرنا چاہوں گی کہ جو بہنیں میری شاعری کا مجموعہ خریدنا چاہیں گی میں ان کو اپنے دستخط کے ساتھ رعایتی قیمت پر کتاب پیش کروں گی۔ آخر میں...... میں آپ کا شکریہ ادا کروں گی۔ بے حد نوازش جو آپ نے مجھے پاکیزہ کی بزم میں آنے کے شرف سے نوازا۔

☆☆☆

ناہید آپ کا ایک مرتبہ پھر شکریہ ادا کرتے ہوئے اب اپنے قارئین سے اجازت چاہیں گے۔ اس بزم کے بارے میں آپ بہنوں کی رائے کا انتظار رہے گا۔ بس ایک چھوٹی سی بات یاد رکھیں کہ خود خوش رہیں دوسروں کو خوش رکھیں اور سب کو خوش دیکھنے کا حوصلہ بھی پیدا کریں۔ اللہ ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔

جنوں کے راستے یوں تو کٹھن سے لگتے ہیں
مگر یہ راستے منزل تلک نکلتے ہیں
زمانہ ہر قدم پہ راہ روکنے والا
عزائم پختہ ہوں جن کے وہ کب بھٹکتے ہیں



عید کا لطف اپنوں کے ساتھ

شائستہ زریں

روشن روشن دن ہو سارا، روشن تر ہو رات
ہر جانب سے عید کے دن ہو خوشیوں کی برسات

اور اس روشن دن اور روشن تر رات کا اہتمام عید کی تیاری کی صورت رمضان میں بلکہ بعض لوگ تو رمضان سے پہلے ہی کر لیتے ہیں اور یہ تیاری بھی ہر فرد اپنی ضرورت، شوق اور اُفتادِ طبع کے مطابق کرتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ عید تو بچوں کی ہوتی ہے۔ یہ بھی بجا کہ روزوں کا انعام تو بچوں، بڑوں سب کو ملتا ہے ہاں یہ خوشی بچوں کے حصے میں وافر مقدار میں آتی ہے کہ اُن پر کوئی ذمے داری نہیں ہوتی۔ لیکن بڑے بہت ذمے داری سے اُن کی عید کی تیاریاں کرتے ہیں اور اگر یہ تیاری بچیوں کی ہو تو اس میں کئی رنگ دکھائی دیتے ہیں کہ سجنے سنورنے کا نسوانی حق بچیاں اوائل عمر ہی سے اپنی پسند کے مطابق استعمال کرتی ہیں تو اُن کی عید کی تیاری میں جوش و خروش نظر آتا ہے اور یہ جوش اس وقت بہت بڑھ جاتا ہے جب بات گھر کی سجاوٹ کی ہو کہ عید کے موقع پر گھر کی سجاوٹ بھی بہت بھلی لگتی ہے۔ یہ قطعاً ضروری نہیں کہ اس سجاوٹ کے لیے اسراف بے جا کیا جائے، سمجھداری اور سلیقے سے بھی یہ ہنر آزمایا جا سکتا ہے۔ عید بالخصوص عید الفطر کا تصور شیر خرما کے بنا نامکمل ہے۔ اس میٹھی عید کی یہ میٹھی، میٹھی سوغات بچوں و بڑوں سب کو یکساں مرغوب ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ عید کے دیگر روایتی پکوان بھی ہر گھرانے کی روایات کے مطابق ہی عید دستر خوان کی رونق اور زینت بنتے ہیں۔ حسب روایت اپنے قارئین کے ساتھ عید کی خوشیاں بانٹنے کے لیے پاکیزہ نے عید نمبر میں عید کی مناسبت سے سروے رپورٹ کا اہتمام کیا اور شرکا سے دریافت کیا کہ

سوال ۱: اپنی اور اپنے سے وابستہ لوگوں کی آپ عید کی کیا تیاریاں کرتی ہیں؟

سوال ۲: عید پر گھر کی سجاوٹ اور مہمانوں کی تواضع کے لیے آپ کا خاص اہتمام کیا ہوتا ہے؟

سیما مناف

مصنفہ، ڈراما نویس

۱: گھر کی صفائی سے لے کر مختلف پکوان کی تیاری کام والی بچیوں کے ساتھ مل کر کرتی ہوں۔ مجھے اپنا ہر کام وقت سے پہلے کر کے رکھنے کی عادت ہے۔ اس عادت سے مجبور ہو کر ایسا کرنے سے سارے کام وقت



سیما مناف

سے پہلے ہو جاتے ہیں۔ عید کے کپڑوں کے لیے مجھے کبھی روزوں میں بھاگنا نہیں پڑتا کیونکہ وہ بھی رمضان سے پہلے ہی تیار ہو جاتے ہیں۔

۲: مہمان گھر میں آئیں تو میز سجی ہوئی ہوتی ہے۔ جن میں کباب، شیر خرما، چھولے، دہی بڑے، کھیر اور بازار کی کچھ چیزیں شامل ہوتی ہیں۔

منزہ ارشاد، معلمہ
بیکن ہاؤس اسکول کراچی

۱: جب بچے چھوٹے تھے تو سب سے زیادہ فکر ان کی تیاری کی ہوتی تھی اور یہ سلسلہ چاند رات تک جاری



منزہ ارشاد

رہتا تھا۔ اب بچے اپنی مرضی سے عید کی تیاریاں کرتے ہیں۔ اپنے حلیے میں موسم کی مناسبت سے شلوار قمیص بناتی ہوں اور اپنے صاحب جی کے لیے بھی زیادہ تر شلوار قمیص بناتی ہوں۔ چونکہ رمضان میں ہر چیز مہنگی ہو جاتی ہے۔ اس لیے کوشش ہوتی ہے کہ رمضان سے پہلے ہی کپڑوں کی تیاری ہو جائے۔

۲: گھر کی تزئین نو اور مزیدار کھانے عید کا خاص اہتمام ہوتا ہے۔ خاص طور پر رمضان کے آخری پانچ دن عبادت کے ساتھ، ساتھ ان خوشگوار مصروفیات میں گزرتے ہیں۔ عید کے دن شیر خرما، پلاؤ اور تلی ہوئی

چاپیں بناتی ہوں اس کے ساتھ، ساتھ عید کے رواجی پکوان بھی ہوتے ہیں۔

صدف آصف،
افسانہ نگار، کالم نگار

۱: ویسے تو ہم عید کی شاپنگ رمضان سے قبل ہی کر لیتے ہیں، لباس کا انتخاب پھر درزیوں کے چکر سے



صدف آصف

لے کر میچنگ اشیا کی خریداری تک کا کام مکمل کر لیا جاتا ہے تا کہ روزوں میں بازاروں کے چکر نہ لگانے پڑیں۔ آخر میں صرف شوز لیتے ہیں اور چوڑیوں کی خریداری رہ جاتی ہے جو عید سے دو تین دن قبل کی جاتی ہے۔ عید کے دن صبح پہلے میاں جی اور پھر بچی کی تیاری کروائی جاتی ہے، اس کے بعد ہم بھی کپڑے بدل کر تیار ہو جاتے ہیں کیونکہ ہم جوائنٹ فیملی میں رہتے ہیں اور پہلے دن ہماری سسرال میں سارے قریبی رشتے دار جمع ہوتے ہیں تو ان کے پہنچنے سے قبل ہم لوگوں کو بھی ریڈی ہونا پڑتا ہے۔

۲: گھر کی صفائی کا کام پندرہ دن پہلے سے شروع ہو جاتا ہے، پردوں کی دھلائی ایک ہفتہ قبل کی جاتی ہے اور چاند رات کو صوفے کے کشن بدل دیے جاتے ہیں، عید کی صبح نئی چادریں بیڈ پر بچھاتے ہیں اور

ڈائننگ ٹیبل پر ریفریشمنٹ سجایا جاتا ہے۔عید کے پہلے دن ہماری سسرال میں لنچ پر تقریباً پچاس لوگ موجود ہوتے ہیں تو چکن قورمہ اور یخنی پلاؤ تو لازمی ہوتا ہے ساتھ میں دوسرے لوازمات بھی رکھے جاتے ہیں جیسے نمکو، چھولے، دہی بڑے، کیک، کباب اور ہماری سسرال کا خاص میٹھا، توا می سوئیاں، جس کے بنانے میں کافی وقت لگ جاتا ہے، اس لیے وہ چاندرات کو ہی تیار کرلیا جاتا ہے، ان سوئیوں کی خاص بات یہ ہے کہ ایک پاؤ سوئیوں میں دو کلو چینی ڈالی جاتی ہے اور اسی حساب سے کافی سارا میوہ بھی ڈلتا ہے۔

سہیلہ خرم

لیکچرار سرسید یونیورسٹی

۱: بیٹیوں کی عید کی خاص تیاری کرتی ہوں لیکن ان کو جنک ٹک والے کپڑے پسند نہیں ہیں اس لیے وہ عمدہ اسٹائل کے سادہ کپڑے بناتی ہیں۔ جوتے بھی ضرور لیتی ہوں میچنگ کے مل جائیں تو کیا بات ہے



سہیلہ خرم

ورنہ خوش نما ہوں یہ بھی بہت ہے۔خرم بھی عوامی سوٹ خریدتے ہیں، میں اور امی (ساس) بھی لان کے مخصوص برانڈ کے کپڑے بناتے ہیں۔

۲: گھر کی سجاوٹ کے لیے نئے شو پیس اور لائٹس لیتی ہوں۔ پردے اور فرنیچر اگر بدلنے ہوں تو عید کے قریب ہی بدلتی ہوں۔مہمانوں کی تواضع کے لیے، سیخ کباب، چکن بروسٹ، بریانی، شیر خرما، مٹھائی اور امی کے ہاتھ کے دہی بڑے۔

شگفتہ عظمت زیدی

گھریلو خاتون

۱: عید چونکہ روزوں کا انعام ہے اس لیے اس انعام کا شکر ادا کرنے کے لیے ہم زور شور سے عید کی تیاریاں کرتے ہیں۔ بچوں کا اہتمام زیادہ ہوتا ہے



شگفتہ عظمت زیدی

بچوں کے کپڑے اُن کی مرضی سے بناتی ہوں۔ بیٹیاں حجاب لیتی ہیں تو میچنگ کا حجاب اور اس کے ساتھ، ساتھ جیولری اور شوز کی میچنگ بھی کرتی ہوں۔ اپنے بچوں کے ساتھ، ساتھ میں اُن کو بھی یاد رکھتی ہوں جو سال بھر کام کاج میں میرا ہاتھ بٹاتے ہیں سو میں اُن کی بھی عید کی مکمل تیاری کرتی ہوں اور جب عید سے قبل یہ تمام چیزیں انہیں دیتی ہوں تب اُن کے چہرے پر پھیلی خوشی واقعی ناقابلِ بیان ہوتی ہے۔ اپنا ایک سوٹ موسم کی مناسبت سے بناتی ہوں۔

۲: عید کے دن سارا گھر صاف ستھرا نکھرا ہوا نظر آئے اس کے لیے میں عید سے بہت پہلے ہی گھر کی صفائی اور سجاوٹ پر توجہ مرکوز کر دیتی ہوں۔ چونکہ میں اصراف بے جا کی قائل نہیں اس لیے ہر مرتبہ عید پر نئی چیزیں لینے کے بجائے جو ہیں انہیں ہی سلیقے سے استعمال کرتی ہوں۔ اور ایسے کسی بھی شوق پر رقم خرچ کرنے سے بہتر کسی ضرورت مند کو وہ رقم دینا پسند کرتی ہوں جس سے وہ بھی حسب خواہش عید کا لطف اُٹھا سکے۔ عید کے دن مہمان نوازی کے لیے مخصوص پکوانوں کا سلسلہ صبح نماز کے بعد ہی سے شروع ہو جاتا ہے۔ سب سے پہلے شیر خرما بناتی ہوں اور اس کی نیاز دیتی ہوں۔ کالے چنے کی چاٹ اور میٹھے دہی بڑے ہمارے عید کے خاص پکوان ہیں' بریانی اور کڑاہی بھی ضرور ہوتی ہے (اور اگر گرمی کا موسم ہو تو) اس کے ساتھ، ساتھ میں ٹھنڈے مشروبات سے بھی تواضع کرتی ہوں کہ گرمی کی عید میں سب سے زیادہ ضرورت اسی مٹھاس اور ٹھنڈک کی ہوتی ہے۔

سیدہ ناز ظفر کاظمی
معلمہ و ذاکرہ

۱: عید خوشیاں بانٹنے کا نام ہے۔ اس خوشیوں بھرے تہوار میں، میں اپنے گھر والوں یعنی اپنی امی (ساس) شوہر اور بچوں کے کپڑوں کی تیاری کے ساتھ، ساتھ کچھ سرپرائز گفٹس بھی لیتی ہوں جو چاند رات کو اُن کے چہروں پر خوشیاں بکھیرنے کے لیے اُن کے سامنے لاتی ہوں۔ ساتھ ہی فیملی کے بچوں کی عیدی کی بھی فکر ہوتی ہے۔ بچپن میں عیدی لینے کی خوشی ہوتی ہے لیکن بڑے ہونے کے بعد آتی کم اور جاتی زیادہ ہے۔ لیکن اپنے چاہنے والوں کے چہروں پر اس عیدی کی بدولت جو خوشیوں کے رنگ نظر آتے ہیں وہ انمول ہیں۔ اس کے ساتھ، ساتھ کچھ ایسے بھی لوگ ہیں جن کی معاشی مجبوریاں اُن کی



سیدہ ناز ظفر کاظمی

عید کی بھرپور خوشیوں میں حائل ہوتی ہیں۔ حسب استطاعت اُن کی عید کی خوشیوں کا بھی اہتمام کرتی ہوں۔ اپنی ۸ سالہ اور ۵ سالہ بیٹیوں کے کپڑوں کے ساتھ اُن کی میچنگ ضرور کرتی ہوں۔ اس کے ساتھ میچنگ کا پرس بھی لازمی ہے جس میں وہ اپنی عیدی جمع کرتی ہیں اور چاند رات کو اپنی دونوں بیٹیوں کے ننھے' ننھے ہاتھوں پر اپنے ہاتھ سے مہندی لگانے میں بہت مزہ آتا ہے۔ بیٹے کی تیاری کپڑوں اور جوتوں تک محدود رہتی ہے۔ امی اور اپنے لیے سوٹ اور میچنگ کی سینڈل لیتی ہوں اپنے شوہر کے کپڑے بھی میں خود ہی لاتی ہوں اور چاند رات کو استری کر کے اُن کی خدمت میں پیش کر دیتی ہوں۔

۲: گھر کی آرائش میں سرِفہرست پھول ہیں اور ہر سال میں ایک یا دو نئے گلدان پھولوں سمیت ضرور خریدتی ہوں۔ اس کے علاوہ حسب ضرورت ایک عید پر فلور کشن لے لیے تو اگلے سال ٹیبل میٹ لے لیے اور ساتھ ہی جو فرنیچر موجود ہے اس کی جگہ میں ذرا سا رد و بدل کر کے نیا پن لانے کی کوشش کرتی ہوں۔ مہمانوں کی تواضع کے لیے خاص طور پر شیر خرما اور ناریل کی مٹھائی ضرور بناتی ہوں۔ (یہ کیا

کہہ دیا نا ر! ناریل کی مٹھائی؟ رنگ برنگی ناریل کی مٹھائیوں کا تصور، میری میٹھی میٹھی رگ کو چھیڑ دیا اب ہر تار سے شیرینی ٹپک رہی ہے)
ماش کی دال کے میٹھے دہی بڑے، املی کی میٹھی چٹنی، چھولوں کی چاٹ اور چکن ہانڈی ضرور بناتی ہوں۔

ساجدہ ممتاز، ملازمت پیشہ

۱: میری بھابی کی وفات کے بعد میری بھتیجی بچپن ہی سے میرے ساتھ ہی رہتی ہے اور مجھے بیٹیوں کی طرح عزیز ہے۔ سب سے پہلے تو میں اُس کے اور



ساجدہ ممتاز

اپنے بیٹے کے کپڑے بناتی ہوں۔ بھتیجی کے لیے سوٹ کی میچنگ جیولری اور سینڈل بھی دلواتی ہوں۔ اپنے میاں کے کپڑے بھی میں ہی لاتی ہوں۔ اپنے لیے ایک دو سادہ سوٹ بناتی ہوں۔ اپنی بچپن کی دو سہیلیوں کے لیے عید کے تحفے لیتی ہوں۔ محلے اور رشتے داروں میں سے جو انزاو عید کی تیاری نہیں کر پاتے جتنا میرا بجٹ اجازت دیتا ہے اُس کے مطابق اُن کی بھی عید کی تیاری کرتی ہوں۔
۲: گھر کی خصوصی صفائی کے ساتھ ضرورت کے مطابق پردے اور صوفے کے کور تبدیل کرتی ہوں۔ دوسرے یا تیسرے دن میکے اور سسرال والوں

مجھ سے ملیے

میرا نام مرک جانوری ہے، میرا تعلق سکلی ٹنڈ سے ہے۔ شادی کے بعد سندھ کے مرکزی شہر نواب شاہ کو آکر رونق بخشی...... پاکیزہ سے رشتہ 1992,94 سے ہے جب میٹرک کی طالبہ تھی۔ ہماری کوئی خاص خوبی نہیں ہے۔ ہاں خوش مزاج ہیں جلد ہی گھل مل جاتے ہیں۔ خامیاں تو بہت سی ہیں۔ منہ پھٹ بھی ہوں اور غصہ بہت جلد آجاتا ہے وہ بھی بہت زیادہ...... میاں جانی کہتے ہیں کہ ساری خوبیاں تمہاری سونا ہیں مگر جب غصہ آجاتا ہے تو...... سکھیو خود پانی کا گلاس بھی اٹھ کر نہ پینے والی شادی کے بعد بہت اچھی کوکنگ بھی کر لیتی ہے۔ بہنوں سے چخ، چخ کرنے والی آٹھ سال سے سسرال میں ایک بھی جھگڑا نہیں ہوا سب سے دوستانہ رہتی ہوں، ہے ناں مزے کی بات...... مابدولت چھ اور چار سال کے دو بیٹوں اور چار اپریل کو پہلی سالگرہ منانے والی گڑیا کی امی بھی ہیں۔ شادی کے بعد ذمے داری ہی ذمے داری سب سے زیادہ ذمے داری بچوں کی پرورش ان کی تعلیم و تربیت ہے۔ دونوں بیٹے ماشاء اللہ سے اپلی ای پڑھ رہے ہیں۔ پوزیشن ہولڈرز ہیں بھی...... اپنے آپ کو حالات کے مطابق ڈھال لیا ہے۔ گھر بچے، میاں، جاب، اتنا کہ امی سے ملنے ٹھہر گئے چھ، چھ مہینے گزر جاتے ہیں۔ میکے کی یادیں...... وہ بچپن وہ سکھیاں، وہ بے پروائی کے دن بہت یاد آتے ہیں یاد تو کراچی کے آٹھ سال بھی بہت ہیں جو جاب کی وجہ سے وہاں گزارے۔ پاکیزہ والوں کیا آپ کو میں یاد ہوں۔ (جی بالکل) ادب سے بہت ہی گہرا لگاؤ ہے۔ کسی زمانے میں سندھی زبان میں لکھا کرتی تھی۔ پسندیدہ لکھاریوں کی لمبی فہرست ہے جس میں امر جلیل، شیخ ایاز، اشفاق احمد سرِفہرست ہیں۔ میں اپنی سالگرہ یکم نومبر کو مناتی ہوں...... جو میاں جی یادگار بنا دیتے ہیں۔ ہاں میرا پسندیدہ شعر یہ ہے۔

پاتے ہیں کچھ گلاب چٹانوں میں پرورش
آتی ہے، پتھروں سے بھی خوشبو کبھی کبھی



ہما سلمان

کی دعوت کرتی ہوں، سندھی بریانی، قورمہ اور سوئیوں کی کھیر سے تواضع کرتی ہوں۔

ہما سلمان ، معلمہ

ا:عید کی خریداری میں ہمیشہ رمضان سے پہلے ہی کر لیتی ہوں اپنے اور بچوں کے کپڑے، جیولری اور جوتے خریدتی ہوں۔کپڑے فیشن کے مطابق بناتی ہوں، short shirt cigarette paint لی ہیں۔بچوں کے جیولری بیگز لیتی ہوں۔سلمان کے ساتھ جاتی ہوں انہیں کپڑوں کے انتخاب میں مشورہ بھی دیتی ہوں لیکن کوشش کرتی ہوں کہ اپنی پسند سے خریدیں۔

۲: سجاوٹ کے لیے نئے ڈیکوریشن، نئی پینٹنگ، بیڈ کور، flower vase اور تواضع کے لیے دم کا قیمہ، پراٹھا، پلاؤ، شیر خرمہ عید کے پہلے دن ضرور بناتی ہوں اس کے علاوہ ہر عید پر کچھ نئی recipes بھی بناتی ہوں۔

عائشہ طاہر ،گھریلو خاتون

ا:میں ہمیشہ رمضان سے پہلے ہی عید کی تیاری کر لیتی ہوں ۔میری بیٹی چھ سال کی ہے۔اُس کی خصوصی تیاری کرتی ہوں اور اُس کے ملبوسات میں خود ڈیزائن کرتی ہوں،جیولری کا اُسے بہت شوق ہے، اس لیے ہر ڈریس کے ساتھ اُس کی فل میچنگ بھی عید کے لیے ضروری ہے۔بیٹوں کے لیے کرتہ شلوار اور کھسے لیتی ہوں۔شوہر کی قمیص شلوار اور پشاوری چپل اور ....

...... اپنے لیے موسم کی مناسبت سے کپڑے بناتی ہوں لیکن لیس کے بغیر نہیں مختلف انداز سے اپنے دوپٹے اور قمیص کو لیس سے سجاتی ہوں۔جیولری کا زیادہ



عائشہ طاہر

شوق نہیں لیکن عید کی خوشی میں میچنگ کی چوڑیاں ضرور لیتی ہوں اور کبھی کبھار عید پر مہندی بھی لگوا لیتی ہوں۔

۲: گھر کی روایتی صفائی کے ساتھ، ساتھ نئے پردے اور بیڈ شیٹ لیتی ہوں مہمانوں کی تواضع کے لیے عید کی روایتی ڈشز کے ساتھ ساتھ ہر سال ایک یونیک ڈش بھی بناتی ہوں۔گزشتہ برس عید پر کچے چنے کے کباب بنائے تھے جو بہت پسند کیے گئے تھے اس مرتبہ ساگودانے کے کباب بناؤں گی۔

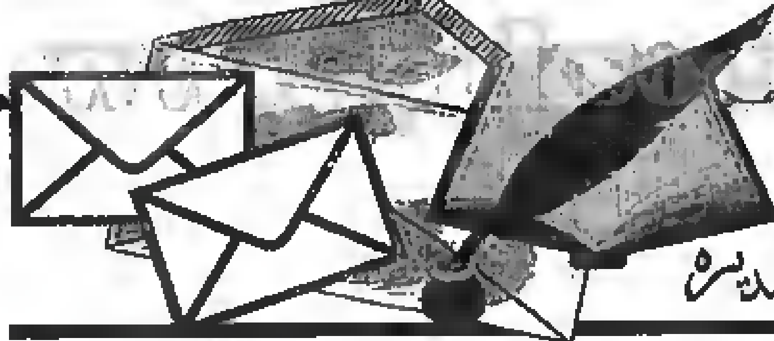
☆☆☆

قارئین کرام!

میری اور ادارہ پاکیزہ کی جانب سے آپ سب کو دلی عید مبارک۔ بلاشبہ

آج یوم مرحت ہے روزے داروں کے لیے
اہلِ عالم کو مبارک ہو جمالِ صبح عید

☆☆☆



بہنوں کی محفل

مدیرہ

☆ عزیز از جان بہنو! السلام علیکم رحمتہ اللہ برکاتہ......!

☆ حمد و ستائش اس ذات کے لیے جس نے کارخانۂ عالم کو وجود بخشا اور درود و سلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جنھوں نے دنیا میں حق کا بول بالا کیا...... اللہ پاک آپ کو ہمیشہ خوش رکھے اور اپنے خزانۂ غیب سے وہ سب کچھ عطا فرمائے جو آپ کے حق میں بہتر ہو...... یا الٰہی دونوں جہاں میں ازل سے ابد تک سب کی خیر ہو اور تو ہم سے ہمیشہ راضی رہے...... الٰہی آمین۔

☆☆☆

☆ پیاری بہنو! رمضان المبارک ہم سے جدا ہونے کو ہے اور ہر طرف عید کی تیاریاں چل رہی ہیں، کہیں بہت زیادہ تو کہیں کم اور کہیں بہت ہی کم...... اور مجھے یقین ہے کہ آپ سب رمضان المبارک کی پُرنور ساعتوں سے بہرہ مند ہونے کے ساتھ، ساتھ جہاں اپنی تیاریوں میں مشغول ہوں گے وہاں اپنے آس پاس کے غربا اور یتیموں کی عید کی بھی تھوڑی بہت تیاری تو ضرور کروا رہے ہوں گے...... اور اللہ اس کی جزا تو دے گا ہی مگر جو آپ کو دلی طمانیت کا احساس ہوگا وہ صرف آپ ہی محسوس کر سکیں گے۔ عید کے آنے میں شاید دو ہفتے یا اس سے بھی کم رہ گئے ہیں، میں اپنے شوہر کے ساتھ بنکاک سے کراچی آ رہی تھی اس غیر ملکی ائرلائن میں عید کی وجہ سے پاکستانیوں بلکہ کراچی کے لوگوں کی تعداد زیادہ تھی...... زیادہ تر جوان لڑکے تھے، جو عید منانے اپنے، اپنے گھر جا رہے تھے...... اسی فلائٹ میں ایک بھاری بھرکم معمر سی خاتون تنہا سفر کر رہی تھیں جنھیں ایک خوبرو سا لڑکا اٹھنے بیٹھنے، ان کا سامان اٹھانے میں ہیلپ کر رہا تھا۔ ایسے مواقع پر مجھے بھی ذاتی طور پر ان نوجوانوں کا رویہ بہت اچھا لگا کرتا ہے جو بس میں اپنی سیٹ چھوڑ کر کسی بڑے کو اپنی جگہ دے دیتے ہیں یا بیلٹ پر بھاگتے سامان کو اتارنے میں کسی کی مدد کر دیا کرتے ہیں تو وہ خوبرو لڑکا بھی کچھ ایسا ہی تھا۔ یہ بھی اتفاق تھا کہ ان دونوں کی سیٹیں بھی قریب ہی تھیں۔ ویسے تو برابر مگر بیچ میں سے گزرنے کا راستہ تھا۔ میری سیٹ ان خاتون کے پیچھے والی تھی۔ اس لیے میں نہ چاہتے ہوئے بھی ان خاتون کی باتیں سن رہی تھیں جو وہ اس لڑکے سے کر رہی تھیں۔ بیٹا کیا نام بتایا تھا تم نے، ہاں جاوید تو بیٹا تمہاری شادی ابھی ہوئی یا نہیں۔ نہیں آنٹی ابھی تو نہیں ہوئی ہے، اب پاکستان جا رہا ہوں تو امی چند لڑکیاں مجھے دکھائیں گی تو میری بھی شادی ہو جائے گی۔ اچھا یہ تو بڑی اچھی بات ہے کہ تمہاری ماں کو تمہاری پسند کا اتنا خیال ہے، ہاں تو کیسی لڑکی چاہیے تمہیں؟ (قریب بیٹھے ہوئے لوگ بھی مسکرا رہے تھے) سیدھی، سادی جو میری ماں کا خیال رکھے اور میرے کھانے کا کہ بدمزہ کھانے میں کھا ہی نہیں سکتا۔ ماشاء اللہ، ماشاء اللہ یہ خوبیاں واقعی بڑی مشکل سے ملا کرتی ہیں مگر میری چاروں لڑکیوں میں تھیں اور چاروں اپنی، اپنی سسرالوں میں راج کر رہی ہیں اور ان کے سسرال والے تو کہتے ہیں کہ یہ لڑکیاں تو ہمیں اپنی اولاد سے زیادہ پیاری ہیں، اور میں دل میں سوچنے لگی کہ جو میں ان خاتون کے بارے میں سوچنے لگی تھی وہ شاید غلط تھا۔ ان کی بات سن کر وہ لڑکا بولا۔ اب یہ میری قسمت کہ آپ کی چاروں بیٹیوں کی شادیاں ہو چکی ہیں، ورنہ میری ماں کو کوئی بھاگ دوڑ بھی نہیں کرنی پڑتی اور آسمان پر اڑتے ہوئے مجھے اپنا جوڑا مل جاتا...... اس بات پر وہ خاتون بڑا مزہ لے کر ہنسیں اور کچھ دیر بعد اپنے پرس سے ایک تصویر نکال کر اس لڑکے کو دیتے ہوئے بولیں۔ یہ تصویر تم اپنے پاس رکھ لو، یہ میری سب سے چھوٹی اور لاڈلی بیٹی کی ہے اور یہ تو اپنی بڑی بہنوں سے بھی کہیں بڑھ کر ہے۔ تصویر کی پشت پر ہمارے گھر کا ایڈریس اور سارے فون نمبرز لکھے ہوئے ہیں جاتے ہی رابطہ کرنا، کیا پتا اس عید پر یہ خوشی تمہارے ساتھ میری بھی ہو۔ اس واقعے کو بتانے کا مقصد یہ ہے کہ کیا ہم اتنے بے خبر اور غیر ذمے دار ہو گئے ہیں کہ راہ چلتوں میں اپنے مقاصد ڈھونڈنے لگتے ہیں۔ کیا معلوم وہ خوش شکل لڑکا کوئی جرائم پیشہ ہو، اس کا کیا ماضی ہو اور وہ اصل میں کون ہو یہ سب ہم چند منٹوں یا گھنٹوں میں کیسے جان سکتے ہیں۔ لڑکیوں کی شادی بیاہ میں دیر بھی ہو جاتی ہے، آپ کوشش بھی ضرور کریں مگر ایسی بھونڈی نہیں کہ ریلوے، بسوں اور ہوائی جہاز کے مسافروں سے رابطے کرنے لگیں...... ٹھیک کہہ رہی ہوں ناں......!

☆ آیئے اب سرگرمیوں پر نظر ڈالنے سے پہلے صرف ایک بار درود ابراہیمی پڑھتے ہیں جو ہر نماز میں پڑھا جاتا ہے اور اس کے بعد صرف تین بار آیت کریمہ پڑھ کر اپنے لیے، اپنے ملک کے لیے اور عالم اسلام کی پریشانیوں کو رفع کرنے کے لیے ضرور دعا مانگیں۔

مصنفات، شاعرات اور قارئینِ پاکیزہ بہنوں کی تازہ بہ تازہ سرگرمیاں

☆ پاکیزہ کی مستقل قاری سعدیہ سلیم عید کے بعد اپنے بھائی محمود کی شادی میں سڈنی سے اسلام آباد پہنچیں گی۔ (ماشاء اللہ مبارک باد)

☆ مصنفہ سلمٰی غزل کراچی کے ہاں پوتا پیدا ہوا ہے۔ (مبارک باد)

☆ شاعرہ شگفتہ شفیق، کراچی کی بیٹی کنزل نے بھی اپنا میڈیکل سے متعلق ایک امتحان شاندار نمبروں سے لندن میں پاس کر لیا ہے۔ (مبارک باد)

☆ پاکیزہ کی مستقل تبصرہ نگار گلشاد نذیر، مری کے بھتیجے کی شادی گزشتہ دنوں راولپنڈی میں ہوئی۔ (مبارکاں)

☆ اللہ کے فضل و کرم سے میرا نواسہ محمد علی آفاق قرآن پاک کا حافظ ہو گیا ہے اور ان دنوں عظمیٰ اپنے شوہر اور سب بچوں کے ساتھ عمرے کی ادائیگی کے لیے سعودی عرب گئی ہوئی ہے۔ (ماشاء اللہ)

☆ پاکیزہ کی مستقل قاری صبیحہ ناز، کراچی کی عید کے فوراً بعد شادی ہو رہی ہے۔ (مبارک باد)

☆ پاکیزہ کی مستقل تبصرہ نگار ذکیہ ایوب ان دنوں لاہور گئی ہوئی ہیں، ان کی پوتی ثنا شاہد کی بخیر و خوبی شادی ہو گئی ہے۔ (ماشاء اللہ، بے حد مبارک باد...... آپ کو اور شاہد بیٹے کو بھی)

☆ پاکیزہ کی مستقل قاری مقدس شان کی رخصتی کراچی میں عید کے فوراً بعد ہو رہی ہے۔ (بے حد مبارکاں)

☆ پاکیزہ میں سلسلے وار شائع ہونے والا رفاقت جاوید کا ناول رنگِ خلش کتابی صورت میں شائع ہو گیا ہے۔ رفاقت جاوید کے قلم میں شائستگی کے ساتھ، ساتھ رشتوں کے تقدس کا رچاؤ بھی ہے جو اس ناول میں ان کی برجستگی کے ساتھ نظر آتا ہے۔ کتاب کا انتساب ہمارے اور عذرا رسول کے نام ہے۔ جس میں انہوں نے مزید لکھا ہے۔ ”جو اردو ادب کا فولادی قلعہ ہیں۔“ (یہ ان کی رائے ہے) کتاب کی قیمت صرف تین سو روپے ہے جو کہ بے حد مناسب ہے۔ رفاقت جاوید کی دوسری کتاب کا نام بھاگ بھری ہے یہ ایک معاشرتی ناول ہے جو لوگ کسی صورت مطمئن نہ ہوتے ہوں وہ اپنے پاؤں چادر سے بہت باہر نکال لیتے ہیں کہ اس چادر کا درجہ بھی ایک ردمال کا سا رہ جاتا ہے، بھاگ بھری کتنے بھاگوں والی تھی اس کا علم تو آپ کو اس دلچسپ ناول کے مطالعے کے بعد ہی ہوگا...... کتاب کا انتساب عتیقہ طارق کے نام ہے جس پر مزید لکھا گیا ہے ”جو ہر رشتے میں بے مثال ہیں۔ آپ کی وضع داری کے نام۔“ اس خوب صورت ناول کی قیمت بھی صرف تین سو روپے ہے، یہ دونوں ناول محمد علی قریشی نے بڑے اہتمام سے شائع کیے ہیں۔ کتابیں منگوانے کے لیے آپ رابطہ کریں القریش پبلی کیشنز سرکلر روڈ چوک اردو بازار، لاہور فون نمبر 042.37652546.37668958

☆ قارئین کرام! آپ کی باجی انجم انصار کی بائیس کتب شائع ہو گئی ہیں، آپ کو ہماری روحانی مشورے اور انمول خزانوں والی کتابیں اگر چاہئیں جو کہ تین ہیں یا ناول، افسانے یا مزاح پر بکس چاہئیں اور اگر آپ چاہتی ہیں کہ ہماری کتابیں آپ کو گھر بیٹھے فون کرنے پر بذریعہ وی پی آپ کو مل جائیں تو آپ القریش پبلشرز سے لاہور میں رابطہ کر سکتی ہیں۔ کراچی کے قاری میری تمام بکس ویلکم بک پورٹ اردو بازار سے حاصل کر سکتے ہیں۔ عظمیٰ آفاق کا سفرنامہ ذرا سا گھوم لوں میں بھی آپ کو القریش پبلشرز لاہور سے مل سکتا ہے۔

☆ پاکیزہ کی شاعرہ اور مستقل تبصرہ نگار فریدہ جاوید فری، لاہور کو اس سال بھی اسلام آباد میں ریشم ایوارڈ ملا ہے۔ (بے حد مبارک باد)

☆ معروف شاعرہ سعدیہ ہما شیخ، سرگودھا کی ذہین ترین بیٹی حور عین اس سال بھی غیر نصابی سرگرمیوں میں بھی اپنے اسکول میں بے حد نمایاں رہیں۔ (ماشاء اللہ، بے حد مبارکاں)

☆ پاکیزہ کی مستقل تبصرہ نگار انجم گلزار، کراچی ان دنوں عدت میں ہیں اور خواہش مند ہیں کہ کوئی بہن انہیں حرم شریف مکہ

یا مسجد نبوی مدینے میں خاکروب کی جاب دلوادے تو عنایت ہوگی۔
☆ پاکیزہ کی مستقل تبصرہ نگار نسیم ماپارہ، کراچی عید کے بعد اپنے والد کے پاس امریکا جارہی ہیں۔ (ماشاءاللہ)

دعائے صحت کے لیے التماس ہے

* امریکا میں مقیم میری بھانجی غزل خان کو کینسر ہوگیا ہے۔
* پچھلے دنوں شاعرہ اور مستقل تبصرہ نگار ظل شاہین، رحیم یار خان کو بائیک سے گرجانے کے باعث خاصی چوٹیں آئیں۔
* شاعرہ اور پرانی تبصرہ نگار رفعت خادم حسین، ملتان علیل ہیں۔
* پاکیزہ کی مستقل قاری عذرا بی بی، راول پنڈی بیمار ہیں۔
* مصنفہ طیبہ عنصر مغل، راول پنڈی کے جیٹھ شدید بیمار ہیں۔
* پاکیزہ کی مستقل قاری شہلا ظفر، کراچی ان دنوں شدید علیل ہیں۔ اس ماہ ان کا آپریشن بھی ہوگا۔

ہم سب کی لاڈلی تبصرہ نگار اور شاعرہ امینہ عندلیب، سلانوالی پھر بستر علالت پر ہیں۔
* پاکیزہ کی قاری یاسمین نادر، دو ہفتے کے لیے اپنی فیملی کے ساتھ کراچی آئیں اور وہ واپس پنجاب روانہ ہوگئی ہیں۔
(خیر نال آؤ خیر نال جاؤ)

انتقالِ پُرملال

☆ پاکیزہ سے وابستہ مصنفہ شائستہ زریں کے چچا عبدالغفار 2 رمضان المبارک کو برضائے الٰہی انتقال کر گئے۔
مرحوم کی مغفرت کی دعا کے ساتھ صرف تین مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھ کر ان کے درجات کی بلندی کے لیے دعا کریں۔

☆☆☆

✿ آسیہ، لندن سے۔ ''انجم باجی پاکیزہ پڑھ کر دلی سکون ملا کرتا ہے اور آپ کا اداریہ ہو، جلترنگ ہو، بہنوں کی محفل ہو یا پاکیزہ کے سلسلے وار ناولز سب ہی بہترین ہوتے ہیں۔ (شکریہ) میں ایک بات پاکیزہ پڑھنے والی بہنوں سے شیئر کرنا چاہتی ہوں کہ وہ ملک سے باہر شادی ہوجانے کے خواب نہ دیکھیں۔ اپنے ملک کی روکھی سوکھی کھا کر خوش رہیں...... میں بارہ سال کے بعد ایک مرتبہ آئی تھی اور اپنی تین بہنوں اور ایک اکلوتے بھائی کی شادی میں شریک نہ ہوسکی۔ باہر جا کر صرف بچے ہی پالتے ہیں اور وہ ہی میری زندگی ہیں مگر اپنے والدین، بہن، بھائیوں کی کمی ہر وقت محسوس ہوا کرتی ہے۔'' (پیاری بیٹی خوش رہو اور اپنے بچوں کے ساتھ انجوائے کرو...... کچھ حاصل کرنے کے لیے کچھ کھونا تو پڑتا ہے۔ کچھ عرصے کے بعد تمہارے یہ حالات نہیں رہیں گے اپنے بچوں کے ساتھ اپنے بہن، بھائیوں سے ملنے آیا کرنا...... اللہ تمہیں ہمیشہ خوش رکھے)

✿ رضیہ زبیری، کراچی سے۔ ''پاکیزہ باقاعدگی سے پڑھ رہی ہوں اور ہر وقت اللہ کا شکر ادا کرتی ہوں۔ وہ بہنیں جو تنہائی کا شکار ہیں ان سے کہنا چاہتی ہوں کہ اللہ سے دوستی کریں اور تنہائی میں قرآن پاک خوب پڑھیں۔ خوب دل لگے گا اور اللہ ہر پریشانی سے خود ہی بچاتا چلا جائے گا...... اللہ کا شکر ہے کہ جس بیٹے کے ساتھ رہتی ہوں وہ اور اس کی بیوی میرا بہت خیال رکھتے ہیں اور جو بیٹا ملک سے باہر ہے وہ میری ذرا سی طبیعت خرابی کا سن کر دوڑا چلا آتا ہے۔ میں ایک سگھڑ عورت ہوں سب بچے بیاہ چکی...... مگر کسی کے ساتھ کبھی بدمزگی اس وجہ سے نہیں ہوئی کہ کسی کے معاملات میں نہ دخل دیتی ہوں اور نہ کسی کی ٹوہ میں رہتی ہوں۔ تمہارا جلترنگ اور بہنوں کی محفل بہت اچھی لگتی ہے۔ اللہ کرے تمہاری شوگر ٹھیک ہوجائے...... اور صحت والی زندگی عطا ہو، آمین۔'' (رضیہ باجی آپ کی دعاؤں کے لیے احسان مند ہوں اور جن بہنوں کو تنہائی کی شکایت ہو ان کے لیے آپ کا مشورہ بہترین ہے)

✿ بشریٰ سہیل، یواے ای سے۔ ''بہنوں کی محفل میں ایک بہن کے گھر میں کیڑوں کی کثرت کا مسئلہ پڑھا۔ وہ بہن سورۂ نمل کی آیت نمبر 18 اور سورۂ اعراف کی آیت نمبر 98 اور 99 پانی پر دم کر کے گھر کے سب کونوں میں اسپرے کردیں اور یہی آیات جگہ جگہ لکھ کر بھی لگائیں۔ انشاءاللہ، اللہ ضرور کرم کرے گا۔ ہم سب قارئین ایک دوسرے کو اپنی دعاؤں میں بھی یاد رکھتے ہیں۔'' (جزاک اللہ)

✿ ڈاکٹر ممتاز ضیا، کراچی سے۔ ''سالگرہ نمبر دو بھی نمبر ایک کی طرح شاندار رہا پچھلے ماہ تبصرہ نہ کرسکی مگر لطف خوب

اٹھایا عقیلہ سے مل کر بہت خوشی ہوئی۔ مصروف تو ہم بھی کم نہیں ہوتے مگر ان کے سخت شیڈول سے تو ہمیں تھکن ہونے لگی۔ تصویروں کی کمی بہت محسوس ہوئی۔ عظمیٰ اور اس کی فیملی کو عمرے کی اور علی کے حفظ قرآن کی بہت، بہت مبارک باد اب اس مبارک سفر نامے کا انتظار ہے۔ مئی اور جون دونوں شماروں میں تم نے خوب کہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں عملی توفیق عطا فرمائے، آمین۔ یادوں کی مالا پڑھ کر ان کی خوش نصیبی پر رشک آتا ہے اور خود پر بھی کہ ہمیں ان کی ہم نشینی کافی عرصہ میسر رہی اور دلی تعلق بھی ہے۔ اعتبار وفا کی آخری قسط کا انتظار ہے شکر ہے اب قارئین کو بھی الجھنوں سے نجات ملے گی کہانی ویسے اچھی ہے۔ سلوشن، اچھا سلوشن ہے جو ہمارے ملک میں ملنا مشکل ہے۔ کنگن بہت اچھی کہانی ہے۔ نصیب کی بات اور آسان راستے خاص نہ لگیں، مٹی کی عورت، انداز بیاں اچھا موضوع پرانا بہرحال گوارا تحریر ہے۔ گم شدہ محبت دلچسپ ہوتی جارہی ہے۔ آفس کے ماحول سے ہم بھی نابلد تھے اس سے واقفیت اچھی لگ رہی ہے۔ لگتا ہے ندیم خان ہی صبا کی گم شدہ محبت ہوں گے کیسے؟ یہ انجم جانیں۔ پیاس کا اختتام ہماری سمجھ میں نہیں آیا لہٰذا کیا تبصرہ کریں۔ دیارِ صبح کے اجالوں میں کی یہ قسط زیادہ اچھی نہیں لگی اسما نے تو اپنا معاملہ اللہ پر چھوڑ دیا تھا اور میکے سے منہ موڑ لیا تھا مگر میکے والوں نے کیوں اس کو چھوڑ دیا۔ اے عشق ترے ہیں کھیل عجب...... میں دو خاندانوں کی کہانیاں چل رہی ہیں جن کا آپس کا تعلق معلوم نہیں...... خیر شکر ہے کہ ڈاکٹر بلال نے اپنے قلم کو لگام دی۔ باقی کہانیاں بس گوارا ہیں۔ کرچیاں کا موضوع بہت پرانا ہے۔ اختر بہن کو اللہ تعالیٰ بہترین اجر عطا فرمائے۔ بہت محبت سے اور ایمان افروز مضامین لکھتی ہیں۔ صدقہ بہت بہت معلوماتی مضمون لکھا۔ جہاں آرا جی سے گفتگو اچھی لگی اسے ہم ملاقات نہیں کہیں گے ایسا بھی کیا ہے کہ یہ لوگ ملنے کے لیے وقت نہیں دے سکتے خیر ان کے بارے میں جان کر اچھا لگا۔ شائستہ کی ہمت اور لگن کو سلام...... باقی سلسلے بھی اچھے رہے۔ بہنوں کی محفل کا تو جواب ہی نہیں ہے۔ بہنوں کے دکھ سکھ جان کر ان سے مل کر بہت خوشی ہوتی ہے۔ گرمیوں کی چھٹیوں کا جو استعمال تم نے بچوں کے لیے ماؤں کو بتایا ہے وہ ان کی آئندہ زندگی میں ان کے بے حد کام آئے گا۔ عظمیٰ کی کتاب کی تقریب رونمائی میں ان کی نند امبر سے مختصر سی ملاقات ہوئی تھی اب ان کے شوہر کے انتقال کا پڑھا بہت افسوس ہوا اللہ اسے اور ان کی فیملی کو صبرِ جمیل عطا فرمائے، آمین۔ اتنی کم عمری میں بیوگی کا دکھ۔'' (ممتاز تفصیلی تبصرے کا شکریہ...... دیگر آرا پہنچائی جارہی ہیں)

٭ شائستہ عزیز، کراچی سے۔ ''پاکیزہ روز بروز نکھرتا جارہا ہے۔ آپ سب کی محنت صاف نظر آتی ہے۔ میں خود بھی پڑھتی ہوں اور دوسروں کو بھی پڑھنے کے لیے کہتی ہوں۔ خاص طور پر محفل کا تو جواب نہیں۔ لگتا ہے سب میکے میں آکر اماں کے گھٹنوں سے لگ کر بیٹھ کر راج کہانیاں سنا رہی ہوں اور ابا سب کو عیدیاں دے رہے ہوں۔ جیو ماں۔ سب پاکیزہ والوں جیو......'' (نوازش اور اللہ آپ کو بھی سلامت رکھے، آمین)

٭ فریدہ ہاشمی تحفی، کراچی سے۔ ''بہت شکر گزار ہوں، اس ذرہ نوازی اور اس عزت افزائی کے لیے کہ مئی کے شمارے میں میرا خط بھی شائع ہوا ہے اور میری غزل بھی...... بہت شکریہ آپ کی محبتوں کا۔ شمارہ بہت پسند آیا۔ خاص کر اختر شجاعت اور محترمہ ذکیہ بلگرامی کے مقالے بہت ہی پر اثر اور معلوماتی ہیں خدا ان کو اچھا اجر عطا کرے کہ بہنوں کو اتنی اچھی دینی معلومات فراہم کر رہی ہیں۔ ناول تینوں بہت عمدہ ہیں، افسانوں میں محبت فاتح عالم اور پھانس بہت پسند آئے۔ فرحین اظفر کا ناولٹ ٹھنڈی پھوار بھی بہت اچھا لگا۔ (شکریہ) جلترنگ تو بہت اچھا لگا۔ عام باتوں سے ایسے مزاحیہ نکتے نکالتی ہیں کہ... بے اختیار ہونٹوں پر ہنسی آجاتی ہے۔ آج کے دور میں تو یہ بہت ضروری ہے کیونکہ عام ماحول میں اتنی بے چینی اور پژمردگی ہے کہ انسان پریشان ہو جاتا ہے۔'' (بہت شکریہ......)

٭ شمیم فضل خالق، پشاور سے۔ ''پاکیزہ میں سب سے پہلے اداریہ پڑھا...... بہت اچھا لگا...... کیا پتے کی بات بتائی ہے انجم آپ نے...... اس لیے تو ہمارے بچوں میں ذہنی بلوغت نہیں آتی کہ ان سے ہر بات چھپائی جاتی ہے حالانکہ زندگی دکھ سکھ کا مجموعہ ہے اور بچوں کے علم میں ہر بات لانا ان کی ذہنی بلوغت کے لیے ضروری ہے۔ ذکیہ بلگرامی کی یادوں کی مالا کی یہ قسط بھی زبردست تھی نگہت سیما کی اعتبار وفا کی یہ قسط بھرپور تھی۔ گھڑی کی ٹک ٹک، شبینہ گل کی پڑھ کر اس ماں پر رشک آیا جس کی اولاد اتنی تابعدار تھی۔ مدیحہ شاہد کا پتھر کا دلیس بے حد دلچسپ ہے۔ گم شدہ محبت کی یہ قسط بھی بھرپور تھی پڑھ کر مزہ آیا، گوجرانوالہ کی ننھی فردوس احمد کو میری بک موٹاپا اور میں، پسند آئی...... شکریہ کہہ دیں اسے...... اور ہاں انجم یہاں تو ڈاکٹروں

تنک۔ نے وزن کم کرنے کے لیے میری بک ٹرائی کی ہے اگر کسی کو یہ بک چاہیے تو (آپ مجھے بھیج دیں۔ میں دلچسپ خط لکھنے والی بہنوں کو تحفے میں فری دے دوں گی) رخ چوہدری ہم کھانوں کے شوقین کے لیے ٹیبل کی ایک تصویر ہی لے لیتیں ہم اسی میں خوش ہو جاتے آخر ہم بھی تو رائٹر ہیں۔ جلترنگ میں بیچاری ساس، میں مجھے اپنی تصویر نظر آگئی، میں بھی شاپنگ کی بہت شوقین ہوں۔ ہائے اللہ کیا مجھے بھی ایسے داؤ پیچ کھیلنے پڑیں گے...... میں تو اتنی سادہ ہوں کہ بیچ بیچ میں طبیعت خراب ہو بھی گئی تو چھپالوں گی کہ بیٹے، بہو کی شاپنگ خراب نہ ہو۔'' (آپ پریشان نہ ہوں نئی آنے والی سب بہوئیں بہت ہی اچھی ہیں۔ وہ اپنی ساسوں سے ایک فرینڈ کی طرح ڈیل کرتی ہیں)

یاسمین کنول، پسرور سے۔ ''جون کا پاکیزہ دیدہ زیب سرورق کے ساتھ ملا۔ بہنوں کی محفل میں خط دیکھ کر خوشی ہوئی سب کے ساتھ کا احساس ہوا۔ باقی یادوں کی مالا، شمع ہدایت اور پاکیزہ کے مہمان اچھے لگے۔ جہاں آراحئی کے بارے میں جان کر خوشی ہوئی۔ مستقل سلسلے پسند آئے۔ افسانوں میں شیریں حیدر کا کنگن اور فصیحہ آصف کی کرچیاں اچھی لگیں۔ گم شدہ محبت اچھی جارہی ہے۔ اُمِ ایمان کا مکمل ناول میں بھی مسلمان ہوں بہت اچھا لگا۔ اداریہ مجھے کچھ کہنا ہے، میں آپ نے رمضان المبارک کے حوالے سے اپنے خیالات کا اظہار فرمایا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس مقدس مہینے کی برکات وفیوض سے فیض یاب ہونے کی توفیق بخشے اور غضب کی اس گرمی کو ہمارے لیے رحمت بنادے (آمین) اور اللہ تعالیٰ بڑا کریم ہے وہ سب کی خبر رکھتا ہے۔ باقی جولائی تو عید نمبر ہوگا اللہ تعالیٰ چھوٹی عید سب کے لیے مبارک کرے۔ (آمین ثم آمین) اس عید پر آپ کی امی بھی آپ کے پاس نہیں ہوں گی آپ میری بھی نہیں کیونکہ وہ اب اس فانی دنیا سے کوچ فرما چکی ہیں ان کی یادیں ان کی باتیں لیکن ضرور ہوں گی کیونکہ ہم اپنی ماؤں کو بھول نہیں سکتے اے اللہ ان پر اپنا کرم فرما، ان کو بخش دے ان کو اپنے نیک بندوں میں شامل فرما...... آمین ثم آمین۔ (ماؤں کو تو کوئی بھی کبھی بھی نہیں بھول سکتا) بہنوں کی محفل میں بچیوں کی تربیت کے حوالے سے بہت اچھی تجاویز دی ہیں ان پر عمل درآمد ہونے سے بہت سوں کا بھلا ہوگا۔ باقی گھر سے فالتو کپڑوں اور جوتوں کو نکال کر ضرورت مندوں کو دینے کا آئیڈیا بھی بہت خوب ہے۔'' (تبصرے کا شکریہ، ہاں کسی دن تم مجھ سے فون پر بات کرلو۔ اب خط لکھنے کا میرے پاس وقت ہی نہیں ہوتا)

سنبل ملک اعوان، شاہدرہ سے۔ ''میرا کہنا غلط نہیں ہے کہ پاکیزہ میرے ہر مشکل مرحلے میں میرا ساتھ دیتا ہے۔ اب دیکھ لیں روحانی مشورے جس میں آپ نے ٹل جل کر رہنے کے لیے ایک نسخہ لکھا ہے۔ جسے میں ضرور کروں گی۔ سنڈے کو گھر میں بے تحاشا رونق رہتی تھی۔ میری والدہ ابھی ناشتا کروا کر فارغ ہوتیں تو ساتھ ہی دوپہر کے کھانے کی تیاری کر دیتیں۔ مگر اب تو چھٹی کا دن بور گزرتا ہے۔ میں انشاء اللہ یہ وظیفہ ضرور کروں گی۔ جلد کو نکھارنے کے لیے جو طریقہ تحریر کیا ہے وہ تمام طریقے بہ آسانی کیے جاسکتے ہیں بلکہ کچھ تو ایسے ہیں جن کو میں کرتی بھی ہوں۔ آنٹی جی آپ نے میری ترکیب شائع کی، شکریہ...... دیا آفرین کا انتخاب اچھا لگا۔ آنٹی کوثر خالد کا انتخاب بھی لاجواب تھا آپ کے جلترنگ کے کیا کہنے...... ہنس، ہنس کر بے حال ہوگئے۔ صبا نور کے مراسلے نے مجھے ہمت عطا کی کہ میں بھی ہمت نہ ہاروں۔ پاکیزہ بہنوں کی محفل بہت ہی زبردست اور پیاری ہے۔ آنٹی کوثر کا شکریہ جن کو میرا طریقہ پسند آیا۔ سچ میں اپنے پسندیدہ نگارشات کاٹ کر سنبھال لیتی ہوں اور میرے پاس 2012ء سے جب سے پاکیزہ سے دوستی ہوئی سارے رسالے پڑے ہیں۔ آنٹی اگر آپ اپنے رسالے کسی قاری کو دینا چاہیں تو سب سے پہلے آپ کو میرا مطلب سنبل ملک کا خیال ہونا چاہیے، میرا تو دل ہی نہیں بھرتا...... میرے پاس کپڑے، کچھ اور اب کتابیں زیادہ ہیں۔ اس ماہ میں آپی عظمیٰ آفاق کی کتاب خریدوں گی انشاء اللہ (جب تم کراچی آؤ گی تو میں تم کو بہت سی کتابیں دوں گی) وہ آئے بزم میں، شیریں حیدر اپنے نام کی طرح شیریں، شیریں دیکھنے میں بھی اور باتوں میں بھی...... شیریں حیدر جی نے بہت ہی خوب صورت جواب دیے کہیں بھی تشنگی نہیں رہی اور ہر ماں اپنے بچے کی تربیت انہی دس اصولوں پر کرتی ہے مگر ایک ہی جگہ پر تربیت پانے والی اولاد...... ایک دوسرے سے یکسر مختلف ہوتی ہے۔ سالگرہ کے موقع پر آنٹی عذرا رسول کا پیغام زبردست تھا۔ (عذرا رسول بھی شکریہ کہتی ہیں) اعتبار وفا پڑھ کر تھوڑا سکھ کا سانس آیا کہ تاریخ اپنے آپ کو دہرائے یا نہ دُہرائے مگر ہر انسان کو اس کے کیے کا بدلہ ضرور ملتا ہے۔ بہرحال آنٹی نگہت بہت شکریہ آپ نے میرے زخموں کا ازالہ کیا۔ آنکھوں کے دیے، آنٹی نیلم بشیر آپ نے حالات کو بڑے ہی خوب صورت طریقے سے قلم بند کیا۔ سچ میں ہم سب کہانی ہی تو ہیں۔ انعام، نگہت اعظمی کا افسانہ دکھی کرگیا۔ اللہ نے فروا کے لیے کوئی ساتھی نہیں بنایا۔ حالانکہ اللہ

وحدہٗ لاشریک نے اپنے علاوہ سب کے جوڑے بنائے۔ سورۂ نوح کو پڑھ کر دیکھ لیں۔ رضوانہ پرنس کا ٹھن اچھا تھا۔ عقیلہ حق جی کا لوہے کی روٹی پسند آیا۔ سوچ کرنفسی آرہی ہے۔ ہاجرہ ریحان کا افسانہ حیثیت سادہ سا مگر پُراثر تھا۔ ہما بیگ کے چار بل کم نہیں، رشتوں کی اہمیت اور معاشرتی ذمے داریوں کا احساس دلاتی اچھی لگی۔ دُرِ ثمین بلال کا اے عشق تر ے بن تکمیل عجب بہت ہی دلچسپ ناول ہے۔ مجھے اقصم اور مناب بہت پسند ہیں اور اقصم کا معصوم سا عشق بھی۔ دیارِ صبح کے اجالوں میں، نایاب جیلانی جی آپ کا یہ ناول سپر ہے۔ آخر میں خراجِ تحسین پیش کروں گی، اختر شجاعت کو جنہوں نے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو حکمِ الٰہی کی روشنی میں مرتب کیا۔ دعا ہے کہ اللہ ہمیں حقوق العباد ادا کرنے کی توفیق دے۔ آمین۔'' (تبصرے کا شکریہ)

٭ ماہ رخ، حیدرآباد سے۔ ''میں ہر ماہ ماہنامہ پاکیزہ ڈائجسٹ ذوق شوق سے پڑھتی ہوں اور اس میں شائع ہونے والے مقابلوں میں حصہ لیتی رہتی ہوں۔ میں آپ کی توجہ ماہنامہ پاکیزہ ماہ جون 2016ء کی طرف کرانا چاہتی ہوں بزم میں بھیجے گئے سوال کو دوسرے انعام سے نوازا گیا اس کے لیے میں آپ کی اور ادارے کے لوگوں کی بے حد ممنون و مشکور ہوں کہ میرے سوال کو انعام سے نوازا۔'' (آپ کا ایڈریس دے دیا گیا ہے)

٭ فرخندہ جعفری، گجرات سے۔ ''فون پر آپ سے بات ہوئی بہت خوشی ہوئی آپ کی آواز کے جادو نے مجھے دوبارہ لکھنے پر مجبور کر دیا۔ ورنہ کافی اوٹ پٹانگ لکھنے اور شائع نہ ہونے پر دل تھوڑا سا ناراض ہو گیا تھا مگر لکھنا میری مجبوری ہے۔ لکھے بغیر میں رہ ہی نہیں سکتی۔ گھر والے ہنستے ہیں کہ اس عمر میں بھی شوق نہیں گیا۔ اس ماہ جون میں میرا خوب صورت قطعہ شائع کرنے پر شکریہ۔ ماہ جون کا پاکیزہ پہلے سے زیادہ آن بان شان کے ساتھ میرے آنگن میں حاضر ہوا۔ تمام رائٹرز نے بہت محنت کی ہے اور کچھ نئے سلسلے وار کہانیاں بھی شروع ہوئی ہیں۔ مجھے کچھ کہنا ہے سے لے کر روحانی مشورے تک تمام رسالہ پڑھا۔ پاکیزہ پچیس یا چھبیس تک گھر آجاتا ہے پھر اگلے ماہ دوبارہ، دوبارہ ہی پڑھتی رہتی ہوں۔ اللہ کرے یہ رسالہ اتنا موٹا ہو جائے کہ پورا ماہ پڑھتی رہوں۔ کیا ایسا ہو نہیں سکتا؟ (ضرور ہو سکتا ہے آپ دعا کریں) کسی ایک سلسلے کا ذکر کیا کروں۔ تمام سلسلے بہت عمدگی سے ترتیب دیے گئے ہیں۔ خاص کر رمضان المبارک کے مبارک مہینے کا ذکر بہت دل سوز اور نصیحت پکڑنے والا ہے۔ گم شدہ محبت کی پانچویں قسط بھی بہت اچھی جا رہی ہے۔ اللہ کرے صبا رحیم کو اپنی گم شدہ محبت مل جائے۔ کہانی نشیب و فراز لیے ہوئے ہیں سسپنس میں جا رہی ہے۔'' (پسندیدگی کا شکریہ)

٭ امینہ عندلیب، سلانوالی سے۔ ''دونوں شمارے بہت اچھے لگے۔ خوب صورت تحریروں سے سجے تھے، بہت محنت، محبت سے آپ نے سالگرہ گھر سجایا۔ آپ (باجی انجم انصار) باجی عذرا رسول، عظمیٰ آفاق، شائستہ زریں، صغریٰ زیدی، نزہت اصغر، آمنہ صاد، محترم آنٹی ذکیہ بلگرامی، آپی اختر شجاعت، تمام محترم مصنفات، تبصرہ نگار بہنوں نے سالگرہ نمبر کو چار چاند لگائے۔ من موہنی سی رائٹرز، شیریں حیدر، عقیلہ حق سے دلچسپ ملاقات اچھی لگی۔ عظمیٰ آفاق کی ڈائری میں تمام رنگ موجود تھے۔ باجی لاہور سے آنٹی پروین چوہدری کا خط پڑھا۔ بہت پریشان ہوں، ان کے تمام حالات کا تین دن مسلسل جائزہ لیا۔ یہ کسی ماہر کالے علم سے رابطہ کریں۔ 38.39 سال سے ان کے گھر میں یہ مسئلہ ہے۔ یہ دوسری مخلوق ہے جو حشرات کیڑے ہیں ان کے گھر میں موجود ہیں۔ میرا اپنا خیال ہے، وثوق سے نہیں کہہ رہی۔ وہ کسی ماہرِ علم سے رابطہ کریں۔ (اس سلسلے میں ہماری تبصرہ نگار بہنوں کے بہت اچھے، اچھے جواب آرہے ہیں) پشاور سائڈ پر ایک گاؤں تھا۔ ان کے گھر میں چوہے تھے۔ پورا گھر بھر چکا تھا۔ ان کا جینا دوبھر ہو چکا تھا۔ اللہ کا شکر ہے کہ اب ان کے گھر میں کوئی ایسی چیز نہیں۔ کالے علم کا توڑ ہوا۔ دوسری مخلوق چوہوں کی شکل میں گھر میں موجود تھی۔ جون کا پاکیزہ پڑھا۔ یادوں کی مالا آنٹی کا مختصر مضمون بہت اچھا لگا۔ آپی شجاعت نے بھی صدقہ کے موضوع پر بہت اچھا لکھا۔ گم شدہ محبت دو قسطوں کے بعد تیزی سے دلچسپی کی طرف بڑھا۔ سب سے پہلے ناول پڑھتی ہوں۔ آنٹی جہاں آرا حئی تو میری فیورٹ شخصیت ہیں، بہت پیارا انٹرویو تھا۔ شائستہ زریں کے دلچسپ سوال، شاعری اے ون رہی۔'' (شکریہ، تبصرے کا شکریہ..... محبت کرنے والے آج بھی موجود ہیں۔ تم سے ہمارے بے شمار قارئین محبت کرتے ہیں)

٭ تمثیلہ لطیف، ملتان سے۔ ''میرا کلام شامل کرنے کا شکریہ وہ جو ایک شکوہ آپ سے کیا تھا آپ نے اس کو ختم کیا ہے مجھے خوشی ہے۔ میں اپنا کلام مزید ارسال کر رہی ہوں جلد ہی آپ کو افسانہ بھی ارسال کروں گی۔ جو یقیناً آپ شامل

اشاعت لازمی کریں گی۔ پاکیزہ میری نظر سے نہیں گزرا اگر فصیحہ آصف خان مجھے اپ ڈیٹ دے دیتی ہیں۔'' (آپ خود پڑھا کریں اور اپنی رائے بھی دیا کریں۔ یہ تو کوئی بات نہیں ہوئی کہ میگزین پڑھنے کے لیے سہیلیوں کی ڈیوٹی لگا رکھی ہے)

✤ فصیحہ آصف خان، ملتان سے۔ ''میرا افسانہ کرچیاں شامل کرنے پر بے حد شکریہ..... انشاء اللہ عید کے بعد کچھ نہ کچھ بھیجوں گی۔ بہنوں سے گزارش ہے کہ مجھے بھی اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں۔ رب تعالیٰ ہم سب کی جائز دعائیں اور مرادیں پوری فرمائے۔ آمین ثم آمین۔''

✉ لبنیٰ خان، شیخوپورہ۔ آپ کا افسانہ پڑھا آپ میں صلاحیت ہے، اب آپ اسی افسانے کو دوبارہ لکھیں یقیناً اس سے بہتر لکھ سکتی ہیں۔ فرح کے ساتھ سلمان کے کردار کو بھی مزید مضبوط بنائیں۔

✤ نفیسہ آرا، راس الخیمہ سے۔ ''مدیرہ صاحبہ اور دیگر اسٹاف کی خدمت میں سلام اور رمضان المبارک کی ساعتیں مبارک ہوں۔ اس دفعہ تبصرہ کرنے کی وجہ شیریں حیدر کی کہانی کنگن ہے، جس میں بہت خوب صورتی سے زکوٰۃ کے فرض کی ادائیگی کا بیان کیا ہے۔ اس کے علاوہ اختر شجاعت صاحبہ کا مضمون اور ذکیہ آپا کا روحانی سفر بہت ہی عقیدت والا ہے۔ اللہ ان دونوں کو اور آپ چھاپنے والوں کو بھی جزائے خیر دے۔ یہاں ہم خواتین پاکیزہ بہت شوق سے پڑھتی ہیں۔ انڈین فیملیز بھی ہیں اور وہ میری بھیجی گئی ڈشوں کی ترکیبیں بھی ٹرائی کرتی ہیں۔ میں باتیں بہار و خزاں کی میں کچھ لکھ کر بھیج سکتی ہوں (جی ضرور) آج کے مصروف دور میں بہنوں کی محفل میں تمام بہنوں کے خط پڑھ کر اور مزے مزے کی باتیں جان کر بہت اچھا لگتا ہے۔ ایک عرض ہے کہ آپ اچھے شاعروں کا کلام ضرور شامل کیا کریں۔'' (تبصرے کا شکریہ آپ کی رائے کا احترام کیا جائے گا)

✤ ذوالنورین، ہری پور ہزارہ سے۔ ''اپریل کے شمارے میں بہنوں کی محفل میں پاکیزہ کی قاری عذرا ثمینہ کے شوہر کے حلق کے کینسر کا پڑھا۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک کو شفائے کاملہ عطا فرمائے، آمین۔ کینسر کے علاج کے لیے میں نے ایک نسخہ پڑھا ہے جو کہ بہت سے لوگوں کا آزمودہ ہے اور بہت سے سرطان کے مریضوں نے کہ جن کو ڈاکٹروں نے لاعلاج قرار دے دیا تھا آزمایا اور اللہ کے فضل سے شفا پائی۔ میں یہ نسخہ پاکیزہ کے ذریعے ان تمام مریضوں کی نذر کرنا چاہتی ہوں جنھیں اس کی ضرورت ہے۔ نسخہ یہ ہے۔ سنبلوں کی جڑ جو کہ پیلے زرد رنگ کی ہوتی ہے اسے لے کر صاف اور خشک کر کے باریک پیس لیں پھر ہموزن ہلدی ملا کر ڈبل زیرو کے کیپسول بھر لیں اور صبح شام ایک کیپسول کھانے کے بعد دودھ کے ساتھ استعمال کریں، انشاء اللہ ہر قسم کے کینسر میں مفید ہے۔ ایک ماہ میں کینسر کا نام و نشان نہیں رہے گا۔ سنبلوں کی بوٹی زیادہ تر پاکستان کے شمالی علاقہ جات مانسہرہ، بالاکوٹ، کشمیر اور شمالی وزیرستان میں پائی جاتی ہے۔ بلوچستان کے علاقوں زیارت، لورالائی، ورگئی، قلعہ سیف اللہ کے اطراف میں بھی پائی جاتی ہے۔ یہ اور بھی بہت سی بیماریوں میں مفید ہے۔ میں نے یہ بوٹی کچھ مقدار میں قریبی پہاڑی علاقے سے منگوائی ہے اگر کسی قاری بہن کو یا کسی مریض کو چاہیے تو باجی آپ انہیں میرا نمبر 03360056095 دے دیں کہ اس نمبر پر اپنا ایڈریس ایس ایم ایس کر دیں۔ میں فی سبیل اللہ پارسل کروا دوں گی یا اس ای میل پر میل کر دیں۔ naintara 77 @yahoo.com اللہ تعالیٰ آپ کو ہمیشہ خوش رکھے اور آپ کے ادارے کو ترقی عطا فرمائے۔ آمین۔'' (اس کے لیے جزاک اللہ ہی کہہ سکتی ہوں مگر مریض کوئی بھی دوا استعمال کرنے سے پہلے کسی ڈاکٹر یا حکیم سے ضرور مشورہ کریں کہ ہر دوا ہر ایک کے لیے نہیں ہوتی)

✤ نگینہ ضیا جنکش، کراچی سے۔ ''سرورق اچھا، اداریہ بہترین، بہنوں کی محفل اس ماہنامے کی جان ہے۔ کبھی کبھی میں سوچتی ہوں کہ اگر کسی ماہ یہ شامل ہونے سے رہ جائے تو پرچے میں کتنی کمی لگے گی۔ اسی طرح اگر اس کے صفحات مزید بڑھا دیے جائیں تو ہم سب بہنوں کو بہت اچھا لگے گا۔ نئی رائٹرز کے لیے آپ بیتی کا کوئی سلسلہ ضرور شروع کریں جو مختصر بھی ہو اور اس میں صرف نئی رائٹرز ہی شرکت کریں۔ اس سے بہت سی نئی رائٹرز اپنا نام خود بنائیں گی۔ (تجویز بری نہیں ہے) اس مرتبہ تمام ناولوں کی اقساط بھرپور رہیں۔ گم شدہ محبت پڑھ کر اس کے کرداروں میں ہم بھی گھل مل گئے۔ نگہت سیما کو سیلوٹ، بہت اچھا ناول دیا ہے آپ نے۔ جہاں آرا جی کا انٹرویو جتنا اچھا تھا تصاویر اتنی ہی خراب تھیں۔ اسی طرح شادی کا احوال پڑھ کر دلہن کی تصویر بھی صاف نظر نہیں آ رہی تھی۔ یہ معلوم ہوا تھا کہ شگفتہ آفاق عمرے کی ادائیگی کے لیے سعودی عرب گئی ہیں۔ عید نمبر میں ان کا یہ پاکیزہ احوال ضرور شائع ہونا چاہیے۔'' (پسندیدگی کا شکریہ..... شگفتہ ابھی سعودی عرب میں ہی ہیں، جب وہ آئیں گی تو آپ کا اور دیگر

بہنوں کا یہ پیغام ان تک پہنچا دوں گی)

٭ پروین افضل شاہین، بہاول نگر سے۔ ''جون کا شمارہ چلچلاتی دھوپ میں ٹھنڈک کا احساس لیے نمودار ہوا۔ میرے بہترین سوال پر پہلے انعام کا اعلان فرمانے پر بہت شکریہ..... تمام سلسلے وار ناولز اور منی ناولز مع افسانے ان کی تعریف کرنا سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے۔ آپ کا اداریہ رمضان کی اہمیت کو اجاگر کر رہا تھا۔ میری طرف سے آپ کو پاکیزہ کے سارے اسٹاف کو اور پاکیزہ کے چاہنے والوں کو ایڈوانس میں عید مبارک قبول ہو۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ امبر مسرت کے شوہر مسرت حسین خان، صائمہ سجاد بنگش کے چچا کو جنت میں اعلیٰ جگہ دے۔ امینہ عندلیب، فریدہ جاوید فری، مسز شیخ، عابدہ پروین، مسز شہلا ظفر..... ڈاکٹر میمونہ غوری، ناصر احمد، عذرا بی بی کو اللہ تعالیٰ صحت عطا فرمائے، آمین۔ یادوں کی مالا پڑھ کر دل کو سکون ملتا ہے۔ ہماری دعا ہے کہ پاکیزہ اور عروج حاصل کرے اور پاکیزہ کا سارا اسٹاف اور اس کے چاہنے والیاں ہمیشہ خوش و خرم رہیں۔ آمین۔'' (تمہاری دعاؤں کے لیے جزاک اللہ)

٭ فریدہ افتخار، اسلام آباد سے۔ ''مجھے کچھ کہنا ہے، زبردست تجزیہ ہے، آج کل کے بچے ہمارے وقتوں والے بچے نہیں ہیں۔ محترمہ ذکیہ بلگرامی کے روحانی سفر کی روداد اعلیٰ ترین ان کی جاں فشانی کی مظہر ہے۔ اعتبار وفا کو اب خوب صورت موڑ دے کر کلائمکس تک لے جانا چاہیے۔ مدیحہ شاہد کی پیتر کا دیس وو الگ کہانیوں کا انجام یک لخت تشنگی لیے تھا۔ (اگلا حصہ پڑھ کر آپ کی تسلی ہوگئی ہوگی) شیریں حیدر کی چندا نے تو اچھا چاند چڑھایا۔ گم شدہ محبت رنگ جما رہی ہے، آپ کی انگلیاں کہانی کی نبض پر ہیں، خوب خوش رہو' ماجرہ ریحان نے بھی پس منظر میں نفسیاتی سا خیال پیش کیا۔ رفاقت جاوید کی معمانے سوچ کے نئے در وا کرنے کی کوشش کی ہے۔ بچوں کا بھولپن انٹرنیٹ نے برباد کردیا ہے۔ دیار صبح کے اجالوں میں ابھی تک سیاہی گھلی ہوئی ہے، بعض اوقات انتہائی قریبی دوست بھی مارِ آستین نکلتی ہیں، شمیم فضل خالق کی اس بار کی کہانی نے محبت فتح کر دی' خوب۔ دل کے فیصلے عمروں کے فرق نہیں دیکھتے۔ باقی تمام سلسلے لاجواب قابلِ تعریف۔ عظمیٰ آفاق اب کہاں گھومنے کا ارادہ باندھے ہوئے ہیں۔ اس بچی نے تو چونکا دیا ہمیں۔ یہ پرس، والٹ کی چھین جھپٹ اسلام آباد میں پہلی بار سنی۔ بس خواتین خیال رکھیں کہ زیادہ رقم ساتھ نہ پھرائیں اب تو کارڈز بھی پرس میں ہوتے ہیں اور شناختی کارڈ لائسنس وغیرہ بھی۔ پروردگار ہم سب کو اپنے حفظ وامان میں رکھے اور ادارہ قاری بہنوں لکھاری بہنوں کو دعائیں۔ کبھی ساؤتھ کی وی آؤ تا سجنو..... اکیلے، اکیلے محفلیں کراچی میں ہم چشم براہ ہیں۔'' (جی ہاں اسلام آباد آئیں گے تو کوئی تقریب رکھیں گے انشاء اللہ)

٭ ساجدہ ظفر، کمالیہ سے۔ ''بہت سی مفید اور کار آمد باتیں پڑھنے کو ملیں۔ بلاشبہ اختر شجاعت صاحبہ اسلامی موضوعات لکھنے میں نہایت عرق ریزی سے کام لیتی ہیں۔ موجودہ مضمون بھی حسبِ سابق ان کی گرانقدر محنت کا منہ بولتا شاہکار تھا۔ ایک جگہ انہوں نے تحریر کیا ہے کہ قرآن حکیم کا سب سے پہلا ترجمہ فارسی زبان میں ہوا تھا جبکہ میری ناقص معلومات کے مطابق قرآن مجید کا سب سے پہلا ترجمہ لاطینی زبان میں ہوا تھا۔ اور اب تک سو سے زائد تقریباً 103 زبانوں میں قرآن مجید کے تراجم ہو چکے ہیں حتیٰ کہ شاعری کے انداز میں اس کے ترجمے کی سعادت آغا شاعر قزلباش حاصل کر چکے ہیں۔ عقیلہ حق کی تحریروں کی تو میں ہی پہلے ہی فین تھی مگر ان کا انٹرویو پڑھ کر ان کی شخصیت کے دلچسپ حیرت انگیز پہلو سامنے آئے۔ ماشاء اللہ ہماری تمام مصنفات بہت ٹیلنٹڈ ہیں اور زندگی کے ہر میدان میں معرکے سرانجام دیتی ہیں۔ میری ماں کے حوالے سے عظمیٰ آفاق کا سروے دلچسپ رہا پڑھ کر دلی تسکین حاصل ہوئی۔ میں اکثر گنگناتی ہوں، میں اشعار بہنوں کے اعلیٰ ذوق کے ترجمان تھے مگر اس بات کا افسوس ہے کہ اس بار اس کالم کو پھر ایک صفحہ دیا گیا۔ کم از کم دو صفحات تو اس کالم کے لیے مخصوص ہونے چاہئیں۔ جلترنگ میں بیچارگی، ساس اور آس اچھی تحریریں تھیں، بزم پاکیزہ میں بہنوں کے دلچسپ سوالات آپ کے کرارے جوابات اپنی مثال آپ تھے۔ پہلا انعام یافتہ سوال اگر گڑیا کے بجائے کسی گڈے کی طرف سے پوچھا جاتا تو زیادہ موزوں تھا۔ پاکیزہ ڈائری میں بہت سی دلچسپ تحریریں پڑھنے کو ملیں۔ مگر افسوس کہ کوئی تحریر آپ کے معیار کو چھونے میں کامیاب نہ ہوسکی اور کوئی تحریر انعام نہ پاسکی۔ انعامی سلسلے شروع کرنے کی تجاویز لکھ، لکھ کر اب تو ہمارے قلم گھسنے لگے ہیں۔ اور ہاتھ تھک گئے ہیں مگر آپ صرف جھوٹے دلاسے دیے جا رہی ہیں۔ نہ جانے وہ خوش قسمت دن کب آئے گا جب آپ تمام کالمز کو انعامی بنا دیں۔ محبت فاتح عالم، شبینہ گل کا گھڑی کی ٹک ٹک اور رفاقت جاوید کا معما اعلیٰ پائے کے افسانے تھے۔ بہنوں کی محفل پڑھتے ہوئے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے

تمام بہنیں ایک کمرے میں بیٹھی اپنی، اپنی باتیں سنا رہی ہیں۔ بہر کیف بیمار بہنوں کے لیے دعا ہے کہ اللہ رب العزت ان کو جلد سے جلد صحت یاب کرے۔ پروین چوہدری کا مسئلہ بہت عجیب و غریب ہے کہ گھر میں کاکروچ کی بہتات ہے۔ ان سے بھی گزارش ہے کہ عبادت اور تسبیحات کی طرف زیادہ مائل ہوں۔'' (خوب صورت تبصرے کا شکریہ)

✿ نہی فردوس احمد، گوجرانوالہ سے۔ ''اپنے ناول چاند جلتا رہا پر آپ کا تبصرہ پڑھا تو ڈھیروں خون بڑھ گیا...... آپ کے قلم سے لکھے ہوئے وہ چند جملے میرے لیے کسی اعزاز سے کم ہرگز نہیں۔ پلیز آپی اب دوسرے ناول دل دیا اور درد لیا پر بھی تھوڑا تبصرہ کر دیں تاکہ میری بے قراریوں کو مزید قرار مل جائے۔ (ہاہاہا) سب سے پہلے سلسلے وار ناول گم شدہ محبت کی اس ماہ کی قسط پڑھی۔ کہانی میں کئی نئے موڑ سامنے آئے۔ جنہیں پڑھ کر حیرت ہوئی۔ بھلا آج کے ترقی یافتہ دور میں اتنی کم عمری کی منگنی کیا معنی رکھتی ہیں۔ ادھر شہلا خوابوں کے پیچھے اندھا دھند دوڑ رہی ہے، دیکھیے کہاں ٹھوکر کھا کر گرتی ہے، محترمہ شمیم فضل خالق کا افسانہ محبت فاتح عالم بہت اچھا لگا۔ مگر شمیم آپی یہ تو میں نے اگلے ناول کی کہانی سوچ رکھی تھی۔ آپ نے میرا آئیڈیا کہاں سے چرا لیا۔ کہیں آپ ٹیلی پیتھی کا حال تو نہیں جانتیں (ہاہاہا) شیریں حیدر صاحبہ کا افسانہ ہمیشہ کی طرح اس بار بھی بہت اچھا لگا۔ موضوع پرانا تھا مگر انداز تحریر دلچسپی لیے ہوئے تھا...... کہانی کا اختتام جہاں مغموم کر گیا وہیں ایک بے اختیار سا قہقہہ بھی حلق سے اُمڈ پڑا۔ نایاب جیلانی صاحبہ اپنے ناول دیار صبح کے اجالوں میں کو تھوڑا سا دھکا لگا کر کہانی کو آگے کی جانب سرکائیں۔ جناب اسٹوری جام سی لگنے لگی ہے۔ ہاجرہ ریحان کی خوش رہو۔ کچھ خاص متاثر نہیں کر سکی۔ رخ چوہدری نے رضوانہ پرنس کی کتاب کی رونمائی کی تقریب کا آنکھوں دیکھا حال کچھ اس انداز سے ہم سب کو دکھایا کہ جیسے ہم بھی وہیں کہیں موجود تھے۔ وہ آئے بزم میں، اس دفعہ عقیلہ حق سے ملاقات ہوئی۔ ان کی اتنی اعلیٰ تعلیم اور دیگر خوبیاں جان کر ہم تو گویا احساسِ کمتری میں مبتلا ہو گئے۔ اتنی اعلیٰ تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود گھر داری اور بچوں کا اس قدر خیال رکھنا قابلِ ستائش ہے...... رفاقت جاوید کی معما میں ارحم کی حرکات و سکنات اور الجھی ہوئی سوچ واقعی کسی معمے سے کم نہیں تھی۔ وہ کیا چاہتا تھا زندگی کے متعلق اس کا نظریہ کیا تھا...... یہ محترمہ رفاقت جاوید واضح نہیں کر سکیں۔ بہر حال مئی کا شمارہ مجموعی طور پر ہمیشہ کی طرح اچھا ہی رہا۔ اللہ کرے پاکیزہ کی مقبولیت میں روز بروز زیادہ سے زیادہ اضافہ ہو، آمین۔'' (تبصرے کا شکریہ آپ کے دوسرے ناول پر بھی میری رائے شائع ہو گئی ہے یقیناً پڑھ لی ہو گی اور اب تم پاکیزہ کے لیے افسانہ بھیجو)

✿ رفعت خادم حسین، ملتان سے۔ ''کیسی ہیں، میں کافی عرصے سے بیمار ہوں۔ اس لیے خط نہیں لکھا۔ لیکن پاکیزہ پڑھتی ضرور تھی۔ اب بیماری کی وجہ سے رائٹنگ میں بھی فرق پڑا ہے بہت جی کرتا ہے کہ کچھ نہ کچھ لکھوں لیکن قلم پکڑنے میں پریشانی ہوتی ہے۔ آپ کی باتیں، مجھے کچھ کہنا ہے پڑھ کر حوصلہ ملتا ہے اس لیے خط لکھ دیا۔'' (اللہ تم کو صحت دے، تمہاری حوصلہ افزائی ضرور ہو گی)

✿ ظل شاہین، رحیم یار خان سے۔ ''ذکیہ آنٹی کے لیے بہت سی دعائیں...... صحت کی زندگی کی اللہ تعالیٰ عمر دراز عطا فرمائے، آمین۔ اعتبار وفا کی اس قسط نے دو سالہ الجھی گتھی سلجھا دی۔ آخری قسط کا پڑھ کر طبیعت اداس ہو گئی۔ نگہت آپا سے کہیے گا اینڈ اچھا، اچھا اور تفصیلاً ہونا چاہیے۔ جلدی میں مت سمیٹیے گا۔ آپ کی تحریر گم شدہ محبت بہت خوب صورتی اور دلچسپی سے آگے بڑھ رہی ہے۔ اس بار ایک طویل تحریر...... میں بھی مسلمان ہوں پڑھی بہت اچھی لگی۔ عموماً دیکھنے میں آیا ہے کہ نو مسلم پکے مسلمان ثابت ہوتے ہیں ان کا علم سطحی نہیں ہوتا، دینی معاملات پر ان کی گرفت کافی مضبوط ہوتی ہے۔ مصنفہ نے یہاں کے مسلمانوں کے صحیح چہرے عیاں کیے ہیں۔ شیریں حیدر کا افسانہ اصلاحی رنگ میں اچھا لگا۔ مٹی کی عورت، مرد ہی نہیں عورت بھی بے وفا، وعدہ خلاف ہوتی ہے۔ فصیحہ آصف کی غالباً یہ پہلی تحریر تھی۔ بس سو سو رہی...... ہما بیگ کا افسانہ پیاس حقیقت کے قریب بہترین تحریر تھی جسے پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہو گئے...... انسان کی قیمت کتنی ارزاں ہے جو تھوڑے سے پیسوں کے عوض انسانیت کا جنازہ نکال دیا جاتا ہے۔ جلترنگ کے دونوں خاکے اچھے لگے۔ پاکیزہ ڈائری میں سنہری باتیں اچھی باتیں لاجواب ہیں۔ روحانی مشورے رمضان المبارک کے حوالے سے بہترین ہیں۔'' (تبصرے کا شکریہ)

✿ ناظمہ شاہین اعوان، واہ کینٹ سے۔ ''ماڈل پیاری لگی بہار کی مناسبت سے ڈریسنگ کیے ہوئے۔ اداریہ اچھا لگا...... سلسلے وار ناول ایک سے بڑھ کر ایک مزہ آ گیا۔ مئی ناول کی تو کیا بات ہے، مکمل ناول، ناولٹ زبردست تحریریں دیگر افسانوں میں آنکھوں کے دیپے، لو ہے کی روٹی، پس آئینہ کوئی اور ہے اور یادگار واقعی یادگار رہیں گے۔ خصوصی مضامین میں

یادوں کی مالا، شمع ہدایت نمبرون جارہے ہیں اور مستقل عنوانات میں سے حسن نکھاریے اور ہومیو کلینک کے علاوہ بھی ٹھیک ٹھاک سلسلے ہیں اس ماہ ایک چھوٹی سی شکایت ہے صفحہ نمبر 210 کے بعد بہنوں کی محفل کا صرف آخری صفحہ اوراس کے بعد صفحہ نمبر 277 شروع ہورہا ہے۔'' (ناظمہ آپ کے پاس غلط بائنڈنگ کا شمارہ آگیا ہے۔آپ نے جہاں سے خریدا ہے وہیں سے تبدیل کرلیں ورنہ ہمیں ضرور بتائیں کہ آپ نے کہاں سے کس نام کی دکان سے یہ پرچہ لیا ہے)

٭ رفعت محمد یونس، ملتان سے۔'' پیاری آنٹی انجم انصار بہت مہینے ہوگئے ہیں آپ سے بات نہیں ہوئی۔اس ماہ رفاقت جاوید کا افسانہ معما بہت اچھی تحریر تھی۔روحانی مشورے بہت اچھے تھے۔جلترنگ میں بالی عمریا اور بیچاری ساس بہت مزیدار تحریر تھی۔پلیز آنٹی بہت اچھی تحریریں اور لکھیں...... میں اکثر گنگناتی ہوں میں شعر توبیہ ظہور، ضلع اٹک اور ماہ زیب چونیاں کا بہت اچھا تھا۔پُر بہار تقریب میں آپ سب کی تصاویر بہت اچھی لگیں۔نگہت سیما کا اعتبار وفا بہت اچھا لگا۔'' (پسندیدگی کا شکریہ)

٭ ذکیہ علی بیگ، ریڈنگ، یوکے سے۔'' جناب میں کافی عرصے سے انگریزی اور اردو میں لکھ رہی ہوں۔اردو ڈائجسٹ میں تو باقاعدگی سے میری نگارشات چھپتی ہیں۔میں نے یہ افسانہ لکھا ہے جو کہ میرا فیورٹ بھی ہے۔میں نے خاص طور پر اسے پاکیزہ ڈائجسٹ کے لیے لکھا۔آپ کے رسالے کو باقاعدگی سے پڑھتی ہوں کیونکہ پاکیزہ میرا پسندیدہ رسالہ ہے۔امید ہے کہ میرا افسانہ آپ کو پسند آئے گا اور آپ کے پرچے کی زینت بنے گا۔'' (ابھی آپ مزید کوشش کریں، انشاللہ ... کامیاب ہوجائیں گی تبصرہ ضرور بھیجیں، رسالے کی پسندیدگی کا شکریہ)

٭ سمیرا بنت یوسف، پنجاب سے۔'' دوسال سے قاری ہوں اب لکھنے کی جسارت کی ہے، امید ہے کہ آپ کو میرا خط پسند آئے گا۔اے عشق ترے ہیں کھیل عجب، درثمن بلال بہت اچھا لکھتی ہیں، مجھے ڈاکٹر عمر اور مناب کا کردار بہت اچھا لگتا ہے۔دیار صبح کے اجالوں میں منی ناول، نایاب جیلانی کا بھی بے حد پسند ہے۔ان دونوں رائٹر کی کہانی کا ہر ماہ انتظار رہتا ہے۔پاکیزہ بے حد اچھا ماہ نامہ ہے۔واقعی ہر فرد کے لیے مفید ہے۔جسے پڑھنے سے بوریت ختم ہوجاتی ہے اور ہلکا پھلکا محسوس کرتی ہوں۔'' (پسندیدگی کا شکریہ، ہماری مصنفات شکریہ کہتی ہیں)

☆ پیاری بہنو! پاکیزہ کا آئندہ شمارہ اس لحاظ سے عید نمبر ہوگا کہ دیر سے آنے والے مراسلات اور عید سے متعلقہ بچ جانے والی تحریریں بھی اس شمارے میں لگادی جائیں گی۔اوراب آئیں پہلے درود پاک پڑھتے ہوئے دعا مانگتے ہیں۔ یااللہ' یارحمٰن، یارحیم، اے کریم اللہ ہمارے اور اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ساری امت کے سارے گناہوں کو معاف فرمادے۔ہمارے تمام گناہوں کو نیکیوں میں بدل دے اور نیک کام کی توفیق، ہمت، طاقت، وقت اور مہلت ہم کو ضرور عطا فرما...... یااللہ جس طرح تو نے آسمان کو زمین پر گرنے سے روکا ہوا ہے اسی طرح شیطان کو ہم پر مسلط ہونے سے بچا۔اے پروردگار موت سے پہلے ہماری مغفرت فرما اور موت کے وقت ہم پر رحم فرما اور موت کے بعد ہمیں عذاب نہ دینا اور قیامت کے روز ہمارا نامۂ اعمال داہنے ہاتھ میں دینا...... بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔اے میرے مالک میرے معبود اے وحدہ لاشریک، آدم علیہ السلام سے لے کر آج تک اور اب موجود اور آئندہ قیامت تک آنے والے سارے ایمان والے مردوں، عورتوں، انسانوں، جنوں سب ہی کی بخشش فرمادے۔ہمارے تمام مسائل حل کردے۔اے سلامتی دینے والے ہمیں ہر بیماری سے شفا عطا کر، لاعلاج و مہلک بیماریوں سے بچا۔ہمیں ہمیشہ عافیت والی زندگی دے تاکہ ہم تیرے دین کو ساری انسانیت تک پہنچاسکیں۔ آمین ثم آمین یامجیب، یامجیب، یامجیب...... (آخر میں ایک بار پھر درود پاک پڑھ لیں)

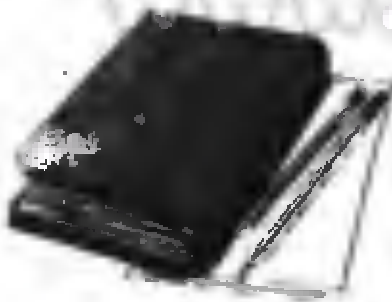
دعا گو آپ کی اپنی باجی

انجم انصار

پاکیزہ میں خط لکھنے کا پتا

مدیرہ ماہنامہ پاکیزہ۔63.C فیز III ایکسٹینشن، ڈیفنس۔مین کورنگی روڈ۔کراچی۔پوسٹ کوڈ 75500

فون نمبر 021-35804200 , 021-35386783,021-35802552 EXT 107,118



پاکیزہ ڈائری

عظمیٰ آفاق سعید

حمدِ باری تعالیٰ

الٰہی مجھے شوق دریا عطا کر
تیرے عشق میں ڈوبنا چاہتی ہوں
مرے دل میں نورِ الٰہی بسا ہو
اسی کی ضیا دیکھنا چاہتی ہوں
میں راضی ہوں تیری رضا چاہتی ہوں
تو سب جانتا ہے میں کیا چاہتی ہوں
محمدؐ کو میرا وسیلہ بنا دے
میں ہر حال تیری عطا چاہتی ہوں
مجھے سبز بستر عطا ہو الٰہی
میں جنت میں چھوٹا سا گھر چاہتی ہوں

کلام: ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی، کراچی

نعتِ رسول مقبول

کوئی سلیقہ ہے آرزو کا نہ بندگی میری بندگی ہے
یہ سب تمہارا کرم ہے آقا کہ بات اب تک بنی ہوئی ہے
کسی کا احسان کیوں اٹھائیں، کسی کو حالات کیوں بتائیں
تم ہی سے مانگیں گے تم ہی دو گے تمہارے در سے ہی لو لگی ہے
عمل کی میرے اساس کیا ہے، بجز ندامت کے پاس کیا ہے
رہے سلامت بس ان کی نسبت میرا تو بس آسرا یہی ہے
عطا کیا مجھ کو دردِ الفت کہاں تھی یہ پُر خطا کی قسمت
میں اس کرم کے کہاں تھا قابل حضور کی بندہ پروری ہے
تجلیوں کے کفیل تم ہو مرادِ قلبِ خلیل تم ہو
خدا کی روشن دلیل تم ہو، یہ سب تمہاری ہی روشنی ہے
بشیر کہیے، نذیر کہیے، انہیں سراج منیر کہیے
جو سر بسر ہے کلام ربی وہ میرے آقا کی زندگی ہے
یہی ہے خالد اساس رحمت یہی ہے خالد بنائے عظمت
نبیؐ کا عرفان زندگی ہے نبیؐ کا عرفان بندگی ہے

شاعر: خالد محمود خالد

مرسلہ: امینہ عندلیب، سلانوالی

کفارہ

سلطان ہند خواجہ معین الدین چشتیؒ نے ایک مرتبہ سوچ سمجھ کر اپنا روزہ توڑ دیا اور پھر ساٹھ (60) روزے رکھ کر کفارہ ادا کیا۔ ہوا یہ تھا کہ ایک بہت ضعیف شخص جو کہ بہرہ اور گونگا تھا بہت دور سے پیدل چل کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کو کھانا پیش کیا۔

آپ نے اسے بتانے کی بہت کوشش کی کہ میں روزے سے ہوں مگر وہ شخص سمجھ ہی نہیں پا رہا تھا۔ آپ نے اس کا لایا ہوا کھانا تناول کرنا شروع کیا تھا کہ اتنے میں ایک تیسرا شخص آ گیا اور بولا۔

''حضرت آپ کا تو روزہ تھا؟''

اس پر آپ نے ارشاد فرمایا۔

''روزہ توڑنے کا کفارہ ہے مگر دل توڑنے کا کوئی کفارہ نہیں۔''

از: لاریب، ماہ زیب، چونیاں

رمضان المبارک کی آخری رات کی بخشش

☆ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ رمضان کی آخری رات میں امتِ محمدیہ کی مغفرت کر دی جاتی ہے۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ کیا اس سے شبِ قدر مراد ہے؟ فرمایا نہیں، بات یہ ہے کہ عمل کرنے والے کا اجر اس وقت پورا دے دیا جاتا ہے جب وہ کام پورا کر دیتا ہے اور آخری شب میں عمل پورا ہو جاتا ہے لہٰذا بخشش ہو جاتی ہے۔

☆☆☆

جس دن صبح کو عید یا بقر عید ہو، اس رات کو بھی ذکر، عبادت اور نفل نماز سے زندہ رکھنے کی فضیلت آئی

ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جس نے دونوں عیدوں کی راتوں کو عبادت کے ذریعے زندہ رکھا، اس دن اس کا دل مردہ نہ ہوگا، جس دن دل مردہ ہوں گے، یعنی قیامت کے دن۔

مرسلہ: ناہید بنت نور......واہ سیمنٹ ورکس

دعا

اے اللہ...... اگر میری روزی آسمان میں ہے تو نازل فرمادے!

اگر زمین کے اندر ہے تو ظاہر کردے
اگر دور ہے تو قریب کردے
اگر قریب ہے تو مجھے عطا فرمادے
اگر مجھے دے چکا ہے تو اس میں برکت عنایت کر دے، آمین

از: ناظمہ شاہین اعوان......واہ کینٹ

چاند رات

گئے برس کی عید کا دن کیا اچھا تھا
چاند کو دیکھ کے اس کا چہرہ دیکھا تھا
فضا میں کیٹس کے لہجے کی نرماہٹ تھی
موسم اپنے رنگ میں فیض کا مصرع تھا
دعا کے بے آواز الوہی لمحوں میں
وہ لمحہ بھی کتنا دلکش لمحہ تھا
ہاتھ اٹھا کر جب آنکھوں ہی آنکھوں میں
اس نے مجھ کو اپنے رب سے مانگا تھا
پھر میرے چہرے کو ہاتھوں میں لے کر
کتنے پیار سے میرا ماتھا چوما تھا
ہوا کچھ آج کی شب کا بھی احوال سنا
کیا وہ اپنی چھت پر آج اکیلا تھا
یا کوئی میری جیسی تھی اور اس نے
چاند کو دیکھ کے اس کا چہرہ دیکھا تھا

مرسلہ: سعدیہ ہما شیخ......سرگودھا

عید مبارک

دور، بہت دور
افق کے اس پار
گرم تپتی زمینوں پر
پہاڑ جتنی مجبوریاں
رکھنے والے
ٹھنڈے میٹھے
پردیسیوں کو
گھر کی چوکھٹ پہ
انتظار کرتی
عید مبارک

شاعرہ: صائمہ سجاد بنگش......کوہاٹ

ماں

ایک ایسی خدا نے ہے ہستی بنائی
محبت بھرا درد مند دل وہ لائی
جس کی بدولت میں دنیا میں آئی
یہ دولت، یہ عزت، یہ شہرت کمائی
اسی نے مجھے علم کی دولت دلائی
دونوں جہاں کی حقیقت بتائی
حق اور باطل کی پہچان ہے کرائی
منزل کی جانب صحیح سمت بتائی
پیروں تلے جس کے جنت بنائی
وہ ہستی ہے "ماں" جو خدا نے بنائی

شاعرہ: عالیہ ضیا......کراچی

پیاری صاعقہ (خیبر میل) کے نام

دعائیں

تمہیں تو پتا ہے کہ عید آگئی ہے اور تمہاری کچھ بھانجیاں اور بھانجے ہیں جو تم سے عیدی وصول کرنے کا پورا حق رکھتے ہیں۔ بچوں نے تمہیں عید مبارک کے کارڈ بھیجے تو تمہیں چاہیے تھا کہ تم عیدی بھجواتیں آخر کو اکلوتی خالہ ہو اور پردیس میں ہو، بچوں کے اچھے تحفے بھجواتیں مگر تم نے تو سسرال میں میری ناک کٹوا دی Whatsapp پر خالی لفافے عیدی کے نام سے بھیج کر۔ اے یہ موا کیا جانے بچوں کے ارمان اور اوپر سے یہ بھی خوب کہی عیدی، عیدی ہوتی ہے انٹرنیٹ پر ہو یا دست بدست دو۔ بچے انتظار میں ہیں جلدی عیدی

بھیجو ورنہ تمہارا اکاؤنٹ ہیک کرلیں گے۔

تمہاری دل جلی

بہن شبانہ

از: صائمہ سجاد بنگش...... کوہاٹ

عید کی شب

ہلالِ عید کی شب
تیرے صحنِ چمن میں
روزِ عید کی چاندنی جگمگائے
میری دعا ہے کہ
تیرے گھر کے آنگن میں
ستاروں کی مالا اترے
مسرت کے ان لمحوں میں
خوشیاں تیرے گرد جھلملائیں
بہاروں سے تیرا دامن بھر جائے

مرسلہ: نور افشاں شیخ...... شکار پور

پاکیزہ آنچل

عورت اس وقت تک عورت ہے جب اس کا سر، پیشانی تک مقدس اور پاکیزہ آنچل سے ڈھکا ہو کہ ''عورت'' کا مطلب ہی ڈھکی ہوئی چیز ہے۔ ''عورت'' اس وقت تک قیمتی ہے جب تک یہ پردوں میں مستور ہے جب وہ کسی کے سامنے آجائے تو اس کی قیمت گر جاتی ہے۔ ''شرم'' سے جھکی پلکوں اور ''حیا'' سے کھلتے رخساروں کے سامنے مغربی دنیا کی ساری خوب صورتیاں ہیچ ہیں۔

از: مسز نگہت غفار...... کراچی

غزل

عشق میں یوں بسر ہو گئی
زندگی معتبر ہو گئی
اب بھٹکنے کا امکاں نہیں
شامِ غم راہبر ہو گئی
چھوڑنا بیچ منجدھار میں
عادت راہبر ہو گئی

عشق میں یوں کٹی زندگی
دار ہی پر بسر ہو گئی
مخفی نالۂ کن سے نہ پوچھ
کیوں دعا بے اثر ہو گئی

شاعرہ: فریدہ ہاشمی مخفی...... کراچی

حد ہو گئی ہے بھئی......!

محترم قارئین!

☆ پی ٹی سی ایل کی شکایت درج کرانے کا شکریہ۔
☆ پانی نہ آنے کی شکایت درج کروانے کا شکریہ۔
☆ بجلی نہ آنے کی شکایت درج کرانے کا شکریہ۔

آپ کی شکایت کے بارے میں ہمارا ادارہ بلکہ ہمارے یہ سارے ادارے...... بالکل ایسے ہی فکرمند ہیں جیسے میرے گھر والے...... میرے رشتے کے بارے میں......!

از: فرحانہ پروین...... پنجاب

سناٹا

سرمئی شام مہکتی راتیں
گل رنگ سویرے
عشقِ پیچاں سے لپٹی قسمیں
مستقبل کے خواب سنہرے
مری دنیا چھوڑ کے چاند میں بس گئے
وعدے ارادے دعوے سب
قصہ بن گئے
شام ہوتے ہی یادیں صحن میں
بےکل بےکل پھرتی ہیں
رات آتے ہی یہ دیواریں
چیخ چیخ کر کہتی ہیں
دل تو عشق کا تاج محل تھا
کیوں کھنڈر کر گئے
اصغر تم بن جیتے جی ہم تو مر گئے
ارے تم کیوں ہجرت کر گئے

شاعرہ: نجمہ ناز اصغر...... کراچی

دوستی

☆ دوستی پیاز کی طرح ہوتی ہے جس کی ہر پرت دوسری کے ساتھ محبت سے جڑی ہوتی ہے اس کو کاٹو گے تو صرف آنسو ملیں گے۔
☆ اپنے رب کو یہ مت بتاؤ کہ میرے دوست کم ہیں بلکہ دعا کریں کہ مجھے اچھے دوست ملیں۔
☆ وہ اچھا دوست ہے جو آپ کی غلطیاں محفل میں چھپائے اور تنہائی میں غلطیوں پر تنقید کرے۔
☆ دوستی ایک ایسا پھول ہے جو کھل کر ہر طرف خوشبو بکھیر دیتا ہے۔
☆ اچھے دوستوں کی دوستی ایک سائباں کے مانند ہوتی ہے جو آپ کو دھوپ اور بارش سے بچاتی ہے۔
☆ دوست کبھی نہیں بچھڑتے جو چلے جاتے ہیں وہ یادوں میں زندہ رہتے ہیں۔

از: پروین افضل شاہین...... بہاول نگر

غزل

دکھ پرایا ہو یا اپنا نہیں دیکھا جاتا
رونے والا کوئی چہرہ نہیں دیکھا جاتا
سوچنا پڑتا ہے سو بار مگر جب ہو جائے
پھر محبت میں خسارہ نہیں دیکھا جاتا
میں تو فرقت میں کسی وقت بھی مر سکتی ہوں
خود کو اب اور اکیلا نہیں دیکھا جاتا
کر گیا آنکھیں سمندر جو کہا کرتا تھا
ایک آنسو بھی تمہارا نہیں دیکھا جاتا
میں تیرے ساتھ گزرتی تھی جہاں سے ہر روز
اپنی آنکھوں سے وہ رستہ نہیں دیکھا جاتا
توڑ ڈالوں گی کسی روز کھلونے سارے
مجھ سے ہر روز تماشا نہیں دیکھا جاتا

شاعرہ: تمثیلہ لطیف...... پسرور

پردیسی سجن کے نام

کتنی عیدیں
کتنی شب براتیں آئیں
کئی ساون، کئی موسم
آس و نراش میں گزارے
اب پھر عید آنے کو ہے
اِک عالم میں دھوم مچانے کو ہے
خوشیاں برسانے کو ہے
صندل، چنری اور چوڑیوں کی
پیار بھری سرگوشیوں کا پیغام
سنانے کے لیے
اے میرے پردیسی سجن
اب تو آجا
عید ساتھ منانے کے لیے
ہاں اب تو آجا......

شاعرہ: نسیم نیازی...... لاہور

چور کی تلاش

سردار جی۔ ''کل کوئی میری بیوی کے پرس سے دو ہزار نکال کر لے گیا۔''
دوست۔ ''یار تیری بیوی بہت جھوٹ بولتی ہے پندرہ سو روپے تھے۔ میں نے خود گنے تھے۔''
سردار جی۔ ''یار...... پیسے کا مسئلہ نہیں ہے...... تو بس چور کو پکڑنے میں میرا ساتھ دے۔''

از: صبا نور...... لیہ

ہوشیاری

ذرا سوچو تو
میری تمہاری پسند میں
''ب''
کتنی مشترک تھی
بادل، باغ، بہار اور برسات
پھر تم ایک ہی ''ب'' سے سبقت لے گئے
''بے وفائی'' میں

شاعرہ...... فاخرہ گل
مرسلہ: زرین زبیر کوٹھاری، کراچی

☆☆☆



عیدی

نسرین کی منگنی کو پانچ سال ہو گئے تھے، ہر چھ مہینے کے بعد یوں لگا کرتا تھا کہ اب ٹوٹی کہ تب ٹوٹی...... ایسی بات بھی نہیں تھی کہ یہ منگنی غیر خاندان میں ہوئی ہو یا دل پر پتھر رکھ کر کی گئی ہو۔ رضیہ اور رقیہ دونوں بہنوں نے بڑی محبت سے اپنے بچوں کی یہ منگنی کی تھی۔ طے یہ پایا تھا کہ ساجد کو نوکری ملتے ہی شادی ہو جائے گی۔

منگنی کے ایک سال بعد ہی ساجد کو نوکری مل گئی۔

''اب اپنی امانت اپنے گھر لے جاؤ۔ نسرین نے بی اے بھی کر لیا ہے، بی اے کے بعد بیاہ ہو جانا چاہیے۔'' رضیہ نے اپنی آپا رقیہ سے کہا۔

''اے لو! اتنی جلدی کیسے کرلوں شادی...... ابھی تو اس کے پاس پیسے جمع بھی نہیں ہوئے ہیں۔ نسرین تو بی اے کر کے خاصی نالائق ہے، تم اس کو ایم اے کرا دو۔''

''مگر میں یہ تو تم سے نہیں کہہ رہی کہ دھوم دھڑ کے سے شادی کرو۔ بس سادگی سے کرلو۔ منگنی کے بعد یوں بھی لڑکیاں خاصی نفسیاتی سی ہو جاتی ہیں۔ دونوں گھرانوں کی کوئی بھی بدمزگی اُن کے دل کو دہلا کر رکھ دیتی ہے۔''

''کہہ دیا ناں! میں ابھی اپنے ساجد کی شادی اتنی جلدی نہیں کرنے کی۔'' رقیہ آپا نے تنک کر کہا۔

''تو پھر منگنی کیوں کی تھی۔ نسرین تو ہرگز آگے نہیں پڑھے گی، وہ بدشوق ہے۔''

''تمہیں جلدی ہے تو توڑ دو یہ منگنی اور کہیں اور کرلو۔'' رقیہ آپا کی یہ بات بیچاری رضیہ کو لرزا کر رکھ دیتی تھی اور تب اس سے ایک لفظ بھی نہیں بولا جاتا تھا۔

یونہی پانچ سال گزر گئے۔ ساجد کی دو مرتبہ ترقی بھی ہو گئی۔ نسرین اپنی بات پر قائم رہی اور آگے پڑھ کر نہیں دیا۔ بقول اس کے بی اے کے پرچے تو گیس پیپرز والوں کی وجہ سے اچھے ہو گئے تھے اور اب وہ آگے رسک نہیں لے سکتی تھی کہ پڑھنے کا شوق بالکل بھی نہیں تھا۔ ایم اے کا نام سن کر ہی اس کو چکر سا آتا تھا۔ اور اس کی سہیلیوں نے اسے یہ بات اچھی طرح سمجھا دی تھی کہ نام کے ساتھ اگر بی اے کی ڈگری ہو تو کم عمر لڑکی کا تصور آتا ہے اور اگر ایم اے، ایم فل کی ڈگری لگی تو کسی عمر والی خاتون کا احساس ہوتا ہے۔ جو کہیں لیکچر دینے جا رہی ہے۔ رضیہ نے پانچ سال انتظار بہت کر لیا تھا۔ اب ان میں ہمت تھی نہ سکت...... نسرین کے ساتھ کی سب ہی لڑکیاں خیر سے بیاہی گئیں۔

رضیہ نے اپنی آپا کے سامنے جب بھاری جہیز اور سلامی میں اسکوٹر دینے کے ٹیلر دکھانے شروع کیے تو رقیہ نے کہا۔

''اچھا عید کے بعد شادی کر لیتے ہیں۔'' رقیہ کا ہاں بھرنا تھا۔ رضیہ بھی خوش ہو گئیں اور مارے خوشی کے، ایک بھاری سی ساڑی اپنی بہن کو گفٹ کر دی۔

نسرین بھی خوش تھی۔ عید کے بعد شادی ہو رہی ہے اور عید سے پہلے عیدی آئے گی، منگنی کے بعد یہ پہلی عیدی تھی جس کے لانے کا ان کی خالہ نے اقرار کیا تھا۔

نسرین مارے خوشی کے سب سہیلیوں کے ہاں فون کر رہی تھی کہ اس کی عیدی آنے والی ہے۔

سہیلیاں اپنی، اپنی عیدیوں کی تفصیل اسے بتا رہی تھیں۔ جس سے اس کے تصورات کی اڑانیں بھی خوب اونچی ہو رہی تھیں۔

''اماں میرا خیال ہے میرے لیے خالہ پانچ ریشمی اور پانچ کاٹن کے سوٹ لائیں گی، ہر سوٹ کے ساتھ میچنگ جیولری ہوگی۔ میک اپ کا سامان، سینڈل، چوڑیاں اور گولڈ کی چین تو ضرور ہوگی ...کہ ساجد بھی ہر وقت اپنے گلے میں پہنے رہتے ہیں۔''

اماں نے اس کی باتیں سنیں تو ہنس کر بولیں۔

''ارے پاگل ہو رہی ہے کیا...... تیری خالہ کوئی بری تھوڑی لے کر آ رہی ہیں جو اتنی ڈھیر ساری چیزیں لے کر آئیں گی۔''

''مگر میری سہیلیوں کی عیدی تو ایسے ہی آتی ہے۔''

''جھوٹ بولتی ہوں گی تیری سہیلیاں۔'' اماں نے اسے حوصلہ دیتے ہوئے کہا۔

''میں نے خود دیکھی ہے ان کی عیدی۔ اس میں جھوٹ بولنے کی تو کوئی بات ہی نہیں ہے۔''

''تمہاری خالہ کنجوس ہیں، وہ اتنی عیدی نہیں لائیں گی۔''

''ساجد بھی کنجوس ہے کیا؟''

''ساجد کی اپنے گھر میں نہیں چلتی۔ جو ماں، بہنیں کہہ دیتی ہیں۔ وہی ماننے کا عادی ہے۔''

''مگر میری تو بڑی بھاری بے عزتی ہو جائے گی۔ جب میری سہیلیوں کو پتا چلے گا کہ پانچ سال کی منگنی میں پہلی مرتبہ عیدی آئی اور وہ بھی تھرڈ کلاس سی۔'' نسرین نے روتے ہوئے کہا۔

''تم کہہ دینا، خالہ نے کیش میں پانچ ہزار روپے بھجوا دیے ہیں کہ جو دل چاہے لے لو۔'' اماں نے پھر تسلی کے پھاہے رکھے۔

اور پھر نسرین کی عیدی آ گئی۔ سویاں، چینی، کھجلہ، پھینی، ہر شے آدھا، آدھا کلو کے قریب تھی۔

''یہ سب کیا ہے؟'' نسرین نے حیرت سے پوچھا۔

''تمہاری عیدی ہے۔ تاکہ عید میں جب ہم تمہارے گھر آئیں تو تم مزے، مزے کی چیزیں ہمیں پکا کر کھلاؤ۔'' خالہ ہنس، ہنس کر کہہ رہی تھیں اور نسرین آنکھوں میں آنسو بھر کے کبھی ماں کو دیکھ رہی تھی تو کبھی خالہ کو...... ایسی عیدی تو کبھی اس کی کسی سہیلی کی بھی نہیں آئی تھی۔

''کیا ایسی بھی عیدی ہوتی ہے؟'' اماں کو کمرے میں لے جا کر پوچھا۔

''ہاں ایسی بھی عیدی ہوتی ہے، تمہاری خالہ رقیہ کی عیدی پہلی مرتبہ ایسی ہی آئی تھی اور برسوں پرانی پھانس ان کے دل سے آج نکلی ہو گی۔'' اماں نے اپنے آنسو پیتے ہوئے کہا۔

نقصانات

''سنیے، یہ اے سی نکلوا دیجیے۔'' اس نے بلک کر کہا۔

''کیوں بھئی؟'' اسے حیرت تھی، اس لہجے پر۔

''بس ایسے ہی۔'' غصہ اس کی رگ، رگ میں بھرا ہوا تھا۔

''خواہ مخواہ میں۔'' اس کا موڈ بھی شارپ ہو گیا۔

''میں نے کہا ناں کہ اے سی نقصان دے رہا ہے۔''

''پہلے لگوانے کے لیے خوب تاویلیں دی جا رہی تھیں۔ اب نکلوانے کے درپے ہو۔ معلوم ہے کہ پچیس ہزار کا آیا ہے۔ بیچنے جاؤ گی تو تم سے کوئی پانچ ہزار کا بھی نہیں لے گا۔''

اب وہ کیا کہتیں کہ اپنے بیڈ روم میں ''اے سی'' کیا لگوا لیا تھا کہ کمرا ''شارع عام'' بن گیا تھا۔ ہاں، اب مسلسل وہ رو رہی تھیں مگر ان کے یہ آنسو کوئی دیکھ نہیں سکتا تھا کہ وہ دل پر گر رہے تھے۔

ساس اپنی ساری نمازیں اور سارے وظیفے وہیں بیٹھ کر پڑھنے لگی تھیں۔ ان کی چوکی اب ہمہ وقت کی ہوتی تھی۔

چھوٹی نند اپنا چارسوتی کا بیڈ کا بچھونا اسی کمرے میں کاڑھتی تھی۔ جب تک وہ کمرے میں رہتی ان کی ٹلے نویسی علیحدہ کرنا پڑتی۔

بڑی جیٹھانی نے تو مفت مشورہ دے دیا تھا۔ ''دلہن اپنے کمرے سے یہ الماری، ڈریسنگ ٹیبل اور شوکیس باہر نکالو اور فرشی دری، چاندنی بچھا لو تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ یہاں آرام کر سکیں۔''

بیاہی نندیں اپنے لاؤ لشکر سمیت آتیں تو اماں کے کمرے کے بجائے اس کے کمرے میں سانس لیتیں بلکہ برقع کی ڈوریاں بھی وہیں ڈھیلی ہوتیں اور سب کے برقع اس کے بیڈ پر سرہانے کے ساتھ سمٹ جاتے۔

''ہائے بھابی جان، اے سی سے تو کمرا جنت لگ رہا ہے۔ اتنی گرمی میں یہاں سے باہر جانے کو دل ہی نہیں چاہتا۔''

نہ صرف ہر آیا گیا، اس کے کمرے میں آتا بلکہ قیام کرنے والے مہمان بھی اس کے کمرے میں ٹھہرائے جاتے۔

چھوٹی نند کی ہونے والی ساس جب ایک ہفتہ رہ کر گئیں تو اپنی ہونے والی بہو سے زیادہ ''اے سی'' کی تعریف کر کے گئیں۔ بلکہ دبے لہجے میں کہہ گئیں کہ جہیز میں سب سے عمدہ چیز فریج، ٹی وی، واشنگ مشین اور اسکوٹر کے بعد اے سی ہوتا ہے۔ (کر لو گل)

اے سی کیا تھا۔ مہمانوں کی تواضع کا ایک جزو خاص تھا جیسے چائے کے ساتھ سموسے، کیک اور اب اے سی کی ٹھنڈک بھی مہیا کی جاتی تھی۔

دیور کی بیٹی کو برسوں سے گرمی دانوں کی بیماری تھی مگر اب اس کا علاج ملیحہ کا بیڈ روم ٹھہرایا گیا تھا اور عرصہ علاج کی میعاد پورا موسم گرما ٹھہرا تھا۔

کمرے میں ہی ہیں...... ہیں کرنے لگتے تھے۔

''ہیں کیا کہا۔ مجھے سنائی نہیں دے رہا۔'' ساس کی ناراضی کا گراف بڑھ رہا تھا۔ ''اس بڑھیا کی برائیاں بھی اس کے سامنے ہی کی جاتی ہیں، ڈھیرے، ڈھیرے۔''

تب ملیحہ کو ایسا لگتا کہ میاں کی چھٹیاں، اے سی لگنے کی وجہ سے مکروہ ہو گئی ہیں۔ وہ اس قدر محتاط ہو گئے تھے کہ اللہ کی پناہ، بیوی کو شوہرانہ نظروں سے دیکھنا تک بند کر دیا تھا۔ آخر تنگ آ کر اس نے کہہ ہی دیا۔

''سنیے، یہ آپ اے سی میرے کمرے سے نکلوا دیجیے۔ بہت نقصان دے رہا ہے۔''

ڈبل بیڈ

انسان بہت سی پریشانیاں از خود پیدا کرتا ہے۔ اب کچھ اور نہیں سوجھا تو ڈبل بیڈ ہی تخلیق کر دیا۔

اور ڈبل بھی ایسے، ایسے کہ ان پر ایک فرد بھی ایمان داری سے نہ سو سکے۔

چھوٹے قد کے لوگ تو پھر بھی اپنی ٹانگیں دہری کر کے سو جائیں مگر طویل القامت لوگ تو مجال ہے ایسے بستر پر لیٹ بھی سکیں۔

بچے کے جھولے سے بالشت بھر چوڑے ڈبل بیڈ کو دیکھ کر اگر سینہ پیٹنے کو دل چاہے تو یہ قابلِ اعتراض بات تو نہیں۔

صرف ڈبل بیڈ کی بدولت انسان اپنے خیالات کو عملی جامہ پہنانے سے قاصر رہ جاتا ہے۔

اب بیچارے شوہر کا بیوی سے لڑائی کے بعد یہ دل چاہتا ہے کہ وہ ایک ماہ تک اس کی شکل نہ دیکھے بات نہ کرے بات نہ سنے مگر صرف ڈبل بیڈ کی بدولت اچھے خاصوں کی زندگی وبال ہو کر رہ جاتی ہے۔

انسان کی خواہشات، خاص طور پر بیچارے شوہروں کی، خس و خاشاک کی طرح یوں پامال ہو جاتی ہیں کہ مجال ہے کہ وہ دو چار گھنٹے سے زیادہ لڑائی رہ سکے۔

اب لوگ منہ کھول کر کہہ دیتے ہیں کہ ''آج کل میاں، بیوی لڑتے، جھگڑتے بہت ہیں۔''

''طلاقوں کی شرح بہت بڑھ گئی ہے۔''

اب کوئی اصل وجہ نہیں دیکھتا کہ اس میں تمام تر ہاتھ ڈبل بیڈ کا ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ جو چیز جتنی زیادہ قریب ہو گی اس کی اہمیت یقیناً اتنی ہی کم ہو گی۔

دور کیوں جائیں ہمارے نانا، نانی اور دادا، دادی میں محبتیں اس وجہ سے زیادہ ہوا کرتی تھیں کہ وہاں ڈبل بیڈ تو کیا، ذاتی بیڈ روم کا بھی کوئی تصور نہ تھا۔

مردان خانے علیحدہ...... (کھلی چھٹی تھی)

زنان خانے علیحدہ...... (بیویوں کے سر پر شوہر کا بھوت ہمہ وقت سوار نہیں تھا)

پہلے بیویاں بھی اپنے شوہروں پر آسیب بن کر نہیں چھایا کرتی تھیں۔

شادی کا دوسرا دن آیا...... اُدھر صبح تڑکے...... میکے والے لینے آ گئے۔

سسرال گئے ابھی ہفتہ بھر نہیں ہوا تھا کہ محرم کا چاند ہو گیا پھر میکے آنا پڑا۔ انہوں نے نہ صرف چاند دیکھا بلکہ چاند کی اکیسویں کو اپنے گھر آئیں۔

پہلے بیویاں اپنے میکے جانے کے بہانے ڈھونڈا کرتی تھیں۔

سوتے میں آنکھ بھی پھڑکی تو کلیجا منہ کو آ گیا۔

''اللہ! ابا میاں خیریت سے ہوں۔''

''اماں کی بکری بیمار تھی، سر ڈالے پڑی تھی۔''

''کالی مرغی دانہ نہیں چگ رہی تھی۔''

''ابا جی کا جی ماندہ ماندہ تھا۔''

میاں نے تُرت تُرت کروائی اور وہ میکے آگئیں۔

ساون آیا تو بھائی لینے آگئے۔

میکے میں کسی کی آنکھ بھی دکھنے آئی، جم کر رہنے آگئیں۔ اُدھر میاں جانی، ٹھاٹ سے کبوتر اڑاتے رہے۔ مجال ہے کہ جو بھی بغیر بلائے سسرال گئے ہوں۔ یہی وجہ تھی کہ پہلے دامادوں کی عزت ہوا کرتی تھی۔ الٹیاں شروع ہوئیں تو دوڑ کر میکے آگئیں۔ بال بچہ ہوا تو نہ صرف چھٹی اور سوا مہینہ کیا بلکہ بچے کو بھی پال پوس کر لائیں۔

یہ وہ دور تھا کہ جب میاں بیوی میں پانچ سال تک اچھی طرح تعارف بھی نہیں ہو پاتا تھا۔ آج کی طرح نہیں کہ اب میاں بیوی پانچ دنوں میں ہی ایک دوسرے کو اتنا زیادہ جان لیتے ہیں کہ مزید جاننے کی خواہش ان کے دل میں دم توڑ دیتی ہے۔ اور اس کے قصوروار...... وہ بیچارے نہیں ہیں۔ صرف اور صرف ''ڈبل بیڈ'' ہے۔

پیاری آپا جان......

''جگ جگ جیو......!

آپ نے مجھ سے کہا تھا ہر ہفتے باقاعدگی سے خط لکھنا جب ہی میرا ڈپریشن ختم ہوگا...... تو اس ہفتے کی کیا بات لکھوں...... اتنی بارشیں ہوئیں کہ میرا ذہن ابل کر رہ گیا تھا۔ آپ سوچ رہی ہوں گی کہ بارشوں میں تو ذہن کی آگ بھی نکل جاتی ہے تو پھر میں کیونکر خاک ہوئی تو وجہ یہ ہے کہ ہمارے ہاں سکھر سے مہمان آئے ہوئے تھے، جب بارش سے ایک دن پہلے جا رہے تھے میں نے یونہی سرسری طور پر صرف مہمان داری کے جذبے کے تحت اوپری، اوپری ان سے کہہ دیا۔

''خالہ جان...... آپ اتنی جلدی سکھر کیوں جا رہی ہیں ایک آدھ دن تو ٹھہر جائیں، آپ کے آنے سے سچی اتنا مزہ آیا ہے اور گھر میں علیحدہ رونق ہوگئی ہے۔'' (بس صرف اتنا ہی کہا تھا)

خالہ جان اپنا برقع اتار کر دور پھینکتے ہوئے بولیں۔

''لو میں صدقے، میں واری یہ تو بڑی اچھی بہو ہے، تاج الدین کا تو نصیب کھل گیا...... اتنی اچھی دلہن ملی ہے جو اپنے سسرالی مہمانوں سے اتنی محبت کرتی ہے۔ ورنہ اپنے خاندان کی بہویں بھی دیکھی بھالی ہیں جو مہمانوں کو دیکھ کر برے، برے منہ بناتی ہیں۔'' سکھر والی خالہ جب رکیں تو خیال یہی تھا کہ چلو آج نہیں تو کل وہ سکھر کے لیے روانہ ہو جائیں گی۔ مگر کراچی میں جب بارشوں کا سلسلہ شروع ہوا تو رکنے میں ہی نہیں آیا اور اگر کسی دن بارش رکی تو ٹرینیں رک گئیں...... کہیں سے پٹڑی بہہ گئی...... تو کہیں سے پل...... چلو اگر یہ سب ہو بھی گیا تھا تو ٹی وی والوں کو یہ دکھانے کی کیا ضرورت تھی کہ مسافر اسٹیشنوں پر بیٹھے پریشان ہو رہے ہیں۔

بھئی سفر کرنے میں کس کو آسانیاں ملتی ہیں۔ یاد ہے جب میں میرپور خاص آئی تھی۔ تو نہ پانی ملا تھا، نہ چائے...... اسٹیشن کی کسی پی تھی تو ہیضہ ہو گیا تھا......! گھر کا پکا ہوا کھانا...... ٹفن میں علیحدہ سڑ کر رہ گیا تھا...... پانی سے بھرا ٹھنڈا کولر ہم ٹیکسی میں بھول گئے تھے۔ سفر میں بوکھلاہٹیں...... اور پریشانیاں نہ ہوں تو سفر کیسا......؟ سکھر والی خالہ اپنے بچوں کے ساتھ پورے انیس دن رہ کر گئیں۔ جاتے، جاتے ان کے بچے ڈریسنگ ٹیبل کا شیشہ توڑ گئے......! قالین پر چائے گرادی، صوفے پر مار کر سے نشان بنا دیے...... دیواروں پر پوری گنتی اور ٹیبل لکھ دیے...... اور گلاس تو سارے کے سارے ٹوٹ گئے ہیں۔ گھر کے سارے لوگ چائے کے مگ میں اب پانی بھی پی رہے ہیں۔ آپ نے کہا تھا کہ ساون میں سکون ملتا ہے اور ڈپریشن تو ہوا ہو جاتا ہے......! مگر آپا میرا ڈپریشن تو بڑھ گیا ہے...... خط لکھنے کو دل بھی نہیں چاہ رہا تھا۔ بحالتِ مجبوری لکھ دیا ہے...... سکھر والی خالہ کی بیٹی آپ کے محلے میں بیاہی ہے، اس سے کہنا کہ اس کی اماں مجھے بالکل بھی اچھی نہیں لگتی ہیں...... ہاں آپا آپ کب میرے پاس آئیں گی، پلیز پندرہ دنوں کے لیے آجائیں سب بچوں کے ساتھ، سب ہی بہت یاد آتے ہیں۔ آپ کے آنے کی رونق میری طبیعت بھی ٹھیک کرے گی۔

فقط آپ کی بہن سلمٰی خاتون''

☆☆☆

مینگو سوفلے

اشیا: کنڈینسڈ ملک، 1 ٹن۔ آم کا پلپ، 1 کپ۔ چینی، 4 کھانے کے چمچ۔ جیلیٹن پاؤڈر، 1 کھانے کا چمچ۔ پانی، 1/4 کپ۔ پائن ایپل جیلی، 1 پیکٹ۔ آم کے ٹکڑے، چیری اور بادام، پستہ (گارنش) حسبِ ضرورت۔

ترکیب: جیلیٹن پاؤڈر کو چوتھائی کپ پانی میں مکس کرلیں۔ پائن ایپل جیلی ایک کپ گرم پانی میں مکس کرکے ایک طرف جمنے کے لیے رکھ دیں۔ اب سارے اجزا بلینڈر میں اچھی طرح بلینڈ کرلیں۔ مکسچر ایک باؤل میں انڈیل دیں اور دو گھنٹے کے لیے فریج میں رکھ دیں۔ پھر اسے دوسرے پلیٹر میں پلیٹ دیں اور آم کے ٹکڑوں، چیری اور بادام پستے کے ساتھ سجا کے سرو کریں۔

مرسلہ: جبیں نیاز، ملتان

کھوئے والی رنگین سویاں

اشیا: سویاں، (باریک والی) 3 کپ۔ سبز الائچی، (کوٹ لیں) 2 سے تین عدد۔ کیوڑہ، 1 چائے کا چمچ۔ پانی، 1/2 کپ۔ گھی، 2 کھانے کے چمچ۔ زردہ رنگ، 2 چائے کے چمچ۔ چینی، دو کپ۔ کشمش، 2 کھانے کے چمچ۔ ابلا ہوا پانی، 3 کپ۔ کھویا، 1/2 کلو۔ بادام، پستہ، حسبِ پسند سجاوٹ کے لیے۔

ترکیب: ابلتے ہوئے پانی میں سویاں ڈالیں اور 2 منٹ تک پکائیں۔ ایک الگ دیگچی میں گھی کڑکڑائیں اور اس میں چینی، زردے کا رنگ اور 1/2 کپ پانی شامل کریں۔ جب چینی پگھل جائے تو آدھی سویاں ڈالیں اور اس پر کھوئے اور کشمش کی تہ لگائیں۔ پھر بقیہ سویاں ڈال کر کیوڑہ چھڑک کر 2 منٹ کے لیے دم پر رکھیں۔ مزیدار سویاں تیار ہیں۔ اوپر سے بادام پستہ چھڑک دیں۔

مرسلہ: زریں مشتاق، منڈی بہاؤالدین

پینا کولاڈا

اشیا: کیلا، 1/2 کپ (چھیل کر ٹکڑے کاٹ لیں)۔ اناناس، 1/2 کپ (چھوٹے ٹکڑوں میں کٹے ہوئے)۔ اناناس کا رس، 1 پیالی۔ اسٹرابری آئسکریم، 1 اسکوپ (بڑا)۔ کوکونٹ پاؤڈر، 1 سے 2 چمچ۔

ترکیب: بلینڈر میں کیلا، اناناس اور اناناس کا رس ڈال کر اچھی طرح بلینڈ کرلیں۔ جب مکسچر گاڑھا ہو جائے تو اس میں اسٹرابری آئسکریم، برف اور کوکونٹ پاؤڈر ڈال کر مزید بلینڈ کرلیں۔ پھر شیشے کے خوب صورت سے گلاس میں نکال کر پائن ایپل کے سلائس سے سجا کر ٹھنڈا ٹھنڈا پینا کولاڈا پیش کریں۔

(آج کل گھروں کی ہر تقریب میں یہ پیش کیا جاتا ہے)

مرسلہ: عرشیہ جنید، کراچی

قورمہ والی چکن بریانی

اشیا: مرغی (12 پیس کروالیں) ایک عدد (ڈیڑھ کلو)۔ چاول باستی، (20 منٹ کے لیے بھگو دیں) 1 کلو۔ پسی ہوئی لال مرچ، 1 کھانے کا چمچ۔ پسا ہوا دھنیا، 2 کھانے کے چمچ۔ دہی، 1 پیالی۔ پیاز، (بڑے سائز کی باریک کٹی ہوئی) 2 عدد۔ ادرک۔ لہسن (پسا ہوا)، 1 کھانے کا چمچ۔ کالا زیرہ، 1/2 چائے کا چمچ۔ ثابت کالی مرچ، 6 عدد۔ چھوٹی الائچی، 8 عدد۔ نمک حسبِ ذائقہ۔ زردہ کا رنگ، 1/2 چائے کا چمچ۔ گھی یا تیل، 1 پیالی۔

ترکیب: سب سے پہلے مرغی کو دھو کر ایک دیگچی

میں بغیر پانی کے سارے مسالے گھی سمیت ڈال کر ہلکی آنچ پر چڑھا دیں۔ جب پانی سوکھ جائے تو دہی ڈال کر تھوڑا سا بھون لیں۔ اب دو پیالی پانی ڈال کر دم پر رکھ دیں۔ ایک بڑی دیگچی میں چاول ابالنے رکھ دیں اس میں چار یا پانچ پودینے کے پتے، ہری مرچ، کالی مرچ اور کالا زیرہ بھی ڈال دیں، جب چاول دو کنی ابل جائیں تو چاول نتھار لیں پھر چاول والی دیگچی میں نیچے چاولوں کی تہ پھر مرغی کی پھر چاولوں کی سب سے اوپر زردہ کا رنگ اور ایک لیموں کا رس ڈال کر دم پر رکھ دیں۔ پہلے توے کے نیچے تیز آنچ پھر ہلکی کر دیں۔ دہی کے رائتے کے ساتھ سرو کریں۔ عید لنچ کی یہ خاص ڈش ہو گی۔

مرسلہ: نفیسہ آرا، راس الخیمہ

جرغہ مسالا

اشیا: ثابت مرغی، ڈیڑھ کلو۔ لیموں کا عرق، 1/2 پیالی۔ اسپیشل مسالا، 1 کھانے کا چمچ (جس کی ترکیب آخر میں درج ہے)۔ بھنا ہوا بیسن، ڈیڑھ چائے کا چمچ۔ چاٹ مسالا، 6 کھانے کے چمچ۔ لیموں، 3 عدد سجاوٹ کے لیے۔ سلاد کے پتے، 4 عدد۔ پیاز، ایک بڑی لچھوں میں کاٹ لیں۔ تیل تلنے کے لیے۔

ترکیب: ایک پیالے میں لیموں کا رس، مسالا اور بیسن ملائیں اور مرغی پر لگا کر پلاسٹک کی تھیلی لپیٹ کر 2 گھنٹوں کے لیے فریج میں رکھ دیں۔ مرغی کو اسٹیمر میں 30 منٹ کے لیے اسٹیم کر کے رکھ لیں۔ (اسٹیم کرنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ ایک بڑی دیگچی میں پانی ابالیں اور ڈھکن کی شکل میں اس کے اوپر اسٹیل کی جالی چھننا رکھیں اور اس پر مرغی رکھ کر دوسری دیگچی الٹ کر ڈھک دیں، بیس سے پچیس منٹ مرغی بھاپ میں رہے) ایک کھلے منہ کی دیگچی میں تیل گرم کریں اور مرغی کو سنہری رنگ آنے تک تلیں۔ مزیدار جرغہ مسالا، سلاد پتے اور باریک کٹے ہوئے لیموں اور پیاز کے ساتھ سجا کر پیش کریں۔

مسالا بنانے کے لیے کشمیری مرچ، 125 گرام۔ لال مرچ راجستھانی، 125 گرام۔ ثابت سفید زیرہ، 100 گرام۔ ہیری، ایک کھانے کا چمچہ۔ ثابت دھنیا، 4 کھانے کے چمچے۔ لونگیں، 6 عدد۔ چھوٹی الائچیاں، 10 عدد۔ بادیان، 4 پھول۔ جاوتری، ایک چائے کا چمچہ۔ یہ سب توے پر بھون کر پیس لیں اور حسبِ ضرورت استعمال کریں۔

مرسلہ: ماہ نور خان، بہارہ کہو

مشروم چکن بریانی

اشیا: چکن، ڈیڑھ کلو۔ پیاز، 3، 4 عدد۔ ٹماٹر، 3، 4 عدد۔ نمک، 1 کھانے کا چمچ۔ مرچ، حسب پسند۔ دھنیا، پودینہ، حسبِ ضرورت۔ چھوٹی الائچی، 6 تا 8 عدد۔ پیلا رنگ، چٹکی بھر۔ تیل، 1/2 کپ۔ گرم مسالا ثابت، 1 کھانے کا چمچ۔ مشروم، 100 گرام۔ لہسن، ادرک پیسٹ، 1 کھانے کا چمچ .... دہی، 1 کپ۔ ہری مرچ، 6، 7 عدد۔ پسا گرم مسالا، 1 چائے کا چمچ۔ کیوڑا، 1/2 چائے کا چمچ۔ چاول (ایک کنی ابال لیں)، 1 کلو۔

ترکیب: پیاز فرائی کریں، لائٹ گولڈن ہونے پر نکال لیں، اب اسی تیل میں چکن فرائی کریں۔ لہسن ادرک ڈالیں۔ پھر ٹماٹر ڈالیں۔ دہی کے ساتھ تلی پیاز کو پیس لیں۔ نمک، مرچ، ہلدی، گرم مسالا اور چھوٹی الائچی ڈال کر بھونیں۔ جب پانی اچھی طرح خشک ہو جائے تو مشروم ڈالیں اور ہرا دھنیا، پودینہ اور ہری مرچ ڈالیں۔ اب چاولوں کو نمک اور ثابت گرم مسالا ڈال کر ابالیں اور نتھار لیں۔ ایک پتیلی میں ایک تہ چاول کی اور ایک مشروم چکن مسالے کی لگائیں۔ آخر میں سفید چاول اوپر ہوں۔ ذرا سے پانی میں رنگ گھول لیں اور کیوڑا اوپر سے چھڑک دیں۔ چاولوں کو دم دے دیں۔ مزیدار مشروم چکن بریانی تیار ہے۔

مرسلہ: سنبل ملک، شاہدرہ

☆☆☆

صغریٰ زیدی

☆ آمنہ فاروق...... ضلع چکوال

اس کے ابروئے خمیدہ کی طرح تیکھا تھا
اپنی آنکھوں میں بڑی دیر چھپا عید کا چاند

☆ جمیلہ لوہی...... بلوچستان

آنے والی رُتوں کے آنچل میں
کوئی ساعت سعید کیا ہوگی
گل نہ ہوگا تو جشنِ خوشبو کیا
تم نہ ہوگے تو عید کیا ہوگی

☆ رحمت خاتون...... لاوہ

اِدھر سے چاند ہم دیکھیں، اُدھر سے چاند تم دیکھو
نگاہوں کا تصادم ہو اور اپنی عید ہو جائے

☆ عمرانہ عباس...... لیہ

جانے کیوں آپ کے رخسار مہک اٹھتے ہیں
جب کبھی کان میں چپکے سے کہا عید کا چاند
دور ویران بسیرے میں دیا ہو جیسے
غم کی دیوار سے دیکھا تو لگا عید کا چاند

☆ مریم کاشف...... حیدر آباد

سب لوگ دیکھتے ہیں کھڑے چاند عید کا
مشتاق ہوں میں رشکِ قمر تیری دید کا

☆ جبیں نیاز...... ملتان

دن بھر خفا تھی مجھ سے مگر چاند رات کو
مہندی سے میرا نام لکھا اس نے ہاتھ پر

☆ ثمرہ مراد...... کراچی

آج کے دن صاف ہو جاتا ہے دل اغیار کا
آؤ مل لو عید یہ موقع نہیں تکرار کا

☆ کرن شاہد...... کراچی

تیرے بغیر ہم نے گزاری ہے ایسے عید
جیسے سفر میں شامِ غریباں گزر گئی

☆ لاریب...... چونیاں

عید کا چاند جو دیکھا تو مجھے یاد آیا
بن ترے ہم نے بھی اک سال بسر کر ہی لیا

☆ کوثر خالد...... جڑانوالہ

دے انہیں جنبش کبھی عہدِ وفا کے واسطے
تیرے ہونٹوں میں نہاں میرا ہلالِ عید ہے

☆ شائلہ علی...... شہداد پور

ڈھلنے لگی تھی رات کہ تم یاد آ گئے
پھر اس کے بعد رات بہت دیر تک رہی

☆ ثوبیہ ظہور...... ضلع اٹک

تیری وفا کے تقاضے بدل گئے ورنہ
مجھے تو آج بھی تجھ سا عزیز کوئی نہیں

☆ یاسمین کنول...... پسرور

نفی تم ہو نہیں سکتے جمع سے تم کو نفرت ہے
تمہیں تقسیم کرتے ہیں تو ضرب دل پر لگتی ہے

☆ روابہ شجاع...... راولپنڈی

ابھی ابھی وہ ملا تھا ہزار باتیں کیں
ابھی ابھی وہ گیا ہے مگر زمانہ ہوا

☆ سنبل ملک...... شاہدرہ

ہونٹوں کی ہنسی کو نہ سمجھ اصل زندگی
دل میں اتر کے دیکھ ہم کتنے اداس ہیں

☆ سیدہ رفیعہ ابدالی...... کراچی

اپنی کوتاہی پہ تقدیر کو بدنام نہ کر
عزم و ہمت سے مقدر بھی بدل جاتے ہیں

☆ زارا میرانی...... لیہ

کس موڑ پہ لے آیا ہمیں ہجر مسلسل
تاحدِ نگاہ وصل کا وعدہ بھی نہیں ہے
پتھر کی طرح سرد ہے کیوں آنکھ کسی کی
گر اس کا بچھڑنے کا ارادہ بھی نہیں ہے

☆ ماہ زیب...... چونیاں

اشعار میرے یوں تو زمانے کے لیے ہیں
کچھ شعر فقط ان کو سنانے کے لیے ہیں
یہ علم کا سودا، یہ رسالے یہ کتابیں
اِک شخص کی یادوں کو بھلانے کے لیے ہیں

☆ فصیحہ آصف خان۔ملتان

آجا تیری دید کریں
آجا ہم بھی عید کریں
گم صم بیٹھے ہیں کب سے
آجا گفت و شنید کریں

☆ ایمان چوہدری...... فیصل آباد

اسے کہنا جفت اور طاق کا ہم سے نہیں کوئی واسطہ
ہمیں تو جب بھی لگی ضرب لگی تقسیم ہوئے اور بکھرے

☆ شمع...... جڑانوالہ

ساری عیدیں ساری خوشیاں نوخیز کلیوں کو نصیب ہوں
چمکتے سپنے سہانے موسم روشن آنکھوں کے قریب ہوں

☆ کرن کمال...... فیصل آباد

وہ مسکرائیں تو ہنس، ہنس پڑیں کئی موسم
وہ گنگنائے تو بادِ صبا ٹھہر جائے
وہ ہونٹ ہونٹوں پہ رکھ آئے گر دمِ آخر
مجھے گماں ہے کہ آتی قضا ٹھہر جائے

☆ فریدہ افتخار...... اسلام آباد

ماہِ نو دیکھنے تم چھت پہ نہ جانا ہرگز
شہر میں عید کی تاریخ بدل جائے گی

☆ زریں امتیاز...... ژوب

سمجھے گا کون جاگتی آنکھوں کے خواب کو
ہم اپنے حادثوں کے اکیلے گواہ ہیں

☆ صدف آصف...... کراچی

میرا ذکر پڑھنے والے میرا راستہ نہ چن لیں
سرِ ورق یہ بھی لکھنا مجھے مات ہوگئی ہے

☆ انیقہ انا...... ضلع چکوال

خواہشوں کے صحرا میں ہر طرف دھوپ تھی
آدمی برف کے تھے سب کے سب پگھل گئے

☆ پروین افضل شاہین...... بہاول نگر

کس طرف سے آئیں گے جھونکے ہوا کے کیا خبر
طاق سے باہر نہ رکھا کر دیے جلتے ہوئے

☆ نیر فہیم عطاری... کراچی

چلے دل سے امیدوں کے مسافر
یہ نگری آج خالی ہو رہی ہے
نہ سمجھو تم اسے شورِ بہاراں
خزاں پتوں میں چھپ کے رو رہی ہے

☆ سارہ ملک...... ٹنڈو محمد خان

جس پیڑ کی چھاؤں بھی لگے دھوپ کے مانند
اس پیڑ پر پنچھی بھی بسیرا نہیں کرتے
آنکھوں سے نہ پڑھ لے کوئی چہرے کی اداسی
اس ڈر سے تو وہ ذکر بھی میرا نہیں کرتے

☆ ساجدہ ظفر...... کمالیہ

دل کو خالی نہ ہوتے دیا رنج سے
جب پرانا ہوا تو نیا رکھ دیا
جانے کب کس گھڑی یاد اترے تری
خواب کی سیڑھیوں پہ دیا رکھ دیا

☆ زارا کاشف...... دبئی

کبھی جو بچھڑنا چاہو تو یہ سوچ لینا
میری سانسوں کو تم بن چلنا نہیں آتا

☆ صائمہ سجاد بنگش...... کوہاٹ

دل کی بستی میں آج دیکھا ہے
شام کے بعد گھپ اندھیرا ہے

☆ ارم کمال...... فیصل آباد

وقت سوچ اور حالات میں تصادم ہے ورنہ
انسان کیسا بھی ہو دل کا برا نہیں ہوتا

☆ عرشیہ جنید...... کراچی

یاد کرتے ہیں دل ہی دل میں تجھے
اب تیرے تذکرے نہیں ہوتے

☆ دُرِ شہوار...... لاہور

غم بیاں کرنے کو کوئی اور ڈھنگ ایجاد کر
تیری آنکھوں کا یہ پانی تو پرانا ہوگیا



☆ زرینہ..... کالا شاہ کاکو

سوال۔ باجی! آپ کے بتائے ہوئے نسخے قابلِ عمل بھی ہوتے ہیں اور اچھے بھی۔ مجھے بھی ہاتھ پیر صاف رکھنے کا کوئی نسخہ بتاویں؟ میرے ہاتھ اور پیروں کی انگلیوں کے جوڑ بہت کالے، کالے ہیں۔ دوسرے یہ کہ ناخن کے ساتھ والی جلد جو کہ شاید کیوٹیکل کہلاتی ہے سخت تکلیف دیتی ہے۔ اسے نوچتی رہتی ہوں۔ پلیز نجات کا طریقہ بتائیں؟

جواب: زرینہ بی بی! میرا خیال ہے آپ پانی کا زیادہ کام کرتی ہیں یعنی آپ کے ہاتھ، پاؤں پانی میں زیادہ رہتے ہیں مگر آپ پانی کم پیتی ہوں گی جس کی وجہ سے آپ کی جلد خشک ہوگئی ہے۔ اگر نزدیک کوئی پارلر ہے تو آپ وہاں جائیں اور مینی کیور اور پیڈی کیور کروائیں یعنی ہاتھوں اور پیروں کا مساج، صفائی اور ناخنوں کی دیکھ بھال وغیرہ..... رس والے پھلوں کا استعمال کریں یعنی تربوز، خربوزہ، کینو وغیرہ..... اگر کچھ میسر نہ ہو تو ویسلین یا زیتون کا تیل ہاتھ پیروں پر رات کے وقت لگا کر مساج کریں اور ایک گھنٹے بعد ململ کے کپڑے سے صاف کردیں تاکہ آپ کا بستر چکنا نہ ہوجائے۔ کیوٹیکل کو نوچیں نہیں بلکہ آرام سے نیل کٹر سے کاٹ لیں۔

2 ☆ عظمیٰ رستم..... گوجرانوالہ

سوال۔ آنکھوں کے گرد حلقے دور کرنے کا طریقہ بتائیں؟

جواب: دن میں دو دفعہ پندرہ منٹ کے لیے آلو یا کھیرے کے قتلے آنکھوں پر رکھیں..... رات کو سونے سے پہلے زیتون کے تیل کا آنکھوں کے گرد مساج کریں اور..... بھرپور نیند لیں۔ کم روشنی میں پڑھنے سے پرہیز کریں۔

3 ☆ ثوبیہ ظہور..... ضلع اٹک

باجی میں اکثر سنتی رہتی ہوں کہ زیادہ پانی پینے سے رنگ صاف ہوجاتا ہے۔ آپ بتائیں ایسا ہوتا ہے؟ میرا چہرہ بے رونق لگتا ہے کچھ حل بتائیں اور پانی کتنا پینا چاہیے؟

جواب: پانی خدا کی نعمت ہے اور صاف پاک پانی تو یقیناً صحت بخش ہوتا ہے مگر رنگت صاف ہونا اس اعتبار سے ہے کہ دورانِ خون تیز ہوجاتا ہے۔ پانی سے جسم کے فاسد مادے جلدی، جلدی باہر نکلتے ہیں۔ جسم میں تیزابیت کی کمی سے انسان ویسے ہی تازہ دم محسوس کرتا ہے۔ اندر کی گندگی صاف ہوتی ہے، نظامِ انہضام بھی درست رہتا ہے۔ بشرطیکہ آپ کو پانی پینے کے طریقے اور اوقات معلوم ہوں۔ نہار منہ ایک گلاس پانی پینا صحت کے لیے مفید ہے۔ بہت زیادہ ٹھنڈے پانی سے پرہیز کریں۔ کوشش کریں کھانے سے پہلے تو پانی پی لیں مگر بعد میں تقریباً گھنٹا دو گھنٹا بعد پئیں۔ چہرے کی رونق کے لیے عرض ہے کہ غذا پر دھیان دیں۔ مرغن اور مسالے دار اور باسی غذاؤں سے پرہیز کریں۔ مثبت سوچ رکھیں اور چہرے کی صفائی کا بھی خیال خصوصی رکھیں۔

☆ پیاری بہنو! آج کل تربوز بہت اچھے آئے ہوئے ہیں۔ آپ بھی اس نعمت سے فائدہ اٹھائیں۔ تربوز کھانے کے ساتھ، ساتھ اس کا گودا میش کرکے چہرے پر لگائیں اور پندرہ منٹ بعد دھو ڈالیں۔ فرق آپ خود دیکھیں گی۔

☆ تربوز کے بیج پیس کر دودھ کے ساتھ ملا کر پیسٹ سا بنالیں۔ اور اسے رات کو چہرے پر لگائیں اور پندرہ منٹ بعد دھو ڈالیں۔

☆ تربوز کا شربت بھی نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ اسے شکر کے بغیر استعمال کریں۔ تازگی محسوس کریں گی۔

☆ تربوز کے خشک بیج کا تیل بھی جلد کو ملائم اور چمکدار کرتا ہے۔ یہ تیل مختلف کاسمیٹک کریموں میں استعمال ہوتا ہے۔

☆☆☆



بزمِ پاکیزہ پاکیزہ بہنیں

پہلا انعام یافتہ سوال

☆ صاعقہ ریاض...... سندھ

سوال: میرا زیادہ وقت گھر بھر کے کپڑوں پر استری کرنے میں گزرتا ہے۔ بتایئے میرا کیا حال ہوا ہوگا۔ جب میں نے عید پر بغیر استری کے کپڑے پہنے ہوں گے؟

جواب: حال کا تو مجھے نہیں معلوم...... مگر تم یہ ضرور سوچتی ہوگی کہ کاش کچھ لوگوں کو میں بھی استری کر کے سیدھا کر سکتی...... تا کہ اپنے لیے بھی کچھ وقت نکال سکتی۔

دوسرا انعام یافتہ سوال

☆ ماپارہ تسنیم...... کراچی

سوال: ایک چڑا تھا اور ایک چڑی تھی، دونوں کی شادی ہوگئی، پہلی عید کو...... پھر کیا ہوا؟

جواب: ہونا کیا تھا...... پھر دونوں چڑ چڑے ہو کر ہنسی خوشی رہنے لگے۔

☆ فصیحہ آصف خان...... ملتان

سوال: یہ کاٹھ کی ہنڈیا آخر کب اترے گی چولھے سے؟

جواب: بس ذرا سانجھے کی ہنڈیا چوراہے پر پھوٹ جائے۔

☆ عظمیٰ زہری...... اوستہ محمد (بلوچستان)

سوال: میں ہوں کون کہاں اور کیوں
بوجھو پہیلی تو میں مانوں......؟

جواب: آپ ایک بے حد پیاری سی لڑکی ہیں جو اوستہ محمد میں رہتی ہیں اور اپنی خوشی سے رہتی ہیں۔

☆ سیدہ حجاب فاطمہ...... کراچی

سوال: وہ کہتے ہیں ہم سے...... ابھی عمر نہیں ہے پیار کی؟ آخر کیوں......؟

جواب: چار سال ہوگئے فیل ہوتے ابھی تمہارا میٹرک نہیں ہوا۔ اور وہ اتنی چھوٹی سی اسکول گرل سے پیار و محبت جتائیں گے تو کیا انہیں شرم نہیں آئے گی۔

☆ حسنیٰ قندیل...... کمالیہ

سوال: زندگی کو جاوداں بنانے کا راز کیا ہے......؟

جواب: خوش رہو اور خوش رہنے دو۔

☆ رفعت خادم حسین، بلوچستان

سوال: کیا زندگی میں انسان ایک بار ہی پیار کیا کرتا ہے؟

جواب: پیار کے بغیر تو زندگی ہی نامکمل ہے...... تو صرف ایک بار کیسے ہوسکتا ہے۔

☆ ضیا نور...... لیہ

سوال: اکثر گھرانوں میں بچے گھر سر پہ اٹھا لیتے ہیں واقعی؟

جواب: ہاں بچے تو بچے اکثر گھروں میں بڑے بھی نہ صرف گھر سر پر اٹھا لیتے ہیں بلکہ اپنا دل بھی ہتھیلی پر لیے پھرتے ہیں۔

مریم کاشف...... حیدر آباد

سوال: حکیم لقمان کہتے ہیں کہ انسان کے لیے بہترین دوا محبت اور عزت ہے اور اگر یہ اثر نہ کرے تو......؟

جواب: دوا کی مقدار بڑھا دو۔

☆ عرشیہ جنید...... کراچی

سوال: کراچی میں یہ بارش کیوں نہیں ہوا کرتی......؟

جواب: لوگوں کے گھر زیادہ ٹپکنے لگتے ہیں شاید

اس وجہ سے۔

☆ کوثر یاسمین ...... کراچی
سوال: میری بھابی ڈیپیٹر ہے...... جو ہمارے گھر آنے والی ہے...... کیا ہوگا؟
جواب: اچھا ہے...... گھر میں رونق رہے گی۔ مگر تم تو ایسا ڈر رہی ہو جیسے کوئی پولیس والی آرہی ہے۔

☆ رخسانہ ...... لطیف آباد
سوال: منگیتر...... اپنی سسرال میں آکر اتراتے کیوں ہیں؟
جواب: اپنی اماں اور بہنوں کو دکھانے کے لیے...... سمجھا کرو۔

☆ ماہ رخ ...... حیدر آباد
سوال: مہنگائی کے جن پر کیسے قابو پایا جاسکتا ہے؟
جواب: اپنی ضروریات کو بھی ضروری نہ سمجھا جائے۔

☆ ظل شاہین ...... رحیم یار خان
سوال: آپ کے نزدیک خوش رہنے کا بہترین ہنر؟
جواب: صرف اللہ کو خوش رکھنے کی سعی کریں۔ وہ راضی ہوگا تو سب راضی رہیں گے۔

☆ دیا آفرین ...... شاہدرہ
سوال: لڑکیاں شادی کے بعد تگنی کا ناچ کیوں نچانے لگتی ہیں؟
جواب: جب ناچنے والے خود تیار ہوتے ہیں تو وہ زیادہ قصوروار نہیں۔

☆ مس روا اقبال ...... اوکاڑہ
سوال: دل دھڑکنے کا سبب یاد آیا...... بھلا کیا؟
جواب: اب یہ دل تو ہر وقت ہی دھڑکتا ہے اور بے سبب تو کیا بتائیں بی بی۔

☆ انعم حیدر خاں ...... پاکپتن
سوال: محبت کے کھیل میں ریفری کون ہوتا ہے؟
جواب: جس کا پلڑا بھاری ہو، وہی۔

☆ نرگس نسیم ...... صابہ موہڑہ، چکوال
سوال: ارے واہ' یہ کیسے ہوسکتا ہے؟
جواب: ارے جی...... اب سب کچھ ہوسکتا ہے۔

☆ خدیجہ جمیل ...... لاہور
سوال: غموں کی دھوپ سے بچنے کے لیے کون سی چھتری استعمال کرنی چاہیے؟
جواب: امیدوں کی اور میٹھے خوابوں کی۔

☆ اُمِ ایمان قاضی ...... کوٹ چھٹہ
سوال: بیوی شادی کے پہلے سال جان اور بعد میں بلائے جان کیوں بن جاتی ہے؟
جواب: ہر ایک کے ساتھ یہ صورتِ حال نہیں ہوتی...... بعض تو جان کے بعد جانِ جاں ہوجاتی ہیں۔

☆ نازنین آفریدی ...... پشاور
سوال: آنٹی! میں ایسا کیا کروں کہ شاپنگ بھی ہوجائے اور پیسے بھی خرچ نہ ہوں کوئی طریقہ بتائیں؟
جواب: پھر تو دوسرے کے کندھے پر سر رکھ کر شاپنگ کی جائے اور وہ ماں، باپ، بھائی کے علاوہ صرف شوہر ہی ہوا کرتا ہے۔

پروین افضل شاہین ...... بہاول نگر
سوال: کوشش کے باوجود وہ چہرے خواب میں نظر کیوں نہیں آتے جنھیں ہم دیکھنا چاہتے ہیں؟
جواب: ان کا گھر دور جو ہے...... خواب میں جانے میں مشکل ہوتی ہوگی...... ارے بھئی جاگتی آنکھوں سے خواب دیکھا کرو۔

☆ سیما ممتاز عباسی ...... لاڑکانہ
سوال: ہوائی جہاز کے سفر کے دوران مسافروں کو بیلٹ کیوں باندھنے پڑتے ہیں؟
جواب: انہیں خطرہ ہوتا ہے کہ بہت سے مسافر جہاز میں کودتے پھریں گے۔

☆ فردوس شاہی ...... لاڑکانہ
سوال: آخر سب سسرالی رشتے 'س' سے ہی کیوں شروع ہوتے ہیں؟
جواب: یہ سب سکون دینے والی کیپسول جیسے جو ہوتے ہیں۔

☆☆☆



روحانی مشورے

ادارہ

گھروں میں اثرات

جب کبھی آپ اپنا مکان بدلیں یعنی جب بھی کسی اور جگہ شفٹ ہوں تو جانے سے پہلے وہاں قرآن پاک پڑھیں۔ چاروں قل، آیت الکرسی گیارہ، گیارہ بار پڑھ کر پانی پر دم کر کے وہ پانی گھر کے چاروں کونوں میں چھڑکیں۔ اکثر گھروں میں لوگوں کو ایسا لگتا ہے... جیسے کوئی چل رہا ہے، قدموں کی یہ چاپ رات کے سناٹے میں صاف سنائی بھی دیتی ہے۔ کبھی کبھی ایسا بھی لگتا ہے جیسے کوئی سفید سایہ تیزی سے گیا ہو یا کوئی صوفے پر بیٹھا ہے۔ ایسا زیادہ تر خوف کی وجہ سے بھی محسوس ہوتا ہے اور بعض مرتبہ حقیقت میں بھی ہوتا ہے۔

اگر آپ کو ایسا لگتا ہے کہ آپ کے گھر میں کچھ ایسے اثرات حقیقت میں ہیں تو آپ صبح و رات کے وقت یعنی دونوں ٹائم 101 مرتبہ سورۂ یونس کی آیت نمبر 81 تا 82 اول و آخر گیارہ، گیارہ مرتبہ درود شریف کے ساتھ پڑھ کر پانی پر دم کر کے گھر کے سارے افراد پئیں اور تھوڑا پانی گھر کے چاروں کونوں، ہر کمرے کے چار کونوں میں چھڑکیں اور پھونک دیں۔ گھر کے لوگ تین ماہ تک نمک کا استعمال کم کر دیں۔ ہفتے میں دو دن عصر و مغرب کے درمیان لوبان کی دھونی دیں اور حسب استطاعت صدقہ دیں۔ مہینے میں ایک بار چیل کوؤں کو گوشت بھی صدقہ کرنا چاہیے۔ اور روزانہ بے شک ایک صفحہ ہی سہی مگر سورۂ بقرہ روزانہ پڑھنی ہے۔ چاروں قل اور آیت الکرسی بھی سوتے وقت ضرور پڑھیں۔

کاروبار میں کامیابی

کتنی عجیب کی بات ہے مگر یہ حقیقت ہے۔ دو آمنے سامنے ایک جیسی دکانیں ہوں، ایک پر رش لگا ہو اور دوسرے پر کوئی گاہک بہ مشکل نظر آتا ہو۔ کسی کا کاروبار دن دگنی اور رات چوگنی ترقی کرتا نظر آتا ہے تو کسی کے کاروبار میں آئے دن نقصانات ہوتے رہتے ہیں یا منافع کم ہوتا ہے۔ اس کی بہت سی وجوہات ہو سکتی ہیں۔ آپ اپنی دکان، آفس یا کاروبار کا جو بھی حصہ ہے وہاں داخل ہوتے وقت بسم اللہ پڑھ کر سورۂ اخلاص پڑھنا اپنا معمول بنا لیں۔ سلام میں پہل کریں۔ روزانہ صدقہ نکالیں۔ سائل جو آپ کے آگے ہاتھ پھیلائے اسے کبھی منع مت کریں، چاہے معمولی ریزگاری ہی دیں مگر منع نہ کریں۔ بھوکے کو کھانا کھلائیں، پرندوں کے لیے باجرہ اور پانی رکھیں۔ اس کے ساتھ، ساتھ عشا کی نماز کے بعد سو مرتبہ سورۂ بقرہ کی آیت نمبر 148 اول و آخر گیارہ، گیارہ مرتبہ درود شریف کے ساتھ پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے کاروبار میں ترقی اور وسائل میں فراوانی کے لیے دعا مانگیں۔ تین ماہ تک یہ عمل کریں۔ چلتے پھرتے، کام کرتے ہوئے، وضو بے وضو کثرت سے اسم الٰہی یَا فَتَّاحُ یَا رَزَّاقُ کا ورد کرتے رہا کریں۔

پورے دن میں بے شک ایک ہی تسبیح پڑھیں مگر سورۂ اخلاص کی ایک تسبیح پڑھنا اپنا معمول بنا لیں۔ سورۂ اخلاص کثرت سے پڑھنے والوں کے ہاں رزق کی فراوانی ہوتی ہے۔

اپنے آفس، کاروبار یا دکان کی جگہ پر کسی اونچے مقام پر سورۂ القارعہ لکھ کر یا فوٹو اسٹیٹ کروا کر پلاسٹک کوٹنگ چڑھا کر ضرور لٹکائیں۔

غیر ذمے دار مرد

اکثر گھرانوں میں خواتین فعال نظر آتی ہیں مگر ان کے ہاں کے مرد قطعی غیر ذمے داری کا رویہ اپنائے ہوئے ہوتے ہیں۔ نہ وہ نوکری کرتے ہیں اور نہ ہی گھر کی کوئی ذمے داری اٹھاتے ہیں۔ ان کا کام صرف گھر میں آنا،



کھانا کھانا اور سو جانا ہوتا ہے۔ اگر وہ بیٹے ہیں تو اسی روش کو اپنائے ہوئے ہیں۔ والدین انہیں سمجھا، سمجھا کر تھک جائیں مگر وہ ایک کان سے سنتے ہیں اور دوسرے سے اڑا دیتے ہیں اور بعض جگہ شوہر یہی روش اپنائے نظر آتے ہیں اگر وہ بادلِ ناخواستہ کہیں جاب کرتے بھی ہیں تو کسی نہ کسی وجہ سے جلد چھوڑ دیتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ بیوی کما کر انہیں کھلائے یا جہاں والدین نے ذمے داریاں اٹھا رکھی ہیں وہ سدا اٹھائے رکھیں اور وہ جس تن آسانی سے رہ رہے ہیں، رہتے رہیں۔ ایسے لوگ اگر خود اپنی حالت درست کرنا چاہتے ہیں تو انہیں چاہیے کہ وہ اپنی اس کوتاہی کو خود دور کرنے کی کوشش کریں۔ نماز کی باقاعدگی کریں، چلتے پھرتے وضو بے وضو کثرت سے یَاقَیُّوْمُ کا ورد کرتے رہیں اور اگر انہیں اپنے معاملات بہتر بنانے سے کوئی دلچسپی نہیں ہے تو بیوی اپنے شوہر کے لیے یا ماں اپنے بیٹے اور بہن اپنے بھائی کے لیے رات کو سونے سے پہلے اکتالیس مرتبہ سورۂ نمل کی آیت نمبر 19 گیارہ گیارہ مرتبہ درود ابراہیمی کے ساتھ پڑھ کر اپنے شوہر یا بیٹے کا تصور کر کے اس کی پیشانی اور سینے پر دم کر دیں اور دو نفل حاجت کے پڑھ کر سجدے میں سر رکھ کر دعا کریں کہ انہیں اپنی اصلاح اور ذمے داریوں کی درست طور پر ادائیگی کی توفیق ہو اور یہ عمل کم از کم چالیس روز جاری رکھیں۔

پاکی اور ناپاکی کا احساس

کوئی بھی بات جب حدود سے تجاوز کر جائے تو وہ مسئلہ بن جاتی ہے، اکثر لوگ اس مسئلے سے دوچار نظر آتے ہیں کہ وہ ہاتھ دھو رہے ہیں تو گھنٹوں دھوتے رہیں گے، نہا رہے ہیں تو نہاتے ہی رہیں گے۔ دورانِ غسل نلکے، ہینڈل، بالٹی، لوٹے کو بار، بار دھوتے رہیں گے۔ اگر وہ صاف ستھرے کپڑے پہن لیں تو انہیں یہ خدشات بھی جلد لاحق ہو جاتے ہیں کہ کپڑوں پر کچھ گندگی لگ گئی ہے یا وہ ناپاک ہو گئے ہیں۔ تب ان کی طبیعت اور مزاج میں ایسی بے چینی نظر آتی ہے کہ دیکھنے والے کو بھی گھبراہٹ ہو جائے۔

ایسے تمام لوگوں کو ان کے اہلِ خانہ (یا اگر وہ خود کر سکیں تو وہ بھی کر سکتے ہیں) صبح شام اکیس، اکیس مرتبہ سورۂ نور (24) کی آیت نمبر 21 گیارہ گیارہ مرتبہ درود ابراہیمی پڑھ کر شہد پر دم کر دیں اور صبح شام ایک، ایک چائے کا چمچہ پلائیں۔ رات عشا کی نماز کے بعد سات مرتبہ سورۂ فاتحہ، سات مرتبہ آیت الکرسی سات، سات مرتبہ چاروں قل اول و آخر 41 مرتبہ درود ابراہیمی پڑھ کر ایسے افراد پر دم کیا جائے۔ عمل کی مدت چھ ماہ ہے، تین ماہ بعد فرق محسوس ہونا شروع ہو جائے گا۔

طبیعت میں اعتدال اور مستقل مزاجی

جو لوگ دوسرے لوگوں سے بہت زیادہ متاثر ہو جاتے ہیں اور اپنے آپ کو ان سے کم سمجھتے ہیں۔ وہ زیادہ تر خوابوں کی دنیا میں رہنا پسند کرتے ہیں۔ وہ باتوں ہی باتوں میں بڑی، بڑی پلاننگ کرتے رہتے ہیں۔ میں لندن جاؤں گا، وہاں چار پانچ لاکھ مہینے کے کماؤں گا، دو لاکھ گھر بھیج دیا کروں گا، ڈھائی لاکھ کی بچت ہوگی۔ پچاس ہزار میں اپنا خرچہ چلا لوں گا، میرا گھر خراب ہے، جلد سعودی عرب جاؤں گا تو ایک اچھا سا گھر خرید کر والدین کو دوں گا۔ ایک دو گھر بہن بھائیوں کے لیے بھی بنواؤں گا...... والدین کو حج مجھے ہی کروانا ہے۔ دیگر لوگوں کی حالت بھی مجھے ہی بہتر بنانی ہے۔ ایسے لوگ چوبیس میں سے بیس گھنٹے سونے میں گزارتے ہیں۔ ان کے لیے ایک روحانی عمل ہے۔ ان کے کمرے میں سورۂ رحمٰن کی کیسٹ لگا دیں کہ ہر وقت ان کے دماغ میں سورۂ رحمٰن کی آواز جاتی رہے۔ گھر کا کوئی بھی فرد صبح شام اول و آخر درود ابراہیمی کے ساتھ سورۂ فاتحہ، چاروں قل، آیت الکرسی گیارہ، گیارہ مرتبہ پڑھ کر ان پر دم کرے اور دم کیا ہوا پانی ان کو پینے کے لیے بھی دیں۔ ان کے کمرے میں نیلے رنگ کا استعمال بڑھا دیں۔ کھانے میں نمک کم کر دیں۔ اگر ایسے افراد کو شوگر نہ ہو تو صبح شام ایک، ایک چمچ شہد بھی کھلائیں۔ عمل کی مدت تین ماہ ہے۔

☆☆☆



شوابے ہومیو کلینک





اس بات کی ضرورت کافی عرصے سے محسوس کرائی جارہی تھی کہ کسی مستند ادارے کے تحت ماہر تجربہ کار ہومیو پیتھک ڈاکٹروں کا بورڈ ہو جو لوگوں کی صحت کے مسائل کو اپنی ماہرانہ رائے اور تجربے کی روشنی میں نہ صرف حل کرے بلکہ ان کی رہنمائی بھی کرے۔ لہٰذا اس سلسلے کے تحت ہماری کوشش ہوگی کہ ہم آپ کو مختلف امراض کے متعلق آگاہی بھی فراہم کریں اور آپ کے جو صحت کے مسائل ہوں اس کو بورڈ کے ماہر و تجربہ کار ڈاکٹرز کے ذریعے حل کرائیں تاکہ آپ کا معیارِ صحت بلند ہو لہٰذا آپ کے جو بھی صحت کے مسائل ہیں انہیں ہمیں اس پتے پر لکھ بھیجیں، ڈاکٹر حامد جنرل ہومیو پرائیویٹ لمیٹڈ آرام باغ روڈ کراچی 74200۔ ہم ماہنامہ پاکیزہ کے ذریعے آپ کی بیماری کے متعلق آپ کی رہنمائی کریں گے لیکن اس کے لیے اپنا مکمل نام، عمر، پتا اور جو کام کرتے ہیں اس کے متعلق، ازدواجی حیثیت، بیماری کے متعلق، کب سے ہوئی، کیا علاج کیا؟ کسی قسم کی کوئی رپورٹس ہوں تو اس کی فوٹو کاپی جو پڑھنے کے قابل ہوں ساتھ بھیجیں تاکہ صحیح تشخیص کی جاسکے اور دوا بھی صحیح تجویز ہو۔ (اپنے علاقے میں دوا نہ ملنے کی صورت میں ہم سے رجوع کریں)

ناک کا گوشت

عامر نواز......کھاریاں

مسئلہ نمبر ا۔ تقریباً دس سال کی عمر میں میری ناک میں بائیں جانب غدود ہوگیا تھا۔ جیسے جیسے بڑا ہوتا گیا میرے سر میں درد رہنے لگا۔ دوسرا مسئلہ تقریباً چار سال سے گرمیوں میں میرے پورے منہ میں چھالے ہوجاتے ہیں اور شدید درد ہوتا ہے۔ دوائی کھاتا رہوں تو ٹھیک رہتے ہیں۔ دوائی چھوڑ دوں تو پھر چھالے بن جاتے ہیں۔ تین چار سال سے سینے میں بھی درد رہتا ہے۔ E.C.G. کرائی تو ڈاکٹر نے کہا کہ گیس کا درد ہے۔ ٹھیک ہوجائے گا۔ 24 گھنٹے ہلکا ہلکا درد رہتا ہے۔ سر درد کے لیے پیناڈول ایکسٹرا کی گولی کھاؤں تو کچھ دیر کے لیے آرام ہوجاتا ہے۔ جب تیز ہوا چلتی ہے تو سانس بھی رک جاتی ہے۔ عرصہ تقریباً دو تین سال سے دائیں ٹانگ میں گھٹنے سے لے کر پیر کے اوپر تک درد ہوتا ہے۔ درد سردیوں میں 24 گھنٹے رہتا ہے۔ گرمیوں میں کم ہوتا ہے۔

جواب۔ شادی کرلیں، نفسیاتی ہوتے جارہے ہیں۔ نزلے کا مسئلہ ہے، ٹھنڈی، کھٹی چیزیں، شربت، کولڈ ڈرنکس وغیرہ سے بچیں۔ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی دو گولیاں دن میں تین مرتبہ چبا کر کھائیں

ٹوکن

برائے شوابے ہومیو کلینک

اگست 2016ء

اپنا مسئلہ اس ٹوکن کے ساتھ روانہ کریں۔ ٹوکن کے بغیر آئے ہوئے مسئلوں پر توجہ نہیں دی جائے گی۔ اپنا مسئلہ جس مہینے بھیجیں اسی مہینے کا ٹوکن استعمال کریں۔

نام: ____________

پتا: ____________

____

Cinnabaris Pantarkan Ptk-31، دس قطرے آدھے کپ سادہ پانی میں دن میں تین مرتبہ لیں Spigelia Pantarkan- Ptk-81 ۔ ایک ماہ بعد دوبارہ حال بتائیں۔

نسوانی حسن اور لیکوریا

رقیہ.....لاہور

میرا پہلا مسئلہ یہ ہے کہ مجھے پانچ چھ سالوں سے لیکوریا کی شکایت ہے۔اس مرض سے چھٹکارا دلانے میں میری مدد کیجیے۔ ساری عمر دعائیں دوں گی۔نسوانی حسن کی بھی کمی ہے۔پچھلے کچھ عرصے میں میرا وزن بے حد بڑھ گیا ہے۔

جواب۔ آپ Serum Prolactin, Insulin, Thyroid Profile چیک کرا کر رپورٹ بھیجیں۔ان تمام چیزوں سے بچیں جو ذہنی انتشار کا باعث بنیں۔ Iodium 30, Natr-Mur 30, Borax 30 کے 7,7 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر دن میں 3 مرتبہ استعمال کریں۔

بڑی عمر کے مسائل

رضیہ نیازی......لیہ

ڈھیر ساری دعاؤں کے بعد عرض ہے کہ 36 سال ہو گئے ہیں میرے جوڑوں میں درد رہتا ہے جس کی وجہ سے آہستہ آہستہ میرے ہاتھوں کی انگلیاں ٹیڑھی ہونے لگ گئی ہیں۔اب تو مکمل ہاتھ ٹیڑھے ہو گئے ہیں۔ہاتھوں سے میں کوئی کام بھی نہیں کر سکتی۔ بوڑھی ہو گئی ہوں مگر کتابیں پڑھنے کا ابھی بھی بہت شوق ہے۔ بچپن سے رسالے پڑھنے کا شوق ہے۔میری نظر بھی کمزور ہے۔ ایک آنکھ کا آپریشن کروایا ہے دوسری آنکھ کا ابھی کرانا ہے۔سالوں سے یہ حالت ہے کہ کچھ دور تک چلتی تھی تو تھک جاتی تھی، کسی اونچی جگہ پر بیٹھ جاتی تھی، نیچے بھی نہیں بیٹھ سکتی کہ گھٹنے ٹیڑھے نہیں کر سکتی تھی پھر آہستہ، آہستہ یہ ہونے لگا کہ نچلے دھڑ نے کام کرنا چھوڑ دیا۔

جواب۔ اللہ آپ کو صحت دے، آپ ڈاکٹر دلمار



شوابے جرمنی کی Rhus toxicodendron Ptk-73 کے 15 قطرے ہر 3 گھنٹے بعد لیں، Kali. ،Calc.Carb-30 Phos-30 کے 7,7 قطرے دن میں چار مرتبہ لیں، تین ماہ بعد طبیعت سے دوبارہ مطلع کریں۔

گرمی کا حملہ/لو لگنا

Sun/Heat Stroke

ہمارے جسم کا ایک مخصوص درجہ حرارت ہے جو نارمل ہوتا ہے (98.6 F) جب ہم کوئی ورزش کرتے ہیں یا کوئی محنت کا کام کرتے ہیں تب بھی جسم کا درجہ حرارت بڑھ جاتا ہے۔ہمارے دماغ کے ایک حصے میں ایک ہیٹ سنسر ہوتا ہے۔تاکہ جب یہ درجہ حرارت نارمل سے بڑھے تو جسم کے پسینے کے غدودوں کو فوراً یہ پیغام دے کہ پسینا خارج کرو تاکہ جسم نارمل درجہ حرارت پر آ جائے۔ کیونکہ اگر ایسا نہیں ہو گا تو اس کا اثر ہمارے اعصابی نظام پر پڑے گا اور یہ صحیح طور پر کام نہیں کرے گا۔ چکر آئیں گے اور پھر گر کر بے ہوش ہو سکتے ہیں۔یہ بھی ذہن میں رکھیں کہ جب ہمارے جسم سے پسینا نکلتا ہے تو ساتھ جسم کے نمکیات سوڈیم، پوٹاشیم بھی نکلتے ہیں۔

جب ماحول کا درجہ حرارت 35 ڈگری سینٹی گریڈ سے اوپر جانے لگے تو اسٹروک چانس بڑھ جاتا ہے۔ جو گرمی کی شدت میں صبح 10 بجے سے شام 4 بجے تک کے درمیان زیادہ ہو سکتا ہے۔

ہیٹ اسٹروک سے کیسے بچیں؟

ا۔شدید گرمی میں نکلنے سے بچیں جو ناممکن ہے لہٰذا

۲۔سر اور جسم ہلکے کپڑوں سے ڈھکا ہو تاکہ دھوپ کی تپش براہ راست اثر نہ کرے اور جسم گرم بھی نہ ہو۔ چھتری، ٹوپی وغیرہ کا استعمال کریں۔

۳۔ اسکول، آفس، گھر سے نکلتے ہوئے ہلکا ٹھنڈا



پانی، جتنا آرام کے ساتھ پی سکتے ہیں پئیں (کم از کم ایک گلاس) کیونکہ دوران سفر گرمی کی شدت کی وجہ سے پسینا آئے گا۔ پہلے سے پیا ہوا پانی، پانی کی کمی کو دور کرے گا۔

۴۔ پانی ساتھ لے کر چلیں اور وقفہ وقفہ سے تھوڑا تھوڑا پیتے رہیں تاکہ پانی کی کمی نہ ہو۔

۵۔ گیلا تولیا لے کر چلیں تاکہ سر ٹھنڈا رہے۔

۶۔ لال پیلے اور کولڈ ڈرنکس خصوصاً کولا سے بچیں۔ یہ پانی کا نعم البدل نہیں بلکہ جسم کے اندر بہت ساری خرابیوں کا باعث بنتے ہیں۔

۷۔ ستو افضل سنت اور حقیقی ٹھنڈک اور انرجی ڈرنک جبکہ لسی بہترین اور فالسے، کیری آم، تربوز، بیل گیری، اناس کا استعمال بڑھائیں اور انہی کے اصل گھریلو شربت بنا کر استعمال کریں۔ یہی ہر لحاظ سے ہم سب کے لیے فائدہ مند ہیں۔

۸۔ گرمی کے اوقات میں چائے اور کافی سے بھی دور رہیں، ہاں قہوہ استعمال کر سکتے ہیں۔

۹۔ مرغن کھانوں کے بجائے سادہ شوربے والے سالن، چپاتی، روٹی کے ساتھ کھائیں، ہاضمہ بہتر کرے گا۔ بھنڈی، توری، ٹنڈا، گھیا، لوکی، کدو، موسم کے حساب سے طاقتور اور زود ہضم سبزیاں ہیں۔

۱۰۔ گرمی سے یکدم ٹھنڈے کمرے یا پنکھے میں نہ آئیں اس طرح ٹھنڈے کمرے سے یکدم گرمی میں نہ جائیں۔

۱۱۔ نہا کر فوراً گھر سے باہر نہ نکلیں اور نہ ہی پنکھے یا اے سی میں آئیں۔

۱۲۔ گرمی سے آ کر فوراً پانی نہ پئیں۔

پوائنٹ نمبر ۹، ۱۰، ۱۱ اور ۱۲ پڑھ کر آپ کے ذہن میں آئے گا کیوں؟

یاد رکھیں ہمارا جسم یکدم نہ گرم ہوتا ہے اور نہ یکدم ٹھنڈا، لہٰذا ٹمپریچر کی اچانک تبدیلی سے ہمارے خون کی شریانیں سکڑ اور پھیل سکتی ہیں جو ہمارے دل پر اثر انداز ہوں گی، بلڈ پریشر بڑھ بھی سکتا ہے اور گر بھی سکتا ہے اسی طرح اچانک جسم میں درد، بخار، نزلہ زکام، فالج اور حرکتِ قلب بھی بند ہو سکتی ہے۔

۱۳۔ چولہے کے پاس جانے سے پہلے پانی پئیں معمولی ٹھنڈا اور اس دوران بھی گرم پانی یا قہوہ کا استعمال کریں۔

۱۴۔ سحر و افطار میں لیمو پانی، نمکین لسی کا استعمال زیادہ کریں (شوگر اور بلڈ پریشر کے مریض ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق استعمال کریں)

۱۵۔ لوڈ شیڈنگ کے دوران جسم کو ٹھنڈا رکھنے کے لیے گیلا تولیا اور جسم پر پانی کا چھڑکاؤ کریں، ہاتھ کے پنکھے سے ہوا جھلیں۔

۱۶۔ بچے بوڑھے، بیمار (امراضِ قلب، بلڈ پریشر، جگر، ذیابیطس، سانس کی تکلیف)، خواتین، کھلاڑی، مزدور اس کے زیادہ شکار ہوتے ہیں۔ لہٰذا احتیاط کریں۔

سن اسٹروک کیا ہے؟

جب ہم مندرجہ بالا ہدایات پر عمل نہیں کر پاتے تو ماحولیاتی درجہ حرارت کے آگے ہمارا جسمانی نظام ہیٹ کنٹرول کرنے میں ناکام ہو جاتا ہے۔ اس طرح سے ہم سن / ہیٹ اسٹروک کا شکار ہو جاتے ہیں۔ جسے گرمی یا لو لگنا بھی کہتے ہیں۔

علامات

۱۔ جسم کا درجہ حرارت بڑھ جائے گا (106 فارن ہائیٹ تک پہنچ جاتا ہے۔)

۲۔ جلد گرم اور خشک ہوگی۔

۳۔ منہ خشک ہوگا۔

۴۔ الٹی، متلی ہوگی۔

۵۔ سر درد اور چکر بھی ہو سکتے ہیں۔

۶۔ کمزوری اور پٹھوں میں کھنچاؤ اور انتہائی حالت میں جھٹکے۔

۷۔ بلڈ پریشر کا بڑھنا / کم ہونا۔

۸۔ نبض تیز۔

۹۔ سانس میں کھنچاؤ۔

۱۰۔ مدہوش یا پھر بے ہوش یا کوما۔
۱۰۔ آنکھوں کی پتلیاں پھیلی ہوئی اور مناسب ٹریٹمنٹ یا علاج نہ ہونے کی صورت میں پھیل جاتی ہیں۔

ابتدائی طبی امداد

۱۔ مریض کو فوراً سایہ دار ٹھنڈی جگہ یا ہو سکے تو ائرکنڈیشنڈ روم میں رکھیں۔
۲۔ مریض کو پینے کے لیے ٹھنڈا پانی دیں۔ ORS دیں یا لیمو پانی نمک ملا کر دیں۔ جب تک حالت بہتر محسوس نہ کرے۔
۳۔ کپڑے اتار دیں۔
۴۔ مریض کے پیر اوپر کر کے لٹائیں۔
۵۔ ٹھنڈے پانی سے نہلا دیں، شاور کریں یا بے حال مریض کو ٹھنڈے پانی سے اسپنج کریں۔
۶۔ بے ہوشی کی صورت میں فوراً کسی ماہر ہومیو پیتھس، ڈاکٹر کے پاس یا اسپتال لے جائیں۔

ہومیو پیتھک علاج

Homeopathic Treatment

گرمی، حدت کا حملہ، لو لگنا، ہیٹ اسٹروک یا سن اسٹروک یہ ایک ہی حالت کے مختلف نام ہیں۔ ہومیو پیتھی میں اس کے علاج کی بڑی بہترین فوری اثر کرنے والی ادویات ہیں جو اگر ماہر ڈاکٹر کے مشورے اور نگرانی میں استعمال کی جائیں تو اکثر مریض چند گھنٹوں یا ایک دو دن میں بھلے چنگے ہو جاتے ہیں۔ جو یہ ہیں۔

Acon, Amyl Nit, Antim. crud, Ars, Bell, Bry, China, Colocynth, Cup.Met, Lachesis, Nat.Carb, Sel.

خاندانی منصوبہ بندی کی خطرناک ادویات

رابعہ حسین............کھوڑ شہر

سوال:۔ میں پاکیزہ کی مستقل قاری ہوں اور



ہومیو کلینک بہت شوق سے پڑھتی ہوں۔ ڈاکٹر صاحب میں اپنا مسئلہ لے کر آئی ہوں۔ میں شادی شدہ ہوں۔ میری شادی کو 16 سال ہو گئے ہیں۔ میرے دو بیٹے ہیں اور میری عمر 32 سال ہے۔ وزن 78kg ہے۔ میں وقفے کے لیے خاندانی منصوبہ بندی کی دوائیں استعمال کرتی ہوں مگر وہ مجھے سوٹ نہیں کرتیں۔ تقریباً 8 سال سے میں یہ دوائیں استعمال کر رہی ہوں۔ ہمیں اور بچوں کی خواہش نہیں ہے۔ پہلے انجکشن استعمال کیے مگر ان سے ایام بند ہو گئے۔ پھر گولیاں استعمال کرنے لگی مگر ان سے میری ٹانگوں اور بازوؤں کے جوڑوں میں درد رہنے لگا اور ساتھ ہی وزن بھی بڑھنے لگا تو تین ماہ پہلے میں نے بند کر دیں۔ پھر میں نے مقامی ہومیو ڈاکٹر سے دوا لی۔ مجھے یہ دوا لیتے تین ماہ ہو گئے ہیں مگر مجھے کوئی افاقہ نہیں یعنی مکمل طور پر ایام بند ہیں۔ مجھے اپنا وزن بھی بڑھا ہوا لگ رہا ہے۔ اس لیے میں نے اب یہ دوا بھی بند کر دی ہے۔ پلیز خاندانی منصوبہ بندی کے لیے کوئی ایسی دوا بتائیں جس سے وزن بھی نہ بڑھے اور ایام بھی ٹھیک ٹائم پر ہوں۔

میرا مسئلہ ایک یہ بھی ہے کہ میری کمر، بازوؤں اور پیٹھ پر دانے نکلتے ہیں۔ تقریباً چار سال پہلے زیادہ ہوتے تھے پھر میں نے اسکن کے ڈاکٹر کو دکھایا تو اس نے کہا کہ یہ نارمل دانے ہیں ویسے ہی ہو جاتے ہیں اور وقت کے ساتھ ساتھ خود ہی ختم ہو جاتے ہیں۔ ڈاکٹر نے مجھے کیپسول اور ایکنی کریم اور ایکنی سوپ دیا تھا جس سے مجھے بہت آرام ملا۔ تمام جسم صاف ہونے کے بعد بھی کبھی دانے نکل آتے تھے اس لیے میں ایکنی سوپ ہی استعمال کرتی ہوں مگر اس سوپ سے سردیوں میں جلد بہت خشک ہو جاتی ہے۔ اگر کبھی میں کوئی اور صابن یا کوئی لوشن استعمال کروں تو پھر دانے نکلنا شروع ہو جاتے ہیں۔ اگر ناشتے میں تلی ہوئی چیز یا پراٹھا وغیرہ کھانا شروع کروں تو معدے میں جلن کے ساتھ کچھ دنوں میں دانے نکلنا شروع ہو جاتے ہیں۔ اب تقریباً ایک ماہ سے پھر نکل

رہے ہیں۔ میں ایکنی کریم اور سوپ استعمال کررہی ہوں۔ یہ دانے بھی کیل کی طرح ہوتے ہیں اوران کا منہ کالا ہوتا ہے۔ بعض دانے سرخ رنگ کے ہوتے ہیں اور ان میں پیپ ہوتی ہے۔ کبھی پیپ اور کیل والے بڑے دانے بنتے ہیں جن میں درد ہوتا ہے۔ میرے معدے میں گیس بہت بنتی ہے، جلن ہوتی ہے۔ اگر روٹین کے خلاف کوئی چیز کھالوں تو معدے میں درد ہوجاتا ہے۔ پھر میں خود الٹی کر کے معدہ خالی کردیتی ہوں تو درد کم ہوکر دوسرے دن تک ختم ہوجاتا ہے۔ زیادہ تلی ہوئی اور گرم چیزیں یا کھٹی چیز نہیں کھاسکتی اگر کھالوں تو معدے میں جلن کے ساتھ درد ہوجاتا ہے۔ میں صبح ناشتا کرتی ہوں اور دن کو کچھ نہیں کھاتی۔ شام کو دودھ پی لیتی ہوں اور رات کو روٹی سالن۔ اس سے معدہ کچھ بہتر رہتا ہے۔ میرے لیے کوئی اچھی دوائیں تجویز کریں جن سے ان مسئلوں سے میری جان چھوٹ جائے تا زندگی دعائیں دوں گی۔

جواب:۔ رابعہ بی بی، خاندانی منصوبہ بندی کی ادویات پورے جسم پر بہت زیادہ خطرناک اثرات مرتب کرتی ہیں۔ لہٰذا ان کو ہرگز استعمال نہ کریں۔

تمام دوائیں چھوڑ دیں۔ وزن کو کم کریں۔ غذا کو سادہ بنائیں۔ وقفے وقفے سے تھوڑا کھائیے۔ کھانے کے ساتھ اور کھانے کے فوراً بعد پانی کا استعمال نہ کریں۔ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی مندرجہ ذیل ادویات استعمال کریں۔ Pulsatilla 30, Calc Sul 30۔ ایک ماہ بعد کیفیت سے آگاہ کریں۔

گیس، مٹاپا اور قبض

نوشین ۔۔۔۔۔۔۔۔ کراچی

سوال:۔ 2003 میں میرا یوٹرس نکال دیا گیا۔ اس کے بعد مجھے تقریباً چھ سال بعد بواسیر کی شکایت ہوگئی اور رفع حاجت والی جگہ بالکل بند ہوجاتی ہے۔ مسلسل گیس، مٹاپا اور قبض کی شکایت ہوگئی ہے۔ پیٹ اتنا زیادہ بڑھ گیا ہے کہ بیٹھنے میں سینے سے لگتا ہے۔ ہر وقت ڈکاریں آتی رہتی ہیں سوتے میں بے تحاشا خراٹے آتے ہیں جس سے سب کو پریشانی ہوتی ہے۔ ڈاکٹروں کو بھی دکھایا، بہت دوائیں استعمال کیں مگر کوئی فائدہ نہ ہوا۔ سر کے بال بھی بہت تیزی سے گر رہے ہیں۔ بلڈ پریشر ہائی رہتا ہے، سستی رہتی ہے۔ ٹانگوں میں بھی بہت تکلیف ہے۔ اس کے علاوہ کوئی ایسی دوا بتائیں جس سے میری پان تمباکو کی عادت بھی ختم ہوجائے۔ اگر نہ کھاؤں تو سر میں درد ہوجاتا ہے۔ مجھے پرہیز اور علاج ضرور بتائیں۔

جواب: یوٹرس کیوں نکالا اس کی تفصیل نہیں لکھی۔ مرغن غذاؤں سے، تیز نمک و مرچ مصالحے سے پرہیز کریں۔ ورزش کیا کریں (چہل قدمی سے شروع کریں) پھل، سبزیاں زیادہ کھائیں۔ کھانا آہستہ آہستہ چبا کر کھائیں۔ کھانے کے ساتھ اور کھانے کے فوراً بعد پانی نہ پئیں۔ پانی نہار منہ اور کھانے سے پہلے پئیں اور کھانے کے ڈھائی گھنٹے بعد پئیں۔ دو ماہ تک مندرجہ ذیل ادویات ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی استعمال کریں۔ ہفتہ میں ایک بار Calc Carb 200 ایک خوراک پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں۔ Glonine 30, Aesculus 30 کے 5,5 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین مرتبہ لیں۔ Phytolacca e baccis Q کے 10 قطرے آدھا گلاس پانی میں دن میں تین مرتبہ لیں۔

رہے ہیں۔میں ایکنی کریم اور سوپ استعمال کر رہی ہوں۔یہ دانے بھی کیل کی طرح ہوتے ہیں اور ان کا منہ کالا ہوتا ہے۔بعض دانے سرخ رنگ کے ہوتے ہیں اور ان میں پیپ ہوتی ہے۔کبھی پیپ اور کیل والے بڑے دانے بنتے ہیں جن میں درد ہوتا ہے۔میرے معدے میں گیس بہت بنتی ہے،جلن ہوتی ہے۔اگر روٹین کے خلاف کوئی چیز کھالوں تو معدے میں درد ہوجاتا ہے۔پھر میں خود الٹی کر کے معدہ خالی کر دیتی ہوں تو درد کم ہو کر دوسرے دن تک ختم ہوجاتا ہے۔زیادہ تلی ہوئی اور گرم چیزیں یا کھٹی چیز نہیں کھاسکتی اگر کھالوں تو معدے میں جلن کے ساتھ درد ہوجاتا ہے۔میں صبح ناشتا کرتی ہوں اور دن کو کچھ نہیں کھاتی۔شام کو دودھ پی لیتی ہوں اور رات کو روٹی سالن۔اس سے معدہ کچھ بہتر رہتا ہے۔میرے لیے کوئی اچھی دوائیں تجویز کریں جن سے ان مسئلوں سے میری جان چھوٹ جائے تا زندگی دعائیں دوں گی۔

جواب:۔رابعہ بی بی، خاندانی منصوبہ بندی کی ادویات پورے جسم پر بہت زیادہ خطرناک اثرات مرتب کرتی ہیں۔لہٰذا ان کو ہرگز استعمال نہ کریں۔

تمام دوائیں چھوڑ دیں۔وزن کو کم کریں۔غذا کو سادہ بنائیں۔وقفے وقفے سے تھوڑا کھائیے۔کھانے کے ساتھ اور کھانے کے فوراً بعد پانی کا استعمال نہ کریں۔ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی مندرجہ ذیل ادویات استعمال کریں۔Pulsatilla 30, Calc Sul 30۔ایک ماہ بعد کیفیت سے آگاہ کریں۔

گیس،مٹاپا اور قبض

نوشین.........کراچی

سوال:۔ 2003 میں میرا یوٹرس نکال دیا گیا۔اس کے بعد مجھے تقریباً چھ سال بعد بواسیر کی شکایت ہوگئی اور رفع حاجت والی جگہ بالکل بند ہوجاتی ہے۔مسلسل گیس،مٹاپا اور قبض کی شکایت ہوگئی ہے۔پیٹ اتنا زیادہ بڑھ گیا ہے کہ بیٹھنے میں سینے سے لگتا ہے۔ہر وقت ڈکاریں آتی رہتی ہیں سوتے میں بے تحاشا خراٹے آتے ہیں جس سے سب کو پریشانی ہوتی ہے۔ڈاکٹروں کو بھی دکھایا،بہت دوائیں استعمال کیں مگر کوئی فائدہ نہ ہوا۔سر کے بال بھی بہت تیزی سے گر رہے ہیں۔بلڈ پریشر ہائی رہتا ہے،سستی رہتی ہے۔ٹانگوں میں بھی بہت تکلیف ہے۔اس کے علاوہ کوئی ایسی دوا بتائیں جس سے میری پان تمباکو کی عادت بھی ختم ہوجائے۔اگر نہ کھاؤں تو سر میں درد ہوجاتا ہے۔مجھے پرہیز اور علاج ضرور بتائیں۔

جواب:یوٹرس کیوں نکالا اس کی تفصیل نہیں لکھی۔مرغن غذاؤں سے،تیز نمک و مرچ مصالحے سے پرہیز کریں۔ورزش کیا کریں(چہل قدمی سے شروع کریں)پھل،سبزیاں زیادہ کھائیں۔کھانا آہستہ آہستہ چبا کر کھائیں۔کھانے کے ساتھ اور کھانے کے فوراً بعد پانی نہ پئیں۔پانی نہار منہ اور کھانے سے پہلے پئیں اور کھانے کے ڈھائی گھنٹے بعد پئیں۔دو ماہ تک مندرجہ ذیل ادویات ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی استعمال کریں۔ہفتہ میں ایک بار Calc Carb 200 ایک خوراک پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں۔Glonine 30, Aesculus 30 کے 5,5 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین مرتبہ لیں۔Phytolacca e baccis Q کے 10 قطرے آدھا گلاس پانی میں دن میں تین مرتبہ لیں۔